مقالاتِ نورپوری

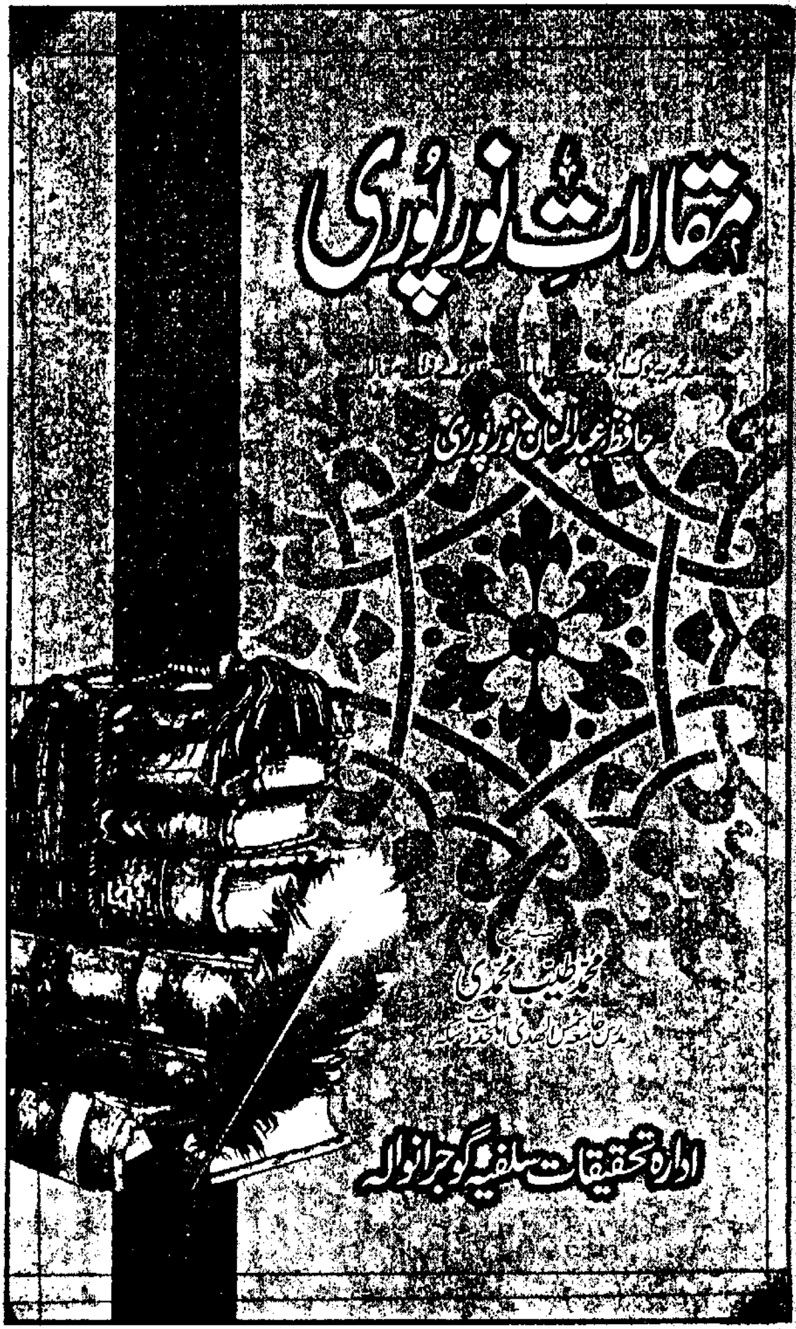
جامعہ محمد چوک اہلحدیث میں ماہانہ منعقد ہونے والے مقالات کا مجموعہ

حافظ عبدالمنان نورپوری رحمۃ اللہ علیہ



ترتیب و تخریج

محمد طیب محمدی


مقالاتِ نورپوری
حافظ عبدالمنان نورپوری
محمد طیب محمدی
ادارہ تحقیقات سلفیہ گوجرانوالہ

نام کتاب

مقالاتِ نورپوری

دروس

حافظ عبدالمنان نورپوری رحمہ اللہ

ترتیب

محمد طیب محمدی

مدرس جامعہ شمس الہدیٰ ڈسکہ

تعداد .... گیارہ سو

تاریخ اشاعت: ....

ناشر .... ادارہ تحقیقات سلفیہ گلی بابا کرم دین شیر روڈ گوجرانوالہ

قیمت ....

فہرست مضامین

آئمۃ اربعہ رحمہم اللہ تبارک وتعالیٰ

مسائل قربانی

داڑھی

تعداد رکعات

قرآن وسنت کی تعلیم پر اجرت لینا جائز ہے

ضعیف روایات

قسطوں کی بیع

خِطبہ (منگنی)

نکاح میں ولی کی حیثیت

کیا ولی کے بغیر نکاح ہو جائے گا یا نہیں ہو گا؟

شادی

ازدواجی زندگی

عقیقہ

حجیت حدیث

((......۞۞۞......))

ابتدائیہ

حافظ عبدالمنان حفظہ اللہ ہر ماہ کسی بھی جمعہ کو عصر کی نماز کے بعد کسی بھی اہم موضوع پر جامعہ محمدیہ چوک اہل حدیث میں درس ارشاد فرماتے ہیں۔ جو خالصتاً کتاب و سنت کے دلائل پر مشتمل ہوتا ہے۔ میں نے جب حافظ صاحب کے یہ دروس سنے تو دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ اتنے اہم دروس کو احاطۂ تحریر میں ضرور لانا چاہیے تاکہ حافظ صاحب کے بیانات محفوظ ہو جائیں اور اس سے علما ، مدرسین ، طالب علم مستفید ہو سکیں۔ تقریر کو تحریر کی صورت میں دینا بھی بڑا محنت طلب مرحلہ ہے۔ لیکن اللہ کی توفیق سے یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا ہے۔ ان مقالات کو تحریر کرنے کے بعد حافظ صاحب نے نظر ثانی بھی کی ہے جو کہ ہمارے لیے حافظ صاحب کی شفقت تھی اور مقالات کے لیے صفت کمال کی سند تھی۔

مقالات کے دعوی کی ہر دلیل کو تخریج سے مزین کر دیا گیا ہے جو کہ ریسرچ سنٹرز کے لیے ایک گوہر بے بہا ثابت ہو گا۔

یہ مقالات خطباء کو خطبوں کے لیے علماء کو دروس کے لیے علمی مواد مہیا کریں گے۔

ادارہ تحقیقات سلفیہ نے مقالات کو پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ہے جس سے اسلاف کے سرمایہ کی حفاظت کا عزم کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ادارہ کے لواحقین کی سعی کو شرف قبولیت بخشے اور شیطان کے ہر حیلے سے محفوظ رکھے۔

محمد طیب محمدی
ادارہ تحقیقات سلفیہ
گلی ماہنا گجر آبادی محبوب عالم
نوشہرہ روڈ ، گوجرانوالہ

خطبہ مسنونہ

إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَ مَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَ أَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ:

﴿ يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ ءَامَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَ لَا تَمُوْتُنَّ إِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ ❶

﴿ يَآاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَ نِسَآءً وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا﴾ ❷

﴿ يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ ءَامَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝ يُصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا﴾ ❸

أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ وَ خَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ وَ شَرَّ الْأُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَ كُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَ كُلَّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ ❹

---

❶ آل عمران:۳/۱۰۲۔ ❷ النساء:۴/۱۔ ❸ الاحزاب:۳۳/۷۰،۷۱

❹ صحیح مسلم، کتاب الجمعة، باب خطبته ﷺ فی الجمعة:۶/۱۵۳۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

«اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا ' مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَ مَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ» [ﷺ] اما بعد......:

ایمان کی حقیقت

انسان کی زندگی کے واسطے غذا ،لباس ،مکان، علاج معالجہ یہ چیزیں بہت ضروری ہیں۔لیکن ایمان ان سے بھی زیادہ اہم ہے۔

ایمان کیوں زیادہ اہم ہے؟

مادی چیزوں سے انسان کی دنیا والی زندگی بہتر بنتی ہے۔ایمان سے دنیا اور آخرت والی دونوں زندگیاں بہتر بن جاتی ہیں۔اور اصل زندگی آخرت کی ہی زندگی ہے۔اللہ تعالی فرماتے ہیں:

﴿ وَ مَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴾ [1]

”حیاۃ دنیا صرف لہو ولعب ہے۔اور آخرت والا گھر ہی اصل میں زندگی ہے۔“

"اِنَّ" کا لفظ اللہ تعالی نے بولا ہے پھر" لام مفتوحہ" تاکید کا پھر ھی ضمیر فصل ذکر کی ہے۔اہل علم بخوبی جانتے ہیں کہ اس جملے میں کتنی تاکید اور کتنا حصر پیدا ہو گیا ہے مطلب یہ ہے کہ یقیناً ثم یقیناً زندگی آخرت ہی کی زندگی ہے۔دوسرے لفظوں میں یہ سمجھو کہ حیاۃ دنیا آخرت کے مقابلے میں کوئی چیز ہی نہیں۔اصل زندگی اللہ تعالی نے اخروی زندگی کو قرار دیا ہے۔اخروی زندگی انسان کی ایمان سے بنتی

[1] سورۃ عنکبوت آیت ٦٤۔

ہے۔دنیا کا مال ومتاع دنیا کی چیزیں جتنی چاہے اکٹھی کر لے اقتدار اور عہدے ڈگریاں جتنی مرضی بنالے ان سے دنیا ہی بنتی ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ بھی نہ بنے۔ان چیزوں سے آخرت تو نہیں بنتی۔

قارون وفرعون کے پاس کتنا اقتدار تھا۔لیکن ایمان کی دولت سے محروم تھے اخروی زندگی نہیں بنی۔دنیا میں بھی لعنتیں ان پر پھینکیں جارہی ہیں۔

﴿ وَأُتْبِعُوا فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ ﴾ [1]

''دنیا پر لعنت مسلط ہوگئی آخرت میں بھی لعنت۔''

کیونکہ ایمان اور اعمال صالحہ ان کے پاس نہیں تھے۔آخرت کی زندگی وہ ایمان اور اعمال صالحہ سے بنتی ہے۔انسان میں ایمان ہوگا تو پھر دوسرے اعمال کی کچھ قدرو قیمت ہوگی۔اگر ایمان موجود نہیں تو پھر جتنی بڑی سے بڑی نیکی کرے اللہ تعالی کے پاس اس کی کوئی وقعت نہیں۔

ایمان انسان کی جان سے بھی زیادہ اہم چیز ہے:

جتنی یہ چیز اہم ہے اتنا ہی اس کو کم اہم سمجھا جاتا ہے۔بہت سارے لوگ اس سے ناواقف ہیں اور ایمان کی حقیقت سے ناواقفیت کی ہی وجہ ہے کہ ایمان کا دعوی کرنے والوں میں بھی بہت ساری خرابیاں پائی جاتی ہیں حالانکہ ایمان اس چیز کا تقاضا کرتا ہے کہ جن میں ایمان ہے ان میں یہ خرابیاں نہ ہوں۔

دنیا میں فسادات کے اسباب:

مختلف لوگوں نے مختلف افکار پیش کیے لیکن حقیقت یہ ہے فساد کا اہم سبب اور سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ لوگ ایمان سے بے گانے ہو چکے ہیں۔ایمان کو سمجھتے ہی نہیں اگر سمجھتے ہیں تو اس کے تقاضے پورے نہیں کرتے۔ہر آدمی جو ایمان کا نام لیتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ میں مؤمن ہوں۔اس میں علماء کرام اور تاجران عظام اور

---

[1] سورۃ ھود آیت: ٦٠۔

برسراقتدار لوگ افسران زندگی کے ہر شعبے کے لوگ آتے ہیں۔

ہر مرد اور ہر عورت اگر ایمان کے تقاضے پورے کرے۔گھر بازار میں، کارخانے میں، عام معاملات میں، رشتے داروں سے، حکمران رعیت سے، رعیت حکمرانوں سے، ہر کوئی ایمان کے تقاضے پورے کرتا ہے تو پھر دیکھنا کیسا سکون اور آرام لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔سبب یہی ہے کہ ایمان کو سمجھتے نہیں اگر سمجھتے ہیں تو اس کے تقاضے پورے نہیں کرتے نتیجہ اس کا بے چینی ہوتا ہے (اس لئے ''ایمان'' کے موضوع کا انتخاب کیا گیا ہے) تاکہ لوگ اس کی حقیقت کو سمجھیں اور اپنی اصلاح کریں۔اور جو ایمان سے دور ہوتے جا رہے ہیں وہ سمجھیں کہ ہمارا ایمان اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ ہم یہ خرابی کریں۔

ایمان کا لغوی معنی:

عربی میں ایمان کا لفظ امن سے ماخوذ ہے :"آمن یؤمن ایمانا مؤمن" ہمزہ میم اور نون۔ان تین الفاظ سے یہ کلمہ بنتا ہے۔اور امن مشہور ومعروف لفظ ہے سب لوگ اس کے معنی کو جانتے ہیں۔خوف ،خطر ،خدشہ کے مقابلے میں یہ لفظ بولا جاتا ہے۔

جس میں ایمان آجائے اس کی اپنی ذات کو بھی امن حاصل ہو جاتا ہے:

اللہ تعالی قرآن مجید میں فرماتے ہیں :

﴿ اَلَّذِیْنَ آمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَھُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِکَ لَھُمُ الْاَمْنُ وَھُمْ مُّھْتَدُوْنَ ﴾[1]

''جو لوگ ایمان لے آئے اور پھر انہوں نے اپنے ایمان کو ظلم اور شرک سے خلط ملط نہیں کیا یہ لوگ ہیں ان کے لئے امن ہے اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں''

دنیا میں ایمان والوں کو امن کیسے حاصل ہوتا ہے۔نبی کریم ﷺ کا فرمان

---

[1] سورۃ انعام آیت:۸۲۔

ہے کہ ایمان والے کا خون، مال اور عزت وآبرو محفوظ ہیں۔

صحیح بخاری میں ہے۔رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

«أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوْا أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ فَإِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ فَقَدْ عَصَمُوْا مِنِّيْ دِمَائَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّ الْإِسْلَامِ وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ۔» [1]

فرمایا: مجھے حکم دیا گیا ہے غور فرمایئے: نبی کریم ﷺ کے فرمان پر مجھے حکم دیا گیا ہے:«أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ»

پتہ چلا کہ رسول اللہ ﷺ کے اوپر کوئی ہستی اور ذات گرامی ہے جس کا حکم رسول اللہ ﷺ پر چلتا ہے اور نبی کریم ﷺ اس ہستی اور ذات گرامی کے مبعوث ہیں اس کے حکم کے پابند ہیں وہ ہستی اور ذات گرامی اللہ تعالی ہے۔قرآن مجید میں حکم ہے:

﴿ فَإِذَا انسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدتُّمُوهُمْ وَخُذُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ فَإِن تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴾ [2]

"جب پابندی والے مہینے گزر جائیں تو اہل کفر اور اہل شرک کو قتل کرو جہاں بھی وہ تمہیں ملیں۔اور ان کا محاصرہ کرو۔اور ان کو پکڑو گرفتار کرو۔اور کمین گاہوں میں ان کے لئے بیٹھو اگر وہ کفر اور شرک سے تائب ہو جائیں اور نماز کے پابند ہو جائیں اور زکوۃ ادا کرنے لگ جائیں تو ان کا راستہ خالی کردو"

نبی کریم ﷺ کا فرمان مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ان سے قتال کروں حتی

---

[1] صحیح بخاری کتاب الایمان باب ﴿فان تابوا واقاموا الصلوة وآتوا الزکوة﴾ حدیث:۲۵۔

[2] سورۃ توبہ آیت:۵۔

کہ وہ لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ کی گواہی دیں اور نماز قائم کریں۔ اور زکوۃ ادا کریں، پھر ان سے قتال، جہاد، لڑائی نہیں کرنی ۔ جب یہ کلمہ پڑھ لیں گے، نماز قائم کریں گے زکوۃ ادا کریں گے۔ ان کا مال، عزت و آبرو، خون محفوظ ہو گا، ان کو کوئی خطرہ نہیں ہو گا۔ امن اور سکون حاصل ہو جائے گا مسلم حکومت سے مامون اور محفوظ ہو جائیں گے اگر تین کام نہیں کرتے دوسرے لفظوں میں ایمان اور اسلام نہیں آتا۔ پھر یہ گردن زدنی ہیں نہ ان کا خون محفوظ نہ مال نہ عزت و آبرو۔ اگر کوئی مسلم و مؤمن ہے دائرہ اسلام میں رہتے ہوئے اس سے کوئی جرم سرزد ہو گیا ہے جس کی سزا قتل ہے پھر اس کو قتل کی سزا ملے گی وحسابھم علی اللہ ''اور ان کا حساب اللہ تعالی کے ذمے ہے۔''

گزارش یہ کر رہا تھا کہ آدمی ایمان والا بن جائے تو اس کو امن حاصل ہوتا ہے عزت و آبرو مال و جان اس کی محفوظ ہو جاتی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک خطاب میں فرمایا:

« فَإِنَّ دِمَاءَ كُمْ وَأَمْوَالَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِي شَهْرِكُمْ هٰذَا فِي بَلَدِكُمْ هٰذَا إِلَى يَوْمِ تَلْقَوْنَ رَبَّكُمْ۔» [1]

''یاد رکھو! تمہارے مال تمہارے خون تمہاری عزتیں محفوظ ہیں۔ ایک دوسرے پر حرام ہیں کوئی دست درازی نہیں کر سکتا''

''کُمْ کُمْ'' لفظ نبی کریم ﷺ استعمال فرما رہے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے ایمان والوں کو مخاطب کیا ہے۔ ایمان کی وجہ سے امن و سکون اس کو حاصل ہو جاتا ہے دنیا میں تو اس کی اپنی ذات کو امن حاصل ہو گیا۔ اور آخرت میں ایمان والا یا تو بغیر حساب کے جنت میں چلا جائے گا پھر بھی اس کو امن حاصل ہو گیا۔ حساب ہو کر جنت میں چلا جائے گا پھر بھی امن حاصل ہو گیا۔ جنت ہے ہی دار الامن، دار

[1] صحیح بخاری کتاب الحج باب الخطبة أيام منى حديث: ۱۷۳۹۔

الاطمینان والسکون۔ حساب ہو کر کچھ عرصہ جہنم دوزخ میں چلا جائے گا۔ ایمان چونکہ اس میں موجود ہے اس کو نکال لیا جائے گا اور وہ جنت میں پہنچ جائے گا۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اللہ تعالی فرمائیں گے:

«أَخْرِجُوا مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ مِّنْ إِيْمَانٍ۔» ❶

''جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہے اس کو جہنم دوزخ سے نکال دو''

دوسری حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

« يُخْرَجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَكَانَ فِي قَلْبِهِ مِنَ الْخَيْرِ مَا يَزِنُ شَعِيْرَةً۔» ❷

پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« يُخْرَجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَكَانَ فِي قَلْبِهِ مِنَ الْخَيْرِ مَا يَزِنُ بُرَّةً۔» ❸

پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

« يُخْرَجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَكَانَ فِيْ قَلْبِهِ مِنَ الْخَيْرِ مَا يَزِنُ ذَرَّةً۔» ❹

بعض اس کو منقال ذُرة من ایمان ذال کے ضمہ اور راء کی تخفیف سے پڑھتے ہیں مقصد یہ ہے۔کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

''جس نے لا الٰہ الا اللہ پڑھ لیا اور اس کے دل میں جو کے دانے کے برابر ایمان ہوا جہنم ،دوزخ سے اس کو نکال دیا جائے گا۔جس نے لا الٰہ الا اللہ

---

❶ صحیح بخاری کتاب الایمان باب تفاضل أهل الایمان في الأعمال حدیث ۲۲۔

❷ صحیح بخاری کتاب التوحید باب قول الله تعالی ﴿لما خلقت بیدی﴾ حدیث: ۷۴۱۰۔

❸ صحیح بخاری کتاب التوحید باب قول الله تعالی ﴿لما خلقت بیدی﴾ حدیث: ۷۴۱۰۔

❹ صحیح بخاری کتاب التوحید باب قول الله تعالی ﴿لما خلقت بیدی﴾ حدیث: ۷۴۱۰۔

پڑھ لیا اس کے دل میں گندم کے دانے کے برابر ایمان ہوا اس کو جہنم ودوزخ سے نکال دیا جائے گا۔جس نے لا الہ الا اللہ پڑھ لیا اس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوا اس کو جہنم سے نکال دیا جائے گا''

تو امن حاصل ہوگیا۔یا تو اللہ کے عذاب سے بالکلیہ امان بغیر حساب وعذاب کے جنت میں چلا جائے گا۔امن حاصل ہوگیا۔اگر چلا بھی گیا تو نکال لیا جائے گا۔''خلود فی النار'' جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے سے اس کو سکون حاصل ہو گیا۔اگر ایمان اس میں بالکل نہیں کفر اور شرک ہے۔تو ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا نکالا نہیں جائے گا۔

اللہ تعالی نے قرآن مجید میں فرمایا ہے:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾ ❶

''جن لوگوں میں ایمان نہیں کفر ہے ان کے لئے اتنا متاع ہو اتنی چیزیں ہوں جتنی روئے زمین پر ہیں اتنی اور ہوں اور وہ قیامت کے دن بطور فدیہ پیش کریں وہ ان سے قبول نہیں کیا جائے گا۔ مادی فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا۔''

دوسرے مقام میں اللہ تعالی نے جانی فدیے کی بات کی ہے۔کہ وہ بھی ان سے قبول نہیں کیا جائے گا۔

﴿ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍ بِبَنِيْهِ ۝ وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِ ۝ وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُؤْوِيْهِ ۝ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ يُنْجِيْهِ ۝ كَلَّا اِنَّهَا لَظٰى ۝ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ۝ ﴾ ❷

''مجرم کافر یہ چاہے گا پسند کرے گا کہ جانی فدیہ دے دے اپنے سب

❶ سورۃ مائدہ آیت:۳۶۔

❷ سورۃ معارج آیت:۱۱۔۔۔۔۱۶۔

رشتے دار، بیوی، بچے، خاندان، کنبہ، قبیلہ، برادری بلکہ جتنے انسان ہیں سب فدیے میں پیش کر دے اور اس کو رہائی مل جائے۔ فرمایا "کَلَّا" "رہائی نہیں ملے گی"

﴿ يُرِيدُونَ أَنْ يَخْرُجُوا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنْهَا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُقِيمٌ ﴾ ❶

"ارادہ کریں گے جہنم سے نکلنے کا لیکن وہ نکل نہیں سکیں گے۔ ان کے لئے دائمی عذاب ہے"

ایمان سے انسان کو دنیا میں بھی امن حاصل ہوا۔ اور آخرت میں بھی مخلد فی النار ہونے سے اس کو امن اور سکون حاصل ہوگا۔ یہ تو اس کی ذات سے متعلقہ بات تھی۔

ایمان والوں سے دوسروں کو بھی امن حاصل ہو جاتا ہے:

ترمذی شریف میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ۔» ❷

"مسلم وہ ہوتا ہے۔ جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان سلامت رہیں"

« وَالْمُؤْمِنُ مَنْ أَمِنَهُ النَّاسُ عَلٰى دِمَاءِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ۔» ❸

"مومن ایمان والا وہ ہوتا ہے جس سے دوسرے لوگ امن میں رہیں ان کے خون بھی اور ان کے مال بھی امن میں ہوں"

---

❶ سورۃ مائدہ آیت: ۳۷۔

❷ صحیح بخاری کتاب الایمان باب المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ حدیث: ۱۰۔ جامع ترمذی کتاب الایمان باب ما جاء فی ان المسلم من سلم المسلمون حدیث: ۳٦٤۷۔

❸ جامع ترمذی کتاب الایمان عن رسول اللہ باب ما جاء فی أن المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ حدیث: ۳٦۲۷۔

مومن لوگوں کے خونوں پر ہاتھ صاف نہیں کرتا۔لوگوں کے مالوں پر ہاتھ صاف نہیں کرتا۔رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں :

«وَالْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَا نَهَى اللّٰهُ عَنْهُ» ❶

’’مہاجر ہجرت کرنے والا وہ ہے جو اللہ کی منع کردہ چیزوں کو ترک کر دے۔یہ مہاجر ہے۔‘‘

وطن چھوڑ آیا ہے مگر جن چیزوں سے اللہ نے منع کیا ہے وہ چھوڑتا نہیں تو کیا وطن اس نے دین کی خاطر چھوڑا ؟دین کی خاطر اگر اس نے وطن چھوڑا ہوتا۔تو حرام چیزوں کا ارتکاب کرتا؟جس کی دین اجازت نہیں دیتا۔رسول اللہ ﷺ نے نچوڑ اور خلاصہ نکال دیا ہے:

« والمهاجر من هجر ما نهى الله عنه »

’’مہاجر وہ ہے جو اللہ کی منع کردہ چیزوں کو چھوڑ دے‘‘

جہاد امن قائم کرنے کے لئے ہے:

سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ لوگوں کے مال محفوظ ہو جاتے ہیں۔ایمان والوں سے جانیں محفوظ ہو جاتی ہیں۔پھر جہاد والا مسئلہ کدھر گیا۔

غور کرو!جہاد بھی امن قائم کرنے کے لئے ہے فساد برپا کرنے کے لئے نہیں۔اللہ تعالی فرماتے ہیں :

﴿حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ﴾ ❷

’’لڑو ،جہاد کرو،قتال کرو کیوں ؟اس لئے کہ فتنہ ختم ہو جائے۔جہاد فتنہ کو ختم کرنے کے لئے ہے‘‘

سب سے بڑا فتنہ کفر اور شرک ہے۔اس کے خاتمے کے لئے جہاد ہے۔یہ نہ

❶ صحیح بخاری کتاب الایمان باب المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ حدیث:۱۰

❷ سورۃ أنفال آیت:۳۹۔

سمجھ لینا کہ جہاد فتنہ برپا کرنے کے لئے ہے۔یہ تو فتنہ ختم کرنے کے لئے ہے۔اس سے امن حاصل ہو گا۔جہاد ہو گا لوگ مسلمان ہوں گے۔ان کو امن حاصل ہو جائے گا۔دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور جہاد کرنے والوں کو بھی ثواب اور امن وسکون حاصل ہو جائے گا۔یہ بھی امن قائم کرنے کے لئے ہی ہے۔دنیاوی حکومتیں جو مادہ پرست ہیں ان میں یہ قانون چلتا ہے کہ جو ان کا باغی ہو وہ اس کو تہہ تیغ کر دیتے ہیں۔دنیا دار لوگ ہیں۔دین نام کی کوئی چیز ان میں نہیں۔انسانی حکومت، اللہ کی مخلوق، اس کا باغی تو اس قابل نہیں کہ صفحہ ہستی پر دندنائے۔اللہ تعالی جو ساری کائنات کا خالق و مالک ہے جو اس کا باغی ہے اس کو کیسے حق مل گیا کہ وہ صفحہ ہستی پر دندنائے۔یہ تو بطریق اولی اس قابل ہے کہ اس کو اگلے جہان میں پہنچایا جائے۔

غور فرماؤ......! جہاد امن اور سکون قائم کرنے کے لئے ہے۔بہرحال یہ بات ضمناً آگئی عرض یہ کر رہا تھا کہ مومن ایمان والے سے دوسروں کو بھی امن وسکون حاصل ہو جاتا ہے۔

مسند احمد میں حدیث ہے۔رسول اللہ ﷺ نے قسم اٹھا کر فرمایا:

« لا یؤمن» ''وہ ایمان والا نہیں''پھر قسم اٹھائی وہ ایمان والا نہیں۔پھر تیسری بار قسم اٹھائی کہ وہ ایمان والا نہیں۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

« مَنْ لَا یَأْمَنُ جَارُہٗ بَوَائِقَہٗ۔» [1]

''جس کے ہمسائے اس کی اذیتوں سے امن میں نہ رہیں۔جس کے ہمسائے اس کی تکلیفوں سے امن میں نہیں وہ ایمان والا نہیں''

پتہ چلا کہ ایمان والے سے دوسرے لوگوں کو امن حاصل ہوتا ہے۔ہمسائے کو بھی اور لوگوں کو بھی۔یہ تو ایمان کی تھوڑی سی لغوی تشریح تھی۔

---

[1] مسند أحمد عن أبي هريرة حديث: ٧٨٦٥

ایمان کی شرعی حقیقت اور لغوی معنی سے ربط اور مناسبت:

دین اسلام میں ایمان کی حقیقت کیا ہے؟

اہل علم کی بہت سی تحقیقات ہیں۔ کسی نے کوئی تحقیق پیش کی اور کسی نے کوئی۔

۱۔ ایک تحقیق یہ پیش کی گئی ہے کہ دل میں یقین ہو جائے۔ دل سے تصدیق کر لے کہ رسول اللہ ﷺ جو کچھ اللہ کی طرف سے لے کر آئے ہیں وہ برحق ہے۔

دل سے بس تصدیق کر لے تو وہ ایمان والا بن جاتا ہے۔ عند اللہ ایمان والا بن جاتا ہے۔ چنانچہ اس قسم کے جو لوگ ہیں۔ ان کا عقیدہ حافظ بدر الدین عینیؒ نے عمدۃ القاری شرح بخاری میں نقل فرمایا ہے:

« مَنْ صَدَّقَ الرَّسُوْلَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ فِي جَمِيعِ مَا جَآءَ بِهِ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ تَعَالٰى »

"جو انسان دل سے تصدیق کر لے کہ جو کچھ رسول اللہ ﷺ اللہ کی طرف سے لے کر آئے ہیں وہ سب کا سب حق ہے اس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔"

«فَهُوَ مُؤْمِنٌ فِيمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ اللّٰهِ تَعَالٰى »

"وہ ایمان والا ہے عند اللہ ایمان والا ہے"

« وَإِنْ لَّمْ يَقُرَّ بِلِسَانِهِ »

"خواہ زبان سے اقرار بھی نہ کرے" عند اللہ وہ ایمان والا بن جاتا ہے۔

صرف دل میں یقین کر لینے سے آدمی مومن نہیں بن جاتا:

کتاب وسنت کی روشنی میں اگر غور کیا جائے تو یہ نظریہ صحیح نہیں۔ کیونکہ قرآن مجید میں ہے اہل کتاب کے اندر یقین اور علم موجود تھا۔ چنانچہ فرمایا:

﴿ وَالَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْلَمُونَ أَنَّهُ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ ﴾ ❶

"جن کو ہم نے کتاب عطا فرمائی ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ قرآن مجید رب تعالی

❶ سورة أنعام آیت: ۱۱۴۔

کی طرف سے نازل شدہ برحق ہے“

قرآن مجید میں رسالت اور نبوت کا بھی ذکر ہے آخرت کا بھی ذکر ہے، فرشتوں کا بھی ذکر ہے، کتابوں کا بھی ذکر ہے، اسلام کی موٹی موٹی چیزوں کا ذکر ہے۔اہل کتاب کو قرآن مجید کے متعلق یقین ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ اور برحق ہے۔یہ اہل کتاب کو یقین ہونے کی قرآن مجید گواہی دے رہا ہے۔

- تو کیا اہل کتاب ایمان والے بن گئے ہیں؟
- یہودی مومن ہوتا ہے؟..........نہیں!
- نصرانی مومن ہوتا ہے؟..........نہیں!

یقین تو ہے ان میں قرآن مجید گواہی دے رہا ہے۔

اور سنو! اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اَلَّذِيْنَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُوْنَهُ كَمَا يَعْرِفُوْنَ أَبْنَاءَ هُمْ ﴾[1]

”وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب عطا فرمائی ہے وہ نبی کریم ﷺ، دین اسلام کو اس طرح جانتے ہیں جس طرح وہ اپنے بیٹوں کو جانتے پہچانتے ہیں“

اپنے بیٹے کے متعلق یقین ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر اس کو یقین نہ ہو تو گھر کا نظام درہم برہم ہو کر رہ جائے۔اس کو یقین ہوتا ہے کہ وہ میرا بیٹا ہے۔جس طرح ان کو یقین تھا کہ یہ ہمارے بیٹے ہیں رسول اللہ ﷺ اور دین اسلام کے متعلق بھی ان کو اتنا ہی یقین تھا۔کتنا پختہ یقین ہے ان کو۔لیکن اس کے باوجود وہ یہودی ہی رہے نصرانی ہی رہے۔مومن تو نہیں بنے۔

تفسیر بیضاوی میں لکھا ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک دن عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ آپ پہلے یہودی رہ چکے ہیں بعد میں اسلام لائے ہو۔جب آپ یہودی تھے تو کیا واقعی رسول اللہ ﷺ کو اپنے بیٹوں کی طرح جانتے پہچانتے تھے۔عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

---

[1] سورۃ بقرۃ آیت:١٤٦۔

ہاں اسلام سے پہلے بھی میں رسول اللہ ﷺ کو اسی طرح جانتا تھا جیسے میں اپنے بیٹوں کو جانتا پہچانتا ہوں۔یقین تھا مجھے۔ساتھ یہ بھی کہہ دیا کہ بیٹوں سے زیادہ۔اتنا بیٹے کے متعلق یقین نہیں تھا جتنا رسول اللہ ﷺ کے متعلق یقین تھا۔عمر رضی اللہ عنہ نے کہا یہ کیسے؟ عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میاں صاحب کو کیا علم کہ بیوی نے لاعلمی میں خیانت کر لی ہو۔ہر وقت تو آدمی گھر پر رہتا نہیں۔سفر پر جا رہا ہے، کاروبار پر جا رہا ہے اس کی عدم موجودگی میں اس کی بیوی نے کوئی خیانت کر لی ہو۔لیکن حضور نبی کریم ﷺ کے متعلق ہمیں اتنا بھی شبہ نہیں تھا۔ ❶

کتنا پختہ یقین ہے؟ تو کیا اس یقین پر وہ مسلمان بن گئے؟ ان کے یقین کی گواہی قرآن مجید دے رہا ہے۔اس لئے یہ جو عقیدہ اور نظریہ ہے کہ دل میں یقین بنا لو بس آپ ایمان والے ہیں زبان سے اقرار کرو یا نہ کرو، عمل کرو یا نہ کرو یہ خیال خام ہے اور کتاب وسنت اس کا ساتھ نہیں دیتے۔اگر یہ بات درست ہوتی تو وہ کافر نہ بنتے۔یقین تو ان کے اندر موجود تھا۔

صرف زبان کے اقرار کرنے سے آدمی مومن نہیں بنتا:

۲۔ دوسرا نظریہ یہ چلتا ہے کہ جو زبان سے کلمہ پڑھ لے، اقرار کر لے وہ ایمان والا ہے۔اس کے دل کی کیفیت کیسی ہو، عملی حالت اس کی کیسی ہو، بس وہ کلمہ پڑھ لے "أَشْهَدُ أَنْ لَّاإِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ" بس وہ ایمان والا ہے۔قرآن اور سنت کی روشنی میں اس پر غور کرو۔یہ بات بھی صحیح نہیں۔نبی کریم ﷺ کے زمانے میں ایسے لوگ موجود تھے جو زبانی کلامی کلمہ پڑھتے تھے۔

﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ آمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَاهُمْ

❶ تفسیر بیضاوی۔

بِمُؤْمِنِيْنَ﴾ ❶

”کچھ لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں ہمارا اللہ تعالیٰ پر ایمان ہے اور آخرت پر ایمان ہے۔حالانکہ وہ ایمان والے نہیں“

﴿اِذَا جَآءَ كَ الْمُنَافِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ﴾ ❷

”یہ تمہارے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے پیغمبر اور رسول ہیں۔اللہ جانتا ہے کہ واقعی آپ اللہ کے رسول ہیں۔لیکن اہل نفاق ضرور بالضرور جھوٹ بولنے والے ہیں“

یہ زبانی کلامی تو کہتے ہیں آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔لیکن اندر سے آپ کو اللہ کا پیغمبر نہیں سمجھتے۔جھوٹ بول رہے ہیں۔اگر زبانی کلامی کلمہ پڑھنے سے بندہ مومن بن جائے تو پھر یہ عبد اللہ بن ابی ابن سلول کی جو پارٹی ہے یہ جماعت پھر ایمان والی بنے گی؟ جبکہ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں:﴿وماهم بمؤمنين﴾ ”یہ ایمان والے نہیں ہیں۔“

پتہ چلا کہ زبانی کلامی کلمہ پڑھ لینے سے آدمی ایمان والا نہیں بن جاتا جس طرح دل میں صرف تصدیق کر لینے سے ایمان والا نہیں بنتا۔عبد اللہ بن ابی ابن سلول اور اس کے ساتھی کلمہ سے آگے بھی کام کر لیتے تھے۔نماز پڑھ لیتے تھے اگرچہ سستی سے پڑھتے تھے۔

﴿اِذَا قَامُوْا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى يُرَآءُوْنَ النَّاسَ﴾ ❸

”جب نماز کی طرف کھڑے ہوتے ہیں تو سستی سے کھڑے ہوتے ہیں۔اور لوگوں کو دکھاتے ہیں“

---

❶ سورۃ بقرۃ آیت:۸۔

❷ سورۃ منافقون آیت:۱۔

❸ سورۃ نساء آیت:۱۴۲۔

ایماندار بننے کے لئے صرف دل کا یقین اور زبان کا اقرار کافی نہیں:

۳۔ تیسرا نظریہ یہ چلتا ہے کہ دل میں تصدیق ہو اور زبان کے ساتھ کلمہ پڑھ لے اور اقرار کر لے۔ دونوں چیزیں کسی میں جمع ہو جائیں تو ایمان والا بن جاتا ہے مگر یہ بات بھی کتاب وسنت کی رو سے درست نہیں۔

ترمذی شریف میں حدیث ہے کہ یہودی نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور کہا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ نے فرمایا: کہ پھر میرے اوپر ایمان کیوں نہیں لاتے۔ مطلب یہ تھا کہ میرا اتباع کرو؟ [1]

کیا سمجھے ہو کہ یقین بھی ہو دل میں، زبان سے اقرار بھی ہو اور عملی طور پر رسول ﷺ کا متبع بنے۔ اتباع کرے گا پھر ایمان والا بنے گا۔ جتنی دیر تک اتباع عملی طور پر انسان کے اندر نہیں آتا وہ جتنا چاہے یقین پیدا کرتا رہے، اقرار زبانی کلامی کرتا رہے اتباع جب تک رسول اللہ ﷺ کا نہیں کرے گا ایمان والا نہیں بنے گا۔

اللہ تعالی نے قرآن مجید میں فرمایا:

﴿ قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ ﴾ [2]

''کہہ دو اللہ کی اطاعت کرو، رسول کی اطاعت کرو اگر انھوں نے اعراض کر لیا، منہ موڑ لیا تو یاد رکھو اللہ تعالی کفر کرنے والوں سے محبت نہیں رکھتا''

آیت کے الفاظ پر غور فرماؤ: اللہ کی اطاعت کرو، رسول کی اطاعت کرو۔ اگر آپ نے منہ پھیر لیا۔ پھر آگے یہ ہونا چاہیے تھا کہ اللہ آپ سے محبت نہیں کرے گا۔ یا اس طرح کہ جو تولی اختیار کرنے والے ہیں اعراض کرنے والے ہیں اللہ ان سے محبت نہیں کرے گا لیکن اللہ نے متولین والا لفظ بھی نہیں بولا۔ اور ''کم'' والا لفظ بھی نہیں

[1] سنن ترمذی باب ما جاء فی قبلة الید والرجل حدیث: ۲۷۳۳۔

[2] سورة آل عمران آیت: ۳۲۔

بولا۔لفظ بولا ہے اللہ نے کافرین کفر کرنے والوں سے اللہ محبت نہیں کرتا۔

پتہ چلا کہ اللہ تعالی اور اس کے پیغمبر ﷺ کی فرمانبرداری سے عملی طور پر تو لی یہ کفر ہے۔عملی طور پر اس میں اطاعت اور فرمانبرداری آئے پھر وہ ایمان والا بنے گا۔ایک مقام پر فرمایا:

﴿ وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴾ ❶

۔ ''رسول اللہ ﷺ کا اتباع کرو تاکہ تم ہدایت یافتہ بنو''

پتہ چلا کہ اگر اتباع نہیں تو انسان ہدایت یافتہ نہیں۔ہدایت یافتہ نہیں تو پھر ایمان والا کیسے ہوا؟ایمان والا وہ ہوگا جو ہدایت یافتہ بنے گا۔

﴿ اَلَّذِ يْنَ آمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُوْلٰئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴾ ❷

''ایمان والوں کو اللہ نے فرمایا ہے۔وہی ہدایت یافتہ ہیں۔ان کے علاوہ دوسرے ہدایت یافتہ نہیں''

اب جو اتباع نہیں کرتا۔وہ ہدایت یافتہ تو نہ رہا۔فرمایا:

﴿ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلاً مُّبِيْنًا ﴾ ❸

''جو اللہ کی نافرمانی کرتا ہے۔اور رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کرتا ہے۔وہ کھلی ضلالت اور گمراہی میں ہے''

کفر اور ایمان کے درمیان خط امتیاز اطاعت اور فرمانبرداری کا التزام ہے:

کیا جو کھلی ضلالت اور گمراہی میں ہو۔یہ اب ہدایت یافتہ ہو سکتا ہے؟یہ تو ہدایت یافتہ نہیں بن سکتا۔ہدایت یافتہ ایمان سے بنتا ہے۔ایمان اطاعت اور اتباع سے آتا ہے۔صرف دل کا یقین اور دل سے محبت اور صرف زبان کا اقرار یا یہ دونوں

❶ سورة أعراف آیت:۱۵۸۔

❷ سورة أنعام آیت:۸۲۔

❸ سورة أحزاب آیت:۳۶۔

جمع بھی ہو جائیں یہ ایمان والا بننے کے لئے کافی نہیں جب تک عملی طور پر اس میں اتباع اور اطاعت نہ آئے۔ مولانا انور شاہ صاحب کشمیری حدیث کے بہت ماہر تھے۔ دارالعلوم دیوبند میں شیخ الحدیث تھے۔ بڑے عظیم محدث تھے۔ وہ فرماتے ہیں

"اِنَّ الْجُزْءَ الَّذِیْ یَمْتَازُ بِهِ الْاِیْمَانُ مِنَ الْکُفْرِ هُوَ الْتِزَامُ الطَّاعَةِ "

''وہ جزء اور حصہ جس کے ساتھ ایمان کفر سے ممتاز ہوتا ہے، کفر اور ایمان کے درمیان جس چیز سے خط امتیاز کھینچا جاتا ہے وہ اطاعت اور فرمانبرداری کا التزام ہے۔''

یہ التزام طاعت انسان کے اندر آجائے تو وہ ایمان والا بنتا ہے ورنہ ایمان والا نہیں بنتا۔ میرا خیال ہے بات آپ اچھی طرح سمجھ گئے ہوں گے کہ اکیلا یقین ایمان والا بننے کے لئے کافی نہیں۔ اکیلا زبان سے کلمہ پڑھ لینا بھی ایماندار بننے کے لئے کافی نہیں۔ جب تک ان دونوں چیزوں کے ساتھ التزام طاعت واتباع نہ مل جائے اتنی دیر تک ایمان والا نہیں بنے گا۔

اب قرآن مجید کی کچھ آیتیں پیش کی جاتی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والے سمجھائے ہیں۔

ایمان والے کون ہوتے ہیں؟

ایمان والے وہی ہوتے ہیں جن میں ایمان ہو۔ جب ایمان والوں کا پتہ چل گیا تو ایمان کا بھی پتہ چل جائے گا۔ کچھ حدیثیں بھی رسول اللہ ﷺ کی اختصار سے پیش کی جائیں گی انشاء اللہ تعالیٰ۔ پہلی آیت اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ ﴾

''نیکی یہ نہیں کہ آپ اپنے چہروں کو مشرق ومغرب کی طرف کر لیں۔ نیکی یہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ پر، آخرت والے دن پر، فرشتوں پر، کتاب پر اور انبیاء پر

ایمان لائے"

﴿ وَآتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتَامٰى وَالْمَسَاكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّائِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ﴾

"مال دے اس کی محبت پر قرابت داروں کو یتیموں کو مسکینوں کو مسافر کو اور سوال کرنے والوں کو اور غلاموں کو آزاد کرنے میں"

﴿ وَأَقَامَ الصَّلٰوةَ وَآتَى الزَّكٰوةَ﴾

"نماز کی پابندی کرے اور زکوۃ ادا کرے"

﴿ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوْا﴾

"جب کسی سے عہد کریں۔ عہد پورا کرنے والے"

﴿ وَالصَّابِرِيْنَ فِي الْبَأْسَآءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِيْنَ الْبَأْسِ﴾

"تنگی اور تکلیف کے عالم میں اور لڑائی اور جہاد کے موقع پر صبر کرنے والے۔"

﴿ أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ﴾ ❶

"یہ لوگ سچے ہیں یہ دعویٰ ایمان میں سچے ہیں۔ یہی لوگ متقی ہیں"

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیت میں تو بات نیکی کی ہوئی ہے۔ موضوع ایمان کا ہے یہ آیت ایمان پر کیسے لگی؟

مصنف عبد الرزاق میں ہے۔ ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا ایمان کے متعلق "عن الایمان" رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت فرمادی۔ ایمان کی بات ہوئی۔ ❷ کیونکہ ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سوال ایمان کے متعلق کر رہے ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت کریمہ پڑھ کر سنا دی۔ بات پھر ایمان کی ہوئی۔ ایمان کے بغیر تو نیکی ہوتی ہی نہیں۔

---

❶ سورة بقرة آيت: ١٧٧۔

❷ مصنف عبد الرزاق

پتہ چلا کہ یہ آیت ایمان کے متعلق ہے۔امام بخاری نے بھی اپنی صحیح میں باب منعقد فرمایا ہے "باب امور الایمان" ایمان کے امور میں۔ وہ چیزیں جو ایمان میں شامل ہیں۔وہ کونسی ہیں۔ترجمۃ الباب میں یہی آیت نقل فرمائی

﴿لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ﴾ ❶

دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾

"ایمان والے صرف وہ ہیں جو اللہ پر ایمان لے آئے۔اور رسول کریم ﷺ پر ایمان لے آئے ہیں۔"

﴿ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا﴾

"پھر شک وشبہ کے مرض میں مبتلا نہیں ہوئے"

﴿وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾

"اور اللہ کی راہ میں انہوں نے جہاد کیا اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ پر ایمان لائے ،رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائے۔شک وشبہ کے مرض میں مبتلا نہیں ہوئے۔اللہ کی راہ میں مال اور جان سے جہاد کیا"

فرمایا "یہ ہیں سچ بولنے والے" ﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ﴾ "انما" یہ کلمہ قصر ہے اہل علم جانتے ہیں کہ جس جملے میں یہ داخل ہو جائے اس میں جو چیز مذکور ہے اس کو ثابت کرے گا اور جو چیز مذکور نہیں غیر مذکور کی نفی کرے گا۔

اس کے دو حصے ہوتے ہیں۔ایک ایجاب والا ایک سلب والا۔ایک اثبات والا اور ایک نفی والا۔یہ چیزیں ایمان باللہ ،ایمان بالرسول ،عدم ارتیاب ،جہاد فی سبیل اللہ جن میں پائی جاتی ہیں یہ ایمان والے ہیں۔اور جن میں نہیں پائی جاتی وہ ایمان والے نہیں یہ کلمہ "انما" بتا رہا ہے۔پھر آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

❶ صحيح بخاری كتاب الايمان باب أمور الايمان

﴿أُولٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ﴾ ❶

''یہ لوگ سچے ہیں''

پتہ چلا کہ ایمان کا دعوی تو کر رہے ہیں لیکن اللہ کی راہ میں جہاد نہیں کر رہے پھر یہ سچے تو نہ ہوئے۔رسول اللہ ﷺ کا فرمان:

« مَنْ مَّاتَ وَلَمْ يَغْزُ وَلَمْ يُحَدِّثْ نَفْسَهُ بِالْغَزْوِ فَقَدْ مَاتَ عَلَى شُعْبَةٍ مِّنَ النِّفَاقِ۔» ❷

''رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں :ایک آدمی فوت ہوگیا۔پوری زندگی اس نے غزوہ نہیں کیا۔غزوہ اور ،جہاد کرنے کا کبھی اس کے دل میں خیال بھی نہیں آیا''

ایمان والے کے دل میں کسی وقت خیال تو آہی جاتا ہے۔گئے گزرے ایمان والا ہی ہو۔کسی وقت اس کی رگ پھڑک پڑتی ہے کہ دین کی خاطر میں بھی جان قربان کر ہی دوں۔اسی حالت میں فوت ہوگیا نفاق کے شعبے پر فوت ہوا ہے۔یہ رسول اللہ ﷺ فرمارہے ہیں۔

تیسری آیت سنو:

﴿ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَ عَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ٥ الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنفِقُونَ ٥ أُولٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ٥ ﴾ ❸

''فرمایا:ایمان والے صرف اور صرف وہ ہیں۔یہاں پر بھی اللہ تعالی نے کلمہ حصر "انما" ذکر فرمایا ہے کہ جب اللہ کا ذکر ہوتا ہے تو ان کے دل دہل جاتے ہیں۔

---

❶ سورة حجرات آیت:١٥۔

❷ صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب ذم من مات ولم یغزو ولم یحدث نفسہ بالغزو حدیث:١٩١٠

❸ سورة أنفال آیت:٢۔٣۔٤۔

کپکپا جاتے ہیں خشیت الٰہی سے سرشار ہو جاتے ہیں:

﴿وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا﴾

''اور جب ان پر اللہ کی آیتیں تلاوت کی جائیں ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے۔ان کے ایمان کو بڑھا دیں۔''

﴿وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ﴾

''اور اپنے رب پر ہی وہ توکل کرتے ہیں۔''

''رب تعالی کے علاوہ کسی اور پر توکل نہیں کرتے ،نماز کو قائم کرتے ہیں اور جو چیزیں ہم نے ان کو عطا کی ہیں۔ان میں سے خرچ کرتے ہیں''

یہ پانچ صفات اللہ تعالی نے ذکر فرمائی ہیں۔اور ساتھ'' انما'' کا کلمہ بھی ذکر فرمایا ہے۔یہ پانچ صفات جن میں پائی جائیں صرف اور صرف یہ ایمان والے ہیں۔مقصد یہ ہوا کہ دوسرے ایمان والے نہیں۔پھر فرمایا:

﴿أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا﴾

''یہ حقے سچے ایمان والے ہیں''

اور جن میں یہ صفات نہیں یا ایک نہیں یا دو نہیں یا پانچوں نہیں۔وہ سچ مچ کے ایمان والے تو نہ ہوئے۔جھوٹ موٹ کے ایمان والے ہوئے۔سچ مچ کے ایمان والے یہ ہیں جن کا تعارف اللہ تعالی قرآن مجید میں کرا رہے ہیں۔

اٹھارویں پارے کے شروع میں اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ﴾

''ایمان والے فلاح پا گئے''

﴿الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ﴾

''جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں''

﴿وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ﴾

''اور جو لغویات سے اعراض اور روگردانی کرنے والے ہیں''

﴿ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُوْنَ ﴾
''اور جو زکوۃ ادا کرنے والے ہیں''
﴿ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ ﴾
''اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں''
﴿ اِلَّا عَلٰى أَزْوَاجِهِمْ أَوْمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ ﴾
''مگر اپنی بیویوں پر اور مملوکہ لونڈیوں پر''
﴿ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ﴾
''ان دو مقاموں میں وہ قابل ملامت نہیں۔ان کے واسطے کوئی عیب نہیں کوئی ملامت نہیں''
﴿ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعَادُوْنَ ﴾
''ان دومقاموں کے علاوہ کوئی راستہ اختیار کرتا ہے جنسی خواہش کو پورا کرنے کا تو فرمایا یہ لوگ حد سے تجاوز کرنے والے ہیں''
﴿ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ ﴾
''اور جو اپنی امانتوں کی پابندی کرنے والے ہیں ان میں خیانت نہیں کرتے اور اپنے عہد و پیان کی بھی پابندی کرنے والے ہیں عہد شکنی نہیں کرتے''
﴿ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴾ [1]
''اور جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرنے والے ہیں نماز ضائع نہیں ہونے دیتے''

یہ ایمان والوں کا اللہ تعالی نے تعارف کرایا یہ ایمان والے ہیں۔ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ آمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰى أَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ أُولٰٓئِكَ

[1] سورۃ مؤمنون آیت:۱۔۹

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ ❶

''اللہ تعالی فرماتے ہیں :ایمان والے صرف وہ ہیں جو اللہ تعالی اور رسول کریم ﷺ پر ایمان لائے۔اور جب وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہوتے ہیں کسی جامع امر پر۔تو جاتے نہیں جب تک وہ رسول کریم ﷺ سے اجازت نہیں لے لیتے۔اور جو آپ سے اجازت لیتے ہیں یہ لوگ ہیں جن کا اللہ پر ایمان ہے اور اللہ کے پیغمبر پر ایمان ہے''

اس مقام پر بھی لفظ "انما" استعمال فرمایا۔پھر فرمایا:

﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾

جس سے پتہ چلتا ہے کہ جو رسول کریم ﷺ سے اجازت نہیں لیتے ،اجازت کے بغیر ہی کوئی کام کرگزرتے ہیں ادھر ادھر جاتے ہیں وہ ایمان والے کوئی نہیں۔کیونکہ ''انما'' فرمایا ہے۔

﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ﴾

فرمایا۔اجازت لینا رسول اللہ ﷺ سے یہ بھی ایماندار بننے کے لئے ضروری ہے۔زندگی میں تو اجازت رسول اللہ ﷺ سے لینی ہے۔آپ کی وفات کے بعد سنت اور حدیث سے اجازت لینی ہے۔قرآن مجید سے اجازت لینی ہے اب دیکھ لو: ہر معاملے میں کسی نہ کسی سے مشورہ لیتے ہیں۔کاروبار کرنا ہے یا اور کوئی کام کرنا ہے، رشتے داری کسی سے کرنی ہے ،صلاح مشورے کتنے کتنے دن اور کتنے کتنے مہینے دوستوں سے ،رشتے داروں سے ،احباب سے صلاح مشورے کرتے رہتے ہیں۔کام کرتے وقت اگر نہیں پوچھتے تو اللہ تعالی سے بالکل نہیں پوچھتے۔اللہ تعالی کے رسول سے نہیں پوچھتے۔کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ سے نہیں پوچھتے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ میں اس معاملے کا کیا حکم ہے؟ادھر سے بالکل

❶ سورۃ نور آیت:٦٢۔

بیگانہ ہو جاتے ہیں۔ اور یہ جو بیگانگی ہے، کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ سے پوچھنا تک نہیں، یہ ایمان ضائع کرنے والی بات ہے۔ ذرا غور فرمائیں: اللہ تعالی فرماتے ہیں ایمان والے وہ ہیں جو اجازت لیتے ہیں دوسرے ایمان والے نہیں۔ اللہ تعالی نے ایک مقام پر فرمایا:

﴿ اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾ ❶

"جب ایمان والوں کو اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کی طرف فیصلے کی خاطر دعوت دی جائے تو ان کی زبان پر کیا بات ہوتی ہے؟"

﴿سمعنا واطعنا﴾ سن لیا اور عمل کر لیا اطاعت کر لی۔ یہ ایمان والوں کی شان ہے۔"

اور جو لوگ اللہ تعالی اور اللہ کے رسول ﷺ کی بات سن کر سمعنا واطعنا نہیں کہتے بلکہ یہ بات کہنی تو درکنار چہروں کا رنگ ہی تبدیل ہو جاتا ہے۔ اور پیشانی پر بھی ایک بل پڑ رہا ہوتا ہے۔ اور دوسرا نکل رہا ہوتا ہے کیفیت ہی کچھ اور ہوتی ہے آیت سن کر نبی کریم ﷺ کا فرمان سن کر بابو صاحب ویسے ہی لال پیلے ہو جاتے ہیں کیا یہ ایمان والے ہیں؟ اللہ تعالی نے قرآن مجید میں فرمایا:

﴿ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ﴾ ❷

"فرمایا: اپنے مابہ النزاع امور میں رسول اللہ ﷺ کو حاکم اور فیصل تسلیم کریں ظاہر اور باطن میں خوش ہوں آپ ﷺ کے فیصلے پر" پھر ایمان والے ہیں ورنہ ایمان والے ہی نہیں۔ قسم اٹھا کر اللہ تعالی نے فرمایا: ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ

---

❶ سورۃ نور آیت: ۵۱۔

❷ سورۃ نساء آیت: ۶۵۔

لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ﴾ ❶

''فرمایا: کسی ایمان والے اور کسی ایمان والی کے لئے یہ جائز نہیں کہ اللہ تعالی اور اللہ کے پیغمبر ﷺ کسی امر کا فیصلہ فرمادیں اور وہ چوں وچرا کریں۔یا ان کو کچھ اختیار باقی ہو۔ایمان والوں کی یہ شان نہیں''

تو گذارش میں یہ کر رہا تھا جتنی دیر تک عملی طور پر اطاعت اور فرمانبرداری انسان میں نہیں آتی۔اتنی دیر تک ایمان والا نہیں بن سکتا۔صرف کلمہ پڑھ لینے سے اور صرف یقین کر لینے سے یا دونوں چیزیں جمع کر لینے سے ایمان والا نہیں بنے گا جتنی دیر تک جو تعارف اللہ تعالی نے کرایا ہے ایمان والے وہ ساری خوبیاں اور اوصاف پیدا نہ کرلیں۔نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ»

''تم میں اتنی دیر تک کوئی ایمان والا نہیں بن سکتا''

«حَتّٰى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ۔» ❷

''حتی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو اپنے والدین سے اور اپنی اولاد سے اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ بنا لے''

زیادہ محبت نبی کریم ﷺ سے کرے گا پھر ایمان والا بنے گا ورنہ نہیں۔نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ۔» ❸

''تم میں سے اتنی دیر تک کوئی ایمان والا نہیں بن سکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لئے وہ چیز پسند نہ کرے محبوب رکھے جو اپنے لئے محبوب رکھتا ہے

---

❶ سورۃ أحزاب آیت:۳۶۔

❷ صحیح مسلم کتاب الایمان باب وجوب محبة رسول الله صلی اللّٰہعلیه وسلم أكثر من الأهل والولد والوالد والناس أجمعين حديث:٤٤۔

❸ صحیح بخاری کتاب الایمان باب من الایمان أن یحب لأخيه ما يحب لنفسه حديث:١٣۔

اور پسند کرتا ہے''

جو خیر بھلائی اپنے لئے پسند کرتا ہے دوسرے بھائی کے لئے بھی وہی پسند کرے پھر ایمان والا ہے ورنہ ایمان والا نہیں ''لا یؤمن'' فرما رہے ہیں۔تو ایمان میں چیزیں تو بہت ساری ہیں وہ ایک ایک کر کے آدمی شمار کرنے لگے تو اس کے لئے بہت وقت درکار ہے۔چند کتابوں کی نشاندہی کر دیتا ہوں ان کا مطالعہ کر لینا اللہ تعالی کے فضل و کرم سے جتنی چیزیں ایمان کے اندر ہیں ان کا احاطہ آپ کرلیں گے۔

۱۔ امام حافظ محمد بن اسحاق بن یحیی بن مندہ رحمہ اللہ تعالی بہت بڑے امام اور محدث گزرے ہیں انہوں نے کتاب لکھی ہے ''کتاب الایمان'' بہت بہترین کتاب ہے۔ایمان کی شاخیں اور ایمان کے شعبے ایک ایک کر کے مستقل عنوان قائم کر کے انہوں نے شمار کئے ہیں۔رسول اللہ ﷺ کی احادیث اور قرآن مجید کی آیات سے ایمان کی حقیقت کو واضح کیا ہے۔تین جلدوں میں کتاب چھپ چکی ہے اگر کسی صاحب کو مل جائے تو اس کا مطالعہ کرے۔بہت بہترین کتاب ہے۔

۲۔ امام بیہقی رحمہ اللہ تعالی مشہور و معروف ہیں۔انہوں نے کتاب لکھی ہے ''شعب الایمان'' اور یہ کئی جلدوں میں ہے۔وہ بھی اللہ کے فضل سے چھپ گئی ہے انہوں نے ایک ایک شعبہ ایمان کا شمار کر کے اپنی کتاب میں پیش کیا ہے۔آیتیں اور احادیث پیش کی ہیں۔بہترین کتاب ہے۔

۳۔ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالی مشہور معروف ہیں۔ان کی کتاب ''کتاب الایمان'' یہ تو کئی مرتبہ چھپ چکی ہے۔بہت بہترین کتاب ہے ایمان کے موضوع پر اور اس کے مسائل پر۔آپ ان کی کتاب پڑھیں انشاء اللہ آپ لطف محسوس کریں گے اور آپ یہ محسوس کریں گے کہ جتنی آیتیں انہوں نے کتاب الایمان میں پیش کی ہیں یہ آیتیں دوسرے کتاب الایمان لکھنے

والوں نے پیش نہیں کیں خواہ پہلے ہیں یا پچھلے ہیں یہ خاص ملکہ اللہ تعالی نے ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالی کو قرآن مجید کے استحضار والا عطا کیا تھا۔ان کی کوئی کتاب دیکھو آیتوں کی بھر مار کر دیتے ہیں۔ایک عالم آدمی بعض اوقات یہ سمجھتا ہے کہ اس موضوع کی آیتیں ایک یا دو ہی ہوں گی یا چار پانچ ہوں گی۔لیکن جس وقت ان کی کتاب پڑھے تو پتہ چلتا ہے بہت آیتیں ہیں۔ہر موضوع پر وہ بہت سی آیتیں پیش کرتے جاتے ہیں۔ایمان کے موضوع پر بھی انہوں نے بہت سی آیتیں پیش کی ہیں۔

۴۔ ہمارے شیخ حافظ محمد محدث گوندلوی رحمہ اللہ تعالی نے بھی ایک کتاب لکھی ہے ''زبدۃ البیان'' ایمان کے موضوع پر ایمان کی حقیقت انہوں نے بہت اچھے انداز میں سمجھائی ہے اور اس حقیقت پر جو شبہات اور اعتراضات پیش کیے گئے ہیں۔ایک ایک کر کے انہوں نے جواب بھی دیا ہے۔یہ کتاب بھی اگر کسی کو مل جائے تو مطالعہ کرے۔بہت شاندار کتاب ہے۔

اس کے علاوہ حدیث کی کتابوں میں مستقل ایک کتاب ہوتی ہے ''کتاب الایمان۔عام حدیث کی کتابوں میں کوئی شاذ و نادر ہی کتاب ہوگی جس میں کتاب الایمان کا عنوان نہ ہو۔صحیح بخاری میں بھی کتاب الایمان ہے، صحیح مسلم میں کتاب الایمان ہے، ترمذی شریف میں کتاب الایمان ہے، مصنف عبد الرزاق میں کتاب الایمان ہے، مصنف ابن ابی شیبہ میں کتاب الایمان ہے اور ایمان کے موضوع پر انہوں نے احادیث جمع کی ہیں۔یہ سارا مواد قرآن مجید اور احادیث سے متعدد کتابوں میں علماء نے جو جمع کیا ہے سب کا نچوڑ اور خلاصہ رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث میں آ گیا ہے۔

وہ حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، صحیح بخاری میں موجود ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں :

«اَلْإِيْمَانُ بِضْعٌ وَّسِتُّوْنَ شُعْبَةً وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْإِيْمَانِ.» ❶

''رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ایمان کے ساٹھ سے کچھ اوپر شعبے ہیں''

بضع کا لفظ عربی زبان میں تین سے لے کر نو تک بولا جاتا ہے۔ تو ساٹھ سے اوپر بضع۔ تین سے لے کر نو تک زیادہ سے زیادہ انہتر ایک کم ستر رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں شعبے ہیں۔ ساری آیتیں اور ساری احادیث اس میں آگئی ہیں۔ آگے پھر اس کی تفصیل ہے۔ ساری تفصیل گنتی کر کے اس وقت بیان نہیں کی جاسکتی ہے۔ اجمالی خاکہ ذہن میں رکھ لیں کہ ایمان کے شعبے تین طرح کے ہیں۔ کچھ کا تعلق انسان کے دل سے ہے اور کچھ ایسے ہیں جن کا تعلق انسان کی زبان سے ہے۔ اور کچھ کا تعلق انسان کے تمام بدن سے ہے۔ اہل علم نے وہ ایک ایک کر کے شمار کئے ہیں خاص طور پر حافظ ابن حبان نے۔ جو شعبے انسان کے دل سے تعلق رکھتے ہیں وہ چوبیں (۲۴) بنتے ہیں بیس اور چار چوبیں۔ زبان سے جو شعبے تعلق رکھتے ہیں وہ سات ہیں (۲۴+۷=۳۱) اکتیس بن گئے۔

بدن سے جن کا تعلق ہے وہ کل (۳۸) ہیں۔ وہ پھر آگے تین طرح کے ہیں۔ کچھ ایسے ہیں جن کا تعلق اعیان اور اشخاص سے ہے۔ یہ پندرہ ہیں۔ کچھ ایسے ہیں جن کا تعلق انسان کے اتباع سے ہے پیروکاروں سے جو انسان کے تابع ہوتے ہیں۔ یہ چھ بنتے ہیں۔ پندرہ اور چھ اکیس۔ کچھ ایسے ہیں جن کا تعلق عوام سے ہے۔ وہ بنتے ہیں سترہ۔ اکیس اور سترہ یہ سب (۳۸) ہوئے۔ اور پہلے زبان والے اور دل والے اکتیس بنے تھے۔ دونوں کو جمع کرنے سے ایک کم ستر (۷۰) بن گئے۔ بِضْعٌ وَّسِتُّوْنَ شُعْبَةً کسی آدمی کے خیال میں آسکتا ہے کہ حدیث تو بِضْعٌ وَّسِتُّوْنَ شُعْبَةً والی بھی ہے۔ ❷

---

❶ صحيح بخارى كتاب الايمان باب أمور الايمان وقول الله تعالى: ﴿ليس البر أن تولوا وجوهكم﴾ حديث: ٩۔

❷ صحيح مسلم كتاب الايمان باب بيان عدد شعب الايمان وأفضلها وأدناها وفضيلة الحياء وكونه من الايمان حديث: ٣٥۔

صحیح مسلم میں ہے کہ ستر سے کچھ اوپر شعبے ہیں۔حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں۔یہ جو شعبے شمار کئے گئے ہیں ایک کم ستر ان میں سے کئی ایسے ہیں جن کو اجمالی طور پر ایک ہی شمار کر لیا گیا ہے۔وگرنہ ان کی تفصیل بیان کریں تو دو دو اور کئی تین تین بھی بن جاتے ہیں۔اس طرح جو تفصیلی شعبے نکلیں گے وہ تقریبا دس بن جائیں گے۔انہتر میں دس جمع کریں تو اناسی بن گئے "بضع وسبعون شعبة" اس لئے دونوں رواتیوں میں کوئی تعارض نہیں۔اجمال کا لحاظ کریں تو ایک کم ستر بن جائیں گے۔تفصیل کا اعتبار کریں گے تو ایک کم اسی (۸۰) بن جائیں گے۔تو یہ اجمالی طور پر رسول اللہ ﷺ نے ایمان کا تعارف کرا دیا ہے۔نبی کریم ﷺ نے سارے شعبے بیان کر دیئے ہیں۔ان میں سے موٹے موٹے شعبے پانچ ہیں۔جن پانچ پر اسلام کی بنیاد ہے۔حدیث جبریل میں ہے۔

کہ جبرائیل علیہ السلام نے سوال کیا کہ «ما الاسلام؟» ''اسلام کیا ہے؟تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَنْ تَشْهَدَ أَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ»

ایک روایت میں یہ بھی ہے۔

«أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَاتُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّ تُقِيْمَ الصَّلٰوةَ وَتُؤَدِّيَ الزَّكٰوةَ الْمَفْرُوْضَةَ وَتَصُوْمَ رَمَضَانَ۔» ❶

اسلام کے بنیادی ارکان رسول اللہ ﷺ نے بتا دیئے۔

«بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ۔» ❷

صحیح بخاری کی حدیث ہے کہ پانچ چیزوں پر اسلام کی بنیاد ہے۔اس میں بھی توحید ورسالت ،اقامۃ صلوۃ ،ایتاء زکوۃ ،صیام رمضان اور حج بیت اللہ رسول

---

❶ صحیح بخاری کتاب الایمان باب سؤال جبریل النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم عن الایمان والاسلام والاحسان وعلم الساعة وبیان النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم له حدیث: ۵۰۔

❷ صحیح بخاری کتاب الایمان باب قول النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم ((بنی الاسلام علی خمس وهو قول وفعل)) حدیث: ۷۔

اللہ ﷺ نے شمار فرمائے ہیں۔جبرائیل علیہ السلام نے ایمان کے متعلق پوچھا تو فرمایا:

«أَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَبِلِقَائِهِ وَرُسُلِهِ۔» ❶

''فرمایا اللہ پر ایمان ،فرشتوں پر ایمان ،کتابوں پر ایمان ،رسولوں پر ایمان آخرت کے دن پر ایمان ،تقدیر پر ایمان لا''

یہ رسول اللہ ﷺ نے ایمان سمجھایا۔

دوسری حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے وفد عبد القیس کو فرمایا:

«آمُرُكُمْ بِالْإِيْمَانِ بِاللّٰهِ وَحْدَهُ»

''میں تم کو حکم دیتا ہوں کہ اللہ وحدہ لا شریک لہ پر ایمان لے آؤ''

حکم دینے کے بعد فرمایا:

«هَلْ تَدْرُوْنَ مَا الْإِيْمَانُ بِاللّٰهِ وَحْدَهُ »

''جانتے ہو اللہ وحدہ لا شریک پر ایمان کیا چیز ہے؟

کہنے لگے اللہ اور اس کے رسول ﷺ زیادہ جاننے والے ہیں۔مقصد یہ تھا کہ آپ ہمیں بتا ہی دیں۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«شَهَادَةُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَإِقَامُ الصَّلٰوةِ وَإِيْتَاءُ الزَّكٰوةِ وَصِيَامُ رَمَضَانَ وَأَنْ تُعْطُوْا مِنَ الْمَغْنَمِ الْخُمُسَ۔» ❷

''فرمایا:ایمان باللہ وحدہ یہ ہے کہ آپ توحید ورسالت کا اقرار کرلیں ،نماز قائم کرو،زکوۃ ادا کرو،رمضان المبارک کے روزے رکھو،جہاد کرو گے تو مال غنیمت کا پانچواں حصہ بیت المال میں جمع کردو''

تو موٹی موٹی یہ پانچ چیزیں ہیں۔کم از کم یہ تو عملی طور پر آدمی اپنائے۔یقین بھی بنائے دل میں محبت بھی رکھے ،زبان سے اقرار اور اعتراف بھی کرے۔کلمہ بھی

❶ صحیح بخاری کتاب الایمان باب سوال جبریل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن الایمان والاسلام حدیث:۵۰۔

❷ صحیح بخاری کتاب الایمان باب اداء الخمس من الایمان حدیث:۵۳۔

پڑھے اور پانچ موٹے موٹے ارکان اسلام ان کی کم از کم پابندی کرے۔پھر وہ ایمان والا بنے گا۔صرف زبانی کلامی کلمہ پڑھ لے اور عقیدے کی اصلاح کر لے اور بس یہ کہہ دیا جائے کہ کیا ہوا۔نماز نہیں پڑھتا تو کیا ہو گیا؟عقیدہ تو صحیح ہے نا؟

صرف عقیدے سے بات نہیں بنتی۔اور صرف کلمے سے بھی بات نہیں بنتی۔جب تک ارکان اسلام کی پابندی نہ کرے گا اتنی دیر تک وہ عند اللہ ایمان والا نہیں بن سکتا۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ ہمیں توفیق عطا فرمائے۔ہم کتاب وسنت کو صحیح معنی میں سمجھیں اور صحیح معنی میں اس پر عمل پیرا ہوں۔آمین

((...... ❀ ❀ ❀ ......))

بسم اللہ الرحمن الرحیم

«إنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَ نَسْتَعِينُهُ وَ نَسْتَغْفِرُهُ وَ نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَيِّاٰتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَهْدِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَ مَنْ يُضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَ رَسُوْلُهُ» [ﷺ] اما بعد......:

اس وقت جو بات ہو گی اس کے چار حصے ہیں۔پہلے حصے میں قرآن مجید اور فرقان حمید کی آیات پیش کی جائیں گی۔دوسرے حصے میں نبی کریم ﷺ کی احادیث مبارکہ سنائی جائیں گی۔اور تیسرے حصے میں سود کی مشہور ومعروف کچھ موٹی موٹی قسمیں بیان کی جائیں گی۔اور چوتھے حصے میں سود کے حامیوں کی باتیں،بہانے اور حیلے پیش کر کے رد کیا جائے گا۔

سود کی حرمت

پہلا حصہ قرآن مجید کی آیات کریمہ

اللہ تبارک وتعالی نے قرآن مجید میں چار مقامات پر سود کا تذکرہ فرمایا ہے۔

پہلا مقام: سورۃ بقرہ تیسرا پارہ۔اللہ تبارک وتعالی فرماتے ہیں:

﴿ اَلَّذِيْنَ يَأْكُلُوْنَ الرِّبٰوا ﴾

''جو لوگ سود کھاتے ہیں''

﴿ لَا يَقُوْمُوْنَ إِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ﴾

''وہ نہیں کھڑے ہوتے مگر اس کی طرح جس کو شیطان نے چھونے کی بنا پر مخبوط الحواس بنا دیا ہو۔''

شیطان اور جن جس کو مخبوط الحواس بنا دیں۔اس کی کیا حالت ہو گی؟وہ اپنے قدموں پر کھڑا نہیں ہو سکتا۔کبھی دائیں گرتا ہے کبھی بائیں گرتا ہے کبھی آگے گرتا ہے

کبھی پیچھے گرتا ہے۔اس کے قدم لڑکھڑاتے ہی رہتے ہیں۔سود خور سود کھانے والوں کی بھی یہی حالت ہے۔دنیا میں بھی ان کو سکون اور چین نصیب نہیں۔ثابت قدمی نہیں ،حرص ،لالچ ،خود غرضی ،بخل کنجوسی نے ان کا دماغ خراب کر دیا ہوتا ہے۔اور آخرت میں جب یہ قبر سے اٹھیں گے تو اس وقت بھی ان کی یہی حالت ہو گی۔قدموں میں ثبات نہیں ہو گا۔

اس کا سبب اور اس کی وجہ کیا ہے؟ اللہ تبارک وتعالی فرماتے ہیں:

﴿ ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ قَالُوْا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا﴾

”یہ اس وجہ اور سبب سے ہے کہ انہوں نے کہا سوائے اس کے نہیں بیع تو سود کی مثل ہے“

بیع تجارت ،خرید وفروخت کو سوذ خور سودی لوگ ربوا اور سود کی مثل قرار دیتے ہیں۔اللہ تبارک وتعالی فرماتے ہیں:

﴿ وَ اَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا﴾

”حالانکہ اللہ تعالی نے بیع خرید و فروخت (جو کتاب وسنت کے مطابق ہو اس) کو حلال قرار دیا ہے“

﴿ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾

”اور سود کو حرام قرار دیا ہے“

اب ایک چیز حلال ہے اور ایک چیز حرام ہے۔وہ دونوں ایک جیسی ایک ہی مثل کیسے ہو سکتی ہیں؟ لیکن سودی لوگوں کے حواس کام نہیں کرتے۔شیطان نے ان کو حواس باختہ بنا دیا ہے۔اس لئے وہ کہتے ہیں:

﴿ اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا﴾

اس کو اسی طرح سمجھ لیجیے۔جیسے کوئی آدمی خنزیر کو گائے کی مثل کہنا شروع کر دے۔کہ خنزیر بھی گائے ہے بیل ہے۔لہذا گائے بیل حلال ہے۔تو خنزیر کو بھی حلال ہونا چاہیے۔تو کیا اس کے حواس قائم ہیں؟ خنزیر حرام ہے اور گائے حلال

ہے۔ یہ دونوں ایک جیسے کیسے ہو سکتے ہیں؟

ہاں یہ کہہ سکتے ہیں۔ ہمیں علم نہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ایک چیز کو حلال بنایا۔ اور دوسری کو حرام بنا دیا۔ اس میں حکمت کیا ہے؟ لازماً اس میں کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہے ہاں یہ کوئی کہہ سکتا ہے کہ ہمیں علم نہیں۔ البتہ سود حرام ہے اور کتاب وسنت کے مطابق خرید وفروخت تجارت حلال ہے۔ یہ دونوں ایک جیسے کیسے ہو سکتے ہیں؟

﴿ فَمَنْ جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّهِ فَانْتَهَى فَلَهُ مَا سَلَفَ ﴾

''تو جس کے پاس اس کے رب کی طرف سے نصیحت آگئی تو وہ باز آگیا''

موعظت وعظ ونصیحت اللہ تعالیٰ کا حکم سن کر سود سے باز آگیا۔ سودی کاروبار اس نے چھوڑ دیا ترک کر دیا۔ تائب ہو گیا۔

﴿ فَلَهُ مَا سَلَفَ ﴾...... ''تو اس کے لئے ہے جو پہلے گزر چکا۔ وہ جو کر چکا''

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وہ اسی کے لئے ہے۔

﴿ وَ اَمْرُهُ اِلَى اللّٰهِ ﴾...... ''اور اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے''

اللہ کی طرف ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ معاملہ کریں گے؟ یہ اللہ کے سپرد ہے

﴿ وَ مَنْ عَادَ ﴾ ...... ''اور جو کوئی لوٹا''

سود کی حرمت کا حکم اس نے سن لیا۔ اس کو معلوم ہو گیا۔ کہ سود حرام ہے پھر بھی وہ سود سے باز نہیں آتا۔

- ﴿ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ﴾ ...... ''تو یہ لوگ آگ والے ہیں''
- ﴿ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴾...... ''وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں''
- ﴿ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَ يُرْبِي الصَّدَقٰتِ ﴾

''اللہ سود کو مٹاتا ہے ختم کرتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے''

- ﴿ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ﴾

''اور اللہ ہر ناشکری کرنے والے گنہگار سے محبت نہیں رکھتا''

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾...... ''یقیناً وہ جو ایمان لائے''

﴿ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ﴾ ...... ''اور انہوں نے نیک عمل کیے''

﴿ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ آتَوُا الزَّكٰوةَ ﴾

''اور انہوں نے نماز قائم کی اور زکوۃ ادا کی''

﴿ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ﴾

''ان کے لئے ان کا اجر ہے ان کے رب کے پاس''

﴿ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴾

''اور نہیں ہے ان پر کوئی خوف اور نہ وہ غم کھائیں گے''

اللہ تبارک وتعالی نے پہلے بھی سود کے متعلق بیان فرمایا۔بعد میں بھی سود کے متعلق آیات آرہی ہیں۔درمیان میں ان لوگوں کا تذکرہ فرمایا۔جو ایمان والے ہیں، اعمال صالحہ کی پابندی کرنے والے ہیں،نماز اور زکوۃ باقاعدگی سے ادا کرتے ہیں۔ ان کے متعلق فرمایا کہ ان کا اجر ان کے رب کے ہاں محفوظ ہے۔اس کا مطلب کیا ہے؟ کہ جو سودی لوگ ہیں ان کے لئے تو اجر ہے ہی نہیں ،وہ گنہگار ہیں مجرم ہیں۔ اجر کی توقع وہ کیسے رکھ سکتے ہیں۔پھر ان کے متعلق فرمایا کہ ان پر کوئی خوف نہیں۔اور نہ یہ غم کھائیں گے۔

تو سودی لوگ سودی کاروبار کرنے والے سود لینے والے سود دینے والے ان کے لئے خوف بھی ہے غم بھی ہے۔دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ان کے لئے بے چینی ہی بے چینی ہے۔فرمایا:

﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ ﴾

''اے ایمان والو!اللہ تعالی سے ڈرو متقی پرہیز گار بنو''

﴿ وَ ذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا ﴾

''جو تھوڑا بہت سود باقی رہ گیا ہے اس کو بھی چھوڑ دو ترک کردو''

﴿اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴾...... ''اگر تم ایمان والے ہو''

اللہ تعالی نے یہ جو الفاظ ارشاد فرمائے ہیں ﴿اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ ان الفاظ پر

غور کرو۔ کہ اگر ایمان والے ہو مومن ہو تو سود کو چھوڑ دو۔ کیا مطلب ہے؟ جو سود کو نہیں چھوڑتا ایمان اس کا اگر بالکل ختم نہیں تو کم از کم کمزور ضرور ہے۔ کیونکہ اللہ تعالی فرما رہے ہیں ﴿اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ﴾

تو ایمان کا تقاضا ہے دینداری کا تقاضا ہے۔ کہ صرف سود ہی کو نہیں بلکہ ہر حرام چیز کو ترک کر دے۔ حتی کہ جو چیز مشتبہ ہو جائے کہ فلاں چیز حرام ہے یا حلال ہے اس کو بھی ترک کرے گا تو اس کا دین محفوظ رہے گا۔ جو شبہ والی چیز کو بھی ترک نہیں کرتا دین تو اس کا بھی محفوظ نہیں تو جو صریح حرام چیزوں کا ارتکاب کرتا ہے اس کا دین اور ایمان کیسے محفوظ رہے گا؟

میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا ہوں۔ بلکہ صحیح بخاری میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«اَلْحَلَالُ بَیِّنٌ وَالْحَرَامُ بَیِّنٌ»

فرمایا "حلال بین ہے واضح ہے اور حرام بھی بین اور واضح ہے"

«وَ بَیْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ۔»[1]

"اور ان دونوں کے درمیان کچھ چیزیں مشتبہ ہیں شبہ والی ہیں"

ایک روایت میں لفظ آئے ہیں:

«لَا یَدْرِیْ کَثِیْرٌ مِنَ النَّاسِ اَمِنَ الْحَلَالِ هِیَ اَمْ مِنَ الْحَرَامِ۔»[2]

"بہت سے لوگ جانتے ہی نہیں کہ وہ شبہ والی چیزیں حلال میں شامل ہیں یا حرام میں شامل ہیں"

کسی بھی سبب سے انسان کو شبہ ہو جائے کہ یہ چیزیں حلال ہیں یا حرام ہیں۔ دلائل کا باہمی اور ظاہری تعارض سبب ہو یا اہل علم کا اختلاف ہو۔ کچھ بھی سبب ہو ان

---

1. صحیح بخاری کتاب الایمان حدیث ۵۲ باب فضل من استبرأ لدینه۔
2. سنن ترمذی کتاب البیوع باب ما جاء فی ترک الشبهات حدیث ۱۲۰۵ جزء ۲ صفحه ۵۱۱ مطبوعه دار احیاء التراث العربی

مشتبہات کو ترک کرے گا تو دین اس کا محفوظ ہو گا۔رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

((فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ فَقَدِ اسْتَبْرَأَ لِدِيْنِهٖ وَعِرْضِهٖ ـ)) [1]

''جو انسان مشتبہ چیزوں سے بچا شبہ والی چیزوں سے اس نے پرہیز کیا تو اس نے اپنے دین اور اپنی عزت آبرو کو محفوظ رکھ لیا''

پتہ چلا کہ جو شبہے والی چیزوں سے پرہیز نہیں کرتا اس کا دین محفوظ نہیں۔اور نہ ہی اس کی عزت آبرو محفوظ ہے۔تو جو صریح حرام چیزوں سے پرہیز نہیں کرتے ان کی آبرو عزت کیسے محفوظ رہ سکتی ہے؟اللہ تعالی فرما رہے ہیں:

﴿اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾...... ''اگر تم ایمان والے ہو تو سود کو ترک کردو چھوڑ دو''

﴿فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا﴾...... ''تو اگر تم نے یہ کام نہ کیا''

﴿فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾

''تو اللہ تعالی اور اللہ کے پیغمبر سے جنگ کو جان لو''

کیا مقصد؟اگر تم سود کو ترک نہیں کرتے تو سمجھ لو اللہ تعالی اور اللہ تعالی کے پیغمبر ﷺ سے جنگ کر رہے ہو لڑ رہے ہو۔آپ دانا ہیں ذرا غور کریں۔جو اللہ تعالی سے لڑے جنگ کرے اللہ تعالی کے پیغمبر ﷺ سے جنگ کرے لڑے اس کے ایمان کی کیا حالت اور کیفیت ہو گی؟اس پر غور کرو۔اور ﴿اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ پر بھی غور کرو۔اللہ تعالی کے فضل وکرم سے ان شاء اللہ بات سمجھ آ جائے گی۔

اور بھی بہت سی چیزیں حرام ہیں۔اور بھی بہت سے گناہ ہیں لیکن اتنی سخت وعید کہ اس گناہ کے ارتکاب کو اللہ تعالی نے اپنے اور اپنے پیغمبر ﷺ سے جنگ کرنے کے مترادف قرار دیا ہے۔یا پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

((مَنْ عَادٰى لِيْ وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ ـ)) [2]

---

[1] صحیح بخاری کتاب الایمان باب فضل من استبرأ لدینه حدیث ٥٢۔

[2] صحیح بخاری کتاب الرقاق باب التواضع حدیث ٦٥٠٢

''جو اللہ تعالیٰ کے کسی ولی متقی، پرہیز گار انسان سے عداوت رکھتا ہے۔تو اللہ تعالیٰ اس سے اعلان جنگ فرماتے ہیں''

وہ جرم بھی بہت بڑا ہے اور یہ جرم بھی بہت بڑا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں:

﴿ فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ﴾...... فرمایا:

﴿وَ اِنْ تُبْتُمْ ﴾...... ''اگر تم تائب ہو جاؤ، توبہ کر لو''

﴿ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ﴾

''تو تمہارے لئے تمہارے اصل مال ہیں''

اپنا راس المال اصل مال وصول کر لو۔ سود وصول نہیں کرنا فرمایا:

﴿ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ﴾

ایک ذہن یہ بھی چلتا ہے کہ سود وصول کر کے بیت الخلاء پر لگا دینا، غریبوں، مسکینوں پر صرف کر دینا یا کسی عیسائی، یہودی کو دے دینا یہ کر لینا، وہ کر لینا کئی باتیں بناتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو بھی یہ سب چیزیں معلوم ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو یہی فرما رہے ہیں کہ اگر تم نے توبہ کر لی ہے۔ تو اپنے اصل مال لے لو۔ سود کو ترک کر دو۔

﴿ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴾

''کسی پر نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے''

﴿ وَ اِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ﴾

''اور اگر ہے وہ تنگی والا، فقر وفاقے والا، تنگ دست تو مہلت دینا ہے آسانی اور سہولت تک''

جس سے آپ نے مال لینا ہے وہ تنگ دست ہے آسانی سے وہ ادا نہیں کر سکتا۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ آسانی اور سہولت تک اس کو مہلت دے دو۔

﴿ وَ اَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ﴾...... ''اور یہ کہ صدقہ کر دو''

جو پیسے مال آپ نے اس سے لینے ہیں۔ اس پر صدقہ ہی کر دو۔ اصل رقم بھی اس کو معاف ہی کر دو۔

''تو یہ تمہارے لئے بہت ہی بہتر ہے''

﴿ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴾...... ''اگر تم جانتے ہو''

صحیح بخاری میں حدیث ہے۔ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں:

پرانے زمانہ میں ایک آدمی تھا (وہ بہت مالدار تھا لوگ اس سے رقم لے بھی جاتے تھے) وہ اپنے نوکروں خادموں کو کہتا ہے اگر تم کسی کے پاس مال وصول کرنے کے لئے جاؤ۔ اگر وہ مالدار ہے تو اس سے اچھے انداز سے مطالبہ کرنا۔ اگر وہ تنگ دست ہے تو درگزر کر دینا۔ جب وہ اللہ تعالی کے سامنے پیش ہوا تو اللہ تعالی نے بھی اس کو معاف فرما دیا۔ [1]

تنگ دست کو معاف کر دینا، درگزر کرنا بہت درجے والا عمل ہے۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

﴿ وَ اَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴾

''اگر تم جانتے ہو تو صدقہ کر دینا تنگ دست کو معاف کر دینا یہ مہلت دینے سے بھی بہتر ہے''

﴿ وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ﴾

فرمایا: ''اس دن سے ڈرو جس دن تم اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے''

وہاں جا کر اپنے کیے کا حساب چکانا ہے۔ اس لئے اس دن کو بھی مدنظر رکھو

﴿ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ﴾

''پھر پورا پورا دیا جائے گا ہر نفس جو اس نے کمایا''

اس نے نیکی کی ہے اس کا اجر اسے ملے گا۔ برائی کا ارتکاب کیا ہے بے حیائی، برائی کی ہے، حرام خوری کرتا رہا ہے اس کا بھی خمیازہ اس کو بھگتنا پڑے گا۔ فرمایا:

﴿ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴾

---

[1] صحیح بخاری کتاب الاستقراض واداء الدیون باب حسن التقاضی: حدیث: ۲۳۹۱

''ان پر کسی قسم کا کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا'' ❶

یہ تو ایک مقام ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے سود کے احکامات جاری فرمائے ہیں۔

دوسرا مقام:

دوسرا مقام ہے سورۃ آل عمران چوتھا پارہ آیت نمبر ۳۰۔اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا ٱلرِّبَوٰٓا أَضْعَـٰفًا مُّضَـٰعَفَةً ﴾

''اے ایمان والو! سود مت کھاؤ کئی گناہ اضافہ کیا ہوا''

﴿ وَٱتَّقُوا ٱللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴾ ❷

'اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔شاید کہ تم کامیاب ہو جاؤ فلاح پا جاؤ''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے سود کی ایک صورت سے منع فرمایا ہے۔وہ صورت ہے سود در سود۔

مشہور ہے عام لوگ اس کو جانتے ہی ہیں خاص طور پر پڑھے لکھے تعلیم یافتہ لوگ تو اس کو بخوبی جانتے ہیں۔ایک ہے سود مفرد دوسرا ہے سود مرکب۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے سود مرکب سے منع فرمایا ہے۔کہ سود در سود نہ کھاؤ۔اس کا مطلب یہ نہیں کہ سود مفرد جائز ہے۔وہ بھی ناجائز ہی ہے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَحَرَّمَ ٱلرِّبَوٰا ﴾

سود حرام ہے وہ سود مفرد ہو حرام ہے،سود مرکب ہو حرام ہے،سود ذاتی ہو حرام ہے،سود جماعتی ہو حرام ہے،سود غیر مناسب ہو حرام ہے،فریقین کی رضا سے سود ہو حرام ،فریقین کی رضا سے نہیں پھر بھی حرام،سود قومی سطح پر ہو حرام،سود انفرادی سطح پر ہو حرام ہے، تجارتی ادارے سودی کاروبار کر رہے ہوں پھر بھی حرام ہے، اکیلا کوئی

❶ سورۃ بقرۃ آیت ۲۷۵ الی ۲۸۱۔

❷ سورۃ آل عمران ،آیت: ۳۰

آدمی سودی کاروبار کر رہا ہے وہ بھی حرام۔علی الاطلاق اللہ تعالی نے سود کو حرام قرار دے دیا ہے۔اللہ تعالیٰ نے تو یہاں سود کی ایک خاص صورت ذکر کی ہے۔

اس کا مفہوم لے کر پھولے نہ سمانا۔یہ نہ کوئی انصاف ہے اور نہ کوئی دینداری، ایمانداری والی بات ہے۔کیونکہ یہ اصول ہے اور یہ اصول قرآن مجید میں عام چلتا ہے اور عام محاورات میں بھی یہ اصول مسلمہ ہے کہ ایک کلام کا منطوق دوسرے کلام کے مفہوم کا رد کر رہا ہو تو مفہوم اس مقام پر نہیں لیا جاتا۔

اس آیت کا کوئی مفہوم ہی نکالے گا کہ سود مفرد جائز ہے۔لیکن دوسری آیات اور رسول کریم ﷺ کی احادیث سود مفرد کو بھی حرام قرار دے رہی ہیں۔اس لئے یہ مفہوم معتبر نہیں ہوگا۔جو یہ مفہوم نکالتا ہے قرآن مجید کو اس انداز سے سمجھتا ہے وہ دراصل قرآن مجید کی تفسیر اور اس کی تفسیر کے اصول کو سمجھ ہی نہیں سکا۔اس کی ایک مثال پیش کر دیتا ہوں۔

﴿وَ مَا رَبُّکَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ﴾ [1]

''آپ کا رب بندوں پہ بہت زیادہ ظلم کرنے والا نہیں ہے''

ظلام مبالغہ کا صیغہ ہے۔ظالم ظلم کرنے والا ظلام ''بہت زیادہ ظلم کرنے والا''

یہ قرآن مجید کی آیت ہے: ﴿وَ مَا رَبُّکَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ﴾ ''آپ کا رب بندوں پر بہت ہی زیادہ ظلم کرنے والا نہیں''

اب اس کا مفہوم کوئی یہ نکالے کہ بہت زیادہ ظلم کرنے والا تو نہیں لیکن تھوڑا ظلم، معمولی قسم کا ظلم اللہ تعالی بندوں پر کرتا ہے۔تو کیا یہ مفہوم اس کا صحیح ہو گا؟نہیں ہرگز نہیں۔کیوں صحیح نہیں؟ کیونکہ دوسری آیت میں آ گیا ہے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ﴾ [2]

''کہ اللہ تعالی ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتے''

---

[1] سورۃ فصلت آیت ٤٦۔

[2] سورۃ نساء آیت ٤٠۔

[﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَلَٰكِنَّ النَّاسَ أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ﴾ ❶
فرمایا''اللہ تعالی انسانوں پہ لوگوں پہ معمولی سا بھی ظلم نہیں کرتے لیکن لوگ خود اپنی جانوں پر ظلم کر رہے ہیں''

تو دوسری آیات میں آ گیا کہ اللہ تعالی ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتے۔اس لئے ﴿وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ﴾ اس کا مفہوم کوئی شخص یہ نکالے کہ تھوڑا ظلم اللہ تعالی کرتے ہیں تو یہ ناجائز ہے یہ بات اس کی درست نہیں ہو گی۔اس کی دوسری مثال اللہ تعالی نے قرآن مجید میں ان عورتوں کا تذکرہ فرمایا جن کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے۔بعد میں فرمایا:

﴿وَأُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ﴾ ❷

''ان عورتوں کے علاوہ دوسری عورتوں کے ساتھ نکاح کرنا تمہارے لئے جائز ہے''

پیچھے اللہ تعالی نے صرف دو رضائی رشتے بیان کئے ہیں۔ایک رضائی بہن ہمشیرہ اس کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتے۔دوسرا رضائی ماں اس کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتے۔اب ان کے علاوہ جو رضائی رشتے ہیں وہ ﴿أُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ﴾ کے اندر آ گئے۔رضائی پھوپھی،رضائی خالہ،رضائی بھتیجی،رضائی بھانجی۔

آیت کا مفہوم تو یہ ہے کہ ان کے ساتھ نکاح جائز ہو۔لیکن جائز نہیں کیوں؟اس وجہ سے کہ دوسری نص کا منطوق یہ ہے کہ جو نسبی رشتہ حرام ہے وہ رضائی رشتہ بھی حرام ہے۔نسبی پھوپھی سے نکاح ناجائز ہے تو رضائی پھوپھی سے بھی نکاح ناجائز ہے۔ اسی طرح نسبی بھتیجی سے نکاح ناجائز ہے تو رضائی بھتیجی سے بھی نکاح ناجائز ہے۔تو جتنے نسبی رشتے حرام ہیں اتنے سب کے سب رضائی رشتے بھی حرام ہیں۔اب چونکہ دوسری نص آ گئی۔رسول اللہ ﷺ کا واضح ارشاد آ گیا:

---

❶ سورۃ یونس آیت ٤٤۔

❷ سورۃ نساء آیت ٢٤۔

«یَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا یَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ۔» ❶

اس لئے ﴿وَاُحِلَّ لَکُمْ مَاوَرَآءَ ذٰلِکُمْ﴾ کا مفہوم یہ نہیں لے سکتے کہ دو رضائی رشتوں کے علاوہ باقی رشتے حلال ہیں۔یہ مطلب اگر کوئی لیتا ہے تو وہ غلطی کر رہا ہے۔پھر پیچھے محرمات میں آیا ہے:

﴿وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ﴾ ❷

دو بہنیں بیک وقت ایک آدمی کے نکاح میں جمع نہیں ہوسکتیں۔حرام ہیں۔تو اس کے علاوہ اللہ تعالی فرمارہے ہیں وہ تمہارے لئے حلال ہیں۔اب پھوپھی اور بھتیجی کو ایک نکاح میں جمع کرنا ان کے علاوہ ہے۔خالہ اور بھانجی کو ایک نکاح میں جمع کرنا ان کے علاوہ ہے۔لیکن حلال نہیں۔

﴿وَاُحِلَّ لَکُمْ مَا وَرَآءَ ذٰلِکُمْ﴾ کا مفہوم یہ بنتا ہے کہ پھوپھی اور بھتیجی، خالہ اور بھانجی ایک نکاح میں بیک وقت آسکتی ہیں لیکن اب نص آگئی۔رسول اللہ ﷺ نے منع فرما دیا ہے۔کہ پھوپھی اور بھتیجی دونوں ایک نکاح میں جمع نہیں ہو سکتیں۔خالہ اور بھانجی دونوں ایک نکاح میں جمع نہیں ہوسکتیں۔ ❸

پھر ﴿وَاُحِلَّ لَکُمْ مَا وَرَآءَ ذٰلِکُمْ﴾ کا مفہوم یہ بھی بنتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بیٹی اور عدو اللہ کی بیٹی دونوں ایک نکاح میں جمع ہوسکتی ہیں کیونکہ ﴿مَا وَرَآءَ ذٰلِکُمْ﴾ کی صورت میں یہ داخل ہوتی ہیں۔لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ کی قسم رسول اللہ ﷺ کی بیٹی اور عدو اللہ کی بیٹی ایک نکاح میں ہرگز جمع نہیں ہوں گی'' ❹

---

❶ صحیح مسلم باب تحریم ابنة الأخ من الرضاعة حدیث ١٤٤٧۔

❷ سورۃ نساء آیت ٢٣۔

❸ صحیح بخاری باب لا تنکح المرأة علی عمتها حدیث ٤٨١٩

❹ صحیح بخاری کتاب فضائل أصحاب النبی ﷺ باب ذکر أصهار النبی ﷺ منهم أبو العاص بن الربیع رضی اللہ عنہ حدیث ٣٧٢٩۔

دونوں جمع نہیں کر سکتے حرام ہے۔منطوق نص صریح آ گئی۔اس لئے اس آیت کا یہ مفہوم نہیں نکالیں گے۔

اسی طرح ﴿أَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً﴾ کے الفاظ سے جو سودی لوگ بڑے خوش ہوتے ہیں کہ جی سود مفرد تو جائز ہے۔اللہ تعالی نے تو صرف سود مرکب حرام کیا ہے۔ یہ ان کی خام خیالی ہے۔سود مفرد بھی حرام ہے،سود مرکب بھی حرام ہے۔

تیسرا مقام:

جہاں اللہ تعالی نے سود کا تذکرہ فرمایا:اس مقام پر اہل کتاب یہودیوں کا ذکر ہو رہا ہے۔اللہ تعالی فرماتے ہیں:

﴿ فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا وَ اَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَ قَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَ اَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا﴾[1]

اللہ تعالی یہودیوں کے وہ گناہ گنوا رہے ہیں جن کے سبب وہ طیب چیزیں اللہ تعالی نے ان پر حرام کر دیں جو پہلے حلال تھیں مگر ان کے گناہوں،ان کی بدعنوانیوں اور بدکرداریوں کی بنا پر اللہ تعالی نے ان کو حرام قرار دے دیا۔کئی گناہ ذکر کئے ہیں۔ان میں سے ایک گناہ یہ بھی ذکر کیا ہے:

﴿وَ اَخْذِهِمُ الرِّبٰوا﴾

"ان کے سود لینے کے سبب"

وہ سودی کاروبار کرتے تھے۔اور سود لیتے اور دیتے تھے۔

یہ سودی نظام جو پوری دنیا پر رائج ہے اور غالب آ چکا ہے اس کے موجد یہودی ہیں۔اور اس نظام کی سرپرستی آج بھی یہودی کر رہے ہیں۔بڑے بڑے سودی ادارے، ورلڈ بینک اور آئی ایم ایف کو یہودی ہی چلا رہے ہیں۔اس وقت

---

[1] سورۃ نساء،آیت ١٦٠-١٦١۔

بھی یہودی سودی کاروبار میں پیش پیش تھے۔اللہ تعالی فرماتے ہیں :

﴿ وَ اَخۡذِهِمُ الرِّبٰوا وَ قَدۡ نُهُوۡا عَنۡهُ ﴾

ان کے سود لینے کے سبب اللہ تعالی نے پاکیزہ چیزیں جو پہلے حلال تھیں ان پر حرام کر دیں۔

﴿وَ قَدۡ نُهُوۡا عَنۡهُ ﴾

اللہ تعالی فرماتے ہیں:''حالانکہ ان کو سود سے منع کیا گیا تھا۔''

کہ سود نہ لینا اور نہ دینا ،سودی کاروبار نہ کرنا، اللہ تعالی کے منع کرنے کے باوجود سودی کاروبار کرتے تھے۔

﴿وَ اَكۡلِهِمۡ اَمۡوَالَ النَّاسِ بِالۡبَاطِلِ ﴾

''اور ان کے لوگوں کے مالوں کو باطل طریقے سے کھانے کی وجہ سے''

اللہ تعالی نے ان پر حلال چیزیں حرام کر دیں۔وہ لوگوں کا مال باطل طریقے سے کیسے کھاتے تھے؟ کہتے:

﴿ لَيۡسَ عَلَيۡنَا فِى الۡاُمِّيّٖنَ سَبِيۡلٌ ﴾ ❶

''یہ امی لوگ ہیں ان کے متعلق ہمیں کوئی پوچھ گچھ نہیں ہوگی''

جیسے چاہیں ان کا مال کھا جائیں ،ظلم کریں ،ہڑپ کریں۔اس قسم کی باتیں بنا کر انہوں نے سود کو حلال قرار دینے کی کوشش کی۔اور اہل اسلام میں بھی ایسے لوگ پیدا ہو گئے ہیں جو دار الحرب اور کفار سے معاملے کرتے وقت سود کے جواز کا فتوی دیتے ہیں۔تو دراصل یہ بات یہودیوں کی طرف سے آئی ہے۔مسلمانوں کی یہ بات نہیں ہے۔فرمایا:

﴿ وَ اَعۡتَدۡنَا لِلۡكٰفِرِيۡنَ مِنۡهُمۡ عَذَابًا اَلِيۡمًا﴾

''ان سے کفر کرنے والوں کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کیا ہوا ہے''

پیچھے اللہ تعالی نے ان کا جرم بیان کیا سود کھانے کا اور لوگوں کے مال باطل

❶ سورۃ آل عمران آیت ۷۵۔

طریقے سے کھانے کا۔ آگے فرمایا: ﴿ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴾ یہ اشارہ فرمایا ہے کہ سود کھانا، لینا، دینا اور لوگوں کا مال باطل طریقے سے کھانا یہ بھی ایک قسم کا کفر ہی ہے۔ اور ایک گنا اسلام سے خارج ہونے والی بات ہے۔ کیونکہ اللہ تعالی نے یہ فرمایا ہے:

﴿ وَ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴾

یہ چھٹا پارہ ہے سورۃ نساء ہے جہاں یہودیوں کے سود خور ہونے کا اللہ تعالی نے تذکرہ فرمایا ہے۔

قرآن مجید کا چوتھا مقام:

سورۃ روم اکیسواں پارہ آیت نمبر ۳۹ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

﴿ وَ مَا آتَيْتُمْ مِنْ رِبًا لِيَرْبُوَا فِي اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ وَ مَا آتَيْتُمْ مِنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ﴾ [1]

فرمایا جو تم سود دیتے ہو (کچھ لوگ سود دیتے ہیں اور کچھ لوگ سود لیتے ہیں) سود دینے والے، سود اس وجہ سے دیتے ہیں کہ جن کو دیا جا رہا ہے ان کے مال میں اضافہ ہو جائے ان کا مال بڑھ جائے۔ اور سود لینے والے سود اس وجہ سے لیتے ہیں تاکہ ہمارا مال بڑھ جائے۔ اور کسی قسم کی محنت اور مشقت بھی نہ کرنی پڑے۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

''جو تم سود لوگوں کو دیتے ہو۔ تاکہ لوگوں کا مال بڑھے''

﴿ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ﴾

''اللہ کے ہاں یہ مال نہیں بڑھتا''

بلکہ مال میں کمی واقع ہوتی ہے۔ آپ دیکھ لیں سودی نظام ہمارے ملک میں بھی چل رہا ہے۔ سود کی نئی نئی قسمیں نکلتی ہیں۔ اخبارات میں آپ پڑھتے ہیں کہ راتوں رات لاکھ پتی، کروڑ پتی، ارب پتی یہ سب سود کی سکیمیں ہیں۔ لیکن اس کے باوجود معیشت اور اقتصاد کا دیوالیہ نکل رہا ہے۔ پریشان ہیں کہ کیا بنے گا۔

[1] سورۃ روم آیت ۳۹۔

تو پتہ چلا کہ اس سود کے ذریعے مالوں میں اضافہ نہیں ہوتا بلکہ کمی واقع ہوتی ہے۔ کیونکہ کچھ لوگ سود دیتے رہتے ہیں اور کچھ لوگ لیتے رہتے ہیں۔ دینے والے آہستہ آہستہ بالکل کنگال ہو جاتے ہیں۔ محنت انہوں نے ہی کرنی ہوتی ہے تو محنت کرنے کے یہ بالکل قابل ہی نہیں رہتے۔ معیشت تباہ ہو جاتی ہے۔ سود خوروں نے تو محنت کرنی نہیں ہوتی وہ پیسہ اکٹھا کرتے جاتے ہیں نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ملک کی معیشت تباہ و برباد ہو کر رہ جاتی ہے۔ تو اللہ تعالی فرماتے ہیں:

﴿فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ﴾

''عند اللہ اس سود کے ذریعے مال میں اضافہ نہیں ہوتا''

جب عند اللہ مال نہیں بڑھتا تو عند الناس ناس، بھی وہ جو خناس ہیں، ان کے نزدیک بڑھتا ہے۔ تو بڑھتا رہے کیا بڑھے گا؟ عند اللہ نہیں بڑھتا۔ فرمایا:

﴿وَ مَا آتَيْتُمْ مِنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ﴾

''اور جو تم زکوۃ دیتے ہو''

غرباء، مساکین میں تمہارا مال تقسیم ہوتا ہے دوسروں کے پاس مال پہنچتا ہے۔ ان کے معاشی حالات درست اور بہتر ہو جائیں گے۔ اور زکوۃ بھی وہ کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں: ﴿تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ﴾ ریاکاری نہیں، شہرت حاصل کرنا مقصود نہیں بلکہ اللہ تعالی کے چہرے کا ارادہ ہے فرمایا:

﴿فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ﴾

''یہ اپنے مال کو دوگناہ کرنے والے ہیں''

ان کا اپنا مال بھی بڑھتا ہے جن کے پاس جاتا ہے ان کی معاشی حالت بھی بہتر بنتی ہے۔ ان کا مال تقسیم ہوتا رہتا ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ جو امیر ہے وہ امیر تر بنتا جاتا ہے اور جو غریب ہے وہ غریب تر بنتا جاتا ہے۔ بلکہ امیروں کا مال بھی غریبوں تک پہنچتا رہتا ہے۔ پھر اللہ تعالی نے وراثت والا قانون رکھ دیا ہے۔ اس کی جتنی

جائیداد ہے وہ اس کے ورثاء میں تقسیم ہوگی۔مال اس طرح تقسیم ہوتا رہے گا۔بقدر ضرورت سب کے پاس پہنچ جائے گا۔لیکن سودی نظام اور سرمایہ کارانہ نظام میں یہ چیز نہیں ہے۔

قرآن مجید میں ان چار مقامات میں اللہ تعالی نے سود کا تذکرہ کیا ہے۔جو آپ نے سماعت فرمائے ہیں۔

درس کا دوسرا حصہ

سود کے متعلق نبی اکرم ﷺ کی احادیث مبارکہ بہت زیادہ ہیں۔احادیث کی کتابوں میں درج ہیں۔صحیح بخاری ،صحیح مسلم ،ابوداؤد ،ترمذی،نسائی ،ابن ماجہ بیہقی ، دارقطنی ،مسند امام احمد ،دارمی ،صحیح ابن حبان ،صحیح ابن خزیمہ ،صحیح ابن السکن اور حدیث کی کتابوں میں رسول اللہ ﷺ کی بے شمار احادیث ہیں۔اس مختصری فرصت میں تو وہ ساری کی ساری بیان نہیں کی جا سکتیں۔چندایک کے بیان کرنے پر اکتفاء کرتا ہوں۔

صحیح مسلم میں ہے۔حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

«لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ آكِلَ الرِّبٰوا وَ مُوْكِلَهٗ وَ كَاتِبَهٗ وَ شَاهِدَيْهِ وَ قَالَ سَوَاءٌ ـ» [1]

”رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے پر سود کھلانے والے پر اور سودی لین دین کو تحریر میں لانے والے پر اور سودی کاروبار ،سودی لین دین پر گواہی دینے والے پر لعنت بھیجی ہے“

رسول اللہ ﷺ نے ان چار اشخاص پر لعنت بھیجی ہے اور فرمایا:

«هُمْ سَوَاءٌ »

”یہ چاروں برابر ہیں۔“

[1] صحیح مسلم باب لعن آکل الربوا ومؤکلہ حدیث ۱۵۹۸۔

یہ نہیں کہ سود لینے دینے والے پر لعنت زیادہ ہے۔اور سود لکھنے والے ،گواہی دینے والے کلرک منشی پر لعنت کم ہے۔بلکہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے: « هُمْ سَوَاءٌ » ''یہ سب برابر ہیں'' جتنی لعنت سود لینے والے پر اتنی ہی لعنت سود کو تحریر میں لانے والے کاتب پر اور اتنی لعنت ان پر جو گواہ بنتے ہیں۔یہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان صحیح مسلم میں ہے اس پر خوب غور کرو۔

کئی بڑے متقی اور پرہیز گار قسم کے لوگ کہتے ہیں کہ جی ہم نہ سود لیتے ہیں اور نہ دیتے ہیں ہم مجرم کیسے بن گئے ؟ ہمارا تو کرنٹ اکاؤنٹ ہے۔کرنٹ اکاؤنٹ پر ذرا غور کرو۔وہ کاتب جس نے سود کو تحریر کیا ہے۔کیا اس نے سود لیا ہے؟نہیں۔سود دیا ہے ؟نہیں۔لیکن لعنت اس پر بھی پڑ گئی ہے۔گواہ بننے والا کیا اس نے سودلیا ہے ؟ نہیں۔سود دیا ہے ؟نہیں۔لیکن لعنت اس پر بھی پڑ گئی ہے۔اور لعنت بھی اتنی جتنی سود لینے اور دینے والے پر۔کیونکہ اس حرام کاروبار میں وہ معاون ثابت ہوئے ہیں۔ انہوں نے تعاون کیا ہے۔اس تعاون کی وجہ سے ان پر بھی لعنت۔اللہ تعالی نے قرآن مجید میں فرمایا ہے:

﴿ وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ﴾

''تقویٰ اور نیکی کے کام میں ایک دوسرے سے تعاون کرو''

﴿ وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ﴾ [1]

''گناہ اور ظلم زیادتی کے کام پر ایک دوسرے سے تعاون نہ کرو''

تو یہ گواہ اور محرر منشی کاتب یہ حرام کاروبار میں معاون بن رہے ہیں اس لئے ان پر بھی لعنت ہے۔اب ذرا غور کریں کہ کرنٹ اکاؤنٹ والے کتنے بڑے معاون ہیں اتنے بڑے معاون منشی اور کاتب نہیں جتنے بڑے معاون سودی کاروبار کے یہ کرنٹ اکاؤنٹ والے ہیں۔اور اتنا معاون گواہ بھی نہیں۔گواہ تو صرف گواہ ہے نا؟ کاتب نے تو صرف وہ پرچہ تحریر کر دیا اور بس۔اس کا اتنا ہی تعاون ہے نا؟اور

[1] سورۃ مائدۃ آیت ۲۔

کرنٹ اکاؤنٹ والے لاکھوں کروڑوں روپیہ سودی اداروں کے حوالے کر دیتے ہیں کہ جتنا چاہو لوگوں کو یہ قرض دے دے کر سود وصول کرو ہم آپ سے سود کا ایک پیسہ بھی نہیں لیں گے۔تو معاون ہوئے یا نہ ہوئے؟

کرنٹ اکاؤنٹ میں جتنی رقم جمع ہے۔بینک والے وہ لوگوں کو دے کر پیسے وصول نہیں کریں گے؟پیسہ تو بینک کا نہیں وہ تو کرنٹ اکاؤنٹ والوں کا ہے۔یہ بڑے سادہ سے معصومانہ انداز سے کہہ دیتا ہے جی میں تو نہ سود لیتا ہوں اور نہ سود دیتا ہوں میرا تو کرنٹ اکاؤنٹ ہے۔

اس کی مثال اس طرح سمجھ لیجئے کہ ایک آدمی کسی کو قتل کرنے کے لئے جا رہا ہے خون بہانے کے لئے جا رہا ہے۔راستے میں کوئی آدمی اس کو چھرا پکڑا دیتا ہے یہ چھرا لے جاؤ تو وہ اس چھرے سے اس کو قتل کر دیتا ہے۔تو یہ چھرا پکڑانے والا اگر یہ کہے کہ جی میں نے تو قتل نہیں کیا صرف اس کو چھرا پکڑایا ہے۔تو کیا یہ مجرم بنے گا یا نہیں بنے گا؟ہاں یہ بھی مجرم بنے گا۔یہ کرنٹ اکاؤنٹ والے بھی بینک والوں کو چھرا پکڑاتے ہیں۔کہ اس چھرے کے ساتھ لوگوں کا خون بہاؤ۔خون پسینے کی کمائی ان سے بٹوروا تنا معاون تو سیونگ اکاؤنٹ والا بھی نہیں۔جتنا معاون کرنٹ اکاؤنٹ والا ہے

ٹھیک ہے سیونگ اکاؤنٹ والا جو سود وصول کرتا ہے یہ اس کا جرم ہے۔لیکن تعاون کے اعتبار سے اس کا تعاون کرنٹ اکاؤنٹ والے کے تعاون کی نسبت کم ہے۔کیونکہ بینک والے اس کی رقم سے جتنا سود لوگوں سے وصول کریں گے۔اس سے کچھ وہ لے جائے گا۔بینک والوں کے پاس تھوڑا رہ جائے گا۔اور کرنٹ اکاؤنٹ والے کی رقم سے جتنا سود بینک والے بٹوریں گے وہ سارا اپنی جیب میں ڈالیں گے۔زیادہ معاون ہوا نا؟

لہٰذا نبی اکرم ﷺ نے سودی کاروبار میں منشی تحریر کرنے والے اور اس کاروبار پر گواہی بھرنے والے پہ لعنت بھیجی ہے۔اس پر ذرا غور کرو ان پر لعنت

کیوں ہے حالانکہ نہ انہوں نے سود لیا ہے۔اور نہ سود دیا ہے۔

کرنٹ اکاؤنٹ والے چکر میں اچھے بھلے لوگ بھی مبتلا ہیں۔دینی ادارے، مساجد اور دوسری دینی تنظیمیں ان کے منتظمین ارباب حل وعقد کروڑوں، کھربوں روپیہ جمع کرتے ہیں جمع کر کے بینک کے حوالے کر دیتے ہیں۔کرنٹ اکاؤنٹ میں جمع کرواتے ہیں یہ بھی معاون ہوئے نا؟

ایک طرف تو یہ سود کی مخالفت کرتے ہیں کہ سود حرام ہے، لینا بھی حرام، دینا بھی حرام۔اس میں تعاون کرنا بھی حرام نا جائز۔دوسری طرف وہ خود زبردست قسم کے معاون بنے ہوئے ہیں۔بلکہ اگر یہ کہہ دیا جائے تو غلط نہیں ہوگا کہ کرنٹ اکاؤنٹ والوں کے بل بوتے پر سارے بینک چل رہے ہیں اس کاروبار کو زیادہ فروغ دینے والے یہ لوگ ہیں۔کیونکہ دوسرے تو کچھ لے جاتے ہیں۔یہ تو ان سے لیتے نہیں۔سارا پیسہ ان کو جمع کرواتے ہیں۔اس لئے یہ مساجد کے منتظمین، دینی اداروں کے منتظمین اور دینی جماعتوں کے ارباب حل وعقد اس مسئلہ پر بھی ذرا ٹھنڈے دل سے غور کریں کہ ہم بھی مجرم نہ بن رہے ہوں۔ایک طرف تو پوری کوشش کرتے ہیں۔کہ ملک سے سود کا سرمایہ ختم ہو جائے۔دوسری طرف فروغ بھی خود دیتے ہیں۔

پھر یہ مسئلہ بھی بڑا پیش کیا جاتا ہے کہ جی پھر حفاظت کیسے کریں؟ یہ تو حفاظت کا مسئلہ ہے گھر میں رکھیں تو چور ڈاکو آجائیں گے۔

ذرا غور فرماؤ! کیا چور اور ڈاکو صرف روپے پر ہی آتے ہیں؟ گھر کا دوسرا سامان نہیں لے جاتے۔بستر اٹھا کر لے جاتے ہیں۔پھر وہ چیزیں بھی بینک میں جمع کروا دو۔بسا اوقات تو انسان کو جان کا بھی خطرہ ہوتا ہے۔گھر میں داخل ہو کر وہ قتل کر کے چلے جاتے ہیں۔آپ روزانہ خبریں پڑھتے ہی رہتے ہیں۔کہ فلاں گھر کے اتنے افراد کو ڈاکوؤں نے قتل کر دیا۔اور مال بھی لے گئے ہیں۔اب تو جان کا خطرہ ہے گھروں میں۔عزت آبرو۔عصمت کا بھی خطرہ۔ہے گھروں میں۔تو پھر کیا وہ

سارے بینک میں جا کر بیٹھ جائیں؟اور جن لوگوں نے گائیں بھینسیں رکھی ہوئی ہیں۔بسااوقات چور وہ بھی اٹھا کر لے جاتے ہیں۔تو کیا بھینسیں بینک میں جا کر جمع کروا دیں؟کہ ہمیں ان کا خطرہ ہے۔

سوچو اور غور کرو:اللہ تعالیٰ پر کچھ توکل بھی کرو۔اسلام کا نام لے رہے ہیں۔ اہلحدیث اور اہلسنت کہلواتے ہیں۔کچھ تو اس کی لاج رکھیں۔اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں:

﴿إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾

بہر حال یہ بات ضمناً آ گئی۔رسول اللہ ﷺ کی حدیث سنا رہا تھا۔فکر کرو۔

کچھ ڈرو خدا سے مکر و ریا سے کام نہ لو

یا اسلام پہ چلنا سیکھو یا اسلام کا نام نہ لو

دوسری حدیث مسند احمد میں ہے۔دار قطنی میں بھی ہے۔عبد اللہ بن حنظلہ غسیل الملائکہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«دِرْهَمٌ رِبًا يَأْكُلُهُ الرَّجُلُ وَ هُوَ يَعْلَمُ أَشَدُّ عِنْدَ اللهِ مِنْ سِتَّةٍ وَ ثَلَاثِينَ زِنْيَةً.» [1]

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

سود کا درہم بالکل معمولی سود۔درہم یہ بالکل معمولی چاندی کو کہا جاتا ہے۔ ماشوں میں ہے ،تولوں میں بھی نہیں ہے۔تقریباً صرف تین ماشے ذرا اوپر بنتا ہے۔تو رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں :

«دِرْهَمٌ رِبًا يَأْكُلُهُ الرَّجُلُ»

''سود کا ایک درہم جس کو انسان کھاتا ہے''

«وَ هُوَ يَعْلَمُ»— ''اور وہ جانتا بھی ہے''

---

[1] سنن الدار قطنی کتاب البیوع حدیث ٤٨۔مسند احمد حدیث ٢٢٠٠٧عن عبد الله بن حنظلة غسیل الملائکة جزء ٥صفحه ٢٢٥ مطبوعه مؤسسة قرطبه مصر۔

کہ یہ سود ہے۔ جان بوجھ کر سود کھا لیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ کے ہاں چھتیس تیس اور چھ چھتیس بدکاریوں زناؤں سے سنگین جرم ہے"

غور فرماؤ: چھتیس زنا کتنا بڑا جرم ہے۔ تو ایک درہم سود کا یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں چھتیس زناؤں سے بھی زیادہ بڑا جرم ہے۔

غور کرو! یہ سودی کاروبار کرنا، سود لینا دینا، اس میں معاون بننا اللہ تعالیٰ کے ہاں کتنا سنگین جرم ہے؟ پھر اس بات پر بھی غور کرو کہ رسول اللہ ﷺ نے سود کے ایک درہم کو چھتیس بدکاریوں سے زیادہ سنگین جرم قرار دیا ہے۔

جبکہ زنا جیسی بدکاریوں کے علاوہ بھی بہت سے گناہ ہیں۔ آپ ﷺ یہ بھی فرما سکتے تھے کہ چھتیس چوریوں سے زیادہ سنگین جرم ہے، چھتیس ڈکیتیوں سے زیادہ سنگین جرم ہے۔ چھتیس قتل کرنے سے زیادہ سنگین جرم ہے۔ یہ بھی آپ ﷺ فرما سکتے تھے لیکن رسول اللہ ﷺ نے نہ چوری اور ڈکیتی والے جرم کا ذکر فرمایا اور نہ قتل والے جرم کا ذکر فرمایا جرم ذکر کیا تو چھتیس زنا والے جرم کا ذکر فرمایا۔ کیونکہ زنا میں بے حیائی بے غیرتی ہے۔ جو آدمی یہ حرکت کرتا ہے وہ بے حیا بے غیرت ہے۔ بالکل اسی طرح سودی کاروبار کرنے والے سود لینے والے، سود دینے والے ان میں بے حیائی اور بے غیرتی پائی جاتی ہے۔ ملک میں روز بروز جو بے حیائی بڑھ رہی ہے اس کے اسباب بہت زیادہ ہیں۔ لیکن ایک سبب اس کا یہ بھی ہے۔ کہ سودی نظام ملک میں چل رہا ہے۔ یہ لوگوں کو بے حیا اور بے غیرت بناتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی تیسری حدیث ابن ماجہ میں ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلرِّبَا سَبْعُوْنَ جُزْءًا اَيْسَرُهَا مِثْلُ اَنْ يَّنْكِحَ الرَّجُلُ اُمَّهٗ ـ» [1]

---

[1] سنن ابن ماجة باب التغليظ في الربا حديث ٢٢٧٤ مطبوعه دار الفكر بيروت جزء ٢ صفحه ٧٦٤۔
ابن ماجہ میں جزء کی بجائے حوبا کے لفظ ہیں۔

''سود کے ستر حصے ہیں۔ ستر اجزاء ہیں ۔'' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''ان ستر میں سے جو معمولی درجے کا جزء ہے بالکل معمولی جزء اتنا بڑا جرم ہے کہ جس طرح کوئی آدمی اپنی والدہ کے ساتھ نکاح کر لے۔''

والدہ کے ساتھ نکاح کرنا کتنا بڑا جرم ہے؟ رسول اللہ ﷺ کے دور میں ایک آدمی نے یہ حرکت کر لی تھی۔ نبی اکرم ﷺ نے ایک صحابی کو جھنڈا دے کر بھیجا کہ اس آدمی کا سر قلم کر دو۔ چنانچہ وہ صحابی گئے اور جس نے اپنی والدہ کے ساتھ نکاح کیا ہوا تھا۔ اس کا سر قلم کر دیا۔ [1]

اتنا بڑا جرم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے مجرم کا سر قلم کروادیا ہے۔ تو ادھر رسول اللہ ﷺ سود کے بالکل معمولی حصہ کو بہت بڑے جرم کے ساتھ تشبیہ دے رہے ہیں۔

((مِثْلُ اَنْ یَنْکِحَ الرَّجُلُ اُمَّہٗ))

تو کیا پھر یہ معمولی گناہ ہوگا؟ معمولی سود کا جب اتنا بڑا گناہ ہے تو جو سود کے بڑے بڑے حصے ہیں ان کا پھر کیا حال ہوگا؟ وہ تو اس سے بھی زیادہ سنگین ہوں گے۔

اب رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد پر بھی غور کرو کہ رسول اللہ ﷺ نے معمولی سود کو والدہ کے ساتھ نکاح کرنے والے جرم کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ جرم تو اور بھی بہت سارے ہیں۔ نبی ﷺ کو معلوم بھی تھے لیکن اس جرم کے ساتھ تشبیہ اس لئے دی ہے کہ اس میں انتہا درجے کی بے غیرتی اور بے حیائی پائی جاتی ہے۔ کہ والدہ کے ساتھ آدمی نکاح کرے۔ اور یہ حرکت کرے کتنا بڑا بے حیائی والا یہ جرم ہے؟

تو رسول اللہ ﷺ اس میں بھی اشارہ فرما رہے ہیں کہ یہ سود اور سودی نظام لوگوں کو بے حیا بنا دیتا ہے۔ اس لئے اس سے بچنا بہت ہی ضروری ہے۔

[1] جامع ترمذی باب فیمن تزوج امرأة أبیه حدیث ١٣٦٢۔

رسول اللہ ﷺ کی سود کی مذمت پر اور بہت سی احادیث ہیں۔رسول اللہ ﷺ کی ایک لمبی حدیث ہے اس میں سود والے حصے کو بیان کر کے احادیث کے سلسلے میں جو بات ہے اس کو ختم کرتا ہوں۔

صحیح بخاری میں حدیث ہے۔حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

رات کو میرے پاس دو آنے والے آئے۔وہ مجھے اٹھا کر پاک سرزمین کی طرف لے گئے۔تو نبی ﷺ نے بہت سی چیزیں دیکھیں۔ان میں سے ایک یہ بھی تھی۔کہ آپ ﷺ نے دیکھا۔ایک خون کا دریا ہے۔اس کے اندر ایک آدمی کھڑا ہے۔اور اس کے کنارے پر بھی ایک آدمی کھڑا ہے۔کنارے والے آدمی کے پاس پتھروں کا ایک ڈھیر بھی ہے۔خون کے دریا میں جو آدمی ہے وہ کوشش کرتا ہے کہ اس دریا سے باہر نکل جائے۔جب وہ کنارے کے پاس آتا ہے تو کنارے والا آدمی پتھروں کے ڈھیر سے ایک پتھر پکڑتا ہے اور زور سے اس کے منہ پر مارتا ہے۔وہ پھر خون کے دریا کے وسط میں جا پہنچتا ہے۔وہ پھر کوشش کرتا ہے کہ اس سے باہر نکل جائے۔لیکن پھر کنارے والا شخص اس کے منہ پر پھر زور سے ایک پتھر مارتا ہے۔مسلسل یہی سلوک اس کے ساتھ ہو رہا ہے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: میں نے ان دونوں سے پوچھا۔جبریل اور میکائیل علیہما السلام سے جو مجھے اٹھا کر لے گئے تھے۔اس آدمی کو یہ سزا کیوں مل رہی ہے؟تو انہوں نے فرمایا یہ سود خور ہے۔یہ سودی لین دین سودی کاروبار کیا کرتا تھے۔اس لئے اس کو یہ سزا مل رہی ہے۔اور ساتھ ہی فرمایا:

«وَ يُفْعَلُ بِهٖ مَا رَاَيْتَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ۔» [1]

”جو سزا اس کو ملتے دیکھی یہ سزا روز قیامت تک اس کو ملتی جائے گی“

اور وہ سزا جو قیامت کے بعد ملنی ہے دوزخ اور جہنم والی جس کے متعلق اللہ

[1] صحیح بخاری کتاب الجنائز باب ما قیل فی أولاد المشرکین حدیث ۱۳۸۶۔

تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿أُولَٰئِكَ أَصْحَٰبُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَٰلِدُونَ﴾

وہ سزا اس سے مستزاد ہے۔

اتنا بڑا یہ سنگین جرم ہے کہ برزخ اور قبر میں بھی باعث عذاب اور موجب سزا ہے۔ اور آخرت میں بھی باعث عذاب اور موجب سزا ہے۔

گفتگو کا تیسرا حصہ سود کی اقسام ہے

سود کی اقسام تو بہت زیادہ ہیں۔ اس مختصر سی فرصت میں تو وہ ساری بیان نہیں کی جا سکتیں۔ سود مفرد کے متعلق تو آپ پہلے سن چکے ہیں کہ حرام ہے۔ سود مرکب بھی حرام ہے۔ ایک ہے سود تجارتی یہ بھی حرام ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اس کے راوی ہیں، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

«اَلذَّهَبُ بِالذَّهَبِ رِبًا اِلَّا هَاءَ وَهَاءَ وَالْوَرِقُ بِالْوَرِقِ رِبًا اِلَّا هَاءَ وَ هَاءَ وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ رِبًا اِلَّا هَاءَ وَ هَاءَ وَالشَّعِيْرُ بِالشَّعِيْرِ رِبًا اِلَّا هَاءَ وَ هَاءَ وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ رِبًا اِلَّا هَاءَ وَ هَاءَ۔» ❶

''سونے کی سونے کے ساتھ بیع سود ہے۔ ہاں برابر برابر اور نقد با نقد ہو تو پھر ٹھیک ہے اگر ایک طرف سونا وزن میں تولہ ہے اور دوسری طرف سونا بیع میں سوا تولہ ہے تو یہ سود ہے۔ ایک طرف سونا تولہ ہے اور دوسری طرف بھی تولہ ہے لیکن ایک سونا بعد میں دینا ہے۔ خواہ ایک دو دن ہی بعد میں دینا ہو یہ بھی سود ہے۔ یہ تجارت ہے اور اس میں بھی سود ہے''

اب یہ کہنا کہ قرآن مجید میں جو سود حرام کیا گیا ہے وہ ذاتی ہے وہ صرفی سود ہے تجارتی سود نہیں یہ بات کہنا غلط ہے اور یہ بات بے بنیاد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صرفی اور ذاتی اور تجارتی بلکہ ہر قسم کے سود کو حرام قرار دیا ہے۔ اور قرآن مجید میں

❶ صحیح بخاری کتاب البیوع باب بیع الشعیر بالشعیر حدیث ۲۱۷۴۔

تجارتی سود کی حرمت کی طرف اشارہ بھی ہے:

﴿ وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ﴾ ❶

''اللہ تعالی نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام قرار دیا ہے''

سود کے ضمن میں بیع اور تجارت کا ذکر کیوں کیا ہے؟ اس وجہ سے کیا ہے کہ تجارت میں بھی سود ہے۔ اور وہ بھی حرام ہے۔ صرف یہ تجارت حلال ہے جس کی قرآن وسنت اجازت دے۔ جس کی قرآن وسنت اجازت نہ دے وہ تجارت بھی حرام ہے۔ سود تو ہے ہی حرام۔ تجارتی سود بھی حرام ہے۔

سود کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ لینے اور دینے والا دونوں راضی ہوں۔ اس کو بھی کئی لوگ جائز سمجھتے ہیں۔ لیکن یہ بات بھی بے بنیاد ہے۔ سود حرام ہے جس چیز کو اللہ تعالی نے حرام قرار دے دیا اب اس میں رضا مندی ہو یا نہ ہو وہ حرام ہی ہے۔

بلال رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس برنی کھجوریں لے کر حاضر ہوئے۔ یہ بہت اعلی قسم کی کھجوریں ہوتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ برنی کھجوریں آپ نے کہاں سے لیں؟ بلال رضی اللہ عنہ نے کہا ہم ادنی کھجوروں کے دو ٹوپے دے کر برنی کھجوروں کا ایک ٹوپہ لیتے ہیں۔ تو یہ کچھ کھجوریں اس میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور ہدیہ پیش کر رہا ہوں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أَوَّهْ عَيْنُ الرِّبٰوا عَيْنُ الرِّبٰوا۔))

''بہت افسوس ہے یہ تو بعینہ سود ہے''

تو کیا یہ تجارت نہیں؟ اور پھر ہے بھی رضا مندی سے۔ ایک ٹوپہ دینے والا بھی راضی اور دو ٹوپے دینے والا بھی راضی۔ دونوں نے رضا مندی سے سودا کیا ہے اس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عَيْنُ الرِّبٰوا'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھ ہوا۔ کہ بلال رضی اللہ عنہ یہ سودا کر رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بعینہ سود ہے حرام ہے آئندہ ایسا نہ کرو۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طریقہ بتایا۔ غیر برنی کھجوروں کو درہم اور دینار کے

❶ سورۃ بقرۃ آیت ۲۷۵۔

عوض فروخت کرو جو پیسے ملیں گے ان سے برنی کھجوریں خرید لینا۔ٹوپے کے بدلے دو ٹوپے والی بیع سود ہے۔ ❶

اب یہ باتیں بنانا کہ بائع اور مشتری کی رضا ہو تو یہ سود نہیں یا تجارتی سود سے منع نہیں کیا۔یہ باتیں بے بنیاد اور غلط ہیں یہ سب بہانے اور حیلے ہیں۔

سود کی ایک اور قسم آج کل بڑی چلی ہوئی ہے ''بولی والی کمیٹی''۔ آپ لوگ اس کو جانتے ہی ہیں۔یہ لاکھ کی کمیٹی ہوتی ہے اس کی بولی لگتی ہے۔کوئی کہتا ہے میں ۹۰٬۰۰۰ کی خریدتا ہوں۔کوئی پچانوے ہزار بولی لگاتا ہے کوئی پچاس ہزار کی خریدتا ہے۔کوئی ساٹھ ہزار کی بہرحال لاکھ کی تو نہیں خریدتا کم پر ہی سودا ہوتا ہے یہ بھی سود ہے۔کیونکہ رسول اللہ ﷺ فرما رہے ہیں :

((اَلذَّهَبُ بِالذَّهَبِ رِبًا اِلَّا هَاءَ وَهَاءَ وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ رِبًا اِلَّا هَاءَ وَ هَاءَ ـ)) ❷

سونے اور چاندی کی ایک دوسرے کے ساتھ بیع نقد با نقد ہو اور برابر برابر ہو تو جائز ہے ورنہ یہ سود ہے۔

کاغذ کے روپے کی بیع یہ سونے اور چاندی کی ہی بیع ہے۔روپے کی کمی پر عام محاورہ استعمال ہوتا ہے ''تفریط زر ہو گیا ہے'' یعنی زر کی کمی ہو گئی ہے۔اس کو زر اس لئے کہتے ہیں کیونکہ یہ حقیقت میں سونا ہے یا چاندی ہے۔شروع شروع میں جب یہ کاغذ کے نوٹ چلے تو ہر اس ملک کو جو یہ کاغذ کے نوٹ جاری کرتا ان کی قیمت کے برابر اس کو خزانے میں اتنا سونا رکھنا پڑتا تھا۔لیکن آہستہ آہستہ یہ بات بھی جاتی رہی۔اب وہ چھاپے خانے سے نوٹ چھپواتے ہیں۔اتنا سونا ہو یا نہ ہو۔اپنے ملک کا نظام چلاتے ہیں۔یہ بھی ایک قسم کا فراڈ ہے۔(یہ ایک مستقل موضوع ہے)

یہ نقدی کاغذ کے نوٹ جو سونے اور چاندی کے عوض نکلے ہیں اس میں لوگوں

❶ صحیح بخاری کتاب الوکالة باب اذا باع الوکیل شیئا فاسدا فبیعه مردود حدیث ۲۳۱۲۔

❷ صحیح بخاری کتاب البیوع باب بیع الشعیر بالشعیر حدیث ۲۱۷۴۔

کا سراسر نقصان ہے۔اونچے لوگوں کا جب دل چاہے اس کی قیمت کو کم کر دیں۔دل چاہے تو ویسے ہی منسوخ کر دیں۔لوگوں کا نقصان ہو جاتا ہے۔

بہر حال یہ سونا ہے یا چاندی ہے زر ہی ہے۔اور زر کی بیع برابر برابر ہو اور نقد با نقد ہو تو جائز ہے۔ورنہ یہ سود ہے حرام ہے۔اب لاکھ کا سودا نوے ہزار میں کمی بیشی ہے بالکل سود ہے۔اسی طرح اور بھی اس قسم کی جتنی کمیٹیاں ہیں کوئی بولی والی کمیٹی ہے ،کوئی لکی کمیٹی ہے۔کتنی کتنی کمیٹیاں لوگوں نے بنائی ہوئی ہیں سب غلط اور حرام ہیں۔صرف ایک کمیٹی جس میں آدمی جتنے پیسے دے اتنے ہی وصول کرے یہ درست ہے۔باقی میں کوئی نہ کوئی فراڈ اور دھوکا موجود ہے۔

نقد اور ادھار کی بیع :

• سود کی ایک قسم یہ قسطوں والا کاروبار بھی ہے۔جس میں نقد قیمت کم ہوتی ہے اور ادھار میں اس کی قیمت بڑھ جاتی ہے۔نقد اور ادھار قیمت میں فرق یہ بھی سود کی ایک قسم ہے۔خواہ وہ قسطوں میں ہو خواہ قسطوں کے بغیر ہو۔یک مشت ادھار قیمت نقد کی بلسبت زیادہ دے دے یا قسطوں میں دے دے وہ سود ہی ہے حرام ہے۔ہاں جتنی قیمت نقد ہے اتنی ہی قیمت وہ قسطوں میں دے دے تو درست ہے۔

مثلاً ایک چیز کی نقد قیمت دس ہزار ہے اتنی ہی رقم ۱۰۰۰۰ بیچنے والا قسطوں میں وصول کرتا ہے یہ ٹھیک ہے درست ہے اس میں کوئی حرج نہیں۔اگر ادھار میں دس ہزار کی بجائے گیارہ ہزار یا زیادہ وصول کرتا ہے یا قسطوں میں گیارہ ہزار یا زیادہ وصول کرتا ہے۔تو جتنا اس میں اضافہ ہوگا سود ہی ہے۔نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے :

«مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِيْ بَيْعَةٍ فَلَهٗ اَوْ كَسُهُمَا اَوِ الرِّبَا۔» ❶

''جو شخص ایک بیع میں دو بیعیں کرتا ہے تو اس کے لئے وہ ہے جو دو بیعوں

❶ سنن أبي داؤد كتاب الاجارة باب فيمن باع بيعتين في بيعة حديث ٣٤٦١ جزء ٣ صفحه ٢٧٤ مطبوعه دار الفكر

میں کم ہے یا سود ہے"

کم وہ نقد والی ہے ادھار والی جو زیادہ ہے سود بنے گی۔ نبی کریم ﷺ نے اس کو سود قرار دیا ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے نبی کریم ﷺ نے جو ایک بیع میں دو بیعوں سے منع کیا ہے اس کا سبب قیمت کا متعین نہ ہونا ہے۔

مثلاً ایک چیز کی قیمت نقد دس روپے ہے اور ادھار پندرہ روپے ہے۔ دس اور پندرہ میں سے کوئی قیمت طے کئے بغیر مجلس ختم ہو گئی تو قیمت کا پتہ نہیں تعین نہیں قیمت میں جہالت آگئی ہے۔ اس لئے یہ بیع ناجائز ہے۔

مگر رسول اللہ ﷺ نے تو یہ سبب بیان نہیں کیا۔ آپ ﷺ نے تو ربا سود ہونے کے سبب کو بیان کیا ہے۔ یہ منع اور حرام اس سبب سے ہے کہ سود ہے۔

اور پھر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ ایک بیع میں دو بیع والی صورت ہے ہی نہیں۔ بائع کہتا ہے نقد دس روپے کی ہے اور ادھار پندرہ روپے کی ہے۔ تو مشتری ادھار پندرہ روپے کی لے جاتا ہے یہ ایک بیع میں دو بیعیں ہے ہی نہیں۔ اب اگر ان سے پوچھا جائے کہ پھر دو بیعیں بنتی کیسے ہیں؟ تو وہ کہتے ہیں کہ مشتری نے کہا تھا میں ایک ماہ کے بعد پندرہ روپے دے دوں گا۔ اب ایک ماہ گزر گیا ہے۔ مشتری سے پندرہ روپے بنے نہیں تو بیچنے والا کہتا ہے آپ نے ایک مہینے میں پندرہ روپے نہیں دیئے اس لئے اب میں نے بیس روپے لینے ہیں یہ پانچ روپے اس نے پندرہ پر مزید بڑھائے ہیں یہ بیعتین فی بیعۃ ہے۔

چند منٹ کے لئے اس پر ہی غور کر لو۔ کہ پندرہ کا ادھار سودا تھا مہینے تک وہ دے نہیں سکا تو اب اس نے پانچ اور بڑھا دیئے یہ تو ناجائز ہے سب تسلیم کرتے ہیں۔ کیوں حرام ہے ناجائز ہے؟ اسی لئے نا کہ یہ سود ہے۔ کہ پہلے اس نے ایک مہینہ مہلت لی تھی۔ اب وہ اور زیادہ مہلت لے رہا ہے۔ تو اس مہلت کے بدلے وہ پانچ روپے بڑھا رہا ہے سود بن گیا۔ پندرہ سے بیس یہ پانچ روپے بالاتفاق سود بن گئے۔

جس علت اور سبب کی بنا پر یہ سود بنا ہے۔کیا دس سے پندرہ والے پانچ میں یہی سبب موجود نہیں ؟یعنی اگر اسی وقت وہ دیتا تو اس نے دس دینے تھے۔ایک مہینہ تاخیر سے دینے کی وجہ سے وہ پانچ روپے بڑھا رہا ہے۔

اب دوبارہ وہ مہینہ بڑھائے تو پانچ سود ؟پہلی مرتبہ اگر وہ مہینے کی وجہ سے پانچ بڑھائے تو وہ سود نہیں کہاں کا انصاف ہے؟

غور کرنا چاہیے جس سبب سے پندرہ سے بیس والے پانچ سود بنتے ہیں۔بعینہ اسی سبب سے دس سے پندرہ والے پانچ بھی سود بنتے ہیں۔تو نبی اکرم ﷺ نے جو فرمایا وہ برحق ہے :

((فَلَهُ اَوْ كَسُهُمَا اَوِ الرِّبٰوا۔))

سود کی اور بھی بہت سی قسمیں ہیں :

بیمہ بھی سود ہے۔اور یہ ٹکٹیں وغیرہ نکلی ہی ہوئی ہیں یہ بھی سود ہے۔اور بھی نامعلوم کتنی قسمیں سود کی نکلی ہوئی ہیں۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جی یہ قرعہ اندازی ہے۔تو قرعہ اندازی سے سود ختم تو نہیں ہو جاتا۔لاٹری بھی سود اور جوا ہی ہے۔قرعہ اندازی تو اس میں بھی ہوتی ہے۔قرعہ اندازی سے سود ہو پھر بھی حرام ہے قرعہ اندازی کے بغیر سود ہو پھر بھی حرام ہے۔لہٰذا سود کی ہر قسم حرام ہے جو بھی اس کی قسم ہے یہ لعنت کا باعث ہے۔یہ بے حیائی اور بے غیرتی کا سبب ہے۔اس لئے اہل ایمان کو فوراً اس سے توبہ کرنی چاہیے اور اس نظام کو ختم کرنا چاہیے۔

پہلے تو یہ بہانہ بنا ہوا تھا کہ جی یہ شرعی عدالت ختم کرے تو پھر سود ختم ہو گا اب یہ بہانہ بھی ختم ہو گیا ہے۔۱۹۹۱ء میں شرعی عدالت نے بھی فیصلہ دے دیا تھا کہ ہمہ قسم کا سود حرام ہے۔

ملک کے اندر جو سود چل رہا ہے یہ بھی حرام ہے۔بینک والا سود بھی حرام ہے۔اور حکومتیں ایک دوسرے سے جو سود قرضے پر لیتی ہیں یہ بھی حرام

ہے۔شرعی عدالت نے بھی یہ فیصلہ دے دیا ہے۔پھر افسوس ہے ان مسلمانوں پر انہوں نے شرعی عدالت کے اس فیصلے کے خلاف ہائی کورٹ میں درخواستیں دینی شروع کر دیں۔

دیکھو کتاب وسنت کے فیصلے کو ختم کرنے کے درپے ہوئے ہیں کہاں کی مسلمانی ہے؟مسلمان کا تو کام ہے کہ جب کتاب وسنت کا حکم آجائے۔بلا چوں وچرا من وعن اس کو تسلیم کرے۔

﴿ وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ﴾ ❶

”کسی ایمان والے اور کسی ایمان والی کے لئے گنجائش ہی نہیں کہ اللہ تعالی اور اللہ تعالی کے پیغمبر ﷺ کسی امر کا فیصلہ سنا دیں پھر ان کو اختیار ہو“

پھر وہ غور کریں کہ اس پر عمل کرنا ہے کہ نہیں۔جو اس انداز سے سوچتا ہے وہ نہ ایمان والا ہے اور نہ ایمان والی ہے۔کیونکہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے:

﴿وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَ لَا مُؤْمِنَةٍ ﴾......پھر فرمایا:

﴿ فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴾ ❷

اللہ نے قسم اٹھا کر فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے فیصلے کو برضا ورغبت ظاہر وباطن میں قبول کر لیں تسلیم کر لیں تو پھر یہ ایمان والے ہیں ورنہ ایمان والے نہیں۔

یہ فیصلہ شرعی عدالت دے رہی ہے۔اور فیصلہ بھی قرآن وسنت کے مطابق آیات اور رسول اللہ ﷺ کی احادیث درج کر کے فیصلہ دے رہی ہے۔اس کو سپریم کورٹ میں چیلنج کیا جا رہا ہے۔اللہ تعالی بھلا کرے عدالت عالیہ کا۔سپریم کورٹ نے بھی پھر ۱۹۹۹ء میں پچھلے سال وہی فیصلہ دے دیا جو وفاقی شرعی عدالت

❶ سورۃ أحزاب آیت ۳۶۔

❷ سورۃ نساء آیت ٦٥۔

نے دیا تھا کہ سود حرام ہے اور اس کی تمام قسمیں حرام ہیں۔

قرآن مجید کی آیات اور رسول اللہ ﷺ کی احادیث بھی انہوں نے اپنے فیصلے میں درج فرمائیں۔اور گورنمنٹ کو پابند کیا کہ ۲۰۰۱ء تک ملک سے سود کو بالکل ختم کر دیا جائے۔لیکن اس کے باوجود دیکھ لو۔نہ عوام نہ گورنمنٹ کوئی بھی ٹس سے مس نہیں ہو رہا ہے۔یہ ایمانداری ہے دینداری ہے؟

گزارش میں یہ کر رہا تھا کہ سود کی تمام قسمیں حرام ہیں۔کتاب وسنت میں بھی حرام ہے سپریم کورٹ نے بھی فیصلہ دے دیا ہے کہ سود حرام ہے۔اور دیکھ لو کہ اب بھی حیلے اور بہانے بنائے جا رہے ہیں۔کہ عدالت علیا اپنے اس فیصلے پر نظر ثانی کرے۔نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وہ ملک جو اسلام کے نام سے حاصل کیا گیا تھا پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ۔

تو اب پاکستان کے باسی پاکستان کے رہنے والے یہ کہیں کہ سپریم کورٹ اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرے۔تو ایمان کیسے باقی رہ جاتا ہے؟اس سے فوراً توبہ کرنی چاہیے اور کتاب وسنت کو ملک میں نافذ کیا جانا چاہیے۔اور عالمی ادارے جو آج تک سود کو فروغ دیتے رہے ہیں آج ان کے خلاف عالمی نفرت پیدا ہو چکی ہے۔مغربی ممالک میں ایسے لوگ پیدا ہو چکے ہیں جو ان کے خلاف نعرے لگا رہے ہیں۔اور ان کے خلاف کتابیں لکھ چکے ہیں۔سودی نظام چلانے والے دو بڑے اداروں پر لعنتیں بھیج رہے ہیں۔کوئی گوبر ان پر پھینکتا اور کوئی گندے ٹماٹر ان پر پھینکتا ہے۔اب الحمد للہ لوگ سمجھ رہے ہیں۔یہ مسلمان نہ سمجھیں تو یہ ان کی بدبختی ہے۔یہ اس کو الٹا فروغ دے رہے ہیں۔جی کیا بنے گا؟کیا بنے گا ؟ کچھ بھی نہیں بنتا بنتا کیا ہے؟

اللہ تعالی کوئی انسانوں کا دشمن تو نہیں۔وہ رحیم ہے لوگوں پر بہت زیادہ رحم کرنے والا ہے اس نے سود کو حرام قرار دیا ہے اس لئے تو نہیں اس نے حرام کیا

کہ لوگ بھوکے مر جائیں ان کی معیشت تباہ ہو جائے۔ بلکہ معیشت کو فروغ دینے کے لئے اقتصادی ترقی کے لئے اللہ تعالی نے یہ نظام نافذ کیا ہے دنیاو آخرت کی سعادت اسی میں ہے کہ ہم کتاب وسنت کی پابندی کریں۔

گفتگو کا چوتھا حصہ

چوتھا حصہ ان بہانوں اور حیلوں کے متعلق ہے جو سود کے حامی لوگ کوشش کرتے ہیں۔ کہ کسی نہ کسی طریقے سے کوئی نہ کوئی گنجائش نکل آئے۔

ایک حیلہ اور بہانہ انہوں نے یہ بنایا ہے کہ جی سود کی تعریف کیا ہے؟ اب جو کوئی سود کی تعریف کرے گا اس میں پھر یہ کیڑے نکالیں گے۔ اس میں یہ نقص ہے اس میں یہ نقص ہے۔ اس تعریف میں فلاں سود کی صورت آتی ہے اور فلاں صورت میں یہ تعریف صادق نہیں آتی لہذا یہ جائز ہے۔

یہ ایک بڑا بہانہ انہوں نے بنایا ہوا ہے۔ اور یہ بڑے عرصے سے چل رہا ہے آپ کو بھی کبھی ایسے لوگوں سے گفتگو کا موقع ملا ہو تو یہی بات وہ کرتے ہیں کہ جی تعریف کریں۔ اور پھر کئی عالم، دانا قسم کے لوگ بھی یہی بات کرتے ہیں۔ اور پھر کچھ لوگوں نے تعریفیں کی بھی ہیں۔ پرانے دور میں بھی کرتے رہے ہیں اور آج بھی کرتے ہیں وہ آپ ایک ایک تعریف سامنے رکھتے جائیں کسی میں کوئی نہ کوئی نقص ضرور نکل آئے گا۔

لہذا کوئی جامع نہیں رہے گی کوئی مانع نہیں رہے گی۔ تو تعریف کرنے کا فائدہ کیا ہوا؟ اگر سود کا مسئلہ سمجھانے کے لئے یا سود کو ترک کرنے کے لئے تعریف ضروری ہوتی تو اللہ تعالی قرآن مجید میں سود کی تعریف فرما دیتے۔ اللہ تعالی کو تو معلوم ہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ ہی سود کی کوئی جامع مانع تعریف فرما دیتے۔ نہ اللہ تعالی نے سود کی تعریف فرمائی ہے اور نہ رسول اللہ ﷺ نے سود کی تعریف فرمائی ہے۔ اس وقت کے لوگوں نے تعریف کے بغیر ہی سود کا مسئلہ سمجھا۔ اور اہل ایمان

نے سود کو ترک بھی کیا۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«رِبَى الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوعٌ۔» ❶

''جتنا جاہلیت کا سود ہے سب ختم''

چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا: میرے چچا عباس کا سارا سود ختم۔❷ کسی سے یہ سود نہیں لیں گے۔اپنی اصل رقم ہی لیں گے۔

اسی وقت جوں ہی حکم آیا فوراً تعمیل فرمائی۔ہمیں بھی چاہیے کہ اللہ تعالی کے حکم اور رسول اللہ ﷺ کے حکم کی فوراً تعمیل کریں۔نہ کہ اس قسم کے حیلے اور بہانے بنائیں۔

کہا جاتا ہے کہ جی سود کی سب سے اچھی تعریف جو کی گئی ہے وہ ہے علامہ سرخسی رحمہ اللہ والی تعریف۔اہل علم اس کی بہت تعریف کرتے ہیں۔کہ جی یہ بہت شاندار تعریف ہے۔جامع اور مانع ہے کتابوں سے پڑھ کر اس پر گہری نظر سے غور کر لینا وہ بھی ناقص بنتی ہے۔سود کی کئی صورتوں پر وہ صادق نہیں آتی۔وہ صورتیں اس تعریف کے مطابق جائز بنتی ہیں۔

قرآن مجید نے سود کی ہر قسم اور ہر صورت کو حرام قرار دیا ہے۔تو اب اس کی کچھ صورتوں کو جائز بتانا یہ کہاں کا انصاف ہے۔یہ صرف ان لوگوں نے بہانہ بنا رکھا ہے۔

ایک تعریف یہ بھی کی جاتی ہے کہ حدیث آتی ہے:

«كُلُّ قَرْضٍ جَرَّ مَنْفَعَةً۔» ❸

یہ نبی ﷺ سے ثابت نہیں کسی کا قول ہے۔بلال رضی اللہ عنہ نے جو سودا کیا تھا

---

❶ سنن أبی داؤد کتاب البیوع باب فی وضع الربا حدیث ۳۳۳۴۔

❷ سنن ترمذی باب ومن سورۃ التوبۃ حدیث ۳۰۸۷۔

❸ سنن البیہقی الکبریٰ باب کل قرض جر منفعة فهو ربا حدیث ۱۰۷۱۵ فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ کا قول ہے ان کے قول کے الفاظ یہ ہیں: "کل قرض جر منفعة فهو وجه من وجوه الربا" البتہ امام بیہقی نے باب ان الفاظ سے منعقد کیا ہے: "کل قرض جر منفعة فهو ربا"

ایک طرف دو ٹوپے کھجوروں کے اور ایک طرف ٹوپہ کھجوروں گا اس میں کوئی قرض والا مسئلہ تو نہیں تھا۔لیکن نبی ﷺ نے کیا فرمایا:

«أَوَّهْ عَيْنُ الرِّبَا ۔» ❶

''افسوس یہ تو سود ہے''

اب اس میں قرض کوئی نہیں دو ٹوپے ہوے کر ایک ٹوپہ نقد لے رہے ہیں۔رسول اللہ ﷺ سود قرار دے رہے ہیں۔

اب «كُلُّ قَرْضٍ جَرَّ مَنْفَعَةً ۔» کے تحت تو یہ صورت سود نہیں بنتی۔پھر اس قسم کے لوگ تو اس کو جائز بنائیں گے نا؟ یہ صرف ایک حیلہ اور بہانہ ہے جس کو سود کے حامیوں نے شروع ہی سے تراشا ہوا ہے۔

سپریم کورٹ میں بھی کافی عرصہ یہی بات ہوتی رہی ہے۔سود کے حامی وہاں بھی یہی نکتہ اٹھاتے رہے ہیں۔وہ علماء کرام اور اہل علم کے سامنے یہی پیش کرتے رہے ہیں کہ جی سود کی تعریف تو کرو۔ان کا مقصد یہ تھا کہ جب یہ تعریف کریں گے تو یہ اس وقت قرآن اور حدیث سے پیچھے ہٹ جائیں گے۔پھر ہم اس تعریف کے بخیے ادھیڑ دیں گے تو ان کی بات دھری کی دھری رہ جائے گا بات بنے گی نہیں یہ چکر ہے اصل میں۔اب آپ چوری کو ہی لے لیں۔قرآن نے کہا ہے:

''کہ چور مرد اور چور عورت ان کے ہاتھ کاٹ دو''

تو کیا قرآن نے چوری کی کوئی تعریف کی ہے؟

((...... ❀ ❀ ❀ ......))

---

❶ صحیح بخاری کتاب الوکالۃ باب اذا باع الوکیل شیئا فاسدا حدیث ۲۳۱۲۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

«اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا ' مَنْ يَهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَ مَنْ يُضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ» [ﷺ] اما بعد......:

اطاعت رسول ﷺ

اطاعت اور اتباع یہ دونوں لفظ ملتے جلتے ہیں: اطاعت اور رسول۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا لفظ بھی استعمال فرمایا ہے اور رسول اللہ ﷺ کی اتباع کا لفظ بھی استعمال فرمایا ہے۔

اس لئے کبھی اطاعت کا لفظ بولا جائے گا اور کبھی اتباع کا لفظ۔ کیونکہ دونوں لفظ قرآن مجید نے استعمال فرمائے ہیں۔

لفظ رسول کی توضیح:

عربی زبان میں رسول کا لفظ قاصد اور پیغام رساں پر بولا جاتا ہے۔ خواہ وہ اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے والا ہو۔ خواہ کسی اور کا پیغام پہنچانے والا ہو۔

عربی زبان میں ان دونوں پر رسول کا لفظ بولا جاتا ہے۔ عرف عام میں اور اہل شریعت کے عرف میں رسول کا لفظ ایک خاص انسان پر بولا جاتا ہے وہ انسان کون ہوتا ہے؟ عقائد اور کلام کی کتابوں میں لکھا ہے۔ وہ انسان جس کو اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کی طرف تبلیغ احکام کی خاطر مبعوث فرمائے اس کو رسول کہتے ہیں۔ ❶

دوسرے لفظوں میں اس طرح سمجھو۔ عرف والوں کے ہاں انسان ہونا رسول کی

❶ شرح عقیدہ واسطیہ و طحاویہ

حقیقت میں داخل ہے۔جس طرح اس کا مخلوق کی طرف تبلیغ احکام کی خاطر مبعوث ہونا داخل ہے۔کوئی شخص اگر کسی کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مخلوق کی جانب تبلیغ احکام کی خاطر مبعوث ہونے کا انکار کرتا ہے۔تو سمجھ لو کہ رسالت کا انکار کر رہا ہے۔کیونکہ جو چیز رسول کے مفہوم اور حقیقت میں داخل ہے۔اس کو ہی وہ تسلیم نہیں کر رہا ہے۔تو رسالت اور رسول کو وہ کیسے تسلیم کرے گا۔جس طرح یہ شخص رسالت کا منکر ہے اسی طرح رسول شریعت کے عرف میں جس انسان پر بولا جاتا ہے۔اگر وہ اس کے انسان ہونے کا ہی انکار کر دے پھر بھی وہ رسالت کا انکار ہی کر رہا ہے۔کیونکہ انسان ہونا رسول کی حقیقت میں داخل ہے کیونکہ رسول کی تعریف اور حقیقت ہی یہ بیان کی جاتی ہے کہ وہ انسان جس کو اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کی طرف تبلیغ احکام کی خاطر مبعوث فرمائیں۔

کوئی شخص اگر اطاعت رسول سے یہ مفہوم نکالے کہ نبی کی اطاعت اس سے نکل گئی۔تو وہ سن لے کہ نبی کی اطاعت اس سے نکل نہیں گئی۔رسول کی بھی اطاعت ہے نبی کی بھی اطاعت ہے۔اطاعت رسول سے اگر کوئی یہ مفہوم نکالنا شروع کر دے کہ نبی کی اطاعت نہیں تو یہ مفہوم اس کا صحیح نہیں ہوگا۔کیونکہ کتاب وسنت سے نبی کی اطاعت بھی ضروری اور لازمی ہے۔انبیاء علیہم السلام بھی اپنی اپنی قوموں کو یہی کہتے رہے ہیں کہ ہماری اطاعت کرو۔اور رسول علیہم السلام بھی اطاعت کی دعوت دیتے رہے ہیں۔

اس طرف توجہ اس لئے مبذول کروائی ہے کہ کوئی تیز دماغ یہ مفہوم نکال لے کہ نبی کی اطاعت نہیں۔تو وہ بھی متنبہ ہو جائے کہ اطاعت رسول موضوع رکھنے سے ہمارا یہ مطلب ہرگز نہیں۔

نبی اور رسول میں فرق:

قرآن مجید کی آیت سے پتہ چلتا ہے کہ نبی اور رسول میں فرق ہے۔اللہ تعالیٰ

نے قرآن مجید میں فرمایا:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَلَا نَبِيٍّ اِلَّا اِذَا تَمَنّٰى أَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْ أُمْنِيَّتِهِ﴾. ❶

اللہ تعالیٰ نے دو لفظ استعمال فرمائے ہیں ﴿مِنْ رَّسُوْلٍ وَلَا نَبِيٍّ﴾ کوئی رسول مبعوث نہیں فرمایا اور کوئی نبی مبعوث نہیں فرمایا مگر ﴿اِذَا تَمَنّٰى أَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْ أُمْنِيَّتِهِ﴾

اس آیت سے پتہ چلتا کہ رسول اور نبی میں فرق ہے۔ نبی کریم ﷺ کی حدیث اور سنت سے بھی پتہ چلتا ہے کہ نبی اور رسول میں فرق ہے۔

شفاعت والی مشہور لمبی حدیث ہے آپ فرماتے ہیں کہ ''لوگ قیامت کے دن نوح علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور کہیں گے آپ اوّل الرسل ہیں۔ سب سے پہلے رسول ہیں۔ آپ ہماری حالت کو دیکھ رہے ہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ سے ہماری سفارش کریں۔'' ❷

تفصیلی حدیث ہے۔ البتہ اس سے پتہ چلتا ہے۔ کہ آدم علیہ السلام سے لے کر نوح علیہ السلام تک درمیانی عرصہ میں رسول کوئی نہیں آیا۔ کیونکہ اس حدیث میں لفظ آرہے ہیں: ((أَنْتَ أَوَّلُ الرُّسُلِ۔)) اگر نوح علیہ السلام سے پہلے کوئی رسول ہوتا تو پھر ((أَنْتَ أَوَّلُ الرُّسُلِ۔)) آپ سب سے پہلے رسول ہیں۔ یہ بات تو نہیں بنتی۔ ہاں آدم سے لے کر نوح علیہ السلام تک انبیاء علیہم السلام آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو مبعوث فرمایا تھا۔ لیکن پہلے رسول نوح علیہ السلام ہی تھے۔ اس سے پتہ چلتا ہے۔ کہ نبی اور رسول میں فرق ہے۔

❶ سورۃ حج آیت: ۵۲

❷ صحیح بخاری کتاب احادیث الأنبیاء باب قول اللہ تعالی: ﴿انا ارسلنا نوحا الی قومہ ان انذر قومک من قبل ان یاتیھم عذاب الیم﴾ حدیث ۳۱۶۲۔۳۰۹۲۔۳۳۴۰۔

نبی اور رسول میں کیا فرق ہے؟

اس بارے میں علماء کے بہت سے اور مختلف اقوال ہیں۔اس وقت صرف دو اقوال آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔باقی تفصیلی بحث آپ کتابوں میں پڑھ لیں۔

عموم خصوص مطلق کا فرق:

پہلا قول یہ ہے۔کہ رسول خاص ہے نبی عام ہے۔یعنی ہر رسول نبی ہے لیکن ہر نبی رسول نہیں۔کچھ نبی رسول ہیں اور کچھ نبی نبی تو ہیں لیکن رسول نہیں۔

اس کی مثال اس طرح سمجھ لو۔جس طرح نماز اور عبادت ہے۔ہر نماز عبادت ہے خواہ نفلی نماز ہے خواہ فرضی وہ عبادت ہے لیکن ہر عبادت نماز نہیں۔روزہ عبادت ہے نماز نہیں۔زکوۃ عبادت ہے نماز نہیں۔حج عبادت ہے نماز نہیں۔ہر نماز عبادت ہے لیکن ہر عبادت نماز نہیں۔نماز خاص ہے عبادت عام ہے۔اسی طرح رسول خاص ہے اور نبی عام ہے۔

اس کی توجیہ یہ کرتے ہیں کہ رسول کی حقیقت میں یہ چیز شامل ہے کہ اللہ تعالی کے احکام اس کی مخلوق تک پہنچانے کی خاطر تبلیغ کرنا ہے۔لیکن نبی پر اللہ تعالی کی طرف سے وحی ہوتی ہے۔اللہ تعالی اس کو مبعوث فرماتے ہیں تبلیغ کا حکم ہو یا نہ ہو۔اس طرح نبوت رسالت سے عام ہو گی۔ہر رسول نبی ہے لیکن ہر نبی رسول نہیں۔آدم علیہ السلام نبی تو تھے۔لیکن رسول نہیں تھے۔کیونکہ نوح علیہ السلام اوّل الرسل تھے۔ اگر آدم علیہ السلام بھی رسول ہوتے تو پھر نوح علیہ السلام اوّل الرسل بنتے ہی نہیں۔

موسیٰ علیہ السلام رسول بھی ہیں اور نبی بھی ہیں ﴿وَكَانَ رَسُولًا نَّبِيًّا﴾ ہمارے پیغمبر ﷺ رسول بھی ہیں نبی بھی ہیں۔چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

﴿قُلْ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ إِنِّى رَسُولُ ٱللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا﴾ ❶

رسول اللہ ﷺ کے متعلق یہاں رسول کا لفظ آیا ہے اور کلمہ میں بھی رسول کا لفظ

❶ سورۃ اعراف آیت : ۱۵۸

آیا ہے۔جو ہر کوئی پڑھتا ہے۔

((وأشهد أن محمدا رسول الله۔وأشهد أن محمدا عبده ورسوله))

اور قرآن مجید میں کئی مقامات پر آپ کو نبی کہہ کر پکارا گیا ہے ﴿يَـٰٓأَيُّهَا النَّبِيُّ﴾ صحیح بخاری میں آیا ہے۔نبی اکرم ﷺ نے براء بن عازب رضی اللہ عنہ کو سونے کی دعا سکھلائی۔اس کے آخر میں یہ لفظ آتا ہے: ((وَبِنَبِيِّكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ))

براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کو کہا۔آپ مجھ سید عا سنیں۔تو انہوں نے اس کے آخر میں ((وَبِنَبِيِّكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ)) کی بجائے ((وَ بِرَسُولِكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ)) سنایا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :اس طرح نہ کہو۔بلکہ یہ کہو ((وَبِنَبِيِّكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ))❶

مقصد یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ رسول بھی ہیں اور نبی بھی ہیں۔

نبی ،رسول اور ولی کا مقام:

اب اس مسئلہ میں بڑی لمبی چوڑی گفتگو ہوتی ہے کہ رسول کا مقام زیادہ ہے یا نبی کا ؟ کوئی کہتا ہے کہ رسول کا مقام نبی سے زیادہ ہے اور کوئی کہتا ہے کہ نبی کا مقام رسول سے زیادہ ہے چنانچہ ایک شعر بھی بڑا مشہور ومعروف ہے ؎

مَقَامُ الْوَلَايَةِ فِيْ بِرْزَخٍ
فُوَيْقَ الرَّسُوْلِ وَ دُوْنَ النَّبِيِّ

”ولایت (ولی کا ایک) درجہ برزخ میں ہے یعنی درمیان میں ہے۔رسول سے تھوڑا سا اوپر ہے اور نبی سے نیچے ہے۔“

بات سمجھتے ہو؟ ولی کو رسول سے اوپر بنایا گیا ہے۔جب ولی کا مقام رسول سے اوپر ہے اور نبی سے نیچے ہے تو نبی کا مقام رسول سے اوپر بنایا گیا ہے۔اور نبی کا مقام ولی سے اوپر ہوا۔اور ولی کا رسول سے اوپر۔رسول کا درجہ سب سے نیچے والا اس نے بنایا ہے۔سب سے نیچے والا مقام رسول کا اور اس سے اوپر والا ولی کا اور

❶ صحيح بخاری كتاب الوضوء باب فضل من بات على الوضوء حديث : ٢٤٧

سب سے اوپر والا نبی کا۔یعنی نبی کا دونوں سے اوپر ہو گیا۔

یہ بات اس شاعر نے بنائی ہے۔جو کہ بالکل ہی بے سمجھی ہے۔بے شک اس شعر کو بنانے والا بہت بڑا پارسا اور پہنچا ہوا ہی کیوں نہ ہو لیکن قرآن وحدیث میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات بالکل بے بنیاد ہے۔

کیونکہ یہ تو آپ پہلے سماعت فرما چکے ہیں۔کہ ہر رسول نبی ہے۔لیکن یہاں کیا ہے کہ ولی نبی سے نیچے ہے۔تو پھر رسول سے بھی نیچے ہی ہوا۔جب ہر رسول نبی ہے اور نبی سے ولی کا مقام نیچے ہے۔ دون النبی خود اعتراف کر رہا ہے۔کہ ولی کا مقام نبی سے نیچے ہے۔تو پھر ولی کا مقام رسول سے بھی نیچے ہی ہوا نا؟ کیونکہ آپ یہ پہلے سن چکے ہیں کہ ہر رسول نبی ہوتا ہے۔تو جب ولی کا مقام نبی سے نیچے ہے رسول سے بذات خود نیچے ہوا۔کیونکہ ہر رسول نبی ہوتا ہے۔اس لئے یہ کہنا "فُوَيْقَ الرسول۔" صحیح نہیں۔

(کئی لوگ فویق کو فوِیق الرسول پڑھتے ہیں ایسا پڑھنا صحیح نہیں۔یہ فوق کی تصغیر ہے۔اہل علم جانتے ہیں فوق کی تصغیر فُوَیْق بنتی ہے۔فَوِیْق نہیں بنتی)

بہر حال ولی کا مقام رسول سے بھی نیچے ہے اور نبی سے بھی نیچے ہے۔اب آپ غور کریں کہ ہر رسول نبی ہے تو رسول میں نبی سے کچھ زائد وصف ہے۔لہذا رسول کا مقام نبی سے اونچا ہوا۔کیونکہ ہر رسول نبی ہے۔نبی ہونے کے ساتھ ساتھ کچھ وصف اس میں زائد ہیں جو نبی میں نہیں۔تو پھر رسول کا مقام نبی سے زیادہ ہی ہوا نا؟ آدمی نبی اور رسول کی حقیقت پر ہی غور کرے تو وہ بات سمجھ جاتا ہے۔لیکن جس کو سمجھ نہ ہی آنا ہو۔وہاں جو مرضی آپ کریں اس کو سمجھ نہیں آسکتی۔

بہر حال ولایت کا مقام نبی اور رسول کے درمیان بنانا غلط ہے۔اور بے بنیاد ہے۔یہ دونوں سے نیچے ہے جب تک انسان اللہ تعالی کے رسول ﷺ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت نہ کرے۔وہ ولی بن ہی نہیں سکتا۔قرآن مجید میں اللہ تعالی نے ولیوں کی تعریف بیان کی ہے۔

﴿اَلَّذِيْنَ آمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ﴾ ❶

''جو ایمان والے اور تقویٰ والے ہیں وہ اللہ کے ولی ہیں۔''

لیکن اب کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرتا ہی نہیں اس میں تقوی کیسے آئے گا؟ اس لئے یہ خیال خام ہے کہ ولایت کا درجہ رسول اور نبی کے درمیان ہے۔ بلکہ وہ رسول اور نبی دونوں سے نیچے ہے۔

یہ بات تو ضمناً آ گئی ہے۔ اصل میں میں نبی اور رسول کے درمیان فرق بیان کر رہا تھا۔ ایک قول تو یہ ہے جو آپ نے سماعت فرمایا۔ یعنی عموم خصوص مطلق والا۔ اور اس کی کیفیت اور صورت بھی آپ نے سماعت فرمالی ہے۔

رسول اور نبی میں فرق کا دوسرا قول:

ہمارے شیخ اور استاد حافظ محمد صاحب محدث گوندلوی رحمہ اللہ تعالیٰ بیان کیا کرتے تھے۔ اور انہوں نے اس کو اپنی کتاب ''تحفۃ الاخوان'' میں درج بھی فرمایا ہے کہ رسول کا لفظ فرشتوں پر بھی بولا جاتا ہے اور رسول کا لفظ انسانوں پر بھی بولا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً حَتّٰى إِذَا جَاءَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا﴾ ❷

﴿تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا﴾ یہ لفظ فرشتوں پر بولا گیا ہے۔ ایک اور آیت ہے:

﴿وَلَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيْمَ بِالْبُشْرٰى﴾

''جب ہمارے رسول ابراہیم کے پاس بشارت لے کر آئے۔''

﴿قَالُوْا سَلٰمًا﴾

''انہوں نے سلام کہا۔''

❶ سورۃ یونس آیت: ۶۳۔

❷ سورۃ انعام آیت: ۶۱۔

﴿قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ أَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيذٍ﴾ ❶

"سلام کا جواب دیا اور جلدی ہی ان کے سامنے بھنا ہوا بچھڑا لا کر رکھ دیا۔"

اس مقام پر بھی ابراہیم علیہ السلام کے پاس جو فرشتے آئے تھے ان پر "رسلنا" کا لفظ بولا ہے۔ قرآن مجید میں اور بھی کئی آیتیں ہیں جہاں فرشتوں پر رسول کا لفظ بولا گیا ہے۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ إِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ۝ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُونِهِمْ حِجَابًا فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ۝ قَالَتْ إِنِّي أَعُوذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ إِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ۝ قَالَ إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا ۝﴾ ❷

"مریم رضی اللہ عنہا کے پاس اللہ تعالی نے روح الامین جبریل امین علیہ السلام کو انسانی شکل میں بھیجا۔ تو مریم رضی اللہ عنہا نے کہا: میں تجھ سے رحمٰن کی پناہ چاہتی ہوں اگر تو متقی پرہیز گار ہے۔"

تو جبریل نے فرمایا:

﴿إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ﴾

"میں تو آپ کے رب تعالی کا رسول ہوں۔"

یہاں بھی فرشتے پر رسول کا لفظ بولا گیا ہے۔ قرآن مجید میں بہت ساری آیتیں ہیں۔ حفاظ کرام ان کو جانتے ہیں۔ اس سلسلے میں میں ایک اور آیت آپ کے سامنے تلاوت کرتا ہوں۔ اللہ تعالی نے سورۃ حج میں فرمایا ہے:

﴿اَللّٰهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ﴾ ❸

"اللہ تعالی انسانوں اور فرشتوں سے رسل چن لیتا ہے۔"

---

❶ سورۃ ھود آیت: ۶۹۔

❷ سورۃ مریم آیت: ۱۶ تا ۱۹۔

❸ سورۃ حج آیت: ۷۵۔

اس مقام پر اللہ تعالی نے رسل کا لفظ فرشتوں اور انسانوں پر بھی، جن کو اللہ تعالی رسول بناتا ہے، بولا ہے۔اور نبی کا لفظ قرآن مجید اور نبی ﷺ کی حدیث اور سنت میں صرف انسانوں پر بولا گیا ہے۔فرشتوں پر نہیں بولا گیا۔تو اس اعتبار سے ہر نبی رسول ہے۔کیونکہ انسان پر رسول کا لفظ بولا جاتا ہے اور ہر رسول نبی نہیں۔کیونکہ رسول جبریل اور دوسرے فرشتوں پر بھی بولا گیا ہے لیکن نبی نہیں بولا گیا۔یہ بھی فرق عام خاص والا ہے۔مگر اس کی کیفیت اور ہیئت اس پہلے عام خاص کے برعکس ہے۔اس میں رسول خاص اور نبی عام تھا۔اس میں رسول عام اور نبی خاص بن گیا ہے۔

بہر حال یہ فرق والا موضوع بہت طویل ہے۔آپ کتابوں سے مطالعہ کر سکتے ہیں۔آپ کے سامنے دو قول ذکر کیے ہیں۔یہ بات ضمناً آگئی۔

رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور اتباع:

اصل موضوع تھا رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور اتباع۔

قرآن مجید میں اطاعت رسول اور اتباع رسول کے حکم کی بہت ساری آیات ہیں۔سورۃ شعراء میں اللہ تعالی نے انبیاء علیہم السلام کے بیان نقل فرمائے ہیں۔اپنی اپنی قوموں کو وعظ کر رہے ہیں۔

﴿إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ۝ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ﴾ ❶

”میں اللہ تعالی کی طرف سے تمہارے لئے رسول امین ہوں تم اللہ تعالی سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔“

قرآن مجید میں ایک مقام پر اللہ تعالی نے فرمایا ہے:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ ❷

---

❶ سورۃ شعراء آیت: ۱۰۷-۱۲۵-۱۴۳-۱۶۲-۱۷۸-

❷ سورۃ نساء آیت: ۶۴-

''جو بھی رسول ہم نے مبعوث فرمایا ہے صرف اور صرف اس لئے (اللہ تعالی نے نفی اور استثناء کے الفاظ حصر اور قصر کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں) کہ اللہ تعالی کے اذن اور حکم سے اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کی جائے۔''

رسل اور انبیاء علیہم السلام کو مبعوث کرنے کی غرض اور مقصد یہ ہے کہ ان کی اطاعت اور فرمانبرداری کی جائے اور زندگی کے ہر شعبہ میں ان کے حکم کو بجا لایا جائے۔

ایک مقام میں اللہ تعالی نے اٹھارہ انبیاء کرام علیہم السلام کے نام لے کر ان کا تذکرہ فرمایا۔ بعد میں فرمایا:

﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ﴾ ❶

''یہ ہیں جن کو اللہ تعالی نے ہدایت دے دی ہے ہدایت یافتہ ہیں ان کی ہدایت کی اتباع کرو ان کے نقش قدم پر چلو۔''

انبیاء علیہم السلام کی اطاعت اتباع اور اقتداء کا اللہ تعالی نے قرآن مجید میں جگہ جگہ حکم دیا ہے۔

اطاعت رسول ﷺ کے بغیر انسان ہدایت یافتہ نہیں بن سکتا:

اطاعت رسول ﷺ کی اہمیت کا آپ اندازہ لگائیں کہ اس کے بغیر انسان ہدایت پا ہی نہیں سکتا۔ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری عملاً اختیار کرے تو ہدایت یافتہ ہے۔ اور اگر رسول اللہ ﷺ کی اطاعت و اتباع عملاً اختیار نہیں کرتا۔ تو وہ ہدایت یافتہ نہیں۔ بلکہ ضلالت میں مبتلا ہے۔

اللہ تعالی نے قرآن مجید میں فرمایا ہے:

﴿وَإِنْ تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ﴾ ❷

''اگر رسول کریم ﷺ کی اطاعت کرو گے تو ہدایت یافتہ بن جاؤ گے،

---

❶ سورة انعام آیت: ۹۰۔

❷ سورة نور آیت: ٥٤۔

ہدایت پا جاؤ گے۔"

ہدایت یافتہ ہونے کے لئے اطاعت رسول شرط ہے ﴿وَإِنْ تُطِيعُوهُ﴾ کہا ہے اللہ تعالی نے۔اگر اطاعت کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے۔ان شرطیہ ہے اور "واذا فات الشرط فات المشروط۔"عام اصول ہے۔سبھی جانتے ہیں جب شرط نہ رہے تو مشروط بھی نہیں رہتا۔اگر اطاعت کرو گے تو ہدایت پاؤ گے۔مفہوم یہ نکلا اگر شرط نہ رہی یعنی اطاعت نہ کرو گے تو نافرمانی آئے گی۔تو پھر ہدایت یافتہ نہیں بنو گے۔

دوسری آیت ساعت فرمائیں اللہ تعالی رسول کریم ﷺ کی رسالت کے عالمگیر ہونے کے بعد فرماتے ہیں:

﴿وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ﴾ ❶

"رسول کریم ﷺ کا اتباع کرو تاکہ تم ہدایت پاؤ۔"

تو پتہ چلا کہ ہدایت حاصل کرنے کے لئے نبی کریم ﷺ کا اتباع ضروری ہے: ﴿وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ﴾ اتباع اور اطاعت کے بغیر انسان ہدایت یافتہ نہیں۔تو جب ہدایت یافتہ نہیں تو پھر کیا ہوا۔گمراہ ہوا۔

یہ میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا بلکہ قرآن مجید کی آیت ہے

﴿وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا﴾ ❷

"جو اللہ تعالی اور رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کرتا ہے یہ واضح طور پر گمراہ ہے ضلال مبین واضح گمراہی میں مبتلا ہے۔" یہ قرآن مجید کے الفاظ ہیں۔

بعض روایات کے مطابق نبی اکرم ﷺ خطبہ میں یہ الفاظ پڑھتے تھے:

«وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ رَشَدَ وَاهْتَدَى وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ وَغَوَى»

---

❶ سورة اعراف آیت : ۱۵۸۔

❷ سورة احزاب آیت : ۳۶۔

''جو اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتا ہے یہ صاحب رشد وہدایت ہے۔اور جو اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے گا وہ صاحب ضلالت ہے، گمراہ ہے۔''

رسول اللہ ﷺ کی اطاعت نہ کرنے سے جو مفہوم نکلتا تھا، وہ واضح گمراہی اور ضلالت میں ہے، اس کو اللہ تعالی اور رسول اللہ ﷺ نے منطوق بنا دیا۔اور واضح عبارت میں ذکر کر دیا۔یہ رسول اللہ ﷺ کی اتباع اور اطاعت کی اہمیت ہے کہ اس کے بغیر انسان ہدایت یافتہ نہیں بن سکتا۔بے شک وہ لاکھ اور کروڑ دعوے کرے کہ میں اہلحدیث ہوں ، میں اہلسنت ہوں، میرا تعلق ناجی فرقے کے ساتھ ہے ،طائفہ منصورہ کا میں چشم وچراغ ہوں اور ہے وہ اللہ تعالی اور رسول ﷺ کا نافرمان۔تو قرآن مجید اس کے متعلق یہی کہہ رہا ہے کہ وہ گمراہ ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہی فرمارہے ہیں کہ وہ گمراہ ہے، ہدایت یافتہ نہیں۔اب وہ کس منہ سے اہلحدیث اور اہلسنت بنتا ہے؟اور کہتا ہے میں طائفہ منصورہ کا چشم وچراغ ہوں۔ذرا سوچیں اور غور کریں کہ دن رات اس کا شیوہ رسول اللہ کی نافرمانی کرنا ہے۔اور قدرت اور اختیار ہونے کے باوجود اپنے ماتحت پر قرآن مجید اور رسول اللہ ﷺ کے احکام نافذ نہیں کرتا۔بلکہ کفار اور شیاطین کے احکام نافذ کرتا ہے۔یہ کیسے ہدایت یافتہ بنے گا؟ جبکہ اللہ تعالی فرمارہے ہیں

﴿وَإِنْ تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا﴾ ﴿وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ﴾

اور رسول اللہ ﷺ فرمارہے ہیں:

﴿مَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ رَشَدَ وَاهْتَدٰى﴾

رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی اہمیت کے بارے میں یہ پہلی بات آپ نے سماعت فرمائی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی اطاعت واتباع ہو تو آدمی ہدایت یافتہ ہے ورنہ ہدایت یافتہ نہیں۔

البتہ اگر انسان غضب سے مغلوب ہو کر جہالت کی بنا پر یا خواہش سے مغلوب ہو کر غلطی کرے اور پھر اس پر پشیمان ہو تو یہ ہدایت یافتہ ہی ہے۔جیسا کہ دوسری آیات اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ کسی سے ایک بھی نافرمانی سرزد ہو گی تو وہ ہدایت سے باہر ہو گیا۔بلکہ ہدایت سے باہر وہ ہو گا جس کا نافرمانی کرنے کا شیوہ اور وظیفہ بن گیا ہو۔اطاعت اور اتباع والا ملکہ اس میں نہ رہے۔بالکل پرواہ ہی نہ کرے۔

بہر حال ہدایت یافتہ بننے کے لئے ضلالت اور گمراہی سے بچنے کے لئے نبی کریم ﷺ کی اطاعت اور اتباع کو اپنا شیوہ بنانا ضروری اور لازمی ہے۔

ایماندار بننے کے لئے عملاً رسول اللہ ﷺ کی اطاعت ضروری ہے:

قرآن مجید کی آیات اور نبی اکرم ﷺ کی حدیث اور سنت سے پتہ چلتا ہے کہ آدمی مؤمن اور ایماندار تب بنتا ہے جب وہ رسول اللہ ﷺ کی اتباع اور اطاعت عملاً اختیار کرے۔اگر وہ رسول اللہ ﷺ کی اتباع اور اطاعت کو عملاً اختیار نہیں کرتا تو وہ سرے سے ایماندار ہی نہیں۔اس کا ایمان ختم ہو گیا۔

قرآن مجید میں اللہ تعالی فرماتے ہیں:

﴿ قُلْ أَطِيعُوا۟ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَإِن تَوَلَّوْا۟ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكَٰفِرِينَ ﴾ ❶

"اللہ تعالی اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرو اگر تم نے منہ موڑ لیا (اللہ تعالی اور رسول اللہ کی اطاعت اختیار نہ کی تو یاد رکھ لو) کہ اللہ تعالی کافروں سے محبت نہیں رکھتا۔"

اس آیت کریمہ پر غور فرماؤ: اس آیت کی تفسیر میں حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر مفسرین نے لکھا ہے "اللہ تعالی نے یہ فرمایا ہے اگر تم نے اطاعت سے منہ

❶ سورۃ آل عمران آیت: ۳۲۔

موڑ لیا تو اللہ تعالیٰ کافروں سے محبت نہیں رکھتا۔ یہ نہیں فرمایا منہ موڑنے والے سے محبت نہیں کرتا۔ سیاق وسباق کا تقاضا تو یہی تھا کہ اللہ تعالیٰ کو منہ موڑنے والوں سے محبت نہیں۔"

تو اللہ تعالیٰ نے منہ موڑنے والوں، نافرمانی کرنے والوں کی جگہ پر کافرین کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول کریم ﷺ کی اطاعت وفرمانبرداری سے تولی کفر ہے۔

﴿فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ﴾

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ أَمْرًا أَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ﴾ ❶

"کسی ایمان والے اور کسی ایمان والی کے لئے یہ گنجائش ہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ﷺ کسی امر کا فیصلہ فرما دیں تو ان کے لئے اختیار باقی ہو۔"

یعنی اگر چاہیں تو عمل کریں چاہیں تو عمل نہ کریں یہ گنجائش کسی ایمان والے کے لئے نہیں۔ اور نہ ہی کسی ایمان والی کے لئے ہے۔ ہاں کفر والا ہو، کفر والی ہو، نفاق والا ہو، نفاق والی ہو تو اس کے لئے اور بات ہے۔ لیکن ایمان والوں کے لئے یہ گنجائش بالکل نہیں۔ ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ ❷

"ایمان والوں کو جب اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی طرف فیصلے کی خاطر بلایا جاتا ہے تو ان کی زبان پر سمعنا واطعنا ہوتا ہے۔"

❶ سورۃ احزاب آیت: ۳۶۔

❷ سورۃ نور آیت: ۵۱۔

اور یہاں کسی کو کوئی آیت یا کوئی حدیث سناؤ تو وہ کہتا ہے بس مولوی جی دعا کرو، یہ نہیں کہے گا کہ میں اس پر عمل کرتا ہوں یا کروں گا بلکہ دوسرے سے دعا کروائے گا دیکھو کیسا طریقہ ہے جان چھڑانے کا؟ اللہ تعالی فرماتے ہیں: ایمان والے کہتے ہیں ﴿سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا﴾ ہم نے سن لیا اور اطاعت کر لی۔ یہ بھی نہیں کہتے کہ اطاعت کریں گے کریں گے لفظ نہیں بولتے بلکہ وہ کہتے ہیں ''ہم نے اطاعت کر لی۔'' فوراً اس پر عمل کرتے ہیں۔ بلا چوں وچرا اس کو تسلیم کرتے ہیں۔

یہ ایمان والوں کا شیوہ ہے۔ اور جن میں نفاق ہے خالص ایمان نہیں ان کے متعلق فرمایا:

﴿ وَاِذَا دُعُوْا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ﴾ ❶

''جب ان کو اللہ تعالی اور اللہ تعالی کے پیغمبر ﷺ کی طرف بلایا جاتا ہے فیصلہ کرنے کے لئے تو ان میں سے ایک گروہ روگردانی کر جاتا ہے۔''

بلکہ دوسروں کو بھی عمل کرنے سے روکتا ہے۔

﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا﴾ ❷

''جب ان کو کہا جاتا ہے ﴿مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ کی طرف آجاؤ، اور رسول ﷺ کی طرف آجاؤ، کتاب وسنت کی طرف آجاؤ تو آپ دیکھیں گے خود بھی رکتے ہیں اور دوسروں کو بھی روکتے ہیں۔''

یہ اللہ تعالی نے اہل نفاق کا شیوہ بیان کیا ہے۔ اور یہاں ان لوگوں کا کیا حال ہے جو اپنے آپ کو پکے مؤمن مسلمان سمجھتے ہیں اور دوسرے تمام کو کافر سمجھتے ہیں۔ وہ کتاب وسنت اور کتاب وسنت والوں کے قریب آنے سے دوسروں کو روک رہے

❶ سورۃ نور آیت: ۴۸۔

❷ سورۃ نساء آیت: ۶۱۔

ہیں اگر ان کو اللہ تعالیٰ کا محبوب ملا ہے تو وہ بش (انا للہ وانا الیہ راجعون)

مسلمان یہاں آئمہ اربعہ رحمہم اللہ اجمعین کی اطاعت کا جھگڑا ڈال کر بیٹھے ہوئے ہیں اور بش اور اس کے پیروکاروں کا قانون ملک میں نافذ ہے۔لیکن کسی کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔سوچو اور غور کرو ہمارا کیا حال ہے؟ آئمہ اربعہ تو پھر بھی امام ہیں۔نیک، متقی ،پرہیز گار، محدث، عالم، مفسر اور ان کا زمانہ بھی نبی ﷺ کے بہت زیادہ قریب ہے۔اور آپ کے پکے محب اور محبوب بھی ہیں۔وہاں جھگڑے ڈال کر بیٹھے ہیں اور یہاں جہاں بش کا قانون چل رہا ہے سب چپ چاپ خاموش ہو کر بیٹھے ہوئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''مؤمنوں کا شیوہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کا حکم آجائے تو ﴿سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا﴾ کہتے ہیں۔''چوں وچرا نہیں کرتے۔

معلوم یہ ہوا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کے احکام پر عملاً کار بند نہیں، ﴿سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا﴾ اس کا شیوہ نہیں وہ ایماندار نہیں بلکہ دوسرے گروہ کی طرف گیا۔دوسری طرف خواہ اہل نفاق ہوں یا اہل کفر ہوں ان کی ہی طرف جائے گا اہل ایمان میں نہیں رہتا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ایمان والوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے صاف فرما دیا ہے:

﴿وَيُطِيعُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ﴾ [1]

''اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ (ﷺ) کی اطاعت کرنا ایمان والوں کا شیوہ ہے۔''

اور جو عملاً اطاعت نہیں کرتے اور باطن میں رسول اللہ ﷺ کے فیصلے پر خوش نہیں ہوتے۔وہ ایمان والے نہیں ہیں۔

---

[1] سورۃ توبۃ آیت: ۷۱۔

﴿ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴾ [1]

''اللہ تعالی فرماتے ہیں: مجھے آپ کے رب کی قسم ہے یہ لوگ ایمان والے نہیں بن سکتے حتی کہ نبی کریم ﷺ کو ما بہ النزاع امور میں حاکم اور فیصل تسلیم کرلیں۔ پھر جو فیصلہ نبی اکرم ﷺ فرمائیں اس کو ظاہر اور باطن میں قبول کریں۔''

ان کے دل و دماغ میں بھی کوئی بل نہ پڑے اور پیشانی پر بھی کوئی بل نہ پڑے خوش ہوکر نبی ﷺ کے فیصلے کو تسلیم کرلیں پھر یہ ایمان والے ہیں۔ ورنہ یہ ایمان والے نہیں۔

کیا ہماری تسلیم کرنے والی صورت ہے، کیا ان مسلمانوں کو قرآن مجید کے احکام کا علم نہیں؟ موٹے موٹے احکام بر سر اقتدار اور زیر اقتدار سب جانتے ہی ہیں۔ اور دیکھ لو: عمل کدھر کے کر رہے ہیں وہ آپ کے سامنے ہی ہیں۔

اللہ تعالی فرماتے ہیں:

''جب تک نبی اکرم ﷺ کے فیصلے کو برضا ورغبت تسلیم نہ کرلیں اتنی دیر تک ایمان والے نہیں۔''

پتہ یہ چلا کہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور اتباع کو عملاً اپنانا ایمانداری ہے اور اگر وہ عملاً تسلیم نہیں کرتا تو پھر وہ ایماندار نہیں۔

ایک بات یہ بھی بڑی کی جاتی ہے کہ ہم منکر تو نہیں، تسلیم کرتے ہیں کہ نماز فرض ہے، روزہ فرض ہے، حج فرض ہے، زکوۃ فرض ہے اور بھی جتنے کتاب وسنت میں احکام آتے ہیں ان کی جو حیثیت ہے ہم اس کو تسلیم کرتے ہیں۔ ان کے منکر نہیں۔

پھر یہ بھی بڑی بات بنا کر کہا جاتا ہے چلو جی کیا ہوا؟ عقیدہ تو ٹھیک ہے نا؟ چوری کرلی ہے تو کیا ہوا۔ ڈاکہ ڈالا ہے تو کیا ہوا؟ کوئی بندہ قتل کر دیا

---

[1] سورۃ نساء آیت: ۶۵۔

ہے تو کیا ہوا؟ سود کھاتا جا رہا ہے تو کیا ہوا؟ عقیدہ تو ٹھیک ہے اہلحدیث تو ہے اہل توحید تو ہے۔

سوچو اور غور کرو: یہ کہتے ہیں مانتے تو ہیں۔ اور اسی پر اپنے آپ کو مطمئن کر رہے ہیں لیکن حقیقت میں ایسے لوگ مانتے ہی نہیں۔ صحیح بخاری میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے۔

﴿ كُلُّ أُمَّتِي يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ أَبٰى ﴾

''میری تمام امت جنت میں داخل ہوگی ماسوائے ان کے جنھوں نے انکار کر دیا۔''

رسول اللہ ﷺ کے ان الفاظ پر غور فرماؤ

﴿ قِيْلَ وَمَنْ يَأْبٰى ﴾

نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا ''انکار کرنے والے کون ہیں۔'' آپ کا امتی بھی ہو پھر انکار بھی کرے وہ کون ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

﴿ مَنْ أَطَاعَنِيْ دَخَلَ الْجَنَّةَ ﴾

''جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہو گیا۔''

﴿ وَمَنْ عَصَانِيْ فَقَدْ أَبٰى ﴾ ❶

''اور جس نے میری نافرمانی کی اسنے انکار کر دیا۔''

رسول اللہ ﷺ نے ﴿ مَنْ كَذَّبَنِيْ فَقَدْ أَبٰى ﴾ نہیں کہا۔ اور یہ بھی نہیں فرمایا:

﴿ وَمَنْ جَحَدَنِيْ وَمَنْ جَحَدَ رِسَالَتِيْ فَقَدْ أَبٰى ﴾

''کہ جو میرا انکار کرے یا میری نبوت کو نہ مانے اس نے انکار کر دیا۔''

یہ بھی آپ نے نہیں فرمایا۔ آپ نے لفظ بولا ہے ﴿ وَمَنْ عَصَانِيْ ﴾ معصیت اور نافرمانی یہ ہے کہ ایک کام کا حکم موجود ہے۔ اس کا علم بھی ہو گیا

❶ صحیح بخاری کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ باب الاقتداء سنن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیث: ۷۲۸۰۔

ہے پھر اس پر عمل نہیں کرتا۔ یہ معصیت ہے۔ رسول اللہ ﷺ معصیت و نافرمانی کو انکار کے لفظ سے بیان کر رہے ہیں کہ معصیت اور نافرمانی بھی انکار ہے۔

اگر کوئی آدمی اس سے سیخ پا ہو رہا ہے۔ حالانکہ سیخ پا ہونے والی بات کوئی نہیں۔ تو چلو اس طرح کہہ لو کہ ایک گنا یا ایک قسم کا انکار ہے «فقد ابی» ایک قسم کا انکار ہے ایک گنا انکار ہے گویا انکار ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے انکار کا لفظ تو استعمال فرمایا ہے۔ تو انکار ضرور ہے۔ سوچو اور غور کرو۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کا تذکرہ فرمایا کہ آدم کو زمین پر بھیجا پھر فرمایا:

﴿فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنِّي هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ [1]

''میری طرف سے آپ کے پاس ہدایت آئے گی..............''

وہ ہدایت کیا ہے؟ آدم علیہ السلام سے لے کر رسول اللہ ﷺ تک تمام پیغمبروں پر جو کچھ اللہ تعالیٰ نے نازل کیا یہ تمام اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے۔ اس میں قرآن مجید اور نبی اکرم ﷺ کی سنت بھی آ گئی ہے۔

﴿فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ﴾

''جس نے میری ہدایت کی اتباع کی۔''

لفظ '' تَبِعَ۔'' بولا ہے ''اَقَرَّ۔'' نہیں کہا۔ یہ بھی نہیں کہا کہ عقیدہ رکھ لیا۔ یا میری ہدایت پر یقین کر لیا۔ بلکہ لفظ تبع کا بولا ہے کہ میری ہدایت کی اتباع کرے پیروی کرے، اس پر عملاً چلے تو پھر اس پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوگا۔ پھر آگے اللہ تعالیٰ نے تصویر کا دوسرا رخ بیان کیا۔ تو وہاں لفظ استعمال فرمائے:

﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا﴾ پہلے فرمایا: ﴿فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ﴾

[1] سورۃ بقرۃ آیت: ۳۸۔

اہل علم جانتے ہیں کہ اس کے مقابلے میں کیا لفظ آتے ہیں کہ جو میری ہدایت کا اتباع نہ کرے گا۔لیکن اللہ تعالیٰ نے جو لفظ استعمال فرمائے ہیں وہ ہیں "کفروا." اور "کذبوا."

پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں سے انبیاء علیہم السلام پر جو ہدایت نازل کی ہے اس پر عمل پیرا نہ ہونا کفر ہے اور تکذیب ہے۔اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کفر ہے اور تکذیب ہے۔اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا۔قرآن مجید کھول کر دیکھ لو اور غور کرو۔

﴿فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا﴾ ❶

"جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور کفر کیا یہ دوزخ والے ہیں ہمیشہ اس میں رہیں گے۔"

عمل نہ کرنا، اتباع اور اطاعت اختیار نہ کرنا تکذیب اور انکار کرنا ہے۔

دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے اسی موضوع کو بیان کیا وہاں لفظ بولے۔

﴿فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَىٰ﴾ ❷

"جو میری ہدایت کا اتباع کرے وہ گمراہ نہیں ہوگا اور بد بخت نہیں بنے گا۔"

اب اس کے مقابلے میں لفظ آنے چاہئیں کہ جو میری ہدایت کی اتباع نہیں کرتا۔لیکن اللہ تعالیٰ نے لفظ استعمال کیے ہیں۔

﴿وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَىٰ﴾ ❸

"جو میرے ذکر سے میری نازل کردہ ہدایت سے اعراض کرتا ہے روگردانی کرتا ہے۔"

❶ سورۃ بقرۃ آیت : ۳۹۔

❷ سورۃ طٰہٰ آیت : ۱۲۳۔

❸ سورۃ طٰہٰ آیت : ۱۲۴۔

اتباع نہ کرے تو اللہ تعالی نے اعراض اور روگردانی قرار دیا ہے۔اعراض اور روگردانی کرنا بھی کفر ہی ہے اور تکذیب ہے ایمان تو نہیں۔

فرمایا:

''اس کے لئے پریشانی کی معیشت ہے اور قیامت کے دن ہم اس کو نا بینا کر کے اٹھائیں گے وہ کہے گا یا اللہ مجھے اندھا کر کے کیوں اٹھایا جبکہ میں دنیا میں بینا تھا اللہ تعالی فرمائیں گے: تیرے پاس ہماری آیتیں آئیں تو نے میری آیتوں کو فراموش کر دیا آج تجھ کو بھی فراموش کیا جارہا ہے۔''

گزارش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ترک اطاعت ،ترک اتباع نافرمانی ہے، اللہ تعالی اور رسول اللہ ﷺ کے حکم پر عمل نہ کرنا تکذیب ہے، انکار ہے۔اللہ تعالی نے تو اس پر کفر کا لفظ بھی استعمال فرمایا ہے۔

غور کرو: رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور اتباع کی کتنی اہمیت ہے ہم تو بالکل پرواہ ہی نہیں کرتے۔کچھ سمجھتے ہی نہیں۔کلمہ پڑھ لیا اور بس۔صرف کلمہ پڑھ لینے سے یا دل سے یقین کر لینے یا اہلحدیث ،اہلسنت ،اہل توحید کہلوا لینے سے بیڑا پار نہیں ہونا۔اللہ تعالی اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی اہمیت کا اندازہ لگاؤ کہ آخرت کی کامیابی اور فلاح وبہبود کا دار ومدار اللہ تعالی اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت پر ہے فرمایا:

﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ﴾ ❶

''جو اللہ تعالی اور رسول ﷺ کی اطاعت کرتے ہیں خشیت الہی اور تقوی ان میں موجود ہے یہ لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔''

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا﴾ ❷

❶ سورۃ نور آیت: ۵۲۔

❷ سورۃ احزاب آیت: ۷۱۔

”جنہوں نے اللہ تعالی اور اللہ تعالی کے رسول کی اطاعت کی انہوں نے عظمت والی اور شان والی کامیابی حاصل کر لی۔“

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ ❶

میراث کے احکام بیان کیے۔ ہر ایک وارث کے حصوں کو تفصیل سے ذکر کیا میاں بیوی کا حصہ، والدین کا حصہ، بہن بھائیوں کا حصہ، تمام حصے بیان کرنے کے بعد فرمایا:

”یہ اللہ تعالی کی حدیں ہیں اور جنہوں نے اللہ تعالی اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کر لی ان کو اللہ تعالی جنتوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے دریا بہہ رہے ہیں ہمیشہ ہمیشہ ان جنتوں میں رہیں گے یہ عظمت اور شان والی کامیابی ہے۔“

جنت میں داخل ہو گئے کامیاب ہو گئے۔

﴿فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ﴾ ❷

”جو جہنم اور دوزخ سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا وہ کامیاب ہو گیا۔“

جنت میں داخلہ کس چیز سے حاصل ہوتا ہے؟ یہ کامیابی کس سے حاصل ہوتی ہے؟ یہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور اتباع سے ملتی ہے۔

﴿مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾

اس کے دوسرے رخ کو بھی سامنے رکھو جو اطاعت نہیں کرتا وہ جنت میں داخل نہ ہوا۔ کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ اب کدھر گیا وہ۔ جہنم میں گیا۔ خسارے اور

---

❶ سورۃ نساء آیت: ۱۳۔

❷ سورۃ آل عمران آیت: ۱۸۵۔

گھاٹے میں گیا۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿وَمَن يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا وَلَهُ عَذَابٌ مُّهِينٌ﴾ ❶

''جو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کرتے ہیں۔اطاعت اور فرمانبرداری نہیں کرتے ان کو اللہ تعالیٰ آگ میں، جہنم اور دوزخ میں داخل کریں گے ہمیشہ اس میں رہیں گے اور ان کے لئے ذلیل ورسوا کرنے والا عذاب ہے۔''

اور سورۃ جن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَن يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا﴾ ❷

''جو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کرتے ہیں اتباع اور اطاعت اختیار نہیں کرتے ان کے لئے جہنم کی آگ ہے۔وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔''

قرآن مجید کی آیات اور رسول اللہ ﷺ کی احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ کچھ ایسے گنہگار ہوں گے جن کو دوزخ اور جہنم کی آگ سے نکال لیا جائے گا۔اللہ تعالیٰ فرمائے گا:

((أَخْرِجُوا مِنَ النَّارِ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ إِيمَانٍ)) ❸

''آگ سے ان کو نکال لو جن کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہے۔''

لیکن جن کے دل میں ایمان رائی کے دانے کے برابر بھی نہیں معصیت اور نافرمانی اس درجہ کو پہنچ چکی ہے کہ ایمان بالکل ختم ہو گیا ایسے لوگ ہمیشہ ہمیشہ جہنم

❶ سورۃ نساء آیت : ۱۴۔

❷ سورۃ جن آیت : ۲۳۔

❸ صحیح بخاری کتاب الایمان باب تفاضل اهل الایمان فی الاعمال حدیث : ۲۱۔

اور دوزخ میں رہیں گے۔

بہر حال کامیابی اور کامرانی اور جنت کے حصول کی بنیاد اللہ تعالی اور اللہ تعالی کے پیغمبر ﷺ کی اطاعت اور فرمانبرداری پر ہے۔

قرآن مجید میں کئی مقامات پر یہ بات بیان ہوئی ہے کہ ایمان والے اور نیک اعمال کی پابندی کرنے والے جنت میں جائیں گے۔رسول اللہ ﷺ بھی فرماتے ہیں:

((لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ اِلَّا نَفْسٌ مُؤْمِنَةٌ)) ❶

'' صرف ایمان والے ہی جنت میں جائیں گے، دوسرے جنت میں نہیں جائیں گے۔''

اور پھر قرآن مجید میں یہ آیتیں بھی بہت زیادہ ہیں۔کہ اللہ تعالی اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت سے جنت میں داخل ہوں گے۔

ان تمام آیات سے پتہ چلا کہ اللہ تعالی اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت ایمان ہے۔اگر اطاعت ہے تو ایمان ہے اگر اطاعت نہیں تو ایمان بھی نہیں۔اطاعت ایمان کا حصہ ہے۔جزو اعظم ہے۔جس سے ایمان کفر سے ممتاز ہوتا ہے۔

ترمذی کی حدیث ہے (اس کی سند پر کچھ کلام ہے حسن درجہ کی ہے)

رسول اللہ ﷺ کے پاس کچھ یہودی آئے۔اور انہوں نے کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے نبی ہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا: پھر تم میری اتباع کیوں نہیں کرتے؟

یہودی نبی اکرم ﷺ کے سامنے آپ کو نبی تسلیم کر رہے ہیں۔اور اللہ تعالی کو وہ پہلے مانتے ہی تھے۔قرآن مجید میں ہے

﴿ وَالَّذِیْنَ آتَیْنَاهُمُ الْکِتَابَ یَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِنْ رَّبِّکَ بِالْحَقِّ﴾ ❷

''اہل کتاب قرآن مجید کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہ اللہ تعالی کی طرف

❶ سنن ترمذی کتاب تفسیر القرآن عن رسول اللہ ﷺ حدیث: ۳۰۹۲۔

❷ سورۃ انعام آیت: ۱۱۵۔

سے نازل شدہ ہے اور برحق ہے۔''

قرآن مجید میں توحید بھی ہے، رسالت بھی ہے، آخرت بھی ہے۔اسلام کی موٹی موٹی چیزیں قرآن مجید میں موجود ہیں۔

اور یقین بھی یہودیوں میں موجود ہے۔اور اقرار نبی کریم ﷺ کے سامنے آکر کر ہی رہے ہیں۔اس کے باوجود وہ یہودی کے یہودی ہیں کیوں ؟ جبکہ یقین بھی ان میں موجود ہے اور اقرار نبی اکرم ﷺ کے سامنے آکر کر رہے ہیں۔پھر وہ مؤمن کیوں نہیں بنتے۔وہ کونسی چیز ہے جو ان میں نہیں ؟ وہ یہی ہے کہ عملاً انہوں نے نبی اکرم ﷺ کی اطاعت اور اتباع کو اختیار نہیں کیا۔ارکان اسلام کی عملاً پابندی نہیں کی ۔

پتہ یہ چلا کہ مؤمن بننے کے لئے التزام طاعت ضروری ہے۔اس کے بغیر بندہ مؤمن نہیں بن سکتا۔جب تک اس میں التزام طاعت نہ آئے وہ نہ دائرہ ایمان میں داخل ہوتا ہے اور نہ دائرہ کفر سے نکلتا ہے۔

چنانچہ مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ، جو دیوبند میں حدیث کے استاد تھے اور بہت پایہء کے محدث تھے اور شیخ الحدیث تھے۔وہ فرماتے ہیں

"ان الجزء الذی یمتاز به الایمان من الکفر هو التزامَ الطاعة."

''وہ جزء جس سے ایمان کفر سے ممتاز ہوتا ہے، جس سے ایمان اور کفر کے درمیان خط امتیاز کھینچا جاتا ہے۔وہ جزء التزام طاعت ہے۔''

جو التزام طاعت نہیں کرتا اگرچہ وہ لاکھ دعوے کرے وہ نہ کفر کے دائرے سے نکلا ہے اور نہ ایمان کے دائرے میں داخل ہوا ہے۔شاہ صاحب فرماتے ہیں :

"وهذا ان لم یقرع سمعك."

''یہ تحقیق جو میں نے پیش کی ہے اگرچہ آپ نے پہلے کسی سے نہیں سنی۔''

حق بات یہی ہے کہ ایمان کفر سے ممتاز تب ہی ہوتا ہے جب انسان کے اندر عملاً اطاعت اور فرمانبرداری آجائے۔کم از کم ارکان اسلام کی تو پابندی کرے۔

یہاں آپ دیکھ لیں کہ اپنے آپ کو مؤمن کہلوانے والے اطاعت کرنے والوں کو بنیاد پرست کہہ رہے ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ان کو بنیاد پرست بنا کر اپنا الو سیدھا کر رہے ہیں اور یہ سمجھ ہی ان کو نہیں آرہی ہے کہ ہم تو انکار کر رہے ہیں۔رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

«بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ۔» ❶

"اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔"

اب بنیاد پرستی کا طعنہ دے کر ان کی بات تو نہیں بن سکتی۔

اس لئے غور کرو: کہ اللہ تعالیٰ اور نبی کریم ﷺ کی اطاعت کتنی ضروری اور کتنی اہم ہے۔کہ اس کے بغیر آدمی نہ ہدایت یافتہ بن سکتا ہے اور نہ کامیابی حاصل کرسکتا ہے۔اور نہ جنت میں داخل ہوسکتا ہے اور نہ مؤمن ہی بن سکتا ہے۔

اس لئے اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت بہت ضروری ہے۔اور جو اطاعت نہیں کرتے ان کو قیامت کے دن پتہ چل جائے گا۔اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمادیا:

﴿وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلَى يَدَيْهِ﴾

"ظالم قیامت کے دن اپنے ہاتھوں کو کاٹے گا اور کہے گا۔"

﴿يَقُولُ يَلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا﴾

"اے کاش: کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اپنا راستہ بنالیتا۔"

﴿يَاوَيْلَتَى لَيْتَنِي لَمْ أَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيلًا﴾

"اے کاش: کہ میں فلاں کو دوست نہ بناتا۔"

یہاں کوئی بش کو دوست بنا رہا ہے کوئی کسی کو دوست بنا رہا ہے۔یہ دوستی کا ہی نتیجہ ہے کہ کتاب وسنت کو پس پشت پھینکا ہے اور کفر کو آگے رکھا ہے۔اس کا پتہ

❶ صحیح بخاری کتاب الایمان باب الایمان وقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم :«بنی الاسلام علی خمس ......»حدیث :۷۔

قیامت کے دن چلے گا۔ جب ہاتھوں کو کاٹے گا اور کہے گا:

﴿ يَاوَيْلَتٰى لَيْتَنِىْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ﴾

''اے کاش: کہ میں فلاں کو دوست نہ بناتا۔''

﴿ لَقَدْ اَضَلَّنِىْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِىْ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ﴾ ❶

''جس کو میں نے رسول اللہ ﷺ کے علاوہ دوست بنایا وہ شیطان ہے اس نے مجھے ذکر کے آجانے کے بعد ذکر سے غافل کر دیا۔''

اللہ تعالی فرماتے ہیں: شیطان انسان کو سبز باغ دکھا کر گمراہ کر کے اپنا پلہ چھڑا جاتا ہے

﴿ وَقَالَ الرَّسُوْلُ يَا رَبِّ اِنَّ قَوْمِى اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴾ ❷

''نبی کریم ﷺ کہہ دیں گے یہ میری قوم ہے جنہوں نے قرآن مجید کو چھوڑ دیا۔ ترک کر دیا۔''

اور دیکھو ترک بھی کس بنیاد پر کر رہے ہیں۔ قرآن مجید آسمانی کتاب محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا۔

﴿ هُدًى لِّلنَّاسِ ﴾

''پوری انسانیت کے لئے ہدایت۔'' ہدایت کا سرچشمہ

﴿ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِىْ لِلَّتِىْ هِىَ اَقْوَمُ ﴾ ❸

دنیا اور آخرت کی کامیابی کا منبع ہدایت اس کو ہم ترک کر رہے ہیں۔ یقین رکھنے کے باوجود ترک کر رہے ہیں۔ بش اور اس کے پیروکاروں کی پیروی میں قرآن مجید کو ترک کر رہے ہیں۔

---

❶ سورۃ فرقان آیت: ۲۸۔۲۹۔

❷ سورۃ فرقان آیت: ۳۰۔

❸ سورۃ اسراء آیت: ۹

اور افسوس در افسوس کہ دیکھو وہ کافر مسلمانوں کو کہہ رہے ہیں کہ اپنی یونیورسٹیوں سے قرآن کو نکال دو۔اور کئی اپنے آپ کو مؤمن کہلوانے والوں نے کچھ سورتیں نکال بھی دی ہیں اور کچھ لوگ نکالنے کی سکیمیں بھی بنا رہے ہیں۔

ہاں البتہ ایسے بھی مسلمان موجود ہیں۔جنہوں نے زور سے جواب دیا ہے کہ یہ ہماری کتاب ہے ہمارا دین ہے۔یونیورسٹیوں اور مدرسوں سے نہیں نکل سکتا۔اللہ تعالیٰ ان کو مزید قوت اور توفیق عطا فرمائے۔

گزارش کرنے کا مقصد یہ تھا کہ ان لوگوں کو قیامت کے دن پتہ چلے گا،جنہوں نے قرآن مجید کو چھوڑا ،جب اپنے ہاتھوں کو کاٹیں گے اور کہیں گے،اے کاش کہ میں فلاں کو دوست نہ بناتا۔اس نے ہمیں ذکر سے ہٹا دیا۔شیطان انسان کی مدد کے وقت مدد چھوڑ دیتا ہے۔قیامت کے دن شیطان انسان کو کہہ دے گا:

﴿ وَوَعَدْتُكُمْ﴾ ”میں بھی تم سے وعدے کرتا رہا ہوں اب میں نے ان وعدوں کی خلاف ورزی کر دی ہے۔“

﴿ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُم مِّن سُلْطَانٍ إِلَّا أَن دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِي ﴾

”میں نے تو ایک آواز ہی لگائی تھی تم نہ مانتے۔انکار کر دیتے تم نے خود ہی تسلیم کی ہے۔“

﴿ فَلَا تَلُومُونِي وَلُومُوا أَنفُسَكُم ﴾[1]

یہ جتنے طاغوت شیطان اور بش ہیں انہوں نے اپنا پلہ چھڑا جانا ہے۔اور ان کی بات ماننے والوں نے قابو آجانا ہے (اگر چہ سزا سے یہ طاغوت شیطان بھی نہیں بچ سکتے)

غور کرو:

”شیطان کہتا ہے مجھے ملامت نہ کرو۔اپنے آپ کو ہی ملامت کرو تم مجھے نہیں

[1] سورۃ ابراھیم آیت:۲۲۔

بچا سکتے میں تم کو نہیں بچا سکتا آج ہم دونوں اس عذاب میں مل کر خمیازہ بھگتیں گے۔''

قرآن مجید نے ایسے ظالم اور نافرمان لوگوں کا جو رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور اتباع نہیں کرتے ان کا انجام بھی بتا دیا ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿ وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴾ ❶

''جو ہدایت آنے کے بعد نبی کریم ﷺ کے حکموں کی خلاف ورزی کرتے ہیں کتاب وسنت ان کے پاس پہنچ گئی ہے اب مخالفت کر رہے ہیں اور ایمان والوں کا راستہ ترک کر کے غیر ایمان والوں کا رستہ اختیار کرتے ہیں فرمایا ہم اس کی باگ ڈھیلی کر دیتے ہیں جدھر جاتا ہے ہم اس کو جانے دیتے ہیں۔اور جہنم میں داخل کر دیتے ہیں۔اور وہ بری ہے پلٹنے کی جگہ۔''

((......❀❀❀......))

---

❶ سورۃ نساء آیت: ۱۱۵۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

«اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا ' مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَ مَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ» [ﷺ] اما بعد......:

اتفاق امت

﴿ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ اِخْوَانًا وَ كُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَo وَ لْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَ يَاْمُرُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَo وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌo﴾

چوتھا پارہ سورۃ آل عمران کی چند آیات کریمہ تلاوت کی گئی ہیں۔ان آیات میں اللہ تبارک وتعالیٰ اہل ایمان اور اہل اسلام کو مخاطب کر کے فرما رہے ہیں:

﴿ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا﴾

''تم سب کے سب اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور گروہوں میں نہ بٹو،فرقہ فرقہ نہ بنو''

﴿وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ﴾

''اللہ تعالیٰ کی جو نعمت تم پر ہے اس کو یاد کرو،اس نعمت کو فراموش نہ کرو''

وہ نعمت کیا ہے؟ فرمایا:

﴿اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ﴾

''جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں کے

درمیان الفت، محبت ڈال دی''

﴿ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا ﴾

''اور تم اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کی بدولت بھائی بھائی بن گئے''

تمہاری عداوتیں، کدورتیں، سینوں کے کینے سب ختم ہو گئے اور تم بھائی بھائی بن گئے۔

﴿ وَكُنْتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا ﴾

''اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے تم کو آگ کے گڑھے میں گرنے سے بچا لیا۔جہنم سے بچا لیا''

﴿ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴾

''اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنی آیات کو بیان کرتے ہیں تاکہ تم ہدایت یافتہ بن جاؤ''

﴿ وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ ﴾

''اور تمہارے اندر ایک امت، گروہ ہو جو لوگوں کو خیر و بھلائی کی دعوت دے

﴿ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ﴾

''اور نیکی، معروف کا حکم دیں اور منکر برائی سے منع کریں''

﴿ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴾

''اور یہی لوگ فلاح پانے والے، کامیاب ہونے والے ہیں''......فرمایا:

﴿ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ﴾

''اور تم ان لوگوں کی طرح نہ بنو جو گروہوں اور فرقوں میں بٹ گئے اور بیّنٰت واضح دلائل آ جانے کے بعد اختلاف کا شکار ہو گئے''

مقصد یہ ہے کہ فرقے فرقے بھی نہ بنو، گروہوں میں بھی نہ بٹو۔اور واضح دلائل کتاب وسنت کے آ جانے کے بعد اختلاف بھی مت کرو۔

﴿ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴾

''ان کے لئے جو واضح دلائل آ جانے کے بعد گروہوں اور فرقوں میں بٹ

گئے ان کے لئے عذاب عظیم ہے ،بڑا عذاب ہے"

اس عذاب کی تھوڑی سی تفسیر بھی اللہ تعالی نے بیان فرما دی۔

﴿يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ﴾

"جس دن کچھ چہرے سفید ہوں گے اور کچھ چہرے سیاہ ہوں گے"

﴿فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ﴾ ...... "جن کے چہرے سیاہ ہوں گے"

ان کالے منہ والوں سے پوچھا جائے گا

﴿أَكَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ﴾ ...... "ایمان لانے کے بعد تم کفر کرتے رہے ہو؟

﴿فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ﴾

"اپنے اس کفر کی بنا پر عذاب چکھو"

اورعذاب بھی عذاب عظیم ـ جہنم اور دوزخ کا عذاب ـ فرمایا:

﴿فَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ﴾

"اور جن کے چہرے سفید ہوں گے ،روشن ہوں گے"

﴿فَفِي رَحْمَةِ اللَّهِ﴾

"یہ لوگ اللہ کے فضل وکرم اور اللہ تعالی کی رحمت میں ہوں گے"

﴿هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾...... "اور وہ اللہ کی رحمت میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے" [1]

اسلام سے پہلے کے حالات:

یہ آیات کریمات جو آپ نے با ترجمہ سماعت فرمائی ہیں۔ان سے آپ یہ بخوبی سمجھ گئے ہو کہ قبل از اسلام بہت زیادہ اختلاف تھا۔اور گروہ بندی تھی۔اور عداوتیں ،کدورتیں اور آپس میں دشمنیاں انتہا کو پہنچی ہوئی تھیں۔بات بات پر لڑائی اور بات بات پر جھگڑا۔اور پھر جھگڑا بھی ایسا کہ دن یا دو دن کی بات نہ ہوتی۔بلکہ کئی سال سینکڑوں سال لڑائیاں ہوتی رہتیں۔اختلافات نمٹنے کا نام نہیں لیتے تھے۔خاندان کے خاندان ان لڑائیوں میں ہی ختم ہو جاتے۔

[1] سورۃ آل عمران آیت ۱۰۶ تا ۱۰۷

اسلام کے قریب ہی کی بات ہے۔کہ اوس اور خزرج دو خاندان بڑی قوت اور بڑی نفری والے مدینہ منورہ کے آس پاس آباد تھے۔اور ان کی آپس میں لڑائی بہت تھی دونوں خاندان کے کئی آدمی ان لڑائیوں میں مارے گئے۔ویسے یہ بات اچھی نہیں تھی لیکن ایک اعتبار سے یہ بات اچھی بھی ہوگئی۔

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

((كَانَ يَوْمُ بُعَاثٍ قَدَّمَهُ اللّٰهُ لِرَسُوْلِهٖ۔)) ❶

''بعاث کی لڑائی اور جنگ کو اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کے لئے پہلے بپا کرا دیا''

اور آپ ﷺ کے لئے مفید بنا دیا۔

واقعہ یہ تھا کہ اوس اور خزرج کی پرانی لڑائی چلی آرہی تھی۔اسباب اس کے کئی تھے۔یوم بعاث بڑی گھمسان کی لڑائی تھی۔دونوں خاندان کے جوان اور لڑاکے مارے گئے۔اور دونوں خاندانوں کی کمر ٹوٹ گئی،کمزور ہو گئے۔اس کمزوری کے باوجود ان کا پروگرام تھا عبد اللہ بن ابی ابن سلول کو اپنا امیر اور اپنا سردار مقرر کر لیں۔یہ صلاح مشورے ہو چکے تھے۔عنقریب وہ سرداری کی پگڑی اس کے سر پر رکھنے والے تھے۔عبد اللہ بن ابی ابنا سلول کی تاج پوشی ہونے والی تھی۔رسول کریم ﷺ ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ منورہ آگئے۔نبی کریم ﷺ کے کچھ ساتھی پہلے ہی ہجرت کر کے آئے ہوئے تھے۔اور اوس اور خزرج کے کچھ افراد نے اسلام بھی قبول کر لیا تھا۔اب رسول اللہ سید الاولین والآخرین ﷺ مدینہ آگئے۔اب آپ ﷺ کی موجودگی میں ہجرت کر کے آئے ہوئے مسلمان اور اوس اور خزرج کے مسلمان عبد اللہ بن ابی ابن سلول کے سر پر کس طرح تاج رکھ سکتے تھے۔لہذا عبد اللہ بن ابی کی تاج پوشی والی رسم جوں کی توں ہی رہ گئی۔رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔تو تمام مسلمان آپ پر جان و مال قربان کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔کیونکہ یہ پہلے مکہ میں آپ ﷺ سے معاہدہ کر کے آئے تھے۔انصار

❶ صحيح بخاری کتاب مناقب الأنصار باب مناقب الأنصار حدیث : ۳۷۷۷

نے آپ ﷺ کی بیعت کی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو حکم کریں گے ہم سنیں گے اور اطاعت کریں گے اپنے اہل وعیال، مال ومتاع کی پرواہ نہیں کریں گے۔کسی دوست احباب کی بھی پرواہ نہیں کریں گے۔حالات جیسے بھی ہوں خوشحالی ہو یا تنگ حالی ہم آپ ﷺ کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔ ❶

اسلام کے بعد کے حالات:

چنانچہ آپ ﷺ نے اسلام کے بعد کے حلات مدینہ منورہ آکر یہودیوں بھی معاہدہ کر لیا۔جس سے اس علاقے کے کافروں کی کمر ٹوٹ گئی۔اللہ تعالی اپنا یہ انعام اور احسان اس جگہ یاد دلا رہے ہیں:

﴿ وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ ﴾

”اللہ کی نعمت کو اپنے اوپر یاد کرو جب تم دشمن تھے تو اللہ تعالی نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی۔اور اللہ تعالی کی نعمت سے تم بھائی بھائی بن گئے“

دوسرے مقام پر اللہ تعالی نے اپنا یہ احسان اور انعام نبی ﷺ اور دوسرے تمام مسلمانوں کو یاد دلایا ہے۔فرمایا:

﴿ هُوَ الَّذِىْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴾ ❷

”فرمایا اللہ تعالی وہ ہے جس نے تمہاری تائید فرمائی اپنی مدد سے۔اور ایمان والے ساتھیوں سے فرمایا اللہ تعالی نے ایمان والوں کے دلوں میں الفت ڈال دی“

خاص طور پر انصار صحابہ کے درمیان الفت ڈال دی پہلے آپس میں دشمن تھے۔

پھر فرمایا:

---

❶ صحیح مسلم حدیث: ۱۷۰۹

❷ سورۃ الأنفال آیت: ٦٣

"جو کچھ روئے زمین پر ہے یہ سب بھی تم الفت ڈالنے کی خاطر خرچ کر دیتے تم ان کے دلوں میں الفت نہیں ڈال سکتے تھے۔ یہ محض اللہ کا فضل وکرم اور رحم ہے کہ ان کے دلوں میں ایمان اور اسلام آ گیا۔ جس سے ان کے دلوں میں الفت اور محبت پیدا ہو گئی"

یہ پیار اور محبت پھر اتنا بڑھا کہ اوس اور خزرج ایک دوسرے پر جانیں قربان کرتے تھے۔ دوسرے کو اپنے اوپر مقدم سمجھتے تھے۔ اور جو مکہ سے ہجرت کر کے آتے تھے۔ ان پر بھی مال اور جان قربان کرتے تھے۔ اس سلسلے میں واقعات تو بہت ہیں۔ لیکن اس فرصت میں صرف ایک واقعہ ذکر کروں گا۔

رسول کریم ﷺ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخات ڈال دی، بھائی چارہ قائم کر دیا۔ کیونکہ مہاجرین بے سرو سامانی کے عالم میں مدینہ آئے تھے۔ ان کی زمینیں اور مال وغیرہ مکہ میں ہی رہ گئے۔ آدمی اپنے ساتھ کتنا کچھ لے کر جا سکتا ہے؟ بے آباد ہو کر آ گئے۔ مدینہ منورہ میں ان کی زمین اور جائیدادیں نہیں تھیں۔ اور انصار صحابہ کی زمینیں تھیں۔ اچھی خاصی مالی حالت ان کی ٹھیک ٹھاک تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک ایک مہاجر ایک ایک انصار کے حوالے کر دیا۔ کہ یہ تمہارے سپرد۔ اس کے کھانے پینے اور رہنے سہنے کا انتظام تم نے کرنا ہے۔ مسئلہ فوراً حل ہو گیا۔

انصار اور مہاجر صحابہ کی آپس میں محبت:

رسول اللہ ﷺ نے انصار اور مہاجر صحابہؓ کی آپس میں محبت ارادہ بنایا (کہ انصار صحابہ کی بڑی قربانی ہے۔ پوری عرب کی بلکہ پوری دنیا کی مخالفت انہوں نے قبول کر لی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو اپنے پاس بلا کر اور پھر ان کی کما حقہ حفاظت بھی کی چنانچہ آپ ﷺ نے ارادہ بنایا کہ ان کو کچھ دینا چاہیے۔ جب اللہ تعالی نے فتوحات کر دیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کچھ زمین اور جاگیریں دینے کا ارادہ تھا۔ انصار صحابہ کو پتہ چلا تو وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے

لگے۔کہ ہم نے یہ خبر سنی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو جاگیر دینے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ہم اتنی دیر تک جاگیر نہیں لیں گے جب تک آپ ہمارے بھائی مہاجرین کو بھی اتنی جاگیر نہ دے دیں۔ ❶

کیسا ایثار ہے ؟اور یہاں ہماری صورت حال کیا ہے ؟بس اپنا آپ ہی درست کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔دوسرے کا خیال ہی نہیں کرتے۔

پھر انصار کا یہ بھی ایثار ہے کہ نبی ﷺ سے کہنے لگے۔یہ ہمارے مہاجر بھائی ہیں۔آپ ہماری زمینوں اور جائیدادوں سے نصف ان کو دے دیں کیسا ایثار ہے؟

یہاں پاکستان میں بھی مؤمن ہجرت کر کے آئے تھے۔یہاں کے پاکستانیوں نے ان سے کیا سلوک کیا؟

شاذ و نادر ایسے ہیں کہ جنہوں نے ان سے ہمدردیاں کیں اور ان کی ضرورتوں کو اپنی ضرورتوں سے مقدم سمجھا۔لیکن بہت سارے ایسے بھی ہیں جو مال کو سمیٹ کر لے بیے۔

البتہ انصار صحابہ فرمانے لگے۔آپ ﷺ ہمارا نصف مال لے لیں۔تو مہاجر صحابہ کہنے لگے۔اللہ آپ کے مال میں برکت ڈالے۔آپ اپنا مال اپنے پاس ہی رکھیں۔ہم کام کاج کریں گے۔آپ کے باغات اور زمینوں میں ہم کام کاج کریں گے تو آپ ہم کو اس کی محنت اور مزدوری دے دینا۔ہم آپ کا مال نہیں لیتے۔

بھائی چارے کی عجیب وغریب مثال:

نبی ﷺ نے جو مواخات کروائی اس میں عبد الرحمن بن عوف اور سعد بن ربیع رضی اللہ عنہما کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیا۔

چنانچہ سعد بن ربیع عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہما سے کہنے لگے۔ نبی ﷺ نے جو میرے اور آپ کے درمیان مواخات ڈالی ہے۔اس میں آپ میرے حصے میں

❶ صحیح بخاری کتاب مناقب الأنصار باب قول النبی ﷺ للأنصار اصبروا حتی تلقونی علی الحوض حدیث : ۳۷۹٤

آ گئے ہیں۔اللہ تعالی نے مجھے بہت زیادہ مال عطا کیا ہے۔اور میری دو بیویاں ہیں۔میں آپ کو آدھا مال دے دیتا ہوں۔اور آدھا اپنے پاس رکھ لیتا ہوں۔اور ایک بیوی کو طلاق دے دیتا ہوں۔ جب عدت گزر جائے گی۔آپ اس سے نکاح کر لینا۔

عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرمانے لگے:

«بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ فِي أَهْلِكَ وَمَالِكَ»

''اللہ تعالی آپ کے اہل اور مال میں برکت فرمائے''

آپ یہ مال اپنے پاس ہی رکھیں۔ مجھے بازار اور منڈی کا راستہ بتائیں۔میں تجارت کروں گا اور خود کماؤں گا۔عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے تجارت شروع کر دی۔روز بروز ترقی ہوتی گئی۔اللہ تعالی نے برکت فرما دی۔کچھ عرصہ بعد انہوں نے شادی کر لی۔

ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ملے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« مَهْيَم...... »

عبد الرحمٰن کیسے حالات گزر رہے ہیں؟عبد الرحمٰن فرمانے لگے:

« تَزَوَّجْتُ » ''میں نے شادی کر لی ہے''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« كم سُقْتَ اليها »

''مہر کتنا مقرر کیا ہے؟''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کیا۔عبد الرحمٰن نے جواب دیا:

« عَلٰى وَزْنِ نَوَاةٍ مِّنْ ذَهَبٍ »

''کھجور کی گٹھلی کے برابر سونا اس معمولی مہر پر میں نے نکاح کر لیا ہے''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے برکت کی دعا کی۔اور فرمایا:

« أَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ »

"اب ولیمہ کرو خواہ ایک بکری سے ہی کرو۔ ولیمہ ضرور کرو" ❶

گزارش کرنے کا مقصد یہ تھا کہ ان کی آپس میں محبت الفت اور پیار دیکھو۔ کتنا زیادہ تھا کہ اپنا اہل بھی ان پر قربان کر رہے ہیں اور مال بھی قربان کر رہے ہیں۔

یہ اللہ تعالیٰ اپنا احسان اور انعام یاد دلا رہے ہیں کہ تم پہلے ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ ایک دوسرے کو قتل کرتے تھے۔ تو تم پر اللہ تعالیٰ کا احسان اور انعام ہو گیا کہ تم مسلمان ہو گئے، ایمان والے ہو گئے۔ اور بھائی بھائی بن گئے

عبد اللہ بن اُبی کی منافقت:

عبد اللہ بن ابی ابن سلول کی تاج پوشی وہیں کی وہیں رہ گئی۔ اس وجہ سے عبداللہ بن ابی کو رسول اللہ ﷺ پر بہت غصہ تھا۔ بہت زیادہ غصہ تھا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ

سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ بیمار ہو گئے۔ نبی ﷺ اور آپ کے چند ساتھی اس کی تیمارداری کے لئے گئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گدھے پر سوار تھے۔ راستے میں ایک مجلس میں یہودی اور مسلمان تھے اور یہ عبد اللہ بن ابی بھی وہاں موجود تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھی شاعر اسلام عبد اللہ بن رواحہ بھی وہاں موجود تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کیا۔ اور موقع کو غنیمت جانتے ہوئے وعظ شروع کر دیا۔ آپ ﷺ نے اللہ کے احکام اور ایمان کی باتیں سنائیں۔

عبد اللہ بن ابی ابن سلول کہنے لگا آپ جو فرما رہے ہیں۔ یہ بہت اچھا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت بہت اچھی ہے۔ لیکن آپ ﷺ اپنے گھر ہی ٹھہرا کریں۔ جو آپ ﷺ کے پاس آجائے اس کو تبلیغ کر لیا کرو۔ یہاں مجلس میں آ کر

---

❶ صحیح بخاری کتاب مناقب الأنصار باب اخاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم بین المهاجرين والأنصار حدیث ۳۷۸۰۔

تبلیغ نہ کیا کرو۔اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سواری سے ہمارے سر پر گرد اڑا رہے ہیں۔یہ گرد بھی ہمارے اوپر نہ اڑایا کرو۔یہ بات اس رئیس المنافقین نے کہہ دی۔

حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہماری مجلسوں میں تشریف لایا کریں۔اور ہم کو دین کی دعوت دیا کریں۔اللہ کے پیغام سنایا کریں۔

یہاں آپ اندازہ لگائیں۔کہ ہمارے ہاں اکثریت نے کتاب وسنت کو مسجد میں ہی بند کر دیا ہے۔اور کارخانے ،گھروں اور بازاروں میں بالکل ہی بند کر دیا ہے۔ یا بالکل ہی برائے نام ہے۔کاش کہ دین کی دعوت عام ہوتی۔اور ہر مجلس میں دین کی دعوت ہوتی۔جو کسی کو آتا ہے اور جس انداز سے بھی اس کو طریقہ آتا ہے۔اسی طرح اس کو بیان کرے۔کوئی لچھے دار انداز سے گفتگو کرنا ضروری نہیں۔ لیکن ہم ہر جگہ پر بولتے ہیں۔نہیں بولتے تو قرآن وحدیث کی بات نہیں بولتے۔یہ بھی ایک بہت بڑی کوتاہی اور سستی ہے۔جس کی وجہ سے اختلاف اور انتشار عام ہو گئے ہیں۔کیونکہ اصل دین تو پیچھے چلا گیا۔اور قول اقوال لوگوں کے سامنے ہیں۔

بہر حال یہ بات تو ضمناً آگئی۔عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لایا کریں۔اس بات سے جھگڑا شروع ہو گیا۔مسلمان ،یہودی اور منافق لڑنے لگ گئے۔قریب تھا کہ معاملہ بگڑ جاتا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سمجھایا اور خاموش کروا دیا۔اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی تیمار داری کے لئے چل دیئے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو کہا آپ کو معلوم ہے۔کہ آج عبداللہ بن ابی ابن سلول نے کیا کیا ہے۔سعد رضی اللہ عنہ کہنے لگے مجھے کوئی خبر نہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم بتا دیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ واقعہ سنایا۔سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ بھی بڑے سردار تھے۔اور بہت ہی دانا ،سمجھ دار تھے کہنے لگے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم عبد اللہ بن ابی کی باتیں سن کر افسوس نہ کیا کریں۔کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے سے چند دن قبل اس کی تاج پوشی ہونے والی تھی۔اور وہ اس علاقے کا سردار بننے والا تھا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے

آئے۔اور اس کی سرداری وہیں کی وہیں رہ گئی۔اس کو یہ غصہ ہے جس کی وجہ سے اس کی زبان سے کوئی نہ کوئی کلمہ نکل آتا ہے۔ ❶

پہلے تو یہ کافر تھا بعد میں یہ منافق بن گیا۔جس وقت اس نے سمجھا کہ کافر بن کر بات نہیں بنتی۔تو منافق ہوگیا۔اوپر اوپر سے کلمہ پڑھ لیا اور اندر سے کافر ہی رہا۔

اور یہ وہی بدبخت ہے۔جس نے ایک سفر میں کہہ دیا تھا۔اگر ہم مدینہ منورہ پہنچ گئے تو

﴿لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ﴾

''کہ عزت والے مدینہ سے ذلت والوں کو باہر نکال دیں گے''

زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے یہ بات سن لی اور رسول اللہ ﷺ کو آ کر بتا دی۔ نبی ﷺ نے بلا کر پوچھا تو اس نے قسم اٹھا کر کہہ دیا کہ میں نے یہ بات نہیں کہی۔زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بہت پریشان ہو گئے۔فرماتے ہیں مجھے۔ایک دن میرے چچا ملے اور کہنے لگے۔تو نے یہ بات نبی ﷺ کو کیوں بتائی ہے۔وہ قسمیں اٹھا کر کہہ رہا ہے میں نے یہ بات نہیں کہی۔اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہماری بات سن ہی نہیں رہے۔ہم تو ذلیل ہو گئے۔چنانچہ اسی پریشانی میں اللہ تعالی نے سورۃ منافقون نازل فرما دی۔اور بیان کر دیا کہ منافق جھوٹے ہیں۔اور جھوٹی قسمیں اٹھا رہے ہیں۔زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سچے ہیں۔اس منافق نے یہ بات کہی ہے: ❷

﴿لَئِنْ رَّجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَٰكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ﴾ ❸

''فرمایا یہ منافق ایمان والوں کو ذلت والے بنا رہے ہیں۔جبکہ ذلت والے یہ خود ہیں۔عزت اللہ تعالی کی ہے۔اور اللہ تعالی کے رسول ﷺ کی ہے۔اور ایمان والوں کی ہے۔لیکن یہ منافق جانتے نہیں،سمجھتے نہیں۔ یہ خود

---

❶ صحیح بخاری کتاب الأدب باب کنیة المشرك حدیث : ٦٢٠٧۔

❷ صحیح بخاری کتاب التفسیر باب قوله تعالی ﴿اذا جاءك المنافقون قالوا نشهد إنك لرسول الله﴾ وباب ﴿اتخذوا ايمانهم جنة﴾ حديث : ٤٩٠٠-٤٩٠١۔

❸ سورۃ المنافقون آیت : ۷۔

ذلت والے ہیں''

یہودی سازشیں:

الغرض ایمان والوں کا آپس میں بہت پیار تھا۔بڑی محبت اور بڑی الفت تھی۔ اللہ تعالی جگہ جگہ اس بات کی گواہی دے رہے ہیں۔

محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ یہ محبت اور پیار دیکھ کر یہودی ثابت نہ رہے۔ان کو حسد کھا گیا۔کہ اوس اور خزرج کی آپس میں عداوت بہت زیادہ تھی۔ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے اور اب ایک دوسرے پر جانیں قربان کر رہے ہیں۔کوئی عداوت ،کدورت ،کینے وغیرہ کا نام ونشان ہی نہیں رہا۔اب ان کوئی پرانی عداوتیں اور کدورتیں یاد دلائی جائیں اور ان کو آپس میں بھڑکایا جائے اورلڑایا جائے۔

یہودی شروع ہی سے بد چلے آرہے ہیں۔دنیا میں سارا فساد نہ سہی لیکن زیادہ فساد ان کا ہی برپا کیا ہوا ہے۔اب بھی فتنے فساد کی تہہ میں آپ پہنچیں۔آپ کو یہودی ہی ملیں گے۔

اعتقادی اختلاف ،فروعی اختلاف ،سیاسی اختلاف کسی قسم کا اختلاف مسلمانوں میں ہے اس کے ڈانڈے یہودیوں سے ہی جا ملتے ہیں۔

چنانچہ یہودیوں نے ایک آدمی کو تیار کیا اور اس کو کہا کہ اوس اور خزرج میں جا کر ان کو پرانی عداوتیں اور کدورتیں یاد دلاؤ۔اور ان کو خوب بھڑکاؤ۔جب تک وہ آپس میں لڑ نہ پڑیں واپس نہیں آنا۔

یہودی سکیم بنا کر کام کرتے ہیں۔اللہ تعالی نے قرآن مجید میں فرمایا ہے:

﴿ وَقَالَتْ طَّائِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَٰبِ آمِنُوا بِالَّذِي أُنزِلَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوا آخِرَهُ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴾ [1]

---

[1] سورة آل عمران آیت: ۷۲۔

"یہودیوں کے گروہ نے پروگرام بنایا کہ دن کے پہلے پہر ایمان لے آؤ اور آخر میں مرتد ہو جانا"

اس طرح کرنے سے سادہ لوح لوگ مسلمان یہ سمجھیں گے کہ اہل کتاب کے لوگ پہلے پہر مسلمان ہوئے تھے اور پچھلے پہر کافر ہو گئے ہیں۔آخر اسلام میں کوئی خرابی ہے تو وہ دوبارہ کافر ہوئے ہیں۔اس طریقہ سے وہ تمہارے ساتھ مرتد ہو جائیں گے۔

دوسروں میں خرابی اور فساد برپا کرنے کے لئے ان کو اپنا ایمان بھی چھوڑنا پڑے۔تو یہ اپنا ایمان بھی چھوڑنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔جس قوم کا یہ حال ہے کیا وہ امن اور سکون دنیا میں رہنے دے گی؟ جب تک ان کا خاتمہ نہ ہو۔دنیا میں امن اور سکون قائم نہیں ہوسکتا۔کیونکہ یہ اصلا ہی شرارتی لوگ ہیں۔

عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔کہنے لگے۔یہودی قوم بہت شرارتی ہے۔اور بڑی بہتان تراش ہے۔آپ تجربہ کرنا چاہیں تو تجربہ کر لیں۔ ان کو بلا کر پوچھیں۔عبد اللہ بن سلام کیسا آدمی ہے؟اور میرے مسلمان ہونے کا ان کو نہیں بتانا۔پہلے ان سے میرے متعلق پوچھو پھر ان کو بتاؤ کہ وہ مسلمان ہو گیا ہے۔اور پھر ان سے دوبارہ میرے متعلق پوچھو۔تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کو بلا کر پوچھا۔تم میں عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کیسا آدمی ہے؟ کہنے لگے۔بہت نیک ہے ،صالح ،متقی پرہیزگار ،عالم ،عالم باپ کا بیٹا ،کریم بن کریم۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے اگر وہ مسلمان ہوجائے۔تو پھر آپ مسلمان ہو جائیں گے؟ کہنے لگے اللہ کی پناہ وہ مسلمان کیسے ہوسکتا ہے۔وہ مسلمان نہیں ہو سکتا۔عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سامنے آ کر کہنے لگے میں تو مسلمان ہو گیا ہوں:

«أشهد أن لا اله الا الله وأشهد أن محمدا رسول الله»

اب یہودی کہنے لگے۔یہ بڑا شرارتی ہے اور شرارتی باپ کا بیٹا ہے۔اور بڑا بد ہے۔جو منہ میں آیا انہوں نے کہہ دیا۔عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کہنے لگے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم اب

اس قوم کا حال دیکھ لیں۔ ❶ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُودَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا﴾ ❷

''تمام دشمنان اسلام میں یہودی اور مشرک نمبر ایک اسلام اور اہل اسلام کے دشمن ہیں''

باقی دشمنوں کی دشمنی ان کے مقابلے میں ہیچ ہے۔کئی لوگ کہتے ہیں اب مسلمانوں کے زیادہ دشمن عیسائی ہیں۔آپ اگر غور کریں تو معلوم ہوگا۔ان عیسائیوں کو دشمن بنانے والے یہودی ہی ہیں۔اصل پیچھے دشمن یہودی ہی ہیں۔ان کا یہ پروگرام تھا کہ مسلمانوں کو ان کی پرانی لڑائیاں سنانی شروع کر دیں۔کہ تمہارا فلاں مارا گیا۔فلاں نے مارا ،فلاں نے یہ کر دیا۔اس نے اوس اور خزرج کو خوب بھڑکایا۔اتنا بھڑکایا کہ دونوں قبیلے واقعتاً بھڑک اٹھے۔اور انہوں نے اپنے اپنے حمایتی بلا لئے۔ اسلحہ جمع ہو گیا۔لڑائی کی تاریخ مقرر ہو گئی ،جگہ مقرر ہو گئی۔کہ فلاں دن فلاں جگہ پر مقابلہ ہوگا۔کتنا ایثار تھا ان میں۔لیکن اس یہودی بد نے کتنا ان کو بھڑکایا۔

رسول اللہ ﷺ کو پتا چلا کہ اوس اور خزرج آپس میں لڑنے لگے ہیں۔اور بہت سے اختلافات ان میں پیدا ہو چکے ہیں۔نبی ﷺ اپنے ساتھیوں کو لے کر تشریف لائے اور ان کو سمجھایا۔وہ سمجھ گئے۔دوبارہ پھر وہی ایک دوسرے سے معانقے کرنے لگے۔اور پھر پہلے والی مودت اور محبت پیدا ہوگئی۔اللہ کا فضل وکرم ہو گیا۔ ❸

جس کا تذکرہ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں۔کہ تم دشمن تھے اللہ تعالیٰ نے تمہارے درمیان الفت ڈال دی۔اب تم اس الفت کو قائم دائم رکھو۔اب کیسے لڑنے لگے ہو۔

﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا﴾ ❹

---

❶ صحیح بخاری کتاب مناقب الأنصار باب حدیث : ۳۹۳۸۔

❷ سورۃ المائدۃ آیت : ۸۲۔

❸ تفسیر ابن کثیر تفسیر آیت : ۱۰۳۔

❹ سورۃ آل عمران آیت : ۱۰۳۔

''سارے کے سارے متحد ہو کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو۔اور فرقوں ، گروہوں میں نہ بٹو۔لڑائی نہ کرو''

منافقین کی سازش :

ان آیات کریمات کا دوسرا شان نزول اہل علم نے یہ بیان کیا ہے کہ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر منافقین نے تہمت لگا دی۔رئیس المنافقین اس معاملے میں پیش پیش تھا۔معاملہ بہت دور تک چلا گیا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی بہت پریشان تھے۔ایمان والے بھی بڑے پریشان تھے۔کہ کیا بن گیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو جمع کیا۔جمع کر کے خطاب فرمایا۔خطاب میں فرمایا۔کوئی ہے جو اس انسان سے مجھے اور میرے گھر والوں کو بچائے ؟اشارہ عبد اللہ بن ابی اوراس کے ساتھیوں کی طرف تھا۔جو بد نام کرتے تھے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفائی بھی پیش کی کہ گھر والوں پر میرے علم میں کوئی عیب اور کوئی برائی نہیں ۔ اور جس آدمی کا نام لیتے ہیں صفوان رضی اللہ عنہ وہ ہمارے گھر کبھی آیا ہی نہیں ۔۔اور اگر آئے بھی تو میرے ساتھ آیا ہے۔عدم موجودگی میں کبھی نہیں آیا۔ نیک اور صالح آدمی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سعد بن معاذ یا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما ان میں سے ایک کہنے لگے۔اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم وہ کون آدمی ہے ؟اگر وہ ہمارے خاندان میں سے ہے تو اس کا سر میں قلم کروں گا۔اور اگر وہ ہمارے دوسرے بھائیوں میں سے ہے اوس یا خزرج میں سے۔تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم حکم دیں۔جو آپ حکم دیں گے اس پر عمل ہو گا۔دوسرے سعد کھڑے ہو گئے۔اور کہنے لگے اپنے خاندان کی آپ بات کر سکتے ہیں۔ہمارے خاندان کی بات کرنے والے آپ کون ہوتے ہیں۔لڑائی شروع ہو گئی۔کچھ ساتھی ان کے کھڑے ہو گئے اور کچھ ساتھی ان کے کھڑے ہو گئے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سمجھایا اور خاموش کرایا۔یہ جھگڑا شروع ہونے لگا ہی تھا۔تو اللہ تعالی نے آیتیں نازل فرما دیں :

﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا﴾

''لڑائی جھگڑا نہ کرو گروہوں اور فرقوں میں نہ بٹو۔اور اللہ تعالی کی رسی کو تمام کے تمام متحد اور متفق ہو کر تھام لو۔اور یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے۔اللہ تعالی نے تم پر انعام کیا اور آپ بھائی بھائی بن گئے''

یہ جھگڑا اللہ تعالی نے کافور کر دیا اور ادھر عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بریت میں آیتیں نازل فرما دیں:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْا بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ ❶

اہل اسلام اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہو گئے۔اور یہ فتنہ جو کھڑا ہوا تھا وہ بھی ختم ہو گیا۔البتہ اللہ تعالی فرما رہے ہیں۔

﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا﴾

دوسرے مقام میں بھی اللہ تعالی نے متفق رہنے کی تلقین کی ہے۔جھگڑے سے منع کیا ہے۔فرمایا:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ اِنَّمَا اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ﴾ ❷

''جو لوگ فرقے اور گروہوں میں بٹ گئے۔دین کو پارہ پارہ کر دیا۔آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں''

مقصد یہ ہے کہ آپ نے دین کو پارہ پارہ نہیں کرنا۔ٹکڑے ٹکڑے نہیں کرنا۔اور خود ایمان والے رہو اور فرقے اور گروہوں میں نہ بٹو۔متفق اور متحد ہو کر رہنا ہے۔اور ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔اللہ تعالی قیامت کے دن ان کے اعمال کی

❶ سورة النور آیت : ۱۱۔

❷ سورة الأنعام آیت : ۱۵۹۔

خبر ان کو دے دیں گے۔آپ نے اس چیز میں نہیں آنا۔دین کو ٹکڑے ٹکڑے نہیں کرنا۔اور خود گروہ گروہ نہیں بننا۔دین کو اصلی حالت میں رہنے دینا ہے۔اور خود دین کی اصلی حالت پر عمل کرتے رہنا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی نافرمانی پر سزا:

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿ وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ حَتّٰى اِذَا فَشِلْتُمْ وَ تَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِنْ ۢ بَعْدِ مَا اَرٰىكُمْ مَا تُحِبُّوْنَ مِنْكُمْ مَنْ يُرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَنْ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ﴾ ❶

’’فرمایا:اللہ تعالی نے جوتم سے وعدہ کیا تھا وہ سچ کر دکھایا۔تم کفار کو غزوہ احد میں تہہ تیغ کر رہے تھے۔تم ان کو قتل کر رہے تھے۔ان کے سروں کو قلم رہے تھے لیکن تم آپس میں جھگڑ پڑے فتح اور کامیابی کے بعد تم نے آپس میں جھگڑا شروع کیا اور نافرمانی۔کر دی‘‘

جھگڑا یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک درہ پر چھوٹی سی پہاڑی جو میدان میں آنے کا راستہ تھا اس پر پچاس آدمی کھڑے کیے۔ان پر ایک امیر بنا دیا۔اوران کو یہ تلقین کی کہ جنگ کے دوران ہماری کیفیت جو بھی ہو ہم فتح حاصل کرلیں۔ یا شکست خوردہ ہو جائیں۔پرندے نوچ نوچ کر ہمیں کھا جائیں۔تم نے یہ درہ اور پہاڑی نہیں چھوڑنا۔

اللہ تعالی نے فتح دے دی۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مال غنیمت اکٹھا کرنے لگ گئے۔درہ پر مامور پچاس آدمیوں نے سوچا کہ اب فتح ہوگئی ہے۔اور جنگ ختم ہوگئی ہے ہم بھی میدان میں پہنچ کر مال غنیمت کو اکٹھا کریں۔امیر صاحب نے سمجھایا کہ ہم نے نہیں جانا۔آپ رسول اللہ ﷺ کا حکم یاد کریں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ یہ مقام نہیں چھوڑنا۔فتح ہو جائے تب بھی نہیں چھوڑنا ،شکست ہو جائے

❶ سورۃ آل عمران آیت : ۱۵۲۔

پھر بھی نہیں چھوڑنا۔ پرندے ہمیں نوچ نوچ کر کھا جائیں۔ پھر بھی نہیں چھوڑنا۔ لہذا آپ یہ مقام نہ چھوڑیں۔ امیر نے بہت زیادہ سمجھایا۔ لیکن وہ کہنے لگے رسول اللہ ﷺ کا مقصد کیا تھا؟ یعنی وہ مقصد نکالنے لگ گئے۔ کہ ہمیں فتح ہو گئی ہے۔ اور وہ مال غنیمت اکٹھا کر رہے ہیں۔ آپ ﷺ کا مقصد یہ تو نہیں تھا کہ اب ہم نے ہمیشہ یہیں بیٹھا رہنا ہے۔

امیر صاحب کے بسیار سمجھانے کے باوجود وہ نہ سمجھے اور پہاڑی کو چھوڑ کر میدان میں چل بسے۔ کافروں نے دیکھا کہ اب راستہ خالی ہے۔ انہوں نے راستہ خالی دیکھ کر درہ سے حملہ کر دیا۔ مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

﴿اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓى اَحَدٍ﴾ ❶

"فرمایا تم دوڑ رہے تھے اور واپس مڑ کر بھی نہیں دیکھتے تھے رسول کریم ﷺ تم کو آوازیں دے رہے تھے"

یہ نقشہ اللہ تعالی نے کھینچا ہے کہ اللہ نے تم سے وعدہ پورا کر دیا تھا۔ تم ان کو قتل کر رہے تھے۔ اور جو تم چاہتے تھے وہ اللہ نے تم کو دکھا دیا۔ تم کو فتح حاصل ہو گئی۔ اس کے بعد تم جھگڑ پڑے۔ کسی نے کہا ہم رسول اللہ ﷺ کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔ اور کسی نے کہا۔ مقصد یہ تھا۔ لہذا اب ہمیں نیچے اتر جانا چاہیے تعمیل نہیں کرنا چاہیے۔

اس تنازع اور نافرمانی کا خمیازہ تم کو بھگتنا پڑا۔ انہوں نے حملہ کر دیا آپ کے قدم اکھڑ گئے۔ اللہ تعالی نے پھر مدد فرمائی۔ فرشتے آسمان سے نازل فرما دیئے۔ سکون اور اطمینان آ گیا۔ پھر اللہ تعالی نے فتح عطا فرما دی۔ لہذا جھگڑے سے اللہ نے منع فرما دیا۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ......﴾ ❷

❶ سورة آل عمران آیت: ١٥٣۔
❷ سورة الأنفال آیت: ٤٥-٤٦۔

''اے ایمان والو: جب تم کسی گروہ کو ملو تو ثابت قدم رہو۔اور اللہ کا ذکر کرو۔ تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔اللہ کی اور اللہ کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں مت جھگڑو۔ورنہ تمہاری طاقت اور رعب ختم ہو جائے گا صبر اور ثبات سے کام لو۔اللہ تعالیٰ ڈٹ جانے والوں کے ساتھ ہے۔ثابت قدم اور صبر سے اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال ہوگی۔تنازع اور اختلاف سے کام نہ لو'

اتفاق اور اتحاد کے ثمرات:

اللہ تعالیٰ نے جگہ جگہ قرآن مجید میں اتحاد اور اتفاق آپس میں پیار اور محبت میں رہنے کی تلقین فرمائی ہے۔فرمایا:

﴿ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَافَّةً وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ﴾ ❶

''مشرک اور کافروں سے تمام اکھٹے اور اتفاق کر کے لڑو۔فرمایا وہ تم سے تمام اکھٹے ہو کر لڑتے ہیں''

اور تم تو پھر ایمان والے ہو تم میں اتفاق ،اتحاد اور جمعیت اور شیرازہ بندی ان سے زیادہ ہونی چاہیے۔وہ تم سے ملکر اکھٹے ہو کر لڑتے ہیں۔تم بھی سارے متفق اور متحد ہو کر شیرازہ بندی کر کے ان کا مقابلہ کرو۔اور ان سے جہاد کرو۔پھر فرمایا:

﴿ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ﴾

'' یہ جان لو کہ اللہ کافرین ،مشرکین ،منافقین کے ساتھ نہیں۔اللہ تعالیٰ متقین کے ساتھ ہے''

متقین مخلصین ،مؤمنین بنو تو سہی۔یہاں تو زبانی کلامی جمع خرچ والا معاملہ ہے ہم جی اہلحدیث اور اہلسنت ہوتے ہیں۔اور ویسے کتاب وسنت کی پابندی اس میں صفر ہے۔کما حقہ کتاب وسنت کی پابندی کرنے والے خال خال آدمی ملیں گے۔جو اسم بامسمی ہوں۔اب تو صرف نام ہی رہ گیا ہے۔کام والی بات نہیں

❶ سورة التوبة آیت : ٣٦۔

رہی۔کسی نے کیا خوب کہا ہے:

ڈرو خدا سے فکر کرو کچھ
مکر و ریا سے کام نہ لو
یا اسلام پہ چلنا سیکھو
یا اسلام کا نام نہ لو

جتنا اللہ تعالی نے فرقے فرقے اور ٹکڑے ٹکڑے ہونے سے منع کیا ہے۔اتنا ہی دین کو ٹکڑے ٹکڑے کیا جا رہا ہے۔اور اتنے ہی گروہ زیادہ بنتے جا رہے ہیں۔

نُرقِّعُ دنیانا بتمزیق دیننا
فلا دیننا یبقی ولاما نُرقِّعُ

کسی نے حالات کا دکھ بھرے انداز سے نقشہ کھینچا ہے۔کہ ہم اپنی دنیا سنوارنے کے لئے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر رہے ہیں۔اور دنیا کی پیوند کاری کرتے ہیں۔نتیجہ یہ نکلا۔کہ دین کو خود ٹکڑے ٹکڑے کر کے برباد کر دیا اور دنیا کی پیوند کاری کی۔جبکہ دنیا تو ہے ہی فانی۔دین خود باقی نہ رہنے دیا اور دنیا خود ویسے ہی باقی نہیں۔نہ دین باقی رہا اور نہ دنیا۔

﴿خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ﴾ ❶

موجودہ دور جو گزر رہا ہے۔اس میں آپ ایمان والوں کا جائزہ لیں۔ایک ملک نہیں دو ملک نہیں،ساٹھ کے لگ بھگ مسلمانوں کے ملک ہیں۔اور جو ان کی حالت ہے وہ آپ کے سامنے ہے۔یہ خرابی گروہوں اور فرقوں میں بٹ جانے کی وجہ سے ہے۔کوئی سیاسی اختلاف ہے۔اور کوئی فروعی اختلاف ہے اور کوئی اصولی اختلاف ہے،کوئی مذہبی اختلاف ہے،کوئی اعتقادی اختلاف ہے۔اتنے اختلافات ہیں کہ گنے نہیں جاتے ہیں۔کوئی ذاتی اختلاف ہے،کوئی جماعتی اختلاف ہے،کوئی اور اختلاف ہے۔ہم ان اختلافات میں پڑ کر ہی رہ گئے ہیں۔اللہ تعالی فرماتے ہیں:

❶ سورة الحج آیت: ۱۱۔

﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا﴾

''تمام کے تمام اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور دین کو مضبوطی سے پکڑ لو۔
اور گروہوں میں نہ بٹو۔فرمایا: اللہ کی نعمت کو یاد کرو اور تم متفق اور متحد رہو''

جب مسلمان متفق اور متحد تھے۔تو اس وقت ان کی شان ہی نرالی تھی۔کافروں کا پتہ ویسے ہی پانی ہو جاتا تھا۔ان کو فکر لاحق ہوتی تھی۔ابو سفیان رضی اللہ عنہ پہلے کافر تھے۔بعد میں مسلمان ہو گئے۔کفر کی حالت میں تھے۔جب یہ ہرقل کے دربار میں تھے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب وہاں پہنچا۔ابو سفیان رضی اللہ عنہ ہرقل کے دربار میں آپ کے متعلق گفتگو کے تاثرات بیان کرتے ہیں۔

«لَقَدْ أَمِرَ أَمْرُ ابْنِ أَبِي كَبْشَةَ إِنَّهُ يَخَافُهُ مَلِكُ بَنِي الْأَصْفَرِ» ❶

اس وقت رومیوں کی طاقت سپر طاقت تھی۔ہرقل اس کا سربراہ تھا۔عظیم روم تھا۔ابو سفیان فرماتے ہیں: ابن ابی کبشہ۔یہ کافروں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام رکھا ہوا تھا۔کیونکہ وہ آپ کو رسول تسلیم نہیں کرتے تھے۔ابن ابی کبشہ کا معاملہ بڑھ گیا ہے۔یہاں تو رومیوں کا سربراہ بھی ان سے ڈر رہا ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں اور ہرقل اپنے دارالحکومت میں بیٹھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ڈر رہا ہے۔گھبراہٹ محسوس کر رہا ہے۔یہ شان اللہ تعالی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بنائی ہوئی تھی۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيْرَةَ شَهْرٍ۔» ❷

''میرا دشمن مہینے کی مسافت پر بیٹھا ہوا ہو۔تو وہاں وہ مرعوب ہو گا، وہاں گھبرایا ہوا ہو گا''

یہی شان پھر خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی تھی۔کفار اپنی اپنی جگہ پر ان سے ڈرتے تھے۔اللہ تعالی ان اختلافات کا حل بھی ان آیات میں پیش فرما رہے

---

❶ صحیح بخاری باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث ۷

❷ صحیح بخاری کتاب التیمم حدیث: ۳۳۵۔

ہیں۔اور یہ بھی فرما رہے ہیں کہ اختلاف نہ کرو۔فرقوں میں نہ بٹو۔اللہ کی رسی کو تمام کے تمام مضبوطی سے تھام لو۔اور بینات کا دامن تھام لو مضبوطی سے ان کو پکڑ لو۔حبل اللہ اور بینات کیا ہیں؟

ظاہر بات ہے کہ اللہ تعالی کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔دین اسلام یہی چیزیں تھیں۔ان کو ہی اللہ تعالی نے دین اسلام اور حبل اللہ قرار دیا ہے۔ان دونوں چیزوں کو مضبوطی سے تھام لو تو یہ فرقے فرقے ختم ہو جائیں گے۔اختلاف ختم ہو جائیں گے۔اور دین کو بگاڑنے والا سلسلہ بھی ختم ہو جائے گا۔جب دین کو اپنا لیا اوراس پر من وعن عمل پیرا ہو گئے۔اورلوگوں تک خالص دین پہنچایا۔تو پھر کیسے وہ بگڑے گا اور کیسے وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گا؟سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔اس لئے فرمایا کہ اس پر عمل کرو۔

رسول اللہ ﷺ کے بعد پہلا اختلاف اور اس کا حل:

رسول اللہ ﷺ کے پورے دور میں ایمان والوں کا اتفاق اور اتحاد رہا ہے کسی موقعہ پر کوئی معمولی سا اختلاف رونما ہونے لگا بھی تو رسول اللہ ﷺ صلح کروا دیتے ،اس اختلاف کوختم کر دیتے۔سلسلہ اسی طرح چلتا رہا۔

رسول اللہ ﷺ فوت ہو گئے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سب سے پہلا اختلاف یہ رونما ہوا کہ کیا رسول اللہ ﷺ فوت ہو گئے ہیں یا ابھی زندہ ہیں؟عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کہنے لگے آپ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں ،فوت نہیں ہوئے۔ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی زمین سخ مقام پر تھے۔ان کو خبر پہنچی کہ رسول اللہ ﷺ فوت ہو چکے ہیں۔ابو بکر صدیق مسجد میں آئے اور دیکھا کہ لوگ جھگڑ رہے ہیں۔عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اپنی بات پر ہی زور دے رہے ہیں۔ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خاموش کرانے کی کوشش کی۔لیکن نہ سمجھے۔ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سیدھا نبی اکرم ﷺ کے پاس گئے۔اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے سے چادر ہٹا کر

مشاہدہ کیا کہ آپ ﷺ واقعی فوت ہو چکے ہیں۔ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''جو موت اللہ تعالیٰ نے آپ پر لکھی تھی۔وہ آپ کو مل چکی ہے۔اب دوبارہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو نہیں مارے گا۔دو موتیں آپ پر طاری نہیں کرے گا''

ابو بکر رضی اللہ عنہ تسلی کر کے سیدھے منبر پر بیٹھ گئے اور خطاب شروع کر دیا۔اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی۔اللہ تعالیٰ کی آیتیں لوگوں کو سنائیں۔ابو بکر کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بڑا مقام تھا۔

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"وَكَانَ أَفْضَلَنَا"

''ابو بکر ہم میں زیادہ فضیلت والے تھے اور زیادہ علم والے بھی تھے۔''

ہمیں بعض اوقات بات کی سمجھ نہیں آتی تھی۔ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سمجھ جاتے تھے''

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خطاب شروع کر دیا۔لوگ متوجہ ہو گئے۔عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اکیلے رہ گئے۔انہوں نے بھی خطاب سننا شروع کر دیا۔ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿ وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ ﴾

فرمایا:''محمد رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول وپیغمبر ہیں۔اگر آپ فوت ہو جائیں یا شہید کر دیے گئے تو کیا آپ دین چھوڑ جائیں گے؟ ایڑھیوں پر پھر جاؤ گے؟

فرمایا:''جو دین چھوڑ گیا ،ایڑیوں پر پھر گیا وہ اللہ تعالیٰ کو کسی قسم کا کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔وہ نقصان اپنا ہی کرے گا۔اور ہم شکر گزاروں کو ان کا صلہ دیں گے''

دوسری آیت تلاوت کی:

﴿إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ ۝ ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُونَ﴾

اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے فرما رہے ہیں:

''آپ ﷺ فوت ہونے والے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف

بھی فوت ہونے والے ہیں''

﴿أَفَإِنْ مِتَّ فَهُمُ الْخَالِدُونَ﴾

''آپ ﷺ اگر فوت ہو گئے تو کیا وہ دنیا میں بیٹھ رہیں گے؟

انہوں نے فوت ہونا ہے اور اللہ کے سامنے پیش ہوں گے۔ حق والوں کو اللہ حق والا قرار دیں گے اور باطل والوں کو باطل والا قرار دیں گے۔ انصاف ہو گا۔

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ یہ آیتیں افسوس اور غم کی بنا پر میرے ذہن سے اتر گئیں تھیں۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جس وقت تلاوت فرمائیں۔ تو میں نے سمجھا کہ شاید یہ آیتیں ابھی نازل ہوئیں ہیں۔

((وأيقنت أنه قد مات۔)) ❶

''مجھے یقین ہو گیا کہ واقعی رسول اللہ ﷺ فوت ہو گئے ہیں''

اسی وقت فورا رجوع کر لیا۔ یہ اختلاف رونما ہوا تو اللہ تعالی کی کتاب اور اللہ کی رسی سے ختم ہو گیا۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آیات تلاوت کر کے ان کو سنائیں۔ ان کا اختلاف ختم ہو گیا۔

دوسرا اختلاف اور اس کا حل:

دوسرا اختلاف امارت کا کھڑا ہو گیا۔ کہ خلیفہ کون بنے گا؟ انصار صحابہ کا خیال تھا کہ امیر ہم سے ہونا چاہیے۔ اور مہاجر صحابہ کا خیال تھا کہ امیر ہم میں سے ہونا چاہیے۔۔ ایک تجویز یہ سامنے آئی۔ کہ دو امیر بنا لو۔ ایک انصار سے اور ایک مہاجرین میں سے۔ جس طرح یہاں ہو جاتا ہے کہ جب ایک امیر پر متفق نہ ہوں۔ تو پھر الگ الگ امیر ہر ایک کا بن جاتا ہے۔ جس سے اختلاف آگے سے بھی زیادہ ہو جاتے ہیں۔

بہر حال یہ تجویز سامنے آئی۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا کہ لوگ سقیفہ بنو ساعدہ میں جمع ہوئے ہیں۔ اور خلافت و امارت کا مسئلہ زیر بحث ہے۔ فورا وہاں پہنچے

❶ صحیح بخاری کتاب فضائل أصحاب النبی ﷺ باب (لو کنت متخذا خلیلا) حدیث: ۳٦٦٨ وأیقنت ان رسول اللہ ﷺ قد مات کے الفاظ مستدرك علی الصحیحین میں ہیں۔

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی ساتھ تھے۔حالات کا جائزہ لیا ، باتیں سنیں۔عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔میں نے سوچا کہ میں بات کروں۔اور میں نے دل میں بڑی شاندار تقریر سوچی ہوئی تھی۔لیکن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مجھے خاموش کروا دیا۔اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان آپ کو سناتا ہوں۔میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«الْأَئِمَّةُ مِنْ قُرَيْشٍ۔» ❶ ......''امام ،خلفاء ،حکمران قریش سے ہیں''

سب لوگ تسلیم کر گئے۔اسی وقت جھگڑا ختم ہو گیا۔اب سوال یہ تھا کہ خلیفہ کون بنے؟ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔میں نے جلدی جلدی ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ لیا۔اور کہا میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں۔ ❷ پھر تمام صحابہ نے بیعت کر لی۔ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ منتخب ہو گئے۔

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔پہلے تو میں نے سوچا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے خاموش کر کے اچھا نہیں کیا۔لیکن جب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خطاب کیا۔تو وہ میری سوچی ہوئی تقریر سے اچھی تقریر تھی۔میری وہ تمام باتیں اس میں آ گئیں۔میں اس جیسی تقریر نہیں کر سکتا تھا۔اللہ تعالی نے اختلاف نمٹا دیا۔

ایمان کا تقاضہ یہی ہے کہ اختلافات کو قرآن وحدیث سے حل کریں:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث اور سنت پر ،حبل اللہ پر اختلاف اور افتراق کو ختم کرنے کا نکتہ اللہ تعالی نے بتایا ہے۔

کتاب اللہ اور سنت رسول اس پر قائم ودائم ہو جاؤ۔من وعن قائم ہو جاؤ۔ اختلاف ختم ہو جائے گا ہر طرف سکون ہی سکون ہو جائے گا۔امن قائم ہو جائے گا اس کے بعد بھی اختلاف نمودار ہوتے رہے۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بھی ہوتے تھے۔کتاب وسنت سے ہی ختم ہو جاتے تھے۔اللہ تعالی نے فرمایا:

❶ ایضا...... ان هذا الأمر فی قریش کے الفاظ کتاب الأحكام باب الأمر فی قریش حدیث ۷۱۳۹: میں ہیں۔

❷ أیضا حدیث : ۳۶۶۸۔

﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا أَطِيعُوا ٱللَّهَ وَأَطِيعُوا ٱلرَّسُولَ وَأُولِى ٱلْأَمْرِ مِنكُمْ فَإِن تَنَـٰزَعْتُمْ فِى شَىْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى ٱللَّهِ وَٱلرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْـَٔاخِرِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا﴾ ❶

''اے ایمان والو:اللہ کی اطاعت کرواور رسول ﷺ کی اطاعت کرو۔اور اپنے میں سے امر والوں کی اطاعت کرو۔اور اگر کسی امر میں اختلاف ہو جائے تو اس کو اللہ کی طرف اور اللہ تعالی کے پیغمبر ﷺ کی طرف لوٹاؤ''

نبی ﷺ کی زندگی میں تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کے پاس آجاتے تھے۔زبیر رضی اللہ عنہ کا ایک انصاری صحابی سے نالے کے بارے میں جھگڑا ہو گیا۔رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ زبیر تیری زمین پہلے ہے۔پہلے تو پانی پلا لے۔پھر اپنے بھائی کے لئے پانی چھوڑ دے۔انصاری بولا :

((أَنْ كَانَ ابْنَ عَمَّتِكَ))

''یہ آپ ﷺ کی پھوپھی کا بیٹا ہے اس لئے آپ ﷺ نے یہ فیصلہ فرمایا ہے''

حالانکہ نبی کریم ﷺ اس فیصلہ میں رعایت انصاری کی کر رہے تھے۔لیکن وہ سمجھا نہیں۔اس نے غصہ میں آ کر بات کہہ دی۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔زبیر آپ اپنی زمین کو پانی پلائیں اور خوب پانی پلائیں۔جب خوب منڈیروں تک پانی پہنچ جائے پھر آگے پانی چھوڑنا۔اپنا پورا حق لے کر پھر پانی چھوڑنا ہے۔نبی کریم ﷺ نے زبیر رضی اللہ عنہ کو پورا پورا حق دلایا۔پہلے آپ ﷺ ایثار کر رہے تھے۔اللہ تعالی نے یہ آیت نازل فرما دی:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِىٓ أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ ❷

''جب تک شرعی امور میں آپ ﷺ کو حاکم تسلیم نہ کریں۔پھر آپ جو

❶ سورۃ النساء آیت : ۵۹۔

❷ سورۃ النساء آیت : ۶۵۔

فیصلہ کریں ظاہر باطن میں اس کو تسلیم نہ کرلیں اور اس پر خاموش نہ ہو جائیں اتنی دیر تک یہ ایمان والے نہیں“

یعنی آپ ﷺ کے فیصلے پر دل وجان سے ظاہر باطن سے خوش ہو جائیں پھر یہ ایمان والے ہیں۔ورنہ ایمان والے نہیں۔

انسانوں کی خام خیالیاں

جہاں کوئی جس طرح کر رہا ہے ٹھیک ہے:

ایمان کا بھی یہی تقاضا ہے کہ اختلافات کو قرآن وحدیث سے حل کریں۔پھر اختلاف ختم ہو سکتے ہیں باقی لوگوں نے اپنے اپنے طور پر بہت سارے طریقے ایجاد کیے ہیں۔فرقہ بندی اور اختلاف کو ختم کرنے کے لئے بڑے بڑے طریقے بنا لئے ہیں۔ایک طریقہ یہ بتایا ہے کہ جہاں جہاں کوئی جس طرح کر رہا ہے۔وہ ٹھیک ہے۔

"كُلّ مُجْتَهِدٍ مُصِيبٌ"

ہر مجتہد ٹھیک ہے۔اس کی بات کتاب وسنت کے مطابق ہے پھر بھی ٹھیک۔قرآن وسنت کے مطابق نہیں پھر بھی ٹھیک۔یہ حل پیش کیا گیا ہے۔کیا یہ حل ہے؟ یہ تو صرف لڑائی کی جڑ ہے۔جب آپ نے یہ فیصلہ کر دیا کہ جو آپ نے سوچتا ہے وہ حق ہے۔دوسرے نے جو سوچتا ہے وہ بھی حق ہے۔جو تیسرے نے سوچتا ہے وہ بھی حق ہے۔یہ حقیقت میں ہمیں ایک دوسرے کے خلاف کرنا ہے۔ایک کہتا ہے امارت اور خلافت میرا حق ہے۔دوسرا کہتا ہے میرا حق ہے۔اور آپ کہتے ہیں دونوں ٹھیک ہیں۔تو کیا یہ آپس میں لڑیں گے نہیں؟ لڑائی ختم کیسے ہوگی؟

ایک کہتا ہے ہر نشہ آور حرام ہے۔دوسرا کہتا ہے ہر نشہ آور حرام نہیں۔اور آپ کہیں کہ دونوں ٹھیک ہیں۔کیا اس سے یہ اختلاف ختم ہوا کہ جڑ پکڑ گیا ہے؟ یہ تو اور زیادہ مضبوط ہو گیا ہے۔

ایک کہتا ہے ایمان بڑھتا ہے دوسرا کہتا ہے نہیں بڑھتا۔اور آپ کہتے ہیں

دونوں ٹھیک ہیں۔کیا اس سے اختلاف ختم ہوا ہے کہ زیادہ مضبوط ہوا ہے؟اس طرح اختلاف ختم نہیں ہوتا۔

پھر آپ غور کریں۔کہ اگر ہر ایک جہاں کہیں ہے اور جس جس طریقے کو اس نے اپنایا ہے وہ حق اور درست ہے۔تو پھر اللہ تعالی نے انبیاء کرام علیہم السلام کو کیوں مبعوث فرمایا ہے؟کیا ضرورت تھی جب یہودیت بھی حق ہے۔اور نصرانیت بھی حق ہے ،مجوسیت بھی حق ہے ،اور بدھ مت بھی حق ،اور سکھ بھی حق ،مسلمان بھی حق اور مسلمانوں کے تمام گروہ بھی حق۔اور کافروں کے تمام گروہ بھی حق۔"کُلّ مُجْتَھِدٍ مُصِیْبٌ"

تو پھر پیغمبروں کو مبعوث کرنے کی کیا ضرورت تھی؟سوچو اور غور کرو۔یہ اختلاف ختم کرنے کا طریقہ نہیں۔یہ تو اختلاف کو مضبوط کرنے کا طریقہ ہے۔

معلوم ہوتا ہے یہ تجویز پیش کرنے والا پیچھے کوئی یہودی ہے اور سادہ لوح مسلمان اس سکیم میں آگئے ہیں۔جس طرح پہلے بھی یہودیوں کی سکیموں میں آتے گئے ہیں۔

پھر آپ غور کریں۔اللہ تعالی نے قرآن مجید میں فرمایا ہے

﴿ كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوا﴾

"تمام لوگ ایک امت تھے پھر انہوں نے اختلاف کر لیا"

﴿ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ﴾

"اللہ تعالی نے پھر انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا"

دوسرے مقام پر اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ [1]

ایک مقام پر فرمایا:

﴿ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ﴾ [2]

---

1. سورة الحديد آيت : ۲۵۔
2. سورة البقرة آيت : ۲۱۳۔

''اللہ تعالی نے پیغمبروں کے ساتھ کتابیں نازل کیں۔میزان نازل فرمایا کہ لوگوں کے اختلافات میں پیغمبر فیصلہ کریں اور ان کا اختلاف ختم کریں''

اللہ تعالی تو فرما رہے ہیں کہ لوگوں میں اختلافات پیدا ہوئے۔تو اللہ تعالی نے انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا۔تاکہ وہ حق کے ساتھ فیصلہ کریں تو ادھر یہ کہہ رہے ہیں۔کہ جہاں کوئی جو کر رہا ہے ٹھیک ہے۔اگر سب ہی ٹھیک تھا تو پھر پیغمبروں کو مبعوث کرنے کا فائدہ کیا تھا؟اس لئے یہ خیال خام ہے۔ اور اس نظریے اور طریقے سے لوگ متحد اور متفق نہیں ہو سکتے۔

نمبر۲:تقلید:

کچھ لوگوں نے ایک اور تجویز پیش کی کہ تمام لوگوں کو ایک امام پر جمع کر دیا جائے۔یعنی لوگ تقلید کریں تو اختلاف ختم ہو جائے گا۔جب سب نے ایک ہی کی بات تسلیم کرنا ہے دوسرے کی تسلیم ہی نہیں کرنا تو بذات خود اتفاق ہو جائے گا۔اس لئے تقلید کو ایجاد کیا گیا۔کہ اس سے لوگوں کا اختلاف اور افتراق ختم کیا جائے۔یہ نسخہ کیمیا دریافت کیا گیا۔نتیجہ کیا نکلا؟اختلاف اور انتشار آگے ہی بہت تھا۔اعتقادی اختلاف تھا پھر سیاسی اختلاف ہو گیا۔پھر ساتھ تقلید بھی آ گئی۔

سوچا تو انہوں نے یہ تھا کہ ایک ہی گروہ ہو جائے گا۔باقی ختم ہو جائیں گے۔آپ اگر یہ کہیں کہ اس امام کی تقلید کرنا ہے۔جبکہ کتاب وسنت میں اس امام کا نام نہیں آیا۔پھر تو دوسرا یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ یہ بھی امام ہے۔اس پر تمام لوگ متفق ہو جاؤ۔تیسرا تیسرا امام بنا لے گا۔اس پر تمام متفق ہو جاؤ۔اور ہوا بھی اسی طرح ہے کہ کچھ لوگوں نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو امام بنا کر دعوت دینا شروع کر دی۔اور کچھ نے امام مالک رحمہ اللہ کو امام بنا کر دعوت دینا شروع کر دی۔اور کچھ نے امام شافعی رحمہ اللہ کو۔ اور پھر ان کی خوبیاں بیان کرنا شروع کر دیں۔اور دوسروں کی خامیاں بیان کرنا شروع کر دیں۔

کچھ نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو امام بنا لیا۔اور کچھ ایسے آئے جنہوں نے داؤد ظاہری کو امام بنا لیا۔کچھ نے ابن خزیمہ رحمہ اللہ کو امام بنا لیا۔اور کچھ نے امام بخاری رحمہ اللہ اور امام مسلم کو اپنا اپنا امام بنا کر دعوت دینا شروع کر دی۔اور آج تک یہ سلسلہ چل رہا ہے۔حتی کہ کسی نے دیو بند کو امام بنا لیا۔اور کسی نے بریلی کی طرف دعوت دینا شروع کر دی۔اپنے اپنے گروہ کی طرف دعوت دینا شروع کر دی۔یہ نسخہ نیک نیتی سے شروع کیا گیا ہے کہ اس طرح اتفاق اور اتحاد ہو جائے گا لیکن اس طرح اتفاق اتحاد ہوا نہیں۔بلکہ بڑھ گیا۔تاریخ کی کتب آپ دیکھیں۔نفس الامر اور واقع کا مشاہدہ کریں۔آپ کو معلوم ہو گا بہت کچھ ہوتا رہا ہے۔قبروں تک نوبتیں پہنچ گئیں۔

بہر حال اللہ تعالی نے قرآن میں جو نسخہ بتایا ہے اور نبی کریم ﷺ نے حدیث میں بیان کیا وہ نسخہ ہی صحیح ہے۔اس پر عمل کیا جائے۔تو اللہ تعالی کے فضل وکرم سے یہ افتراق اور گروہ بندی ختم ہو جاتی ہے۔اور امت میں اتفاق اور اتحاد قائم ہو ہو جاتا ہے۔

فہم کا اختلاف:

اور سوچ سمجھ کا معمولی سا اختلاف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بھی تھا۔وہ اگر علمی اعتبار سے ہو بھی تو کوئی نقصان دہ نہیں ہے۔اس کو اسلام نے برداشت کیا ہے

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو فرمایا۔عصر کی نماز آپ نے بنو قریظہ میں پڑھنا ہے۔نماز کا وقت راستے میں ہی ہو گیا۔کچھ نے کہا نماز کا وقت ہو گیا ہے یہیں نماز پڑھ لیتے ہیں۔کچھ کہنے لگے نبی کریم ﷺ نے کہا تھا۔بنو قریظہ میں نماز پڑھنا ہے۔لہٰذا ہم بنو قریظہ میں نماز پڑھیں گے۔اختلاف ہو گیا۔کچھ نے راستے میں پڑھ لی بر وقت نماز کو پڑھنے والی احادیث کو سامنے رکھ کے۔« اَلصَّلَاةُ عَلٰی وَقْتِهَا » وغیرہ کو۔اور کچھ نے نبی کریم ﷺ کے تازہ فرمان کو سامنے رکھ کر بنو قریظہ میں پڑھی۔

رسول اللہ ﷺ کو پتہ چلا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو کچھ نہیں کہا۔ ❶
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آپ نے ٹھیک کیا ہے۔کیونکہ دونوں نے رسول اللہ ﷺ کے فرمان پر عمل کیا ہے۔

ایک آدمی دیانتداری سے ایک طرح سمجھتا ہے۔دوسرا دیانتداری سے ایک طرح سمجھتا ہے یہ کوئی افتراق اور تفرقے والی بات نہیں۔اس طرح کی معمولی چیز صحابہ رضی اللہ عنہم میں بھی موجود ہوتی تھی۔لیکن گروہ بندی کوئی نہیں تھی۔لہٰذا کتاب وسنت اتفاق واتحاد کے لئے اصل معیار اور اصل کسوٹی ہے۔

اللہ تعالی نے بھی اسی کا حکم دیا ہے۔اور رسول اللہ ﷺ نے بھی اسی کا حکم دیا ہے۔صحیح مسلم میں حدیث ہے نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں:

« إِنَّ اللّٰهَ يَرْضَا لَكُمْ ثَلَاثًا وَيَسْخَطُ لَكُمْ ثَلَاثًا »

''اللہ تعالی تمہارے لئے تین چیزوں کو پسند فرماتے ہیں اور تین چیزوں سے ناراض اور ناخوش ہیں''

جن تین چیزوں پر اللہ تعالی راضی ہوتا ہے وہ تین چیزیں یہ ہیں۔

« أَنْ تَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا »

''اللہ تعالی اس چیز پر خوش ہے کہ تم سب کے سب اللہ تعالی کی رسی (کتاب وسنت) کو مضبوطی سے تھام لو۔اور گروہوں اور فرقوں میں نہ بٹو''

اس بات پر اللہ تعالی تمہارے لئے خوش اور راضی ہیں۔دوسری چیز یہ ہے:

« فَيَرْضَ لَكُمْ أَنْ تَعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا »

''کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور اللہ تعالی کا کسی چیز کو شریک نہ بناؤ''

شرک نہ کرو اور توحید کو اپناؤ۔اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کرو۔

اللہ تعالی کی کتاب اور سنت رسول ﷺ کے مطابق حکم دیتا ہے تو اس کی تعمیل

---

❶ صحيح بخاري كتاب المغازي باب مرجع النبي ﷺ من الأحزاب ومخرجه الى بني قريظة ومحاصرته اياهم حديث: ٤١١٩۔

کرو۔اور اگر کسی موقع پر اس سے خطا ہو جاتی ہے تو اس کو آرام سے خفیہ سمجھاؤ۔اس کی خیر خواہی کرو۔ایسا نہ ہو کہ جگہ جگہ اور قریہ قریہ اس پر کیچڑ اچھالنا شروع کر دو۔اس طرح تو انتشار اور افتراق پیدا ہوتا ہے۔اس کی خیر خواہی کرو اسے سمجھاؤ۔اور جب تک تم کو کتاب وسنت پر چلا رہا ہے اس کی اطاعت سے ہاتھ پیچھے نہ کھینچو۔ہاں اگر واضح کفر دیکھو کہ بالکل ہی کتاب وسنت کی واشگاف اور واضح انداز سے مخالفت کر رہا ہے۔پھر آپ کو حق حاصل ہے پھر اس کی اطاعت اور فرمانبرداری سے آپ ہاتھ پیچھے کھینچ سکتے ہیں کیونکہ

« لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ اللّٰهِ »

''اللہ کی معصیت اور نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں''

رسول اللہ ﷺ نے یہ تین چیزیں بیان کیں۔جن کو اللہ تعالیٰ پسند کرتے ہیں۔ اس میں یہ چیز بھی بیان کی کہ اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو۔اور فرقوں میں نہ بٹو۔اور فرمایا۔تین چیزیں اللہ تعالیٰ تمہارے لئے ناپسند کرتے ہیں:

۱۔ « قِيْلَ وَقَالَ »

۲۔ « وَكَثْرَةَ السُّوَالِ »

۳۔ « وَاِضَاعَةَ الْمَالِ۔ » [1]

قیل وقال یعنی بات کی تہہ تک نہ پہنچنا۔ویسے ہی بات کو بیان کر دینا۔یہ اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتے۔رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

« كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا اَنْ يُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ »

''انسان ہر سنی ہوئی بات بیان کرنی شروع کر دے۔ اس کے جھوٹا ہونے کے لئے اتنا ہی کافی ہے''

کہ جو سنے اس کو آگے بیان کر دے۔اس کو سوچنا چاہیے کہ یہ آگے کرنے

---

[1] صحيح مسلم باب النهي عن كثرة المسائل من غير حاجة والنهي عن منع وهات حديث :١٧١٥۔

والی ہے کہ نہیں ،پایۂ ثبوت تک بھی بات پہنچتی ہے یا نہیں۔اگر پایۂ ثبوت تک پہنچتی ہے۔تو آگے بیان کرے ورنہ خاموش رہے۔

«كثرة السوال» فضول اور خوامخواہ سوال کرنے جن کا نہ کوئی دنیاوی فائدہ ہے اور نہ کوئی اخروی ویسے ہی سوال کرتے جانا۔بال کی کھال اتارتے جانا۔کثرۃ سوال کو بھی اللہ تعالی نے ناپسند فرمایا ہے۔

«اضاعة المال» مال کو ضائع کردینا۔حرام جگہ پر مال خرچ کر دینا۔جہاں ایک پیسہ بھی خرچ کرنے کی اجازت نہیں۔وہاں ہزاروں ،اربوں ،کھربوں روپے صرف کر دینا۔یہ اضاعۃ مال ہے۔اس کو بھی اللہ تعالی پسند نہیں فرماتے۔حلال طریقے سے کماؤ اور حلال طریقے سے کھاؤ۔اور صرف کرو۔

اختلافات کے وقت کیا کرنا چاہیے:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے جو لوگ میرے بعد زندہ رہے وہ عنقریب اختلاف دیکھیں گے۔اختلاف ہو جائے گا۔ایک حدیث میں ہے نبی ﷺ نے فرمایا: بڑا فتنہ آنے والا ہے۔اس کے آگے ایک دروازہ بند ہے۔جب تک وہ دروازہ بند ہے۔وہ فتنہ برپا نہیں ہوگا۔اور جب وہ دروازہ توڑ دیا گیا۔تو وہ فتنہ نمودار ہوگا۔پھر وہ دروازہ بند نہیں ہوگا۔فتنے وفساد کا سلسلہ چلتا رہے گا۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا گیا وہ دروازہ کون ہے؟صحابہ نے بتایا۔وہ دروازہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں۔ [1]

جب تک عمر بن خطاب زندہ رہے ہیں۔فتنہ وفساد اور اختلاف پیدا کرنے والے سانپ اور زہریلی چیزوں نے منہ باہر نہیں نکالا۔جونہی عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔انہوں نے منہ نکالنے شروع کر دیئے۔کوئی کسی بل سے نکل رہا ہے کوئی کسی بل سے۔

عبد اللہ بن سبا یہودی نے کام خراب کر دیا۔لوگوں کو عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے خلاف کر دیا۔واقعات آپ سنتے رہتے ہیں۔پھر کس طرح سلسلہ چلتا رہا اور آج

[1] صحيح بخارى كتاب مواقيت الصلاة باب الصلاة كفارة حديث : ٥٢٥۔

تک سلسلہ چل رہا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو میرے بعد زندہ رہے گا۔وہ بہت زیادہ اختلافات دیکھے گا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تلقین فرما گئے۔آپ نے میرے بعد جھگڑا نہیں کرنا۔ایک دوسرے کو قتل نہیں کرنا۔لیکن اختلافات والا سلسلہ چل نکلا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔جب تک مضبوطی سے تھامے رکھو گے۔گمراہ نہیں ہوں گے۔اللہ کی کتاب اور نبی کریم ﷺ کی سنت۔ ❶

جتنا اس کے ساتھ تمسک کم ہوتا گیا اتنا بگاڑ زیادہ ہوتا گیا۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ۔» ❷

”میرے طریقے اور سنت کو لازم پکڑنا اور خلفائے راشدین کے طریقے اور سنت کو لازم پکڑنا“

آپ ﷺ نے فرمایا جب تک کتاب وسنت کو لازم پکڑے رکھو گے گمراہ نہیں ہو گے۔اگر اس کو چھوڑ دیا تو گمراہ ہو جاؤ گے۔ایک حدیث میں ہے۔آپ نے فرمایا: یہ لڑائی ،فساد اور جھگڑا، ضلالت اور کفر دون کفر کی صورت ہے۔

اللہ تعالی ان آیات میں بھی اشارہ فرما رہے ہیں:

﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ﴾ ❸

”فرمایا ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ۔جو فرقوں میں بٹ گئے اور بینات آجانے کے بعد انھوں نے اختلاف کیا۔ان کے لئے عذاب عظیم ہے“

پھر آگے فرمایا:

---

❶ مستدرك حاكم حديث ۳۱۹۔

❷ سنن ابى داؤد باب فى لزوم السنة حديث : ٤٦٠٧۔

❸ سورة آل عمران آيت : ١٠٥۔

﴿ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ﴾...... ''ایمان لانے کے بعد تم نے کفر کیا؟

پتہ چلا کہ بینات آ جانے کے بعد اختلاف یہ بھی ایک قسم کا کفر ہے۔ دائرہ اسلام سے بے شک آدمی کو باہر نہیں کرتا۔ لیکن کفر کا لفظ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ استعمال نے فرمایا ہے۔ کفر دون کفر ہی سہی۔

لہٰذا آدمی اس سے بچے اور کتاب وسنت کا دامن مضبوطی سے تھام لے۔ اتفاق اور اتحاد اللہ تعالیٰ پیدا کر دیں گے۔ انسان کا کام ہے کہ کتاب وسنت پر عمل کرے۔ اور اس کا حکم لوگوں کو بھی دے۔ امر بالمعروف نہی عن المنکر اور کتاب وسنت کی دعوت مخلص ہو کر دیتا جائے۔

خلیفہ نہ ہو تو پھر؟

اتحاد اور اتفاق پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا۔ مسلمانوں کی جماعت اور مسلمانوں کے خلیفہ کو لازم پکڑو۔ منتشر نہ ہو جاؤ، متحد ہو کر رہو۔ صحابی نے پوچھا۔ اگر حالات ایسے آ جائیں کہ مسلمانوں کی جماعت اور مسلمانوں کا امام اور خلیفہ ہی نہ رہے۔ پھر میں کیا کروں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اس وقت تمام گروہوں سے الگ تھلگ رہو۔ ❶

کسی گروہ میں شامل نہیں ہونا۔ فرمایا الگ تھلگ رہ کر کسی درخت کی جڑ پکڑے تم پر موت آ جائے تو یہ ٹھیک ہے۔ لیکن کسی فرقے اور گروہ میں شامل نہیں ہونا۔ اسلام اور کتاب وسنت کو نہیں چھوڑنا۔ اس پر عمل کرنا ہے۔ مسلمانوں کے گروہ اور فرقوں سے الگ تھلگ رہنا ہے۔

بظاہر آدمی یہ سمجھتا ہے۔ اگر الگ تھلگ رہے تو پھر کس طرح یہ فرقے ختم ہوں گے۔ اس طرح تو زیادہ بنتے جائیں گے۔ یہ بھی تو سوچو۔ اگر وہ کسی گروہ میں شامل ہو جائے تو کیا پھر فرقے ختم ہو جائیں گے؟ پھر زیادہ نہ بنیں گے؟ بلکہ یہ تفرق اور

❶ صحیح بخاری کتاب المناقب باب علامات النبوة فی الاسلام حدیث : ٣٦٠٦۔

اختلاف مضبوط ہو جائے گا۔کیونکہ یہ صلح کن غیر جانبدار یہ بھی ایک فرقے میں شامل ہو گیا۔اس کا ایک رکن بن گیا۔رکنیت کی رسید پُر کر دی۔

کیا یہ دوسرے کا اتفاق اور اتحاد کروا سکتا ہے؟ اگر اس سے کہا جائے پہلے آپ تو گروہ بندی کو چھوڑیں۔اپنی چارپائی کے نیچے تو پہلے دیکھو۔پھر یہ کدھر جائے گا؟

رسول اللہ ﷺ نے جو فرمایا ہے۔اس سے اختلاف ختم ہو گا۔کہ ہر ایک جب کتاب وسنت پر عمل کر رہا ہے۔اور اسلام کو مضبوطی سے اس نے پکڑا ہے۔اور مسلمانوں کے گروہوں اور فرقوں میں سے کسی میں بھی نہیں۔

ایک اس طرح ہو گا دوسرا ہو گا ،تیسرا ہو گا۔آہستہ آہستہ یہ ایک بہت بڑا گروہ بن جائے گا اور اللہ تعالی ان کو قوت دے دے گا۔تمام فرقوں کو تہہ تیغ کر کے اتفاق اور اتحاد پیدا ہو جائے گا۔

رسول اللہ فرماتے ہیں :اس وقت تمہاری کیا حالت ہو گی؟ جب مسیح علیہ السلام نازل ہوں گے۔اور تمہارا امام تم سے ہو گا۔امت اکٹھی ہو گی۔مسلمانوں کے خلیفے نے تمام کو ایک لڑی میں پرو دیا ہو گا۔کتاب وسنت کا پابند بنا دیا ہو گا۔اب کی جو سیاست ہے وہ اختلافات پیدا کرتی ہے۔یہ حزب اختلاف ہے اور یہ حزب اقتدار ہے اس طرح اختلافات ختم نہیں ہوتے۔بلکہ اس طرح تو اختلافات بڑھ رہے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ فرما رہے ہیں :مسلمانوں کے گروہوں سے الگ تھلگ رہو۔جب مسلمانوں کا ایک امام نہیں۔کتاب وسنت پر عمل کرتے رہو۔نتیجہ یہ نکلے گا۔اللہ تعالی اپنے فضل وکرم سے سب گروہ ختم کر دیں گے۔اور ایک امام اور خلیفہ مسلمانوں کو مل جائے گا۔جو اس زمین کو عدل وانصاف سے بھر دے گا۔جس طرح وہ پہلے ظلم وستم سے بھری ہوئی تھی۔

جو طریقہ اللہ تعالی اور رسول اللہ ﷺ نے بتایا ہے۔اس طریقہ سے اتفاق اور

اتحاد پیدا ہو سکتا ہے۔اس کے علاوہ کوئی اور طریقہ کوئی پیش کرے۔جس سے اختلاف ختم ہو سکتا ہو۔تو اس کا خیال خام ہے۔اس کو چھوڑ دینا چاہیے۔اور کتاب وسنت کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

اہلحدیث کی تو پہلے دن ہی سے یہ دعوت ہے کہ کتاب وسنت پر عمل کرو۔سیاسی امور ہیں وہ بھی کتاب وسنت سے حل ہوں گے۔اعتقادی امور ہیں وہ بھی کتاب وسنت سے حل ہوں گے۔فروعی امور بھی کتاب وسنت سے حل ہوں گے۔گھر کا مسئلہ ہے،بازار کا مسئلہ ہے،قصبہ اور شہر کا مسئلہ ہے،پورے ملک کا مسئلہ ہے،پوری دنیا کا مسئلہ ہے۔وہ کتاب سنت سے ہی حل ہوگا۔کتاب وسنت کو مقدم رکھو۔اللہ کے فضل وکرم سے معاملہ درست ہو جائے گا۔

یہ ساٹھ کے قریب مسلمانوں کے ملک کتاب وسنت کو اپنے سینوں سے لگا لیں۔مضبوطی سے اس کا دامن پکڑ لیں۔ہر ایک کتاب وسنت پر عمل کرے اور اس پر عمل کروائے۔تمام ممالک میں کتاب وسنت کی لہر دوڑ جائے۔کتاب وسنت کا دوردورہ ہو جائے۔سب کتاب وسنت پر عمل کر رہے ہوں اور کروا رہے ہوں۔تو کیا پھر ان تمام مسلمانوں کے لئے اپنا ایک امام اور خلیفہ بنا لینا کوئی مشکل ہوگا؟

کافر بد، اقوام متحدہ بنا سکتے ہیں تو کیا یہ نہیں بنا سکتے؟ بنا سکتے ہیں۔لیکن اس وقت تو کتاب وسنت سے دوری کے نتیجے میں اختلافات نظر آرہے ہیں۔اپنی ذات اور اپنے مفاد کو مقدم رکھ لیا ہے۔کتاب وسنت کو مقدم رکھیں۔حکمران بھی مقدم رکھیں،وزیر مشیر بھی مقدم رکھیں،جج اور وکیل بھی مقدم رکھیں،محکمہ تعلیم والے بھی مقدم رکھیں،محکمہ پولیس والے،محکمہ فوج والے،تمام محکموں والے مقدم رکھیں۔آج دنیا میں اسلام کا غلبہ ہو جائے گا۔اور مسلمانوں کی حکومت اور خلیفہ بھی ایک بن جائے گا۔پھر ملک کا والی الگ رہے۔جس طرح خلفاء راشدین کے دور میں تھا۔تمام

مسلمانوں کا ایک خلیفہ تھا پھر اس کے ماتحت مختلف شہروں اور ملکوں کے الگ الگ گورنر تھے۔آج بھی اس طرح ہو جائے خلیفہ مسلمانوں کا ایک ہو اور ہر ملک کے والی الگ الگ ہوں۔تو کتاب وسنت کا نظام ہر جگہ پر نافذ ہو جائے گا۔

کتاب وسنت کے قائم ہونے میں کمزوری ہماری ہے۔کہ ہم سیاسی اور دینی اور اعتقادی اور فروعی طور پر، تجارتی اور صحافی اعتبار سے دور نکل چکے ہیں۔نتیجہ یہ نکلا کہ اختلاف روز بروز بڑھتا جا رہا ہے۔اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ ہمیں کتاب وسنت کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔اور صحیح معنوں میں اس پر عمل پیرا ہوں۔

سوال: کیا جو لوگ تقلید کی اور فرقہ بندی کی دعوت دیتے ہیں۔ان کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے؟

جواب: اگر تقلید کفر اور شرک کے درجے پر پہنچ گئی ہے۔مقلد آدمی کافر اور مشرک ہے تو پھر اس کی اقتدا میں نماز درست نہیں۔کیونکہ کافر مشرک کی اقتدا میں نماز درست نہیں۔خواہ وہ اپنے آپ کو اہلحدیث ہی کہلوائے۔

یہ بات بھی سوچنا چاہیے کہ بعض اوقات اہلحدیث بھی تقلید کی دعوت دینا شروع کر دیتے ہیں۔کوئی مسئلہ بیان کیا جائے۔قرآن کی آیت یا رسول اللہ ﷺ کا فرمان سنایا جائے تو کہا جاتا ہے۔فلاں صاحب نے یہ فتوی دیا ہے۔کیا یہ تقلید نہیں؟ دوسروں کے متعلق تو تقلید کا مسئلہ پوچھتا ہے اور خود وہ تقلید کر رہا ہے۔

علماء تو پھر نیک اور صالح لوگ ہیں۔اب تو کیا اہلحدیث کیا اہلسنت اور بھی جتنے مسلمان کہلوانے والے ہیں سب نے کافروں کی تقلید شروع کی ہوئی ہے۔ملک میں کفر چل رہا ہے یا اسلام؟ کفر چل رہا ہے۔اور سب لوگ فیصلے اسی قانون پر کروا رہے ہیں۔تقلید یہی ہے کہ بلا دلیل کسی کی بات تسلیم کرنا۔کیا کفر کی کوئی دلیل ہے؟

ایک طرف تو چار امام ہیں متقی، صالح، نیک لوگ کتاب وسنت کی بات بتاتے ہیں۔کسی وقت کوئی خطا ہو گی۔تو کافروں نے کیا کتاب وسنت بتاتا ہے؟انہوں نے

کتاب وسنت تو نہیں بتاتا؟ کیا بش کتاب وسنت بتا رہا ہے۔اس کی تقلید چل رہی ہے ہمارے ملک والے بھی اس کی تقلید کر رہے ہیں۔پہلے یہ کہتے تھے کہ ہم نے ان کو کوئی چیز نہیں دی۔اب تو وہ یہ خبریں شائع کرنے لگ گئے ہیں۔کہ انہوں نے یہ یہ چیزیں ہمیں دی ہوئی ہیں۔اتنے اڈے اور اتنی بندرگاہیں دی ہوئی ہیں۔اور ہم نے اتنے حملے پاکستان پرشانے کے مغالطے میں کیے ہیں۔

غور کرو کس طرف چلے گئے ہو؟ کتاب وسنت پر عمل کرو۔تو مشرک اور بدعتی امام ہو خواہ اپنے آپ کو اہلحدیث کہلوائے۔اس کے پیچھے نماز درست نہیں اور امام مسلمان مومن ہے۔کافر مشرک نہیں خواہ دیوبندی ہے خواہ بریلوی ہے۔اس کے پیچھے نماز درست ہے

((......❀❀❀......))

بسم اللہ الرحمن الرحیم

«إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَ نَسْتَعِينُهُ وَ نَسْتَغْفِرُهُ وَ نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا ، مَنْ يَهْدِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَ مَنْ يُضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَ رَسُولُهُ» [ﷺ] اما بعد.......

آئمہ اربعہ رحمہم اللہ تبارک وتعالی

اس موضوع سے یہ نہیں سمجھ لینا چاہیے کہ امت میں امام چار ہی ہیں۔ بلکہ امت میں امام بہت سارے ہیں۔ یہ چار تو امام ہیں ہی۔ لیکن ان کے علاوہ سفیان ثوری ،سفیان بن عیینہ ،حماد بن زید ،حماد بن سلمہ ،معمر بن راشد بن کیسان ،امام اوزاعی امام شعبی رحمہم اللہ تعالی یہ سب امام ہیں۔

الغرض آئمہ اربعہ سے پہلے اور آئمہ اربعہ کے بعد آج تک جو امام گزرے ہیں ان کے نام گننا شروع کر دیں تو وہ گنے ہی نہ جائیں بے شمار ہیں۔

امام بخاری ،امام مسلم ،امام ترمذی ،امام نسائی ،امام ابن ماجہ ،امام ابن خزیمہ ،امام بیہقی ،امام دارقطنی یہ سب بڑے بڑے امام ہوئے ہیں۔ یہ سب فقہ کے بھی ماہر تھے اور حدیث کے بھی ماہر تھے۔ علوم اسلامیہ پر ان کی نظر بہت وسیع تھی۔ یہ چار امام بھی مشہور ہیں اور ان کے علاوہ دوسرے آئمہ بھی مشہور ہیں لیکن ان چار آئمہ کو زیادہ شہرت حاصل ہے۔ اس لئے آئمہ اربعہ کا موضوع رکھا گیا ہے۔ یہ مقصد نہیں کہ ان چار کے علاوہ امام کوئی نہیں۔

یہ تو وہ امام ہیں جن کا تعلق صرف علم سے تھا۔ امت میں ایسے بھی امام گزرے ہیں جن کا تعلق علم سے بھی تھا اور امارت وخلافت اقتدار سے بھی تھا۔

مثلا :امام ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ امام تھے۔ امام عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ امام تھے۔ امام

عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ امام تھے۔امام علی بن طالب رضی اللہ عنہ امام تھے اور بھی ان کے علاوہ بہت سے خلفاء تھے جو امامت کا درجہ رکھتے تھے۔

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امارت وخلافت میں تنازع ہوگیا تو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان پیش کر کے اس تنازع کو ختم کیا تھا جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات اور ممات کے سلسلے میں تنازع ہوگیا تھا۔تو قرآن مجید کی آیت پیش کر کے اس تنازع کو ختم کیا۔

خلافت وامارت کے تنازع کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان پیش کیا «أَلْآئِمَّةُ مِنْ قُرَیْشٍ» [1] امام قریش میں سے ہیں۔اس امام سے مراد چار رکعتیں پڑھانے والے امام تو نہیں تھے۔بلکہ «أَلْآئِمَّةُ مِنْ قُرَیْشٍ» سے وہ آئمہ مراد تھے۔جو مسلمانوں کے خلیفے اور مسلمانوں کے حاکم بھی ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی فرمان ہے کہ "امر" (یعنی امارت وخلافت) قریش میں ہی رہے گا «مَا بَقِيَ مِنْهُمُ اثْنَانِ» [2] دو آدمی بھی قریش کے ہوں پھر بھی امارت وخلافت قریش میں ہی رہے گی۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ امارت وخلافت قریش سے نکل تو گئی تھی لہذا آپ کی پیش گوئی واقعہ کے خلاف ہوئی جبکہ آپ کی پیش گوئی واقعہ کے خلاف ہو ہی نہیں سکتی۔

جواب: بات دراصل یہ ہے کہ آپ نے ایک شرط ساتھ فرمائی تھی۔وہ شرط اگر قریش میں رہے گی۔تو یہ امر خلافت امر امارت ان میں رہے گا وہ شرط یہ تھی:

«مَا أَقَامُوا الدِّیْنَ۔» [3]

---

[1] صحیح بخاری کتاب المناقب باب مناقب قریش حدیث: ۳۵۰۰۔ اور کتاب الاحکام، باب الامراء من قریش، حدیث: ۷۱۳۹

[2] صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب مناقب قریش، حدیث: ۳۵۰۱

[3] صحیح بخاری، کتاب الاحکام، باب الامراء من قریش، حدیث: ۷۱۳۹

"جتنی دیر تک یہ دین کو قائم رکھیں گے۔تب تک یہ امر خلافت ان میں باقی رہے گا"

معلوم یہ ہوا کہ جب اقامت دین والی بات ان سے نکل گئی۔تو امر خلافت بھی ان سے نکل گیا۔جب تک انہوں نے دین کو قائم رکھا ہے تب تک خلافت بھی ان میں ہی رہی ہے کسی نے ان کے سامنے سر نہیں اٹھایا۔جب اقامت دین ان سے ختم ہوا تب یہ امر خلافت دوسروں میں چلا گیا۔البتہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان برحق ہے گزارش کرنے کا مقصد یہ تھا کہ امامت ان چاروں میں منحصر نہیں۔بالخصوص امامت علیہ وہ تو بہت زیادہ وسیع ہے یہ امامت ان سے پہلے ان کے اساتذہ میں بھی رہی ہے ان کے بعد ان کے شاگردوں میں بھی رہی ہے اور یہ سلسلہ قیامت تک چلتا ہی رہنا ہے بہت سارے آئمہ کرام علماء عظام رہے ہیں اور قیامت تک ان شاء اللہ رہیں گے

دین خیر خواہی کا نام ہے:

دوسری بات یہ ہے کہ صحیح مسلم میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے تمیم داری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:((اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَةُ))[1] "دین نصیحت اور خیر خواہی کا نام ہے" دین ہے ہی خیر خواہی الدین مسند الیہ بھی معرف باللام ہے۔اور النصیحة مسند بھی معرف باللام ہے۔علماء معانی وبلاغت نے یہ بات لکھی ہے کہ طرفین جب معرف باللام ہوں تو عام طور پر حصر اور قصر پیدا ہوتا ہے۔

الدین النصیحة کا مطلب یہ نکلے گا۔کہ دین خیر خواہی میں ہی محصور ومقصور ہے بعض علماء فرماتے ہیں کہ ایسی ترکیب میں حصر اور قصر من الجانبین ہوتا ہے۔یعنی مسند الیہ مسند پر مقصور اور مسند مسند الیہ پر مقصور ہے۔دین خیر خواہی پر مقصور ہے۔اور خیر خواہی دین پر مقصور ہے۔

دین کے علاوہ خیر خواہی نہیں اور خیر خواہی کے علاوہ دین نہیں۔

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان ان الدین النصیحة:۵۵

اللہ تعالیٰ سے خیر خواہی کرنا:

« اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ قُلْنَا لِمَنْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ »

تمیم داری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ہم نے پوچھا دین خیر خواہی ہے تو کس کی خیر خواہی ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« لِلّٰہِ وَلِکِتَابِہٖ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِاَئِمَّۃِ الْمُسْلِمِیْنَ وَعَامَّتِہِمْ۔» ❶

خیر خواہی اللہ تعالیٰ کی۔ایک انسان اللہ تعالیٰ کا خیر خواہ نہیں بدخواہ ہے تو سمجھ لو کہ دین والی بات اس میں نہیں۔اگرچہ جتنا مرضی دین کا راگ الاپتا رہے۔اللہ تعالیٰ کی خیر خواہی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا جائے۔اس کے اسماء وصفات کو تسلیم کیا جائے اللہ تعالیٰ کو وحدہ لا شریک جانا جائے۔اللہ کے حکموں کی تعمیل کی جائے اور پھر اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت اور عقیدت رکھی جائے۔اور دوسروں کو اس کی تبلیغ کی جائے۔اور اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے نپٹا جائے ان سے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر حمیت اور غیرت دینی کا ثبوت دیا جائے۔یہ اللہ تعالیٰ کی خیر خواہی ہے۔اور اگر کوئی اللہ تعالیٰ کی توہین کرتا جائے اللہ تعالیٰ کے احکام کو پامال کرتا جائے اور اس کے کانوں میں جوں تک نہ رینگے۔تو یہ کیسی خیر خواہی ہے۔یہ تو بے حمیتی بے غیرتی اور بے حیائی ہے۔اور اگر خود بھی اللہ تعالیٰ کی بغاوت کرنی ہے اور دوسروں سے بھی کروانی ہے تو پھر یہ کیسی اللہ تعالیٰ سے خیر خواہی ہے اگرچہ وہ زبان سے لاکھوں اور کروڑوں دعوے کرے کہ میں مسلمان اور مؤمن ہوں اور بڑا محب ہوں۔یہ کوئی خیر خواہی نہیں اور نہ ایمان داری اور مسلمانی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی کتابوں سے خیر خواہی کرنا:

پھر رسول اللہ نے فرمایا:

« وَلِکِتَابِہٖ »......''اللہ تعالیٰ کی کتابوں کی خیر خواہی''

---

❶ صحیح مسلم کتاب الایمان باب بیان ان الدین النصیحۃ حدیث:۵۵۔

قرآن مجید کی خیر خواہی اور دوسری آسمانی کتابوں کی خیر خواہی۔اللہ تعالیٰ کی کتابوں کی خیر خواہی کا مطلب یہ ہے کہ ان پر ایمان لایا جائے۔آسمانی کتابوں میں جو کچھ ہے اس کے مطابق اپنے عقیدہ بنایا جائے۔اپنے عمل اور قول و گفتار کو ان کے مطابق بنایا جائے۔پھر اس کتاب کو پڑھا اور پڑھایا جائے۔دوسروں تک پہنچایا جائے حسب استطاعت اس کی نشر واشاعت کا انتظام کیا جائے اور جو ان کتابوں سے دشمنی رکھتا ہے ان کا حسب استطاعت علاج کیا جائے۔کتاب کی توہین سے ان کو روکا جائے اگر نہیں رکتے تو پھر اپنی طاقت کو صرف کیا جائے۔یہ کتاب کی خیر خواہی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے پیغمبر علیہ السلام کی خیر خواہی کرنا:

پھر فرمایا:

« وَلِرَسُوْلِهٖ »......''اللہ کے پیغمبر (ﷺ) کی خیر خواہی''

یعنی محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لایا جائے ان کے احترام وقار عزت عظمت کو ملحوظ رکھا جائے۔اور ان کے حکموں کی تعمیل کی جائے۔اور اپنی نقل عقل کو رسول اللہ کی ہدایات کے مطابق بنایا جائے۔

رسول اللہ ﷺ کی حدیث اور سنت کو پہچانا جائے اس کی نشرواشاعت کی جائے۔اور جو محمد رسول اللہ ﷺ کی اور آپ کی حدیث کی توہین کرتے ہیں ان کا علاج کیا جائے۔حسب توفیق ان کا علاج اور اصلاح کی جائے۔

الغرض:رسول اللہ ﷺ کی خیر خواہی میں بہت ساری چیزیں آجاتی ہیں۔

آئمۃ المسلمین کی خیر خواہی کرنا:

پھر فرمایا:

« وَلِاَئِمَّةِ الْمُسْلِمِیْنَ وَعَامَّتِهِمْ »

''اہل اسلام کے آئمہ کی خیر خواہی''

یعنی اگر وہ کتاب وسنت سے سرمو انحراف کر رہے ہیں تو ان کی اصلاح کی جائے ان کو سمجھایا جائے اور جو ان کے اوامر کتاب وسنت کے مطابق ہیں ان پر عمل کیا جائے۔اور ان کی تعلیم جو کتاب وسنت کے موافق ہو اس کو فروغ دیا جائے۔ان کے احترام اور وقار کو ملحوظ رکھا جائے اور جو ان کی مخالفت کرے اس کو سمجھایا جائے کہ یہ تو ٹھیک نہیں کر رہا۔

ان آئمہ میں امارت واقتدار والے امام بھی شامل ہیں اور علم وحکمت کے امام بھی ان میں شامل ہیں سب کی خیر خواہی کی جائے۔

عام مسلمانوں کی خیر خواہی کرنا:

((وَعَامَّتِهِمْ۔))

''اور جو عام مسلمان ہیں ان کی بھی خیر خواہی''

یعنی ان کے مقام کو ملحوظ رکھا جائے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

((اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهِ وَيَدِهِ۔)) [1]

''مسلم وہ ہوتا ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں''

اس سے کسی دوسرے مسلمان کو اذیت نہ پہنچے۔

گزارش کرنے کا مقصد یہ تھا کہ جن جن کی خیر خواہی کا رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے ان کی خیر خواہی کی جائے۔

یعنی اللہ تعالیٰ کی خیر خواہی رسول اللہ ﷺ کی خیر خواہی، اللہ تعالیٰ کی کتابوں کی خیر خواہی، مسلمانوں کے آئمہ کی خیر خواہی اور عام مسلمانوں کی خیر خواہی بجا لائی جائے۔

آئمۃ المسلمین کی گستاخی کرنا دین کو خیر باد کہنے والی بات ہے:

البتہ یہ بات جو مشہور کر دی گئی ہے کہ خاص ایک گروہ جو ہے وہ امامان اسلام کی گستاخی کرتا ہے۔تو یہ بات بے بنیاد ہے۔یہ گروہ آئمہ کا گستاخ

[1] صحیح بخاری کتاب الایمان باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده حدیث:۱۰۔

نہیں۔ بلکہ یہ گروہ باادب ہے ان کا ادب واحترام کرتا ہے۔اور کتاب و سنت کی روشنی میں ان کی تعظیم وتوقیر کی تلقین بھی کرتا ہے یعنی ان کی تعظیم وتوقیر کرو اور ان کی گستاخی نہ کرو۔اور جو ان کی خیر خواہی نہیں کرتا اس کا دین ختم ہوگیا ہے۔یا کمزور ہوگیا ہے۔رسول اللہ ﷺ فرما رہے ہیں ''الدین النصیحة'' یہ تو امام ہیں ،جبکہ عام مسلمان کی بے حرمتی اور اس کی گستاخی کی شریعت اجازت نہیں دیتی۔

یوم نحر کو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((فَإِنَّ دِمَاءَ كُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ بَيْنَكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِيْ شَهْرِكُمْ هٰذَا فِيْ بَلَدِكُمْ هٰذَا)) [1]

'' جس طرح یہ دن حرمت والا ہے جس طرح یہ مہینہ حرمت والا ہے جس طرح یہ شہر حرمت والا ہے اسی طرح تمہارے خون عزت آبرو مال ایک دوسرے پر حرام ہیں''

یہ تو عام مسلمان کا احترام اور کرام ہے۔جبکہ امام تو پھر امام ہیں۔ان کی گستاخی کوئی کس طرح کر سکتا ہے ؟ان کی گستاخی کرنا تو اپنے دین کو خیر باد کہنے والی بات ہے یا دین میں خلل پیدا کرنے والی بات ہے۔اس واسطے یہ خیال دل سے نکال دینا چاہیے کہ کوئی مسلمان کسی امام کا گستاخ اور بے ادب ہو۔

تو آج کا موضوع آئمہ اربعہ۔رحمہم اللہ تعالیٰ جن کو آپ جانتے ہی ہیں ان کی پوری سیرت اور ان کے مکمل کارنامے دین کی نشرواشاعت آج کی اس مختصر فرصت میں بیان کرنے مشکل ہیں۔ایک کے ہی حالات بیان نہیں ہو سکتے۔تو چار کے کیسے بیان ہوں گے؟اس لئے مختصر اور تھوڑی تھوڑی باتیں ہر ایک کے متعلق عرض کی جائیں گیں۔

---

[1] صحیح بخاری کتاب العلم باب قول النبی ﷺ رب مبلغ اوعیٰ من سامع حدیث:٦٧۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت طیبہ

ان میں سے پہلے امام ہیں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ۔ان کی کنیت تو آپ نے سماعت فرمائی ہے ابو حنیفہ۔ان کا نام نامی اور اسم گرامی نعمان ہے۔ان کے والد گرامی کا نام ثابت ہے۔دادا کا نام ذوطہ، پردادا کا نام ماح ہے تو نسب اس طرح بنے گا امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت بن ذوطہ بن ماح۔

امام ابو حنیفہ نعمان ۸۰ھ میں اس دنیا پر تشریف لائے ہیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے تقریبا ستر سال بعد۔کوئی کہتا ہے یہ اصل میں کابلی ہیں اور کوئی کہتا ہے بابلی ہیں۔اس بارے میں روایات مختلف ہیں۔اللہ تعالی بہتر جانتا ہے۔بہر حال یہ اسی ۸۰ ہجری میں پیدا ہوئے ہیں۔ایک سو پچاس ۱۵۰ ہجری میں امام ابو حنیفہ نے وفات پائی ہے۔امام ابو حنیفہ بہت بڑے سوداگر تاجر تھے،تجارت کا کام کرتے تھے۔شوق پیدا ہوا کہ علم حاصل کرنا چاہیے۔تو علم میں بھی کمال حاصل کیا۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو علم فقہ کا شوق کیسے پیدا ہوا؟

خطیب بغدادی نے تاریخ میں ذکر کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ایک دن مسجد میں بیٹھے لوگوں کو عقیدے کے مسئلے سمجھا رہے تھے۔عقیدے کی گھتیاں سلجھا رہے تھے (عقیدے کا مسئلہ بڑا مشکل سمجھا جاتا ہے امام صاحب کو اس پر بڑا عبور تھا) اسی دوران ایک عورت نے آکر طلاق کا مسئلہ پوچھا۔امام ابو حنیفہ فرمانے لگے۔

کہ میرے استاذ اور شیخ حماد بن ابی سلیمان جو کہ ابھی مسجد میں ہی تشریف فرما ہیں ان سے مسئلہ پوچھ لو۔پھر مسئلہ پوچھنے کے بعد مجھے جواب بھی دینا کہ شیخ صاحب نے کیا جواب دیا ہے۔چنانچہ وہ عورت حماد بن ابی سلیمان کے پاس گئی۔انہوں نے مسئلہ بتایا کہ یہ طلاق ہے۔اس کی یہ عدت ہے اور عدت کے

دوران تو نے یہ کرنا ہے اور عدت کے بعد یہ کرنا ہے۔ اس عورت نے مسئلہ پوچھنے کے بعد امام ابو حنیفہ کو بتا دیا۔ جو شیخ صاحب نے بتایا تھا۔ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ اس دن سے مجھے شوق پیدا ہو گیا کہ علم فقہ ضرور حاصل کرنا چاہیے۔

چنانچہ میں نے اپنے شیخ حماد بن ابی سلیمان کی مجلس میں بیٹھنا شروع کر دیا۔ اور علم فقہ حاصل کرنے لگ گیا۔ امام صاحب فرماتے ہیں جو مسائل میں نے ان سے سننے وہ ساتھ ساتھ لکھتے جاتا۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ جب کچھ دن گزرے۔ تو میں نے سوچا مجھے کافی معلومات حاصل ہو چکی ہیں۔ اب میں بھی لوگوں کو مسائل بتا سکتا ہوں۔ کیوں نہ میں بھی اپنی الگ مجلس لگا لوں۔ اور لوگوں کو فقہ کی تعلیم دینی شروع کر دوں۔ پہلے عقیدے کی تعلیم دیتا تھا۔ اب فقہ کی تعلیم دیتا ہوں۔ ایک دن میں یہ ارادہ بنا کر گھر سے آیا تو دیکھا کہ مسجد میں شیخ صاحب کی مجلس گرم تھی۔ تو میرا دل نہ چاہا کہ میں اپنی الگ مجلس لگاؤں۔ چنانچہ میں پھر اسی مجلس میں بیٹھ گیا۔ اتفاق ایسا ہوا کہ شیخ صاحب کا بصرہ میں کوئی رشتے دار تھا وہ فوت ہو گیا شیخ صاحب کے علاوہ اس کا کوئی وارث ہی نہیں تھا۔ شیخ صاحب کو جب اس کی وفات کی خبر آئی تو بصرہ کو روانہ ہو گئے۔ اور اپنی مجلس میں مجھے بٹھا گئے (شیخ صاحب کے اور بہت سارے شاگرد تھے ان کو مسند پر نہ بٹھایا لیکن امام صاحب کو مسند پر کیوں بٹھایا؟) اس کی بھی ایک وجہ اور سبب تھا۔ سبب یہ تھا کہ امام صاحب فرماتے ہیں: میں شیخ صاحب سے جو سنتا اس کو تحریر کر لیتا اور یاد کر لیتا۔ دوسرے دن جب انہوں نے پوچھنا تو میں نے ان کو فوراً سنا دینا۔ جبکہ دوسروں نے پس وپیش کرتے رہنا کسی کو کوئی بات یاد نہ رہنی اور کسی کو کوئی بات۔

اس وجہ سے شیخ مجھ سے بہت خوش تھے۔ اور مجھے اپنے قریب بٹھاتے۔ لہذا جب آپ اپنے قریبی کی وفات پر گئے۔ تو مجھے اپنی مسند پر بٹھا گئے۔ کہ لوگوں کو آپ نے تعلیم دینی ہے اور مسئلے مسائل بتانے ہیں۔ چنانچہ ان کے کچھ دن صرف ہوئے تو میں نے ان کی عدم موجودگی میں لوگوں کو مسئلے بتانے شروع کر دیئے۔ اور

جو مسئلہ بھی بتاتا اس کو نوٹ کر لیتا۔تاکہ جب شیخ صاحب آئیں گے تو میں ان سے پوچھ لوں گا کہ ان میں سے کون سا مسئلہ صحیح ہے اور کونسا غلط ہے تحقیق ہو جائے گی۔ شیخ صاحب جب کافی عرصے کے بعد آئے تو تقریبا چالیس کے قریب کچھ مسائل تھے۔تو میں نے ان سے وہ مسئلے پوچھنے شروع کر دیئے۔کہ یہ مسئلے تھے۔آپ ذرا ان پر غور فرمائیں۔

شیخ صاحب نے جب ان مسائل کو پڑھا تو زیادہ کی تائید کی اور کم کی نشاندہی کی امام صاحب فرماتے ہیں۔کہ میں بڑا خوش ہوا۔کہ زیادہ کی تائید ہوئی ہے۔لہذا جب تک شیخ صاحب زندہ رہے ہیں۔ میں نے ان کی مجلس نہیں چھوڑی تعلیم بھی حاصل کرتا رہا ہوں۔ ❶

چنانچہ کتابوں میں بھی لکھا ہوتا ہے:

"تَفَقَّهَ عَلَى حَمَّادِ بْنِ أَبِيْ سُلَيْمَانَ" ❷

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ حماد بن ابی سلیمان کے پاس فقیہ بنے ہیں۔ان سے انہوں نے فقہ حاصل کی ہے۔

حماد بن ابی سلیمان کے علاوہ بھی ان کے استاد اور شیخ تھے۔جن سے انہوں نے فقہ اور تعلیم حاصل کی ہے عطاء بن ابی رباح ،موسیٰ بن ابی عائشہ،نافع مولی ابن عمر رضی اللہ عنہ ،ہشام بن عروہ اور بھی بہت سارے اس وقت کے شیخ ہیں جن سے امام صاحب نے علم حاصل کیا ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے شاگرد:

امام صاحب کے شاگرد بھی بہت سارے ہیں جن میں سے مشہور شاگرد امام ابو یوسف رحمہ اللہ جو قاضی تھے۔بہت مشہور تھے۔امام حسن بن شیبانی رحمہ اللہ ،زفر بن حمید رحمہ اللہ ،حسن بن زیاد لولوئی رحمہ اللہ اور بھی بہت سارے ان کے شاگرد ہیں۔

---

❶ تاریخ بغداد

❷ تاریخ بغداد

مسند الامام الاعظم کی حقیقت:

امام ابو حنیفہ کے نام پر ایک مشہور کتاب ہے "مسند الامام الاعظم" امام اعظم رحمہ اللہ کی مسند۔

یہاں ذرا اس مسند کی حقیقت سمجھ لینی چاہیے۔ یہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتاب نہیں ہے۔ بعد میں لکھ کر ان کی طرف منسوب کی گئی ہے۔ چنانچہ جن لوگوں کو مسند امام ابو حنیفہ پڑھنے کا اتفاق ہوا ہے وہ جانتے ہیں کہ اس کے مقدمے میں لکھا ہوا ہے۔ اس کے مؤلف اور اس کے جامع ابو المؤید محمد بن محمود خوارزمی رحمہ اللہ ہے۔ جو ۶۶۵ ہجری میں فوت ہوئے ہیں۔ امام ابو حنیفہ سے پانچ صدیوں سے بھی زائد عرصے بعد پیدا ہوئے ہیں۔

انہوں نے یہ کتاب جمع کی ہے فرماتے ہیں: میں شام کے علاقے میں گیا وہاں کچھ لوگوں سے میں نے سنا کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تو قلیل الحدیث تھے۔ ان کی تو احادیث ہی بہت کم ہیں۔ اور دوسرے اماموں کی احادیث بہت زیادہ ہیں۔ فرماتے ہیں: جب میں نے یہ بات سنی تو میری حمیت نے جوش مارا کہ امام صاحب کی احادیث کو یکجا جمع کرنا چاہیے۔ تاکہ ان لوگوں کو پتہ چل جائے کہ امام صاحب کی احادیث تھوڑی ہیں یا زیادہ ہیں۔ چنانچہ پھر انہوں نے یہ کتاب تیار کی۔ فرماتے ہیں: میں نے اس کتاب میں امام ابو حنیفہ کی احادیث جن کتابوں میں بکھری پڑی تھیں ان مختلف پندرہ کتابوں سے یہ احادیث جمع کیں ہیں۔ مکرر سند اور مکرر متن کو حذف کر کے یعنی تکرار کو حذف کر کے سندیں اور حدیثیں بیان کیں ہیں۔ جن سے یہ ایک ضخیم کتاب تیار ہوگئی ہے۔ جس کو مسند الامام ابی حنیفہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ کتاب دراصل امام ابو المؤید محمد بن محمود خوارزمی کی کتاب ہے جس میں انہوں نے امام صاحب کی احادیث جمع کیں ہیں۔ اس کتاب میں احادیث تو بہت زیادہ ہیں۔ لیکن ساری احادیث صحیح نہیں ہیں۔ کچھ صحیح بھی ہیں اور

کچھ غیر صحیح بھی ہیں ملی جلی احادیث ہیں۔اس میں انہوں نے صحت کا التزام نہیں کیا جن لوگوں نے اس کتاب کا مطالعہ کیا ہے وہ اس کو بخوبی جانتے ہیں۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی کتب:

امام ابو حنیفہ کی سیرت اور تاریخ کے مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ امام صاحب نے بھی کچھ کتابیں اپنے ہاتھ سے لکھیں ہیں۔لیکن وہ کتابیں باوثوق ذرائع سے ہم تک پہنچ نہیں سکیں۔

مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ ایک مقام میں لکھتے ہیں: کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی اپنے ہاتھ سے لکھی ہوئی کتابیں آج دنیا میں موجود نہیں ہیں ان کے شاگرد اور ان کے شاگردوں کے شاگردوں کی کتابیں موجود ہیں اور وہ آج دستیاب بھی ہیں ''الفقہ الاکبر'' کا بھی حال یہی ہے یعنی امام صاحب کے شاگرد نے لکھی ہے اور منسوب امام صاحب کی طرف کر دی ہے۔ان کی اپنی ذاتی کتاب نہیں۔ابو مطیع برخی کی کتاب ہے۔اسی طرح دوسری کتابیں جو امام صاحب کی طرف منسوب ہیں۔ان کا بھی حال اسی طرح ہے۔بہر حال انہوں نے اپنے ہاتھ سے بھی کچھ کتابیں لکھیں ہیں۔جس طرح تبلیغ اور تقریر کے ذریعے انہوں نے دین کی خدمت کی ہے اسی طرح تحریر کے ذریعے سے بھی انہوں نے دین کی خدمت کی ہے۔جس طرح دوسرے کئی اماموں کی کتابیں ہم تک نہیں پہنچی۔اس طرح ان کی بھی کتابیں ہم تک نہیں پہنچ سکیں۔

البتہ ان کے شاگردوں کی کتابیں،امام ابو یوسف کی کتابیں،امام محمد بن حسن شیبانی کی کتابیں ہم تک پہنچی ہیں۔اور وہ مل بھی جاتی ہیں۔

کتب فقہ میں جو دو قسم کی روایتیں بنائی جاتی ہیں ظاہر روایات نادر روایات۔یہ امام محمد بن حسن شیبانی کی کتابیں ہیں۔

امام محمد بن حسن شیبانی کی چھ کتابیں:

جامع کبیر، جامع صغیر، زیادات مبسوط، سِیَر کبیر، سِیَر صغیر۔

ان چھ کتابوں میں کوئی مسئلہ آجائے اس کو ظاہر روایت کہا جاتا ہے۔اور ان چھ کتابوں کے علاوہ امام محمد بن حسن کی کسی کتاب میں کوئی مسئلہ آجائے۔اُس کو نادر روایت کہا جاتا ہے۔کچھ نواظر مسائل بھی ہیں جن کو علماء اور فقہاء اپنی بصیرت سے امام محمد بن حسن کے اصول کے مطابق استنباط کرتے ہیں۔

یہ تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے حالات آپ سماعت فرما رہے تھے۔امام ابو حنیفہ کے بعد عمر کے اعتبار سے دوسرے نمبر پر امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت طیبہ

یہ امام ابو حنیفہ سے تیرہ چودہ سال چھوٹے تھے۔ان کی کنیت ابو عبد اللہ ہے نام نامی اسم گرامی مالک ہے۔باپ کا نام انس ہے دادا کا نام مالک ہے پردادا کا نام انس ہے۔ان کا نسب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب کے ساتھ مل جاتا ہے۔لیکن بہت دور جا کر ملتا ہے۔

قحطانی لوگ یمن کے علاقے میں رہتے تھے۔اور عدنانی حجاز اور نجد وغیرہ کے علاقوں میں رہتے تھے۔قحطانی اور عدنانی دونوں اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔قحطانیوں کا مشہور ومعروف قبیلہ بنو حِمْیَر تھا۔امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بنو حمیر خاندان کے ہیں۔اسی لئے ان کو حمیری کہا جاتا ہے۔بنو حُمَیر کی پھر آگے کئی شاخیں ہیں۔ان میں ایک شاخ سے ہیں۔

ذی اصبح بھی ایک خاندان تھا۔امام مالک کے آباء واجداد میں ذی اصبح لقب کا ایک آدمی تھا حارث نامی۔اسی مناسبت سے ان کو اصبحی بھی کہا جاتا ہے۔امام مالک بن انس حمیری اصبحی۔

امام مالک مدینہ منورہ میں ہی پیدا ہوئے ہیں۔اور مدینہ منورہ میں ہی وفات پائی ہے۔کچھ لوگوں نے یہ کوشش کی تھی کہ امام مالک کو دار الہجرت مدینہ منورہ سے

نکال کر کہیں اور لے جایا جائے۔لیکن امام مالک مدینہ سے نکلے نہیں۔مدینہ منورہ کو ہی ترجیح دی۔وہی تعلیم حاصل کرتے رہے۔بالآخر اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک خاص مقام اور عزت عطا کر دی۔امام مالک ۹۴ھ یا ۹۳ھ میں پیدا ہوئے۔کئی ۹۵ھ اور کئی ۹۰ھ بھی کہتے ہیں۔روایتیں مختلف ہیں۔

امام بخاری کے استاد اور امام مالک رحمہما اللہ کے شاگرد یحییٰ بن بکیر کہتے ہیں۔ میں نے امام مالک سے سنا ہے وہ فرماتے ہیں :میں ۹۳ھ کو پیدا ہوا ہوں۔امام ابوحنیفہ ۸۰ھ کو پیدا ہوئے تھے۔لہٰذا امام مالک امام ابوحنیفہ سے ۱۳سال چھوٹے ہیں باقی علمی مقام وہ اللہ جسے چاہے عطا کرے۔امام مالک ۱۷۹ھ میں فوت ہوئے کل عمر چھیاسی سال تھی۔ مدینۃ المنورہ کے قبرستان مقبرۃ البقیع میں ان کو دفن کیا گیا ہے۔

مدینۃ المنورہ کے قبرستان کا نام مقبرۃ البقیع ہے اور مکہ معظمہ کے قبرستان کا نام مقبرۃ المعلّٰی ہے:

عام لوگوں کو پتہ نہیں وہ جنت البقیع لفظ بولتے ہیں لیکن نام اس کا مقبرۃ البقیع ہے جو لوگ حج کرنے جاتے ہیں ان کو پتہ ہے۔ مدینہ منورہ میں جائیں تو وہاں قبرستان کے دروازے پر بڑے حروف کے ساتھ لکھا ہوا ہے "مقبرۃ البقیع" لوگ یہاں آکر جنت البقیع کہنا شروع کر دیتے ہیں۔

اسی طرح مکہ معظمہ میں قبرستان کے دروازے پر لکھا ہوا ہے "مقبرۃ المُعَلّٰی" یا "مقبرۃ المَعلی" یہاں آکر مشہور کر دیتے ہیں جنت المُعَلّٰی یا جنت المُعلی۔

اس کو بقیع اس وجہ سے کہتے ہیں کہ یہ ایک وسیع کھلا میدان تھا۔یہاں ایک درخت تھا اس کا نام عربی میں غرقد تھا۔اس کو کہا جاتا تھا "بَقِيعُ الْغَرْقَد" اس درخت کے نام سے اس میدان کو بقیع کہا جاتا تھا۔جیسے ہمارے یہاں بھی درختوں

کے نام سے کنوؤں وغیرہ کے نام رکھ دیتے ہیں۔

جیسا کہ کہا جاتا ہے۔یہ بیڑی والا کنواں ہے۔یہ بوہڑ والا کنواں ہے۔بیڑی والا چوک تو یہاں آپ کے پاس بھی ہے۔تو درختوں کے نام پر بھی جگہوں کے نام رکھے جاتے ہیں۔وہاں بھی درخت تھا "بقيع الغرقد" وہاں پھر قبرستان بن گیا۔تو وہ بقیع کے نام سے مشہور ہو گیا۔اب مسجد نبوی تو "مقبرة البقيع" تک پہنچ گئی ہے۔صرف ایک رستے کا فرق ہے اس طرف مسجد نبوی ہے دوسری طرف مقبرة البقيع ہے بلکہ یہ بھی کہا جاتا ہے۔کہ نبی ﷺ کے دور میں مدینہ کی جو ساری آبادی تھی وہ اب مسجد نبوی میں آ گئی ہے۔صرف مقبرة البقيع یا سقیفہ بنی ساعدہ باہر رہ گئے ہیں۔باقی ساری آبادی مسجد نبوی میں آ گئی ہے۔تھوڑے ہی مقام باہر رہ گئے ہیں۔بہر حال امام مالک مقبرة البقیع میں مدفون ہے۔ہمارے استاد اور شیخ علامہ احسان الٰہی ظہیر شہید رحمہ اللہ کو بھی مقبرة البقیع میں امام مالک کے قریب ہی دفن کیا گیا ہے۔جو لوگ وہاں جاتے ہیں وہ جانتے ہیں اور بتاتے بھی ہیں کہ یہ ساتھ ہی علامہ صاحب کی قبر ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ کے اساتذہ اور شاگرد:

امام مالک رحمہ اللہ کے استاذ بہت زیادہ ہیں جن سے انہوں نے حدیث اور فقہ کا علم حاصل کیا ہے۔ان میں سے مشہور استاد یحییٰ بن سعید انصاری، نافع مولی ابن عمر امام زہری، ہشام بن عروہ ہیں۔

امام مالک کے شاگرد بھی بہت زیادہ ہیں۔امام شافعی ان کے شاگرد ہیں، یحییٰ ابن بکیر ان کے شاگرد ہیں، عبد اللہ بن مبارک ان کے شاگرد ہیں، ثعلبی، معن بن عیسیٰ یحییٰ بن یحییٰ مثمودی اندلسی جن کا یہ نسخہ مؤطا امام مالک ہمارے پاس موجود ہے یہ سب ان کے شاگرد ہیں۔پھر عبد اللہ بن یوسف تنیسی ان کے شاگرد اور امام بخاری کے استاد ہیں۔شاگردوں کی فہرست بڑی طویل ہے۔دور

دراز سے ان کے پاس لوگ علم حاصل کرنے آتے تھے۔خاص کر کے مغربی علاقوں سے لوگ آئے۔پھر اپنے اپنے علاقے میں جا کر ان کے مؤطا اور ان کی تعلیم کا پرچار کیا۔ان علاقوں میں آج تک امام مالک کا مسلک چل رہا ہے۔اتنا اثر اور رسوخ تھا۔

امام مالک رحمہ اللہ کے شاگرد یحیی بن یحیی مشمودی کا ایک واقعہ:

یحیی بن یحیی مشمودی کے متعلق ہم نے اپنے استاد اور شیخ مولانا اسماعیل سلفی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے۔جب ہمیں مؤطا امام مالک پڑھانے لگے فرماتے ہیں: کہ یہ یحیی بن یحیی مشمودی اندلس سے امام مالک کے پاس مدینہ منورہ میں پڑھنے کے لئے آئے تھے۔ مدینہ منورہ میں ایک دن ہاتھی آگیا امام مالک کے بہت سارے شاگرد ہاتھی دیکھنے چلے گئے۔لیکن یحیی بن یحیی مشمودی نہ گئے بیٹھے رہے۔امام مالک نے کہا: یحیٰی آپ نہیں گئے۔آپ بھی ہاتھی دیکھ آتے یحیی بن یحیی مشمودی فرمانے لگے: کہ میں دور دراز (اندلس) سے سفر کر کے آپ کے پاس علم حاصل کرنے کے لئے آیا ہوں ہاتھی دیکھنے کے لئے نہیں آیا۔ہاتھی تو وہاں بھی آدمی دیکھ سکتا ہے۔لہذا آج انہی کا نسخہ مؤطا امام مالک پوری دنیا پر چل رہا ہے۔دوسرے بھی نسخے ہیں لیکن جو شہرت یحیی بن یحیی مشمودی کو حاصل ہوئی ہے وہ کسی دوسرے نسخے کو حاصل نہیں ہوئی۔ویسے تو شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے پندرہ کے قریب نسخوں کا تذکرہ کیا ہے۔یحیی بن یحیی کا نسخہ سند کا درجہ رکھتا ہے بہر حال امام مالک کے شاگردوں کی فہرست بہت زیادہ ہے۔

احادیث نبویہ کی تعظیم اور امام مالک رحمہ اللہ:

امام مالک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی بہت ہی زیادہ تعظیم کرتے تھے حدیث پڑھانے سے قبل غسل کرتے۔اچھا لباس پہنتے۔پگڑی پہنتے خوشبو لگاتے اور دوران تدریس حرکت نہیں کرتے تھے۔

ایک دن امام مالک رحمۃ اللہ علیہ حدیث پڑھا رہے تھے۔ کہ آپ کے چہرے کا رنگ متغیر ہونا شروع ہو گیا۔ لیکن آپ حرکت نہیں کر رہے تھے۔ تاریخ بغداد کی روایت کے مطابق عبد اللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ دوسرے شاگرد اٹھ کر چلے گئے لیکن میں آپ کے چہرے کی حالت دیکھ رہا تھا۔ میں نے پوچھا امام صاحب: کیا بات ہے؟ کہ آپ کے چہرے کا رنگ بدل رہا تھا۔ کبھی سرخ کبھی نیلا کبھی کوئی۔ کیا وجہ ہوئی ہے؟ امام مالک فرماتے ہیں: کہ نیچے کوئی چیز تھی وہ ڈنگ مار رہی تھی۔ پندرہ سولہ اس نے ڈنگ مارے ہیں۔ میں یہی سوچتا رہا کہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا رہا ہوں حرکت کیا کرنی ہے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کا اتنا احترام کرتے تھے) عبدا للہ بن مبارک فرماتے ہیں: کہ جب نیچے دیکھا تو وہ بھڑ تھی کئی روایتوں میں بچھو کا ذکر بھی آیا ہے۔ ❶

فتاویٰ میں امام مالک ضرب المثل تھے:

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی بہت زیادہ شہرت ہوئی فتوی میں تو آپ ضرب المثل بن گئے

"هَلْ يُفْتٰى وَمَالِكٌ فِي الْمَدِيْنَةِ۔" ❷

''مدینہ منورہ میں مالک موجود ہوں تو فتوی کس طرح دیا جا سکتا ہے؟''

ان کی موجودگی میں فتوی لینا ہے تو ان سے لینا ہے۔

مؤطا امام مالک:

ان کے ہاتھوں سے لکھی ہوئی مؤطا امام مالک آج بھی ہمارے پاس موجود ہے۔ احادیث بھی اس میں موجود ہیں۔

امام مالک کے اجتہادات بھی اس میں موجود ہیں۔ متقدمین اور صحابہ کرام تابعین کے اجتہادات اقوال بھی اس میں موجود ہیں۔ سند ان کی بالکل قریب ہے۔

---

❶ تاریخ بغداد

❷ تاریخ بغداد

ثنائی حدیثیں بھی ان میں بہت زیادہ ہیں۔یعنی امام مالک اور نبی ﷺ کے درمیان صرف دو واسطے ہیں۔ایک تابعی اور ایک صحابی پھر آگے نبی ﷺ.....

چنانچہ موطا میں مالك عن نافع عن ابن عمر والی سند کی بھی بہت ساری احادیث ہیں۔امام مالک نافع سے بیان کرتے ہیں وہ ابن عمر سے اور ابن عمر نبی ﷺ سے۔چنانچہ ثنائی احادیث ان کی بہت زیادہ ہیں۔جبکہ ثلاثی احادیث تو بہت ہی زیادہ ہیں۔امام ابو حنیفہ کی بھی ثنائی احادیث بہت ساری ہیں۔کیونکہ ان کا زمانہ ان سے بھی قریب ہے اور یہ ان سے چھوٹے ہیں۔جب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی ثنائی احادیث ہیں تو ان کی بالاولیٰ ثنائی احادیث ہیں۔بلکہ امام ابو حنیفہ کی ایسی بھی احادیث ہیں جن میں صرف ایک ہی واسطہ ہے۔امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ آگے ایک صحابی پھر نبی ﷺ۔ایسی اسناد کو آحادی سندیں کہا جاتا ہے۔

اس طرح کی سندیں بھی امام صاحب کی کچھ ہیں لیکن ان میں سے کسی ایک کی بھی سند صحیح نہیں ہے۔سند درجہ صحت کو نہیں پہنچتی۔البتہ امام مالک کی ثنائی احادیث بہت زیادہ ہیں۔اور اس سند امام مالك عن نافع عن ابن عمر کو امام بخاری نے اصح الاسانید کا درجہ دیا ہے۔اور بھی بہت سارے محدثین نے بہترین سند اور اصح الاسانید مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ کو قرار دیا ہے۔

موطا امام مالک کی وجہ تسمیہ:

امام مالک فرماتے ہیں: اس کتاب کو تالیف کر کے مدینہ منورہ کے علماء فقہاء پر پیش کیا۔تو کُلٌّ وَاطَأَنِي " تمام نے تصدیق کی۔میری موافقت کی۔اس وجہ سے اس کا نام موطا ہوگیا۔جس کی موافقت کی گئی تائید کی گئی ہے۔

فقہی ابواب کے اعتبار سے اس خاص ترتیب سے یہ پہلی کتاب ہے اس سے پہلے اس انداز کی کتاب اور اس نام کی کتاب کوئی نہیں۔اس سے پہلی کتابوں میں کسی کا نام مصنف کسی کا نام جامع اور کسی کا نام مسند تھا اور ان کی ترتیبیں بھی کسی

اور انداز کی تھیں

مؤطا وہ پہلا نام ہے جو اس کتاب کا رکھا گیا ہے اس سے پہلے کسی کتاب کا نام مؤطا نہیں ہے۔اور فقہی ابواب پر یہ ترتیب بھی پہلی ہے اس سے پہلے کسی کتاب کی فقہی ترتیب نہیں تھی۔اس کے بعد پھر فقہی ترتیب کا سلسلہ چلا ہے۔بعد میں پھر بہت سے لوگوں نے مؤطات لکھے۔ایک دن امام مالک کے ایک شاگرد ان سے کہنے لگے اب تو بہت سارے لوگوں نے مؤطات لکھ دیئے ہیں۔آپ کی یہ ایک چھوٹی سی کتاب مؤطا ان کے مقابلے میں کیا کرے گی۔امام مالک رحمہ اللہ فرمانے لگے "گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں جو کتاب رضائے الٰہی اور اخلاص کے ساتھ لکھی گئی ہے۔وہ باقی رہے گی اور دوسری کتابیں ختم ہو جائیں گی۔امام مالک کی یہ پیشین گوئی پوری ہو گئی ہے۔دیکھ لو دوسری کسی مؤطا کو کوئی جانتا ہی نہیں۔اور مؤطا امام مالک مشہور ومعروف ہے۔

مؤطا امام محمد رحمہ اللہ:

ہاں ایک کتاب مؤطا امام محمد رحمہ اللہ ہے۔اور اس کے متعلق بھی شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

کہ یہ بھی مؤطا امام مالک کا ایک نسخہ ہے الگ کوئی کتاب نہیں جس طرح امام مالک کے دوسرے شاگرد ہیں یحییٰ بن بکیر،معن بن عیسیٰ ،قعنبی ،عبد اللہ بن یوسف تنیسی اور ان کے مؤطا کے نسخے ہیں۔اسی طرح امام محمد کا بھی نسخہ ہوگا۔یہ بھی امام مالک کے شاگرد ہیں۔

جن لوگوں نے مؤطا امام محمد کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ مؤطا امام محمد میں امام مالک کی بہت ساری احادیث ہیں۔دوسرے اساتذہ سے بھی انہوں نے احادیث اس میں درج کی ہیں لیکن جتنی احادیث امام مالک کی درج کی ہیں اتنی کسی اور استاذ کی احادیث انہوں نے درج نہیں کیں۔بلکہ اپنے خاص الخاص استاد

امام ابو حنیفہ کی بھی اتنی احادیث انہوں نے اپنے مؤطا میں بیان نہیں کیں۔اسی وجہ سے شاہ عبد العزیز محدث دہلوی نے بستان المحدثین میں اس کو مؤطا امام مالک کا ایک نسخہ قرار دیا ہے۔

مؤطا امام مالک کی علمی اور محدثانہ شرح صحیح بخاری میں موجود ہے:

بہر حال امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب مؤطا اخلاص سے لکھی تھی۔دنیا اس سے آج تک فائدہ اٹھا رہی ہے۔امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تو بڑا ہی عجیب کام کر دیا ہے کہ مؤطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ میں جو با سند متصل مسند اور مرفوع احادیث تھیں۔وہ صحیح بخاری میں امام بخاری نے درج کر دیں ہیں۔کبھی امام مالک والی سندیں اور کبھی امام مالک کے علاوہ سندیں بیان کر دی ہیں۔کہ امام مالک نے جو سند متصل مرفوع احادیث پیش کی ہیں یہ واقعی درست اور صحیح ہیں اس کی تائید میں دوسری سندیں اور دوسری احادیث بھی ہیں۔

اس طرح سمجھو: کہ مؤطا امام مالک کی علمی اور محدثانہ شرح صحیح بخاری میں آگئی ہے۔بشرطیکہ کوئی آدمی ادھر توجہ دے۔اور ان احادیث کو بخاری شریف سے اپنے اپنے مقام میں تلاش کرے۔

امام مالک نے صدقۃ الفطر کے بارے میں ایک حدیث بیان کی ہے اس میں لفظ ہے "مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ" عام طور پر مشہور ہے کہ امام مالک یہ لفظ بیان کرنے میں متفرد ہیں۔امام بخاری نے ایک اور سند بیان کر کے امام مالک کی متابعت کی ہے بخاری میں صدقۃ الفطر کا باب نکال کر آپ دیکھ سکتے ہیں۔ [1]

اور اس بات کا رد کر دیا ہے کہ امام مالک متفرد ہیں۔یہ محدثانہ ایک بہت بڑا

---

[1] صحیح بخاری کتاب الزکوۃ ابواب صدقۃ الفطر باب فرض صدقۃ الفطر حدیث کے الفاظ یہ ہیں: عن ابن عمر رضی اللہ عنہ ((قال فرض رسول اللہ ﷺ زکوۃ الفطر صاعا من تمر او صاعا من شعیر علی العبد والحر والذکر والانثی والصغیر والکبیر من المسلمین وامر بھا ان تودی قبل خروج الناس الی الصلاۃ)) حدیث: ۱۵۰۳۔

نقطہ ہوتا ہے۔ایسی چیزیں صحیح بخاری میں بہت ساری ہیں۔

ہمارے استاد اور شیخ حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ فرماتے تھے: کہ صحیح بخاری اپنی جگہ پر ایک مستقل کتاب ہے لیکن ساتھ ساتھ یہ مؤطا امام مالک کی شرح بھی ہے کاش کہ لوگ اس بات کو سمجھیں اور اس طرف بھی توجہ دیں۔

مؤطا کو ملک کا قانون بنانے کی تجویز:

بہر حال یہ کتاب مؤطا امام مالک بہت مقبول ہوئی۔دو ملکوں کی طرف سے امام مالک کو پیش کش بھی ہوئی کہ آپ کی اس کتاب کو ملک کا قانون بنا دیتے ہیں۔اور لوگوں پر اس کو نافذ کر دیتے ہیں تاکہ اس کی خلاف ورزی کوئی نہ کرے۔امام مالک نے فرمایا: کہ ایسا نہ کرو کیونکہ اس میں احادیث تو میں نے وہ جمع کیں ہیں جو مجھ تک پہنچی ہیں۔اور دوسرے علماء کرام کے پاس بھی تو احادیث پہنچی ہیں۔وہ بھی رسول اللہ ﷺ کی احادیث ہیں۔امام مالک کا عجز وانکساری دیکھو۔یہاں تو کسی کی کتاب سکول یا کالج یا درس نظامی میں لگ جائے تو وہ پھولا نہیں سماتا۔اور وہ اس کو بہت بڑی مقبولیت سمجھتا ہے۔لہذا آئمہ میں عجز وانکساری بھی بہت زیادہ تھی۔فخر اور تعلّی والی چیزیں ان میں نہیں تھیں۔وہ سمجھتے تھے کہ ہم سے بڑا بھی کوئی عالم ہو سکتا ہے۔

یہ تو امام مالک کے حالات آپ سن رہے تھے۔ان کے بعد تیسرے نمبر پر امام شافعی رحمہ اللہ ہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ کی سیرت طیبہ

امام شافعی امام مالک کے شاگرد ہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں سات سال کا تھا تو قرآن مجید حفظ کر لیا تھا۔اور جب دس سال کا ہوا تو مؤطا امام مالک حفظ کر لی۔

امام شافعی رحمہ اللہ کی کنیت تھی ابو عبد اللہ۔

آئمہ کو ابو عبد اللہ کنیت بہت پسند تھی:

(معلوم ہوتا ہے کہ آئمہ کو ابو عبد اللہ کنیت بہت پسند تھی۔امام شافعی کے استاد امام مالک کی بھی کنیت ابوعبد اللہ تھی۔اور ان کے شاگرد امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی کنیت بھی ابو عبد اللہ تھی)اس کا ایک خاص سبب تھا۔وہ سبب یہ ہے۔کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

((أَحَبُّ الْأَسْمَاءِ إِلَى اللّٰهِ عَبْدُ اللّٰهِ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ۔)) ❶

''کہ اللہ تعالی کے ہاں سب سے زیادہ پسندیدہ اور محبوب نام عبد اللہ اور عبد الرحمٰن ہے''

اس وجہ سے وہ بچوں کا نام عبد اللہ اور عبد الرحمٰن رکھتے تھے۔تو کنیت خود ہی ابو عبد اللہ یا ابو عبد الرحمٰن ہو جاتی تھی۔اور عربوں میں یہ رواج تھا کہ وہ ایک دوسرے کو کنیت سے پکارتے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ جا رہے تھے۔تو ایک آدمی نے کہا "أَبَا الْقَاسِمِ" (اے ابو القاسم)رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پلٹ کر دیکھا تو وہ کہنے لگا: ''لَمْ أَعْنِ'' (میں نے آپ کو نہیں بلایا) اور کسی ابو القاسم کو بلایا ہے۔پھر اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا:

((تَسَمَّوْا بِاسْمِي وَلَا تَكْتَنُوا بِكُنْيَتِي۔)) ❷

''میرے والا نام تو رکھ لو لیکن میری والی کنیت نہ رکھو''

پھر آپ کی زندگی میں کسی نے ابو القاسم کنیت نہ رکھی۔البتہ بعد میں ایسے علماء کرام آئے جنہوں نے ابو القاسم کنیت رکھی۔

---

❶ جامع ترمذی کتاب الأدب عن رسول الله ﷺ باب ما جاء ما يستحب من الأسماء حدیث:۲۸۳۳۔

❷ صحیح بخاری کتاب العلم باب اثم من کذب علی النبی ﷺ حدیث:۱۱۰۔

ہمارے حافظ عبدالسلام بھٹوی صاحب ان کے والد حافظ محمد بھٹوی کی کنیت بھی ابو القاسم تھی۔اب بھی عربوں میں کنیت سے پکارنے والا رواج ہے۔لیکن یہاں ہم نے اسلام کو پوری طرح آنے ہی نہیں دیا۔ہندو اور سکھ غالب رہے ہیں۔بعد میں انگریز آگئے۔تھوڑی بہت کسر انہوں نے پوری کر دی۔ان کی بودو باش ہم نے اپنانی شروع کر دی۔اچھا بھلا نام والدین نے رکھا ہوتا ہے مثلاً:نام ہے چوھدری عبدالقادر کتنا اچھا نام ہے لیکن کہے گا کیا ؟ سی اے قادر۔

اس کو انگریزی طرز پر بتائے گا۔دماغ ماؤف ہوئے ہیں اپنا اسلام پسند نہیں اپنی معیشت پسند نہیں ،اپنی قوم پسند نہیں حتی کہ اپنا ملک پسند نہیں۔اس قوم کا کیا حال ہے؟ یہ جو اسلام کا تھوڑا بہت نام چل رہا ہے اللہ کا خاص فضل وکرم ہے۔

کچھ لوگ ہیں جو خشک کھا کر طعن وتشنیع برداشت کر کے اسلام کا کام کرتے چلے جا رہے ہیں ورنہ اس طرح کے لوگوں کا یہی خیال ہے کہ دین کو بالکل ہی ختم کر دیا جائے۔اور اسلام کو ختم کرنے پر دندنا رہے ہیں۔

تو ذکر میں کر رہا تھا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی کنیت ابو عبداللہ تھی۔اسمائے رجال کی کتابیں پڑھیں آپ کو عبداللہ عبدالرحمٰن نام بہت زیادہ ملیں گے۔اور ابو عبداللہ ابوعبدالرحمٰن کنیت والے بھی بہت زیادہ ملیں گے۔ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی اولاد کوئی نہیں تھی انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔میں کنیت کس نام پر رکھوں ؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:اپنے بھانجے عبداللہ بن زبیر کے نام پر رکھ لو"اُم عبداللہ" ❶

تو یہ عبداللہ نام بہت ہی پیارا ہے۔ہمارے استاذ مولانا عبداللہ صاحب کے والد کا نام عبدالرحمٰن تھا۔اور بیٹے کا نام انہوں نے عبداللہ رکھ دیا۔پھر آگے مولانا عبداللہ صاحب نے اپنے بیٹے کا نام عبدالرحمٰن رکھا اور کنیت ابوعبدالرحمٰن رکھی۔کتنا اچھا نام ہے۔ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن عبدالرحمٰن۔

آپ بھی ایسے نام رکھیں لیکن یہاں تو نام ہی بڑے عجیب وغریب رکھتے ہیں

❶ أبو داؤد كتاب الأدب باب في المرأة تكنى حديث:٤٩٧٠۔

ہم جیسے سادہ لوگوں کی زبان پر بھی نہیں آتا۔ تو خیر یہ بات تو ضمناً آ گئی۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا نام ونسب:

امام شافعی کی کنیت تھی ابو عبد اللہ نام تھا محمد والد صاحب کا نام تھا ادریس ان کا نسب نبی ﷺ کے نسب میں عبد مناف میں جا کر مل جاتا ہے۔ نبی ﷺ کا نسب تھا محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب۔ عبد مناف نبی ﷺ کی چوتھی پشت میں آتے ہیں۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی نویں پشت میں آتے ہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ قریشی تھے۔ نبی ﷺ کے خاندان سے تھے۔ اس لئے ان کو کہا جاتا ہے امام مطّلبی قریشی۔ کیونکہ ان کے نسب میں مطلب نام کا ایک آدمی ہے اس کی طرف نسبت کر کے مطلبی ہوئے۔

امام ابوحنیفہ کی وفات اور امام شافعی کی پیدائش:

امام شافعی رحمہ اللہ ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے ہیں۔ جس سال امام ابو حنیفہ فوت ہوئے۔ ایسا تو اتفاقاً ہوا ہے کہ ۱۵۰ھ میں امام شافعی پیدا ہوئے۔ اور امام ابو حنیفہ فوت ہوئے لیکن اس اتفاق سے بھی لوگوں نے غلط فائدے اٹھانے شروع کر دیئے ہیں۔ کچھ لوگوں نے یہ بات بنائی ہے کہ جتنی دیر تک ہمارے امام زندہ رہے ہیں۔ دوسرے امام کو آنے نہیں دیا اور دوسروں نے یہ بات بنا لی کہ جس روز ہمارے امام دنیا پر آ گئے۔ دوسرے امام کو رہنے نہیں دیا۔ (یہ کوئی بات ہے) یہ تو اتفاقاً ایسا ہوا ہے۔ بات اس سے کوئی نکلتی نہیں۔ (ویسے تو دوسروں کو گستاخ کہیں گے تو کیا یہ اماموں کا ادب ہو رہا ہے؟)

امام شافعی رحمہ اللہ کے اساتذہ اور شاگرد:

بہر حال ۱۵۰ھ میں امام شافعی رحمہ اللہ پیدا ہوئے اور ۲۰۴ھ میں وفات پائی اور

۵۴ سال کل عمر تھی۔ان کے مشہور ومعروف اساتذہ میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سر فہرست ہیں۔ان کے علاوہ بھی بہت سارے استاذ اور شیخ ہیں۔ان کے شاگرد بھی بہت سارے ہیں ان کے شاگردوں میں خاص الخاص مقام امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔امام شافعی امام احمد بن حنبل کو کہا کرتے تھے:

''احمد آپ کو حدیثوں میں بہت عبور ہے اور ہم سے زیادہ آپ کو احادیث یاد ہیں کبھی ہم سے کوئی حدیث آگے پیچھے ہو جائے تو ہم کو یاد کرا دیا کرو''

(اماموں کی عجز و انکساری دیکھو)اب تو کسی کو رتی علم بھی آجائے تو وہ پھولا نہیں سماتا وہ سمجھتا ہے کہ امام تو اب میں ہی ہوں۔کسی کو تو کچھ سمجھتا ہی نہیں۔یہ تکبر اور فخر اللہ کو پسند نہیں (تواضع سیکھو)اور ان آئمہ میں سے کوئی رجوع کرتے وقت بھی خفت محسوس نہیں کرتا تھا۔

امام شافعی رحمہ اللہ کی کتب:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بہت ساری کتابیں لکھیں ہیں ''کتاب الام'' ان کی مشہور ومعروف کتاب ہے "الرسالة "ان کی خاص کتاب ہے۔ایک بزرگ فرماتے ہیں:

میں نے امام شافعی کی کتاب الرسالة پچاس دفعہ پڑھی۔اب ہم میں ایسے بھی ہوں گے جنھوں نے قرآن مجید بھی پچاس دفعہ نہیں پڑھا ہوگا۔پچاس دفعہ تو درکنار ایک دفعہ بھی نہیں پڑھا۔بلکہ کئی لوگوں کو پڑھنا بھی نہیں آتا۔بہر حال اس شخص نے الرسالة کا پچاس دفعہ مطالعہ ہے وہ فرماتے ہیں: ہر دفعہ مجھے کوئی نہ کوئی نئے نکات ہی معلوم ہوئے ہیں۔ایسی عمدہ کتاب ہے۔بلکہ بعض علماء تو کہتے ہیں: اصول الفقہ پر یہ پہلی کتاب ہے ویسے اصول الفقہ چیدہ چیدہ مختلف کتابوں میں موجود تھے۔لیکن الگ مستقل کتاب اس سے پہلے کوئی نہیں تھی۔امام شافعی کے نام سے ایک کتاب مشہور ہے "مسند الامام الشافعی "لیکن یہ کتاب امام صاحب کی اپنے ہاتھ کی

لکھی ہوئی نہیں ہے۔کسی عالم نے ان کی کتاب " کتاب الام" میں ذکر کردہ احادیث کو جمع کر کے کتاب تیار کر لی ہے۔اور اس کی کوئی خاص ترتیب بھی نہیں ہے۔نہ مسانید والی اور نہ سنن والی "کتاب الام" میں جہاں کوئی حدیث دیکھی اس کو درج کرتے گئے اس وجہ سے اس میں تکرار بھی بہت زیادہ ہے۔البتہ بیس (۲۰) کے قریب چھوٹے موٹے اجزاء وغیرہ امام شافعی نے اپنے ہاتھ سے لکھے ہیں۔جن میں سے کچھ آج بھی دستیاب ہو جاتے ہیں۔''مسند امام شافعی'' امام شافعی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتاب نہیں ہے۔اس سے تو امام بیہقی کی "معرفة السنن والآثار" بہت بہتر ہے امام بیہقی نے اس میں امام شافعی کی ساری احادیث جو ان کی مختلف کتب میں بکھری پڑی تھیں یکجا جمع کر دی ہیں۔اور یہ کتاب مرتب بھی ہے اس کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی سیرت طیبہ

امام شافعی کے آگے پھر ان کے شاگرد ہیں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ۔عمر کے اعتبار سے سب سے چھوٹے ہیں البتہ علم جس کو اللہ عطا کرے وہ بعد والے کو عطا کرے پہلے والے کو عطا کرے۔

﴿ وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ ﴾.[1]

''ہر علم والے کے اوپر علم والا ہے''

لیکن اللہ تعالیٰ کے اوپر کوئی بھی نہیں کیونکہ

﴿ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴾.[2]

''اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے''

---

[1] سورۃ یوسف آیت:۷٦۔

[2] سورۃ بقرۃ آیت:۲۱٦۔

﴿وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ﴾.❶

''کوئی ذرہ برابر چیز اللہ تعالیٰ کے علم سے مخفی نہیں''

﴿وَاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا﴾.❷

﴿اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾.❸

علم کا زیادہ ہونا اگر کسی کی تقلید پر دلیل ہے تو پھر بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ہی تقلید کرنی چاہیے:

کسی کی تقلید کرنے کے لئے ایک یہ بھی دلیل پیش کی جاتی ہے کہ فلاں بہت بڑا عالم ہے۔اس وجہ سے اس کی تقلید کی جائے گی۔اس اعتبار سے تو پھر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنی چاہیے بلکہ اللہ تعالیٰ نے فرما بھی دیا ہے:

﴿وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ﴾❹

اور پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ اللہ کی مخلوقات میں سے جتنا علم رسول اللہ ﷺ کے پاس ہے اتنا علم تو کسی کے پاس نہیں۔کسی کے پاس کوئی حدیث نہیں تو کسی کے پاس اور کوئی حدیث نہیں۔کسی کو کسی آیت کا مطلب سمجھ نہیں آرہا تو کسی کو کسی آیت کا۔جبکہ رسول اللہ ﷺ کا علم تو بہت ہی زیادہ ہے۔امت کے سارے علماء کا علم جمع کر لیا جائے تو پھر بھی رسول اللہ ﷺ کا علم زیادہ ہے۔تو پھر رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرنی چاہیے نا؟سارے جھگڑے چھوڑ دینے چاہیے۔

اگر زیادہ علم کی بات ہے تو پھر آدمی اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ پر اکتفاء کرے۔نبی ﷺ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے کبھی کوئی بات پوچھتے تو وہ فرماتے "اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ" اللہ اور اس کے رسول ہی زیادہ جانتے ہیں اللہ تعالیٰ فرما بھی رہے ہیں:

---

❶ سورة یونس آیت:۶۱۔ ❷ سورة طلاق آیت:۱۲۔

❸ سورة مائدة آیت:۹۷۔

❹ سورة آل عمران آیت:۱۳۲

﴿اِتَّبِعُوْا مَا أُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖ أَوْلِيَاءَ﴾ ❶

امام احمد رحمہ اللہ کا نام ونسب:

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی کنیت ہے ابوعبد اللہ۔ان کا نام تھا احمد اور والد صاحب کا نام تھا محمد اور دادے کا نام حنبل۔ ان کا نسب چلتا چلتا شیبان بن ذہل تک پہنچ جاتا ہے۔اس وجہ سے ان کو شیبانی کہا جاتا ہے۔امام احمد بن حنبل شیبانی۔

حنبل دادے کی طرف نسبت ہے۔اصل میں نسبت یوں ہے۔

امام ابوعبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل۔جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ

أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ ❷

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے باپ کا نام تو عبد اللہ تھا۔جیسے آپ نے دادے کی طرف نسبت کر لی ویسے ہی امام احمد بن حنبل کی بھی نسبت دادے کی طرف ہو رہی ہے۔

امام احمد بن حنبل ۱۶۴ھ میں پیدا ہوئے ہیں۔امام شافعی سے ۱۴ سال چھوٹے تھے ۲۴۱ھ میں انہوں نے وفات پائی ہے۔ستتر ۷۷ سال کل عمر تھی۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے اساتذہ اور شاگرد:

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے اساتذہ بہت زیادہ ہیں۔یزید بن ہارون،عبد الرزاق بن حمام،امام شافعی وغیرہ۔ان کے شاگرد بھی بہت زیادہ ہیں۔ان کے اپنے بیٹے عبد اللہ اور صالح بھی ان کے شاگرد ہیں۔امام بخاری بھی ان کے شاگرد ہیں،امام مسلم ان کے شاگرد ہیں۔امام ابو داؤد بھی ان کے شاگرد ہیں۔ ان کے شاگردوں کی فہرست بھی لمبی ہے۔

---

❶ سورة أعراف آيت:٣۔

❷ صحيح بخاری كتاب الجهاد والسير باب من قاد دآبة غيره فی الحرب حديث:٢٧٦٤۔

امام احمد رحمہ اللہ کے جنازے کا منظر:

کہا جاتا ہے کہ جب یہ فوت ہوئے تو ان کے جنازے میں آٹھ لاکھ افراد نے شرکت کی۔جبکہ اس وقت آمدورفت کے اتنے ذرائع اور وسائل بھی نہیں تھے۔ادر عورتیں مردوں کے علاوہ تھیں۔تقریبا ساٹھ ہزار کے قریب عورتیں بھی ان کے جنازے میں شامل تھیں۔اتنا عظیم ان کا جنازہ تھا۔اور یہ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے اور اہل بدعت کے درمیان فرق کرنا چاہتے ہوتو جنازے کا دن دیکھ لینا۔آپ کو پتہ چل جائے گا۔اتنا عظیم جنازہ تھا ان کا۔

مسند امام احمد بن حنبل:

امام احمد بن حنبل نے بہت ساری کتابیں لکھی ہیں۔دین کی نشرواشاعت کے لئے انہوں نے بڑا کام کیا ہے۔ان کی اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتاب مسند امام احمد بن حنبل ہے۔تیس ۳۰ہزار کے قریب اس میں احادیث موجود ہیں۔ان کے لڑکے عبد اللہ بن احمد بن حنبل نے کچھ زائد احادیث بھی درج کیں ہیں۔ان کو شمار کر لیں تو تقریبا چالیس ۴۰ہزار کے قریب احادیث بن جاتی ہیں۔ان کے شاگرد ابو بکر نے بھی کچھ احادیث درج کیں ہیں۔

بہر حال یہ کتاب امام احمد بن حنبل کی اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے۔ان کے شاگرد نے یا ان کے بیٹے نے اگر کچھ احادیث زیادہ درج کی ہیں تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ تصنیف ان کی اپنی نہیں رہی۔اس کی مثال ایسے سمجھ لو کہ امام بخاری کی کتاب ہے صحیح بخاری۔ساری دنیا جانتی ہے۔اور یہ نسخہ ابو عبد اللہ محمد بن یوسف فربری کا ہے۔

اور فربری صحیح بخاری میں کہیں کہیں اپنی سند سے بھی حدیثیں درج کرتا ہے امام بخاری کے واسطے کے علاوہ۔تو کیا اب یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ امام بخاری کی اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی نہیں ؟یہ زیادتی اور ناانصافی ہوگی۔بہر حال مسند امام احمد بن

حنبل امام صاحب کی اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتاب ہے (صحیح بات سے انکار اور بغض نہیں کرنا چاہیے)

آئمہ اربعہ کی ذہانت

یہ تو آئمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا مختصر سا تعارف تھا۔ویسے تو آئمہ اربعہ کے متعلق باتیں تو بہت ساری ہیں۔ان کو شروع کر دیا جائے تو ختم ہی نہ ہوں۔البتہ ہر امام کے متعلق ایک ایک واقعہ بیان کیا جائے گا جو ان کے ذہین اور فطین ہونے پر دلالت کرتا ہے۔بعد میں کتاب وسنت کی اہمیت کے سلسلے میں آئمہ اربعہ کے اقوال پیش کئے جائیں گے۔پھر بات کو ختم کر دیا جائے گا۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی ذہانت:

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے

﴿يٰأَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ. اَلَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَكُمْ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ أَنْدَادًا وَأَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ [1]

کی تفسیر میں چاروں آئمہ کے متعلق ایک ایک واقعہ نقل کیا ہے۔امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ کچھ زندیق ملحد قسم کے لوگ جو اللہ تعالیٰ کو مانتے ہی نہیں امام صاحب کے پاس آ کر کہنے لگے۔اللہ تعالیٰ کے موجود ہونے کی کیا دلیل ہے ؟امام صاحب قرآن مجید کی آیت پیش کرتے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پیش کرتے تو انہوں نے تسلیم نہیں کرنی تھی۔کیونکہ وہ زندیق قسم کے لوگ تھے۔

امام صاحب نے عقلی دلیل پیش کی۔فرمانے لگے میں نے ایک خبر سنی ہے۔

---

[1] تفسیر ابن کثیر تفسیر سورۃ بقرۃ آیت:۲۱۔

اس پر غور کر رہا ہوں۔اس کی سمجھ نہیں آ رہی۔وہ کہنے لگے کیا خبر آپ نے سنی ہے۔امام صاحب فرمانے لگے: کچھ آدمی آئے تھے وہ بتا گئے ہیں کہ ساحل سمندر پر ایک کشتی ہے وہ تجارتی سامان سے خوب لدی ہوئی ہے۔اور وہ خود بخود سمندر میں چلنا شروع ہوتی ہے اس کو چلانے والا کوئی ملاح نہیں۔اور سنبھالنے والا کوئی کشتیبان نہیں۔خود بخود تجارتی سامان سمندر پار دوسرے کنارے پر لے گئی ہے۔خود بخود سامان اترنا بھی شروع ہو گیا ہے۔اور کشتی پھر خود بخود خالی ہو کر واپس آ گئی ہے اور پھر اس میں سامان بھرنا شروع ہو گیا ہے۔پھر کشتی سامان لے کر چلنا شروع ہو گئی ہے۔میں اس خبر کے متعلق بہت متفکر ہوں کہ یہ کیسی خبر وہ مجھے دے گئے ہیں۔وہ ملحد اور زندیق کہنے لگے امام صاحب غور کرو کیا ایسا ہو سکتا ہے؟

امام صاحب نے ان کی یہ بات سنتے ہی فوراً کہہ دیا۔اگر کشتی خود بخود چل نہیں سکتی تو پھر کائنات کا اتنا بڑا نظام کیسے بغیر صانع اور موجد کے چل سکتا ہے بات ان کی عقل میں آ گئی۔کہ کشتی بغیر ملاح کے نہیں چل سکتی تو یہ اتنا بڑا کائنات کا نظام وہ کیسے بغیر صانع اور موجد کے چل سکتا ہے؟ یہ بات ان کی سمجھ میں آ گئی اور وہ امام صاحب کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہو گئے۔

امام ابوحنیفہ نے جو دلیل پیش کی یہ کتاب وسنت سے ہی ماخوذ ہے۔آپ امام صاحب کی دانائی اور عقلمندی دیکھیں کہ امام صاحب نے ان کو کس انداز سے قائل کیا ہے۔یہاں کوئی اور ہوتا تو وہ شاید طیش میں آ جاتا کہ تم اللہ کو ہی نہیں مانتے۔اور ان کو کچھ ٹھیک بھی کرتا۔لیکن امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو حکمت اور دانائی سے بات سمجھائی اور یہ بات کتاب وسنت کی ہی تھی۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی ذہانت:

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ یہ نقل کیا ہے۔

کہ خلیفہ ہارون الرشید نے امام مالک سے پوچھا۔اللہ کے موجود ہونے کی کیا

دلیل ہے؟اس دور میں یہ مسئلہ علم کلام والا بڑے زوروں پر تھا۔یونانی فلسفے کا ترجمہ ہو کر عربی میں آیا تھا۔اور عقیدے کے متعلق بہت باتیں بنائی جاتی تھیں۔اس فلسفے نے مسلمانوں کا دماغ بھی خراب کر دیا تھا۔لیکن امامان دین نے خوب اس مسئلے کو سمجھا یااور لوگوں کو قائل کیا۔تو اس وقت ہارون نے امام صاحب سے سوال کیا کہ اللہ تعالی کے موجود ہونے کیا دلیل ہے؟امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کہ آواز کے مختلف ہونے یعنی کسی کی آواز کا ترنم کوئی ہے کسی کا کوئی اور پھر لغات کا مختلف ہونا، کوئی عربی بول رہا ہے کوئی سریانی کوئی لاطینی کوئی سنسکرت کوئی انگریزی کوئی بلوچی کوئی بھگو بول رہا ہے۔کتنی ہی زبانیں ہیں۔اب ان زبانوں کو بنانے والا کوئی ہے نا؟کیونکہ ایک انسان کے بس میں یہ بالکل ہی نہیں ہے کہ وہ اتنی زبانیں بنا سکے۔پاکستان میں ہی آپ دیکھ لیں کہ کتنی زبانیں بولی جاتی ہیں۔کہیں سندھی ہے کہیں پنجابی ہے کہیں بلوچی ہے کتنی ہی زبانیں ہیں۔پھر پنجابی میں آگے کتنی زبانیں ہیں۔سندھی میں آگے کئی زبانیں ہیں۔ایک زبان میں آگے کئی کئی زبانیں نکل رہی ہیں۔

تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے: خلیفہ صاحب آپ سوچیں کہ یہ زبانوں کا اختلاف کس نے بنایا؟پھر آگے نغمے دیکھیں۔کہ ہر چیز کے راگ مختلف ہیں۔کسی کا کسی طرح ہے کسی کی آواز لرزتی ہے کسی کی آواز بالکل سیدھی ہے۔مختلف نغمے بنانے والا کون ہے؟آدمی غور کرے تو اس نتیجے پر پہنچ جاتا ہے کہ یہ مختلف قسم کی آوازیں اور نغمے بنانے والا اللہ وحدہ لاشریک ہے۔اور کوئی نہیں۔نہ کوئی انجینئر ہے نہ کوئی محدث اور نہ کوئی فلسفی اور نہ کوئی سائنسدان ہے۔فقط اللہ تعالی ہی ہے۔

﴿ وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافُ أَلْسِنَتِكُمْ وَأَلْوَانِكُمْ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيَاتٍ لِلْعَالِمِينَ ﴾ [1]

"اللہ کی نشانیوں میں سے زمین وآسمان کی تخلیق ہے اور زبانوں اور شکلوں کا

[1] سورۃ روم آیت: ۲۲۔

مختلف ہوتا ہے''

انسان کی شکل وصورت پر بھی غور کر لو۔ بے شمار انسان ہیں لیکن ایک کی شکل دوسرے سے ملتی نہیں ہے۔تھوڑا بہت فرق ضرور ہوتا ہے کسی وقت شبہ پڑ جاتا ہے لیکن غور کریں تو فرق ضرور نکل آتا ہے۔اسی واسطے اہل علم فرماتے ہیں :انسان کا حلیہ ایسا ہے کہ یہ بیان میں آ ہی نہیں سکتا۔اس کا تعلق مشاہدے سے ہے بیان میں نہیں آسکتا بیان میں جب آئے گا۔وہ کلی بن جائے گا۔کئی انسانوں پر صادق آئے گا۔اس کا تعلق دیکھنے سے ہی ہے۔تو یہ عقلی دلیل امام مالک نے پیش کی۔یہ بھی قرآن مجید سے ہی ماخوذ ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی ذہانت:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی بات حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کی ہے۔کہ امام شافعی سے پوچھا گیا اللہ کے موجود ہونے کی دلیل کیا ہے؟امام صاحب فرمانے لگے :

توت کا درخت ہے اس کے پتے ریشم کا کیڑا کھاتا ہے تو ریشم بنتا ہے۔ریشمی دھاگہ بنتا جاتا ہے وہ توت بکری کھاتی ہے اونٹ کھاتے ہیں تو مینگنیاں بنتیں ہیں ،لید بنتی ہے۔اسی توت کے پتے گائے کھاتی ہے تو گوبر بنتا ہے۔اسی توت کے پتے ہرنیاں کھاتی ہیں تو کستوری بنتی ہے۔جبکہ توت ایک ہی ہے اور چیزیں مختلف تیار ہو رہی ہیں۔یہ فرق پانے والا کون ہے ؟کیا وہ جانور خود ہیں ؟جبکہ جانوروں کا اپنا وجود ان کے قبضے میں نہیں۔اپنی زندگی ان کے اختیار میں نہیں تو وہ یہ چیزیں کیسے بنا سکتے ہیں ؟تو یہ فرق کرنے والا اللہ وحدہ لاشریک ہے اس کے علاوہ اور کوئی نہیں۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی ذہانت:

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا۔اللہ تعالی کے موجود ہونے کی کیا دلیل ہے؟امام احمد بن حنبل فرمانے لگے :کہ ایک سفید قلعہ ہے اس کی دیواریں بہت ملائم ہیں اور چاندی کی طرح سفید ہیں۔اور اس کے اندر سونے کی طرح سرخ رنگ ہے

کچھ دن گزرنے کے بعد دیوار پھٹی۔تو اندر سے ایک جانور حیوان حس وحرکت والا نکلتا ہے اس کے کان بھی ہیں ،ناک بھی ہے،منہ بھی ہے۔امام صاحب کی مراد انڈہ تھی۔ انڈے سے جو جانور بن رہا ہے یہ بنانے والا کون ہے؟غور کرو:

مرغی اور کبوتری کے اختیار میں ہوتو پھر کئی مرغیاں جو انڈے دینے کے بغیر ہی ہوتی ہیں وہ ہوں ہی نہ۔یعنی کئی مرغیاں بالکل انڈے ہی نہیں دیتیں۔ساری عمر وہ انڈے نہیں دیتیں۔اگر ان کے اختیار میں ہےتو پھر انڈے دیں نا۔کیوں نہیں دیتی اس لیے کہ ان کے اختیار میں نہیں یہ اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک ہی ہے جو یہ ساری چیزیں بنا رہا ہے۔

یہ دلیل بھی قرآن مجید سے ہی ماخوذ ہے۔اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں:

﴿ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ﴾ ❶

﴿ سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْۤ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى یَتَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ اَوَلَمْ یَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ﴾ ❷

آدمی قرآن مجید کا مطالعہ کرے تو پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آفاقی اور ارضی بے شمار دلائل بیان کر دیئے ہیں۔

امام عبد اللہ غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کی ذہانت:

عارف باللہ امام عبد اللہ غزنوی کی سوانح حیات میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ جب غزنی سے ہجرت کر کے امرتسر تشریف لائے تو لوگ ان کی دینداری اور تقوی پرہیز گاری کو دیکھ کر ان کے گرویدہ ہو رہے تھے۔تو کچھ لوگوں کو حسد کی آگ کھا گئی۔کہ بعد میں

❶ سورة بقرة آیت:١٦٤۔

❷ سورة حٰم السجدة آیت:٥٣۔

آئے ہیں اور مقبول ہی ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ہم اس شہر میں پرانے رہ رہے ہیں ہم سے کوئی پوچھتا ہی نہیں۔انہوں نے ایک سوال بنایا کہ اللہ تعالی کے موجود ہونے کی عقلی دلیل کیا ہے؟(اس سوال کو بڑا پہاڑ سمجھا جاتا ہے)لیکن انبیاء علیہم السلام نے سارے مسئلے حل کر دیئے ہیں۔

ہمارے شیخ اور استاد حافظ محمد گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک کتاب لکھی ہے ''تحفۃ الاخوان'' عقائد کے متعلق ہے اور اللہ تعالی کے موجود ہونے کے عقلی دلائل پر بھی انہوں نے بڑی بحث کی ہے اور فلسفی لوگ جو عقل کے بڑے دلدادہ ہیں ان کے دلائل بھی نقل کئے ہیں۔اور ان کی خامیاں بھی بیان کی ہیں۔اور اللہ تعالی کے موجود ہونے کے دلائل جو انبیاء علیہم السلام نے پیش کئے ہیں ان کو بیان بھی کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا طریقہ صحیح اور حق ہے۔تو امام عبداللہ غزنوی مجمع سے خطاب کررہے تھے۔کچھ حاسدین نے سوال کیا کہ اللہ تعالی کے موجود ہونے کی دلیل کیا ہے؟اور انہوں نے سمجھا کہ یہ سادہ آدمی ہے اللہ اللہ کرنے والا۔ اس کو جواب کوئی نہیں آتا اس نے حیران اور پریشان ہو جانا ہے۔اور لوگوں کو پتہ چل جائے گا کہ یہاں علم والی کوئی بات نہیں۔امام عبداللہ غزنوی فی البدیع سوچے سمجھے بغیر ابھی سوال ان کے منہ میں ہی تھا فرمانے لگے:

﴿أَفِي اللَّهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ [1]

''کیا اللہ کے بارے میں آپ کو شک ہو گیا ہے جو زمین اور آسمانوں کا خالق ہے''

زمین اور آسمان کو پیدا کرنے والا اللہ ہے۔یہ دلیل پیش کر دی۔اب اس کا وہ کیا جواب دیں اور دلیل وہ پیش کی جو انبیاء علیہم السلام نے پیش کی تھی۔

﴿قَالَتْ رُسُلُهُمْ أَفِي اللَّهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾

''پیغمبروں نے اپنی قوموں کو یہ بات کہی کہ اللہ کے بارے میں شک کرتے

---

[1] سورۃ ابراھیم آیت: ۱۰۔

ہو جو آسمان اور زمین کا خالق ہے۔ان کو معرض وجود میں لانے والا اللہ ہے۔"

قرآن مجید میں بہت سارے عقلی دلائل موجود ہیں:

عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ قرآن مجید میں عقلی دلائل کوئی نہیں۔انبیاء علیہم السلام کوئی عقلی دلائل نہیں پیش کرتے تھے۔نقلی دلائل پیش کرتے تھے۔یہ خیال خام ہے۔انبیاء علیہم السلام عقلی دلائل پیش کرتے تھے ایسے دلائل پیش کرتے تھے کہ مد مقابل مبہوت ہو جاتے تھے۔

فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا:

﴿قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعَالَمِيْنَ﴾

"رب العالمین کون ہے"

موسیٰ نے فرمایا:

﴿رَبُّ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا إِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ﴾ [1]

"رب العالمین وہ ہے۔جو آسمانوں اور زمین اور جو ان کے درمیان ہے ان کا رب ہے"

فرعون جو ﴿أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلٰى﴾ کا دعویٰ کرتا تھا وہ کیسے کہتا میں آسمانوں اور زمین کا رب ہوں جھوٹ ہی بول دیتا۔لیکن اس کو جراءت ہی نہیں ہوئی۔نمرود نے جھوٹ بول دیا ﴿أَنَا أُحْيِيْ وَأُمِيْتُ﴾ لیکن فرعون یہ بھی نہ کہہ سکا۔لوگوں کو پتہ تھا کہ زمین اور آسمان کتنے پرانے ہیں اور فرعون کل ابھی پیدا ہو رہا ہے۔بعد میں پیدا ہونے والا پہلے کی کائنات کا رب کیسے ہو سکتا ہے۔فرعون کو جواب نہ آیا تو کہنے لگا:

﴿قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗ أَلَا تَسْتَمِعُوْنَ﴾

"جو اس کے ارد گرد چیلے چانٹے بیٹھے ہوئے تھے ان سے کہنے لگا تم سنتے نہیں یہ کیا کہہ رہا ہے"

---

[1] سورۃ شعراء آیت: ۲٤۔

(بھلا یہ بھی کوئی جواب تھا فرعون کا) اور ٹھٹھا مذاق کرنا شروع کر دیا ،طنز کرنا شروع کر دیا۔ موسیٰ علیہ اسلام کہنے لگے:

﴿ رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبَائِكُمُ الْأَوَّلِينَ ﴾

''رب العالمین وہ ہے جو تمہارا بھی رب ہے۔ اور تمہارے پہلے آباء واجداد کا بھی رب ہے''

فرعون بد اب کیسے کہے کہ میں اپنے آباء واجداد کا بھی رب ہوں۔ لوگوں نے بھی منہ پر جوتے مارنے تھے۔ کہنے لگا:

﴿ إِنَّ رَسُولَكُمُ الَّذِي أُرْسِلَ إِلَيْكُمْ لَمَجْنُونٌ ﴾

''یہ تمہارا رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے یہ مجنون اور دیوانہ ہے (نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ)

جواب خود نہیں آیا اور دیوانہ موسیٰ علیہ اسلام کو بنا رہا ہے۔ عقل کی بات بھی نہ سمجھ سکا۔ موسیٰ علیہ السلام نے ایک اور دلیل پیش کر دی۔

﴿ رَبُّكُمْ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ ﴾

''رب العالمین وہ ہے جو مشرق اور مغرب کا رب ہے اور جو ان کے درمیان ہے ان کا رب ہے۔ اگر تمہارے اندر عقل کی رتی ہے۔'' مجنون کا جواب بھی طریقے سے دیں گے۔

اب فرعون کیسے کہے۔ کہ سورج میں نے بنایا ہے۔ ساری دنیا جانتی ہے کہ سورج فرعون سے پہلے کا ہے۔ مغرب اور مشرق پہلے کا بنا ہوا ہے۔ مبہوت ہو گیا بالکل کچھ پتہ نہ چلا۔ موسیٰ علیہ اسلام کو کہنے لگا:

﴿ لَئِنِ اتَّخَذْتَ إِلَٰهًا غَيْرِي لَأَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُونِينَ ﴾ [1]

''اگر میرے علاوہ کسی اور کو الہ بنایا تو میں جیل میں ڈال دوں گا ،قید کر دوں گا''

(بھلا یہ بھی کوئی جواب ہے) لیکن موسیٰ علیہ اسلام نے اس طرف سے بھی ناطقہ بند کر دیا۔

---

[1] سورۃ الشعراء: ۲۷، ۲۸، ۲۹

گزارش کرنے کا مقصد یہ تھا کہ انبیاء علیہم السلام کا اثبات توحید میں جو طریقہ تھا وہ بہترین طریقہ تھا۔اس جیسا کوئی طریقہ نہیں ہے۔اوردوسری تیسری باتیں صغرے کبرے ملا کر پھران پر مناقشے اور اعتراضات کرتے رہنا یہ سب خیالات خام ہیں اصل دلائل وہی ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے انبیاء علیہم السلام نے پیش فرمائے ہیں یہ تو پھر بھی بڑے عقلوں والے لوگ ہیں۔ایک بدوی جو ویسے بھی بدّو ہوتے ہیں۔

﴿ الْأَعْرَابُ أَشَدُّ كُفْرًا وَنِفَاقًا وَأَجْدَرُ أَلَّا يَعْلَمُوا حُدُودَ مَا أَنزَلَ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ ﴾ [1]

اس بدوی سے کسی نے پوچھا کہ اللہ کے موجود ہونے کی کیا دلیل ہے؟وہ کہنے لگا کہ اونٹ کی لید کہیں پڑی ہوئی ہوتو دیکھ کرآپ فیصلہ کرتے ہیں کہ یہاں سے اونٹ گزر گیا ہے۔زمین پر قدموں کے نشانات دیکھ کرآپ فیصلہ کرتے ہیں کہ یہاں سے کوئی گزر گیا ہے اس جیسی چند باتیں بدوی پیش کر کے کہتا ہے :''فَسَمَاءٌ ذَاتُ أَبْرَاجٍ ''یہ برجوں والا آسمان ''وَبَحْرٌ ذَاتُ أَمْوَاجٍ ''اور موجوں والا سمندر ''وَأَرْضٌ ذَاتُ أَنْهَارٍ ''اور دریاؤں والی زمین۔یہ کائنات گوناگوں یہ اللہ تعالیٰ کے واحد اور موجود ہونے پر دلالت نہیں کرتی؟

أَلْبَعْرَةُ تَدُلُّ عَلَى الْبَعِيْرِ
وَالْأَقْدَامُ تَدُلُّ عَلَى الْمَسِيْرِ

لید اونٹ پر دلالت کرے اور قدموں کے نشانات چلنے والوں پر دلالت کریں۔تو یہ کائنات اور مخلوقات اللہ تعالیٰ پر دلالت نہیں کرتیں۔کچھ سوچو اور غور کرو۔اس بدوی نے خاموش اور مبہوت کرکے رکھ دیا بڑے سادہ انداز میں۔

یہ آئمہ اربعہ کے چار اقوال ہیں جو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اثبات اور موجود ہونے پر پیش کیے۔اب اس کے بعد آئمہ اربعہ کے اقوال جو کتاب وسنت کی اہمیت اور اس کی اقتداء اور اتباع پر انہوں نے پیش کیے ہیں۔وہ بیان کرکے بات کو ختم کیا جائے گا۔

[1] سورۃ التوبۃ:۹۷

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال

امام ابو حنیفہ کے کئی اقوال ہیں چند ایک پیش کیے جائیں گے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا پہلا قول:

وہ فرماتے ہیں:

"اِذَا صَحَّ الْحَدِيْثُ فَهُوَ مَذْهَبِيْ۔" [1]

''جب حدیث صحیح آجائے تو میرا مذہب وہی ہے''

یہ بات ''البحر الرائق'' کے حاشیے میں ابن عابدین نے لکھی ہے۔ابن عابدین کی کتاب ہے "رسم المفتی" اس میں بھی انہوں نے یہ بات درج فرمائی ہے "ایقاظ همم اولی الابصار" علامہ فلاّنی کی کتاب ہے اس میں بھی انہوں نے یہ بات درج فرمائی ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا دوسرا قول:

امام صاحبؒ فرماتے ہیں:

"لَا يَحِلُّ لِأَحَدٍ أَنْ يَّاخُذَ بِقَوْلِنَا مَا لَمْ يَعْلَمْ مِنْ أَيْنَ أَخَذْنَاهُ۔"

''کسی کے لئے یہ حلال ہی نہیں کہ وہ ہماری بات کو اخذ کرے۔جب تک اس کو علم نہ ہو جائے کہ ہم نے وہ بات کس مقام سے اخذ کی ہے''

دوسرے لفظوں میں یہ مطلب ہے کہ ہماری دلیل کا اس کو پتہ چل جائے۔تو

[1] اس قول کو ابن عابدین نے اپنے حاشیہ(۶۳/۱) میں اور اپنے رسالہ "رسم المفتی(۱/ ٤) مجموعہ رسائل ابن عابدین میں اور شیخ صالح فلانی نے ایقاظ الھمم ص ٦٢ میں اور ان کے علاوہ دیگر علما نے نقل فرمایا ہے۔

پھر وہ بات کو اخذ کرے۔اگر اس کو ہماری دلیل کا پتہ نہیں چل رہا تو وہ ہماری بات کو نہ قبول کرے۔اور نہ اخذ کرے۔یہ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں۔

ایک روایت میں یہ لفظ بھی آئے ہیں۔امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں:

"حَرَامٌ عَلَی مَنْ لَمْ یَعْرِفْ دَلِیْلِیْ أَنْ یُفْتِیَ بِکَلَامِیْ"

''اس شخص پر حرام ہے جو دلیل کو جانتا پہچانتا نہیں وہ میرے قول پر فتوی دے''

میرے قول پر فتوی دینا حرام ہے جتنی دیر تک میری دلیل کی پہچان حاصل نہ کرے۔

غور فرماؤ: کہ ابو حنیفہ نے کتاب وسنت کی تاکید اور اہمیت کو کس انداز سے بیان کیا ہے؟ فرماتے ہیں: میری بات پر فتوی دینا حرام ہے۔پہلے میری دلیل معلوم کرے پھر فتوی دے۔کیا امام ابو حنیفہ کے اقوال پر فتوی دینے والے ان کے دلائل کو پہچان کر فتوی دیتے ہیں یا ویسے ہی دے رہے ہیں۔یہ لمحہ فکریہ ہے غور کرو: ایک روایت میں اسی قول میں یہ اضافہ بھی ہے۔

امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں:

"فَإِنَّنَا بَشَرٌ نَقُوْلُ الْقَوْلَ الْیَوْمَ وَنَرْجِعُ عَنْهُ غَدًا"

''ہم انسان ہیں آج ایک بات کہتے ہیں اور کل اس سے رجوع کر لیتے ہیں''

اس واسطے جس نے ہمارے قول پر فتوی دینا ہے وہ پہلے دلیل پہچانے محض وہ ہمارے قول پر فتوی نہ دیتا جائے۔اس قول کے اندر ہی امام ابو حنیفہ کی ایک اور روایت بھی ہے۔

"وَیْحَكَ یَا یَعْقُوْبُ لَا تَکْتُبْ کُلَّ مَا تَسْمَعُ مِنِّیْ"

''اے یعقوب (یہ امام قاضی ابو یوسف کا نام ہے) جو تو ہر بات مجھ سے سنتا ہے وہ نہ لکھا کر''

"فَإِنِّي قَدْ أَرَى الرَّأْيَ الْيَوْمَ وَأَتْرُكُهُ غَدًا۔" ❶

"بسا اوقات آج میری رائے ہوتی ہے اور کل میں وہ رائے ترک کر دیتا ہوں"

تو آپ اس کو لکھ کر کیا کریں گے؟ جبکہ میں نے اس کو ترک کر دیا ہے۔اور فرمایا:

"وَأَرَى الرَّأْيَ غَدًا وَأَتْرُكُهُ بَعْدَ غَدٍ۔"

اور کل میری ایک رائے قائم ہوئی ہے کل کے بعد میں اس کو ترک کر دیتا ہوں"

مقصد یہ تھا کہ رجوع کا امکان ہوتا ہے۔

عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث لکھتے تھے فرماتے ہیں: "فَنَهَتْنِي قُرَيْشٌ "قریش نے مجھے منع کر دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات نہ لکھا کرو۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کبھی کوئی حالت ہوتی ہے اور کبھی کوئی فرماتے ہیں: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گزارش کی کہ آپ جو فرماتے ہیں میں اس کو لکھ لیتا ہوں۔ تو لوگوں نے مجھے اس کام سے منع کر دیا ہے کہ ہر بات نہ لکھا کر۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر بات لکھ لیا کر۔ میری اس زبان سے حق ہی نکلتا ہے حالت کوئی بھی ہو۔ آپ حالت رضا میں ہوں یا حالت غضب میں۔ زبان سے حق ہی نکلتا ہے۔

نوٹ: (رجوع والا مسئلہ اور ہے نسخ والا مسئلہ اور ہے رجوع کو نسخ پر قیاس کرنا قیاس

❶ اس قول کو بسند صحیح ابن عبد البر نے " الانتقاء فی فضائل الثلاثۃ الائمۃ الفقھاء ،ص:١٤٥، اور ابن القیم نے " اعلام الموقعین(٣٠٩/٢) اور ابن عابدین نے "حاشیہ البحر الرائق(٢٩٣/٦) اور رسم المفتی ،ص:٢٩، ٣٢،اور شعرانی " المیزان(٥٥/١) بروایت ثانیہ اور تیسری روایت کو عباس دوری نے "تاریخ یحییٰ بن معین(١/٧/٦) میں۔ نیز اسی طرح کا قول امام ابو حنیفہ کے شاگرد امام زفر اور امام ابو یوسف اور عافیہ بن یزید سے " الایقاظ ،ص:٥٢" میں منقول ہے اور ابن القیم نے (۳۴۴/۲) میں اس قول کی ابو یوسف سے صحت پر یقین کا اظہار فرمایا ہے۔ اور "کیونکہ ہم بشر ہیں الخ" والی زیادتی " الایقاظ،ص:٦٥" کے حاشیہ پر ابن عبد البر اور ابن القیم وغیرہ سے منقول ہے۔

مع الفارق ہے)

تو امام صاحب فرماتے ہیں: میری ہر بات نوٹ نہ کیا کر۔کیونکہ آج میری کوئی رائے ہے اور کل کوئی۔

سوچو اور غور کرو: امام ابو حنیفہ کتنے حکیمانہ طریقے سے کتاب وسنت کی تائید اور تاکید فرما رہے ہیں۔کہ دلیل کو جاننا اور پہچاننا ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا تیسرا قول:

اس میں تو امام صاحب نے کمال ہی کر دی ہے۔ایسی بات کہی شاید کوئی سوچنے والا ہو۔فرماتے ہیں:

"اِذَا قُلْتُ قَوْلًا یُخَالِفُ کِتَابَ اللّٰہِ تَعَالٰی وَخَبَرَ الرَّسُوْلِ فَاتْرُکُوْا قَوْلِیْ۔"[1]

''میں کوئی بات کہوں جو اللہ تعالیٰ کی کتاب کے خلاف ہو۔رسول اللہ ﷺ کی خبر اور حدیث کے خلاف ہوتو میری بات کو چھوڑ دینا''

تو فرماتے ہیں: کہ میرا قول ترک کر دو۔کیونکہ پہلے فرما چکے ہیں صحیح حدیث میرا مذہب ہے۔اب جو قول صحیح حدیث کے خلاف ہو وہ تو پھر ان کا اپنا مذہب ہی نہیں اور امت کو بھی اس کی تلقین کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی بات کو تسلیم کرنا ہے۔میری بات کو چھوڑ دینا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِتَّبِعُوْا مَا اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِنْ رَّبِّکُمْ﴾[2]

''رب تعالیٰ کی طرف سے جو تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے اس کی اتباع کرو''

اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن مجید اور رسول اللہ ﷺ کی حدیث اور سنت

---

[1] فلانی نے یہ قول "الایقاظ، ص: ۵۰" میں نقل فرمایا ہے، نیز اس کی نسبت امام محمد کی طرف کی ہے۔

[2] سورۃ الاعراف، آیت: ۳

نازل کی گئی ہے۔امام صاحب بھی یہی فرما رہے ہیں کہ میرے قول کو ترک کر دو۔اور اللہ تعالیٰ کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کی سنت اور حدیث کو لے لو۔

امام صاحب اب بری الذمہ ہیں۔ان پر کوئی اعتراض نہیں۔امام صاحب کے ان اقوال سے پتہ چلتا ہے کہ امام صاحب کئی مرتبہ ایک بات کہہ کر اس سے رجوع بھی کر لیتے ہیں۔یعنی امام صاحب سے بھی خطا ہو جاتی تھی۔اسی لئے تو رجوع کر لیتے تھے۔اگر کتاب وسنت کے مطابق ہوتی پھر تو رجوع کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور اس میں کوئی عیب والی بات بھی نہیں۔اور نہ امام صاحب کی گستاخی ہے بلکہ امام صاحب کا ادب اور احترام ہی ہے۔کہ وہ امت کو کتاب وسنت کے مقام کی پہچان کروا رہے ہیں۔مجتہد سے خطا ہو جاتی ہے۔اس سے وہ معذور ہے۔اخلاص سے مسئلہ معلوم کرنے کی کوشش کریں تو اجر ان کو ضرور مل جائے گا۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

((اِذَا اجْتَهَدَ الْحَاكِمُ۔))

''فیصلہ کرنے والا جب اجتہاد کرتا ہے''

((فَاَصَابَ فَلَهُ اَجْرَانِ۔))

''اور اس کا اجتہاد درست نکل آتا ہے تو اس کو دو اجر ملتے ہیں''

ایک اجتہاد کرنے کا اور دوسرا فیصلہ درست ہونے کا۔موافقت کا بھی اجر ملے گا۔

((وَاِنْ اَخْطَاَ فَلَهُ اَجْرٌ وَاحِدٌ۔)) [1]

''اور اگر خطا کر جائے تو اس کو ایک اجر ملے گا''

(پتہ چلا مجتہد معصوم نہیں ہوتا۔اس سے بھی غلطی سرزد ہو سکتی ہے)چونکہ اخلاص سے وہ اجتہاد کرتا ہے اس وجہ سے وہ معذور بھی ہے اور ماجور بھی ہے۔ایک اجر اس کو مل ہی جاتا ہے لیکن اب اگر کوئی ان کی خطا کو تسلیم نہ

[1] صحیح مسلم، کتاب الاقضیۃ، باب بیان أجر الحاکم اذا اجتهد فأصاب أو أخطاء، حدیث:۱۷۱۶، وصحیح بخاری، باب بیان اجر الحاکم اذا اجتهد فاصاب أو أخطاء

کرے۔نہ کتاب وسنت کی سنتا ہے اور نہ امام صاحب کی سنتا ہے تو اس کا وبال اس پر ہی پڑتا ہے۔جب اس کو پتہ بھی چل گیا ہے کہ یہ خطا ہے اور امام صاحب فرما کر بھی گئے ہیں۔کہ میری بات چھوڑ دو۔لیکن یہ پھر بھی نہیں چھوڑتا تو وبال اسی کے سر پر پڑتا ہے

یہ تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال آپ سماعت فرمارہے تھے۔اب امام مالک کے بھی اقوال سماعت فرمائیں۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال

امام مالک کا پہلا قول:

وہ فرماتے ہیں:

"إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ أُخطِيءُ وَأُصِيبُ."

''میں انسان ہوں خطا بھی کرجاتا ہوں اور درست بھی کہتا ہوں''

"فَانْظُرُوا فِيْ رَأْيِيْ."

''میری رائے میں غور وفکر کیا کرو''

یعنی بلا سوچے سمجھے اس کو تسلیم نہ کرو بلکہ غور کیا کرو

"فَكُلُّ مَا وَافَقَ الْكِتَابَ وَالسُّنَّةَ فَخُذُوْهُ."

''اور میری ہر وہ بات اور رائے جو کتاب وسنت کے موافق ہے اس کو قبول کرو''

"وَكُلُّ مَالَمْ يُوَافِقِ الْكِتَابَ وَالسُّنَّةَ فَاتْرُكُوْهُ."[1]

''اور میری ہر وہ بات جو کتاب وسنت کے موافق نہیں اس کو ترک کردو''

کیسا دوٹوک فیصلہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔اگر کوئی اس فیصلے کو ہی حرز

---

[1] ابن عبد البر نے اس قول کو " الجامع(۲/۳۲) " میں روایت کیا ہے اور ان سے ابن حزم نے ''اصول الاحکام(۶/۱۴۹) میں روایت کیا ہے اور فلانی نے ''الایقاظ ص:۷۲'' میں نقل کیا ہے۔

جان بنائے اور اس کی حفاظت کرے تو یہ سارے بغض حسد اور کینے ،اختلافات جھگڑے ختم ہو جائیں۔امام مالک کا یہ قول "جامع بیان العلم" ابن عبد البر کی کتاب میں ہے۔حافظ ابن حزم کی کتاب "الاحکام فی اصول الاحکام" میں بھی ہے علامہ فلانی کی کتاب ہے "ایقاظ ھِمَم أولی الابصار" اس میں بھی موجود ہے۔

امام مالک کا دوسرا قول :

" لَیْسَ أَحَدٌ بَعْدَ النَّبِیِّ ﷺ اِلَّا وَیُؤْخَذُ مِنْ قَوْلِهٖ وَیُتْرَكُ اَلَّا النَّبِیَّ صلی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ۔"

فرماتے ہیں : جتنے بھی ہیں سب کی کوئی بات قبول کی جاتی ہے اور کوئی بات ترک کر دی جاتی ہے۔ایسا کوئی انسان نہیں جس کی ہر بات قبول کر لی جائے۔اور ہر بات ترک کر دی جائے سوائے نبی ﷺ کے۔یہ شان نبی ﷺ کو حاصل ہے کہ ان کی ہر بات ماخوذ ہے۔کوئی بات بھی آپ کی متروک نہیں ہے۔بعض روایتوں میں امام مالک کے یہ لفظ بھی وارد ہوئے ہیں :

" اِلَّا صَاحِبَ هٰذَا الْقَبْرِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ"[1]

نبی ﷺ کی قبر کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: "مگر اس قبر والے کی بات کے"

ان کی ہر بات ماخوذ ہے۔کوئی ایک بات بھی متروک نہیں۔کیونکہ آپ اللہ کے پیغمبر ہیں وحی کے بغیر بولتے نہیں ﴿اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی﴾

---

[1] متاخرین کے یہاں اس قول کی نسبت امام مالک ہی کی طرف مشہور و معروف ہے ، اور ابن عبد الهادی نے " ارشاد السالك(۱/۲/۷) " میں اس قول کو امام مالک سے صحیح قرار دیتے ہیں، لیکن ابن عبد البر نے " الجامع(۲/ ۹۱) میں اور ابن حزم نے " اصول الاحکام (۶/۱٤۵،۱۷۹) میں اسے حکم بن عتیبہ اور مجاہد کے قول کی حیثیت سے روایت کیا ہے اور اسے تقی الدین سبکی نے "فتاویٰ(۱/۱۴۸) میں ابن عباس کا قول قرار دیا ہے اور اس قول کی خوبی و حسن پر اظہار تعجب کیا ہے۔اور پھر فرمایا کہ اس قول کو ابن عباس سے مجاہد نے لیا اور ان دونوں سے امام مالک نے لیا اور پھر انہیں سے مشہور ہوا۔

امام مالک کا تیسرا قول:

ابن وہب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں فرماتے ہیں:

کہ امام مالک سے وضو میں پاؤں کی انگلیوں کے خلال کے متعلق سوال کیا گیا "فَقَالَ لَيْسَ ذٰلِكَ عَلَى النَّاسِ "امام مالک نے جواب دیا" یہ لوگوں کے ذمے نہیں ہے" ابن وہب فرماتے ہیں۔ میں نے یہ بات سن لی بولا نہ حتی کہ لوگ ایک ایک کر کے چلے گئے (یہ بھی استاد کا ادب اور احترام ہے) "فَقُلْتُ لَهُ عِنْدَ نَا فِيْ ذٰلِكَ سُنَّةٌ "تو میں نے امام مالک سے کہا ہمارے پاس اس سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت موجود ہے۔ امام مالک فرمانے لگے وہ حدیث اور سنت کیا ہے؟ مجھے بھی سناؤ۔ (پتہ چلا کہ ان کے علم میں حدیث نہیں تھی پتہ ہوتا تو ایسا جواب کیوں دیتے) ابن وہب کہتے ہیں: پھر میں نے وہ حدیث سنائی۔

« حَدَّثَنَا لَيْثُ ابْنُ سَعْدٍ وَابْنُ لَهِيعَةَ وَعَمْرُوبْنُ الْحَارِثِ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ عَمْرٍو الْمَعَافِرِيِّ عَنْ أَبِيْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْحُبُلِيِّ عَنْ مِسْتَوْرِدِ بْنِ شَدَّادٍ الْقُرَشِيِّ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَدْلُكُ بِخِنْصَرِهِ مَا بَيْنَ أَصَابِعِ رِجْلَيْهِ »

"فرماتے ہیں ہمیں حدیث سنائی لیث ابن سعد اور ابن لہیعہ اور عمرو بن حارث نے یزید بن عمرو المعافری سے اور وہ ابو عبد الرحمٰن حبلی سے بیان کرتے ہیں اور یہ مستورد بن شداد صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے۔ آپ اپنے پاؤں کی انگلیوں کا چھنگلی انگلی سے خلال کرتے تھے۔

امام مالک یہ حدیث سن کر فرماتے ہیں "اِنَّ هٰذَا الْحَدِيْثَ حَسَنٌ "یہ حدیث حسن ہے۔ اپنے پہلے فتوی سے رجوع کر لیا۔

"وَمَا سَمِعْتُ بِهِ اِلَّا السَّاعَةَ"

"اور میں نے اس سے پہلے یہ حدیث کبھی نہ سنی تھی"

ابن وہب کا بیان ہے:

"ثُمَّ سَمِعْتُهُ بَعْدَ ذَالِكَ يُسْأَلُ فَيَأْمُرُ بِتَخْلِيلِ الْأَصَابِعِ۔"❶

"کہ پھر اس کے بعد امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے وضو میں انگلیوں کے خلال کا مسئلہ دریافت کیا گیا۔ تو میں نے سنا کہ وہ اس کے کرنے کا حکم دے رہے ہیں"

دیکھو کس طرح امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اپنی بات کو چھوڑ کر حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کر رہے ہیں۔ اس میں آدمی کی بے عزتی نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کی عزت ہی ہوتی ہے کہ اپنی بات چھوڑ کر حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلیم کر رہا ہے۔ آئمہ اسی چیز کا امت کو درس دے کر گئے ہیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے کتاب وسنت کی اہمیت اور اس کی اقتداء اور اتباع کے بارے میں بکثرت اور انتہائی عمدہ اقوال منقول ہیں۔ اور ان اقوال پر ان کے متبعین کو دوسروں سے زیادہ عمل کرنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا پہلا قول:

فرماتے ہیں:

"مَا مِنْ أَحَدٍ إِلَّا وَتَذْهَبُ عَلَيْهِ سُنَّةٌ لِرَسُولِ اللّٰهِ وَتَعْزُبُ عَنْهُ۔"

"کوئی شخص ایسا نہیں جو بعض حدیثیں بھول نہ گیا ہو یا بعض حدیثیں اس پر مخفی اور پوشیدہ نہ رہی ہوں"

"فَمَهْمَا قُلْتُ مِنْ قَوْلٍ أَوْ أَصَّلْتُ مِنْ أَصْلٍ۔"

"تو اگر میں نے کوئی بات کہی ہو یا کوئی اصولی قاعدہ بیان کیا ہو"

"فِيهِ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم خِلَافُ مَا قُلْتُ۔"

❶ ملاحظہ ہو ابن ابی حاتم کا "مقدمة الجرح والتعديل"، ص: ۳۱، ۳۲۔ اور اس روایت کو مکمل طور پر بیہقی نے سنن (۱/ ۸۱) میں روایت کیا ہے۔

"اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے میری بات کے خلاف منقول ہو"

"فَالْقَوْلُ مَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَهُوَ قَوْلِيْ۔" ❶

"تو بات وہی مانی جائے گی جو رسول اللہ ﷺ نے کہی ہے اور وہی میرا قول ہوگا"

امام شافعی رحمہ اللہ کا دوسرا قول:

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"أَجْمَعَ الْمُسْلِمُوْنَ عَلَى أَنَّ مَنِ اسْتَبَانَ لَهُ سُنَّةٌ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَحِلَّ لَهُ أَنْ يَدَعَهَا لِقَوْلِ أَحَدٍ۔"

"تمام مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جسے رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث مل جائے تو اس کے لئے جائز نہیں کہ حدیث کو چھوڑ کر کسی اور کے قول پر عمل کرے" ❷

امام شافعی رحمہ اللہ کا تیسرا قول:

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"إِذَا وَجَدْتُمْ فِيْ كِتَابِيْ خِلَافَ سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقُوْلُوْا بِسُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَدَعُوْا مَا قُلْتُ۔"

"جب تمہیں میری کتاب میں سنت رسول اللہ ﷺ کے خلاف کوئی بات ملے تو تم حدیث کو لو اور میری بات کو ترک کر دو"

اور ایک دوسری روایت میں اسی قول میں ہے:

---

❶ اس قول کو حاکم نے امام شافعی سے بسند متصل روایت کیا ہے جیسا کہ ابن عساکر کی تاریخ دمشق (۳/۱/۱۵) میں ہے۔ نیز ملاحظہ ہو: اعلام الموقعین (۲/۳۶۳، ۳٦٤) اور الایقاظ (ص: ۱۰۰)

❷ ابن القیم (۲/۳۶۱) اور الفلانی (ص: ٦٨)

"فَاتَّبِعُوهَا وَلَا تَلْتَفِتُوا إِلَى قَوْلِ أَحَدٍ۔" ❶

"کہ تم حدیث کی اتباع کرو۔ اور کسی دوسرے کے قول کی طرف التفات بھی نہ کرو"

امام شافعی رحمہ اللہ کا چوتھا قول:

"إِذَا صَحَّ الْحَدِيثُ فَهُوَ مَذْهَبِي۔" ❷

"جب صحیح حدیث ملے تو وہی میرا مذہب ہے"

امام شافعی رحمہ اللہ کا پانچواں قول:

امام شافعی نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو مخاطب کر کے فرمایا:

"أَنْتُمْ أَعْلَمُ بِالْحَدِيثِ وَالرِّجَالِ مِنِّي فَإِذَا كَانَ الْحَدِيثُ الصَّحِيحُ فَأَعْلِمُونِي بِهِ أَيَّ شَيْءٍ يَكُونُ كُوفِيًّا أَوْ بَصْرِيًّا أَوْ شَامِيًّا حَتّٰى أَذْهَبَ إِلَيْهِ إِذَا كَانَ صَحِيحًا۔" ❸

---

❶ ملاحظہ ہو ھروی کی ذم الکلام(۱/۴۷/۳) خطیب کی الاحتجاج بالشافعی (۲/۸) ، ابن عساکر(۱/۹/۱۵) ، نووی کی المجموع(۱/۶۳) ، ابن القیم (۲/۳۶۱) ، فلانی(ص:۱۰۰) اور دوسری والی روایت ابو نعیم کی حلیۃ(۹/۱۰۷) میں اور ابن حبان کی صحیح (۳/۲۸۴) الإحسان میں امام شافعی سے بسند صحیح اسی جیسا قول مروی ہے۔

❷ امام نووی کی مذکورہ بالا کتاب اور الشعرانی(۱/۵۷) امام حاکم اور بیہقی سے نقل کر کے اور فلانی (ص ۱۰۷) شعرانی فرماتے ہیں کہ ابن حزم نے فرمایا کہ" حدیث خود امام شافعی کے نزدیک صحیح ہو یا دیگر ائمہ کے نزدیک۔

❸ روئے سخن امام احمد بن حنبل کی طرف تھا جس کی روایت امام ابن ابی حاتم نے " آداب الشافعی، ص:۹۴۔۹۵" میں اور ابو نعیم الاصبھانی نے حلیہ(۹/۱۰۶) میں اور خطیب نے الاحتجاج بالشافعی(۱/۸) میں اور خطیب سے ابن عساکر نے تاریخ دمشق (۱/۹/۱۵) میں ، اور ابن عبد البر نے " الانتقاء ، ص:۷۵" میں اور ابن الجوزی نے " مناقب الامام احمد ،ص:۴۹۹، میں اور ھروی نے "ذم الکلام و اھلہ(۲/۴۷/۲) میں تین طرق سے روایت کیا ہے کہ عبد اللہ بن احمد بن حنبل نے اپنے باپ امام احمد سے روایت کی کہ امام شافعی نے ان سے یہ بات کہی تھی۔ پس یہ قول امام شافعی سے سنداً صحیح ہے۔ اسی لیے امام ابن القیم نے اعلام الموقعین (۲/۳۲۵) میں اور فلانی نے " الایقاظ ،ص:۱۵۲" میں اس قول کی نسبت امام شافعی کی طرف (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

"تمہیں حدیث اور رواۃ کا علم مجھ سے زیادہ ہے۔پس جب بھی کوئی صحیح حدیث ملے تو مجھے وہ بتاؤ۔وہ حدیث کوفی ،بصری یا شامی چاہے جو بھی ہو۔ تاکہ جب وہ صحیح ہوتو میں اسے اپنا مذہب قرار دوں"

امام شافعی رحمہ اللہ کا چھٹا قول:

كُلُّ مَسْأَلَةٍ صَحَّ فِيهَا الْخَبَرُ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ عِنْدَ أَهْلِ النَّقْلِ بِخِلَافِ مَا قُلْتُ فَأَنَا رَاجِعٌ عَنْهَا فِيْ حَيَاتِيْ وَبَعْدَ مَوْتِيْ۔ ❶

"جس مسئلہ میں محدثین کے نزدیک نبی ﷺ کی کوئی صحیح حدیث میرے قول کے خلاف ہوتو میں اپنے اس قول سے اپنی زندگی میں اور مرنے کے بعد بھی رجوع کرتا ہوں"

امام شافعی رحمہ اللہ کا ساتواں قول:

" إِذَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أَقُوْلُ قَوْلًا وَقَدْ صَحَّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ خِلَافُهُ فَاعْلَمُوْا أَنَّ عَقْلِيْ قَدْ ذَهَبَ۔ ❷

"جب مجھے کوئی ایسی بات کہتے دیکھو جو صحیح حدیث کے خلاف ہوتو جان لو

جزم کے ساتھ کی ہے پھر اس کے بعد فلانی رقمطراز ہیں:" امام بیہقی نے فرمایا:" اور اسی سبب سے امام شافعی کے یہاں عمل بالحدیث زیادہ پایا جاتا ہے، کیونکہ انھوں نے اہل حجاز وشام ویمن اور اہل عراق کے علم کو جمع کیا اور جتنی حدیثیں بھی ان کے نزدیک صحیح ثابت ہوئیں اور ان پر بغیر کسی جانبداری کے عمل کیا اور حق واضح ہو جانے کے بعد اپنے اہل شہر کے پسندیدہ مذہب کی انھوں نے کوئی پرواہ نہ کی، جب کہ ان سے پہلے بعض ایسے لوگ بھی تھے، جو اپنے اہل شہر کے مذہب پر قانع رہے۔ اور مخالف کی صحیح بات معلوم کرنے کی کوشش نہ کی۔ اللہ تعالی ہماری اور ان کی مغفرت فرمائے۔

❶ ملاحظہ فرمائیں ابو نعیم کی حلیہ(۹/۱۰۷) اور ھروی کی ذم الکلام(۱/۴۷) اور ابن القیم کی " اعلام الموقعین "(۲/۳۶۳) اور فلانی کی ایقاظ الهمم (ص: ۱۰۴)

❷ اس قول کو ابن ابی حاتم نے " آداب الشافعي، ص: ۹۳" میں اور ابو قاسم سمرقندی نے امالی میں۔ جیسا کہ ابو حفص المودب نے منتقی الامالي(۱/۲۳۴) میں نقل کیا ہے۔ اور ابو نعیم اصبہانی نے حلیہ(۹/۱۰۶) میں اور ابن عساکر نے تاریخ (۱۵/۱۰/۱) میں صحیح سند سے نقل کیا ہے۔

کہ میری عقل کھو گئی ہے"

امام شافعی رحمہ اللہ کا آٹھواں قول:

كُلُّ مَا قُلْتُ فَكَانَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ خِلَافَ قَوْلِي مِمَّا يَصِحُّ فَحَدِيثُ النَّبِيِّ ﷺ أَوْلَى فَلَا تُقَلِّدُونِي۔ ❶

"میرا قول جو بھی ہو لیکن اگر نبی ﷺ سے اس کے خلاف ثابت ہو تو اس صورت میں حدیث واجب الاتباع ہوگی اور میری تقلید کرنا ناروا ہوگا"

امام شافعی رحمہ اللہ کا نواں قول:

كُلُّ حَدِيثٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فَهُوَ قَوْلِي وَإِنْ لَمْ تَسْمَعُوهُ مِنِّي۔ ❷

"نبی ﷺ کی ہر حدیث میرا قول ہے۔ چاہے تم نے اسے مجھ سے نہ بھی سنا ہو"

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال

اب امام احمد بن حنبل کے اقوال بھی آپ سماعت فرمالیں۔

امام احمد رحمہ اللہ کا پہلا قول:

" لَا تُقَلِّدْنِي وَلَا تُقَلِّدْ مَالِكًا وَلَا الشَّافِعِيَّ وَلَا الْأَوْزَاعِيَّ وَلَا الثَّوْرِيَّ وَخُذْ بِهِ مِنْ حَيْثُ أَخَذُوا "

"میری تقلید نہ کرو (پہلے نمبر پر اپنی تقلید سے منع کیا) مالک اور شافعی کی بھی تقلید نہ کرو، اوزاعی اور ثوری کی بھی تقلید نہ کرو"

(سوال پیدا ہوتا تھا کہ آپ نے چند کے نام لئے ہیں باقی کی تقلید کر لیں) فرمایا:

" وَخُذْ بِهِ مِنْ حَيْثُ أَخَذُوا۔"

---

❶ اس قول کو بسند صحیح ابن ابی حاتم نے " آداب الشافعی، ص:۹۳" میں اور ابو نعیم اصبہانی اور ابن عساکر نے تاریخ دمشق (۱/۹/۱۵) میں نقل کیا ہے۔

❷ ملاحظہ ہو ابن ابی حاتم کی " آداب الشافعی، ص:۹۳، ۹۴"

"کسی کی بھی نہیں کرنی بلکہ جہاں سے انہوں نے احکام لیئے ہیں وہاں سے آپ بھی لیں۔

انہوں نے احکام اللہ کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کی حدیث سے لئے ہیں یا پھر اجتہاد سے اخذ کیے ہیں۔آپ بھی کتاب وسنت سے احکام پکڑیں یا پھر اجتہاد کریں تقلید نہیں کرنی۔تقلید سے امام احمد بن حنبل نے منع کر دیا ہے۔ایک روایت میں امام احمد بن حنبل کا یہ قول بھی ہے:

"لَا تُقَلِّدْ دِيْنَكَ أَحَدًا مِنْ هٰؤُلَآءِ.

"دین کوان آئمہ اور بزرگ علما کا مقلد نہ بناؤاور خود ان کے مقلد نہ بنو۔ دین میں ان کی تقلید نہیں کرنی"

"وَمَا جَاءَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ وَأَصْحَابِهِ فَخُذْ بِهِ ثُمَّ التَّابِعِيْنَ بَعْدُ الرَّجُلُ فِيْهِمْ الْمُخَيَّرُ"

"رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام سے جو ثابت ہو اس کو لے لو اور آگے پھر تابعین میں اختیار ہے"

ان کی باتوں کو دیکھو جو کتاب وسنت کے موافق ہیں ان کو لے لو اور جو کتاب وسنت کے موافق نہیں ان کو ترک کردو۔

ایک دفعہ امام احمد بن حنبل نے فرمایا:

"أَلاتِّبَاعُ أَنْ يَّتَّبِعَ الرَّجُلُ مَا جَاءَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ وَعَنْ أَصْحَابِهِ.

"اتباع یہ ہے کہ جو رسول اللہ ﷺ اور رسول اللہ ﷺ کے صحابہ سے آیا ہے اس کو تسلیم کرے یہ اتباع ہے"

"ثُمَّ هُوَ مِنْ بَعْدِ التَّابِعِيْنَ مُخَيَّرٌ." ❶

"پھر تابعین میں مخیّر ہے"

---

❶ دیکھو فلانی کی "ایقاظ الھمم، ص:۱۱۳" اور ابن القیم کی اعلام الموقعین (۲/۳۰۲) (۲) مسائل الامام احمد بروایۃ ابی داود، ص:۲۷۶،۲۷۷

جو کتاب وسنت کے موافق ہے اس کو قبول کر لے گا۔اور جو مخالف ہے اس کو ترک کر دے گا۔صحابہ کرام میں کتاب وسنت کی ہی پابندی چلتی تھی۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا دوسرا قول:

"رَأْیُ الْأَوْزَاعِیِّ وَرَأْیُ مَالِكٍ وَرَأْیُ أَبِیْ حَنِیْفَةَ كُلُّهُ رَأْیٌ۔"

"امام اوزاعی امام مالک امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ کی رائیں یہ سب رائیں ہیں"

"فَهُوَ عِنْدِیْ سَوَاءٌ"

"میرے نزدیک یہ سب رائیں برابر ہیں"

"فَإِنَّمَا الْحُجَّةُ فِی الْآثَارِ۔"

"حجت اور دلیل آثار میں ہے"

یعنی رسول اللہ ﷺ کی حدیث اور سنت میں ہے "فالرأی لیل" رائے کی حیثیت رات والی ہے اور سنت کی حیثیت دن والی ہے۔یہ روشنی ہے۔رائے میں تاریکی ہی تاریکی ہے۔[1]

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا تیسرا قول:

"مَنْ رَدَّ حَدِیْثَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَهُوَ عَلٰی شَفَا هَلَكَةٍ۔" [2]

"جو کوئی رسول اللہ ﷺ کی حدیث اور سنت کو رد کرتا ہے وہ ہلاکت کے گڑھے کے کنارے پر کھڑا ہے۔بس وہ گرنے والا ہی ہے تباہ وبرباد ہونے والا ہے"

یہ آئمہ کرام کے اقوال تھے جن میں انہوں نے امت مسلمہ کو کتاب وسنت کی طرف رجوع کرنے کی تلقین کی ہے۔اور کتاب وسنت پر دوسرے اقوال کو ترک کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔

---

[1] جامع بیان العلم لابن عبد البر(۲/۱۴۹)

[2] ابن الجوزی کی "مناقب الامام احمد، ص:۱۸۲۔

لہذا اب تقلید کا مسئلہ خود بخود واضح ہو گیا ہے کہ اس کی حیثیت کتاب وسنت میں کیا ہے۔اور آئمہ اربعہ کے نزدیک اس کی حیثیت کیا ہے؟یعنی تقلید بالکل ہے ہی نہیں۔سب آئمہ تقلید سے منع کر رہے ہیں۔اللہ تعالی ہر ایک کو نیکی کی توفیق عطا فرمائے۔

(آمین)

((......۞۞۞......))

بسم اللہ الرحمن الرحیم

«اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَ مَنْ یُّضْلِلْ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ» [ﷺ] اما بعد......:

مسائل قربانی

عربی زبان میں قربانی کے لئے استعمال ہونے والے الفاظ اور انکی وضاحت:

قربانی کے لئے عربی زبان میں کئی الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ مناسب ہے کہ ان کی کچھ وضاحت کر دی جائے۔ ایک لفظ استعمال ہوتا ہے "ھَدْیٌ" اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

﴿ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَیْسَرَ مِنَ الْھَدْیِ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَکُمْ حَتّٰی یَبْلُغَ الْھَدْیُ مَحِلَّہٗ فَمَنْ کَانَ مِنْکُمْ مَّرِیْضًا اَوْ بِہٖٓ اَذًی مِّنْ رَّاْسِہٖ فَفِدْیَۃٌ مِّنْ صِیَامٍ اَوْ صَدَقَۃٍ اَوْ نُسُکٍ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَۃِ اِلَی الْحَجِّ فَمَا اسْتَیْسَرَ مِنَ الْھَدْیِ﴾ [1]

اس آیت کریمہ میں لفظ ھدی تین مرتبہ آپ نے سماعت فرمایا ہے۔ اور بھی کئی مقامات میں قرآن مجید میں یہ لفظ آیا ہے۔

ھدیٰ اس قربانی کو کہا جاتا ہے۔ جو عمرہ کرنے والے اور حج کرنے والے مکہ میں کرتے ہیں۔ بشرطیکہ وہ چھترے بکرے یا گائے اور اونٹ کی جنس سے ہو اس پر ھدی کا لفظ بولا جاتا ہے۔

ایک لفظ "بُدْنٌ" ہے۔ عربی زبان میں خاص قربانی کے لئے استعمال کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

[1] سورۃ بقرۃ: ۱۹۶۔

﴿ وَالْبُدْنَ جَعَلْنَاهَا لَكُمْ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيهَا خَيْرٌ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَافَّ فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوبُهَا فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ﴾ ❶

لفظ ''بُدن'' بَدَنَةٌ کی جمع ہے۔ ایک آدمی اپنی اونٹنی کو ہانکتا ہوا جا رہا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: فَارْكَبْهَا ''تو اس پر سوار ہو جا'' وہ کہنے لگا: إِنَّهَا بَدَنَةٌ ''یہ قربانی ہے'' نبی ﷺ نے فرمایا: فَارْكَبْهَا مقصد یہ تھا کہ ٹھیک ہے یہ بَدَنَہ ہے۔ لیکن تو اس پر سوار ہو سکتا ہے۔ ❷

بَدَنَةٌ کی جمع بُدْنٌ آتی ہے۔ بَدَنَةٌ اس اونٹ یا اونٹنی کو کہا جاتا ہے جس کو عمرہ اور حج کرنیوالا قربانی کرتا ہے۔ یہ لفظ اونٹ اور اونٹنی کے لئے خاص ہے۔ بکرے چھترے پر یہ لفظ استعمال نہیں ہوتا۔ البتہ گائے بیل پر یہ لفظ شاذ ونادر استعمال ہو جاتا ہے۔

قربانی کے لئے عربی زبان میں ایک لفظ أَضْحَاة بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس کی جمع أَضْحٰی بنتی ہے۔ أَضْحَاة اس قربانی کو کہا جاتا ہے۔ جو بڑی عید کے موقع پر قربانیاں ہم گھروں میں کرتے ہیں۔ ایک ہو تو أَضْحَاةٌ زیادہ ہوں تو أَضْحٰی۔

حاجی لوگ اور عمرہ کرنیوالے مکہ میں جو قربانیاں کرتے ہیں وہاں أَضْحٰی کا لفظ نہیں بولا جاتا ہے۔ اسی مناسبت سے نام عید الاضحیٰ ہے۔ اور یہ عید بھی عید الاضحیٰ ہے۔ بہت سے لوگوں کو اس کا علم ہی نہیں۔ وہ عید الضحٰی لفظ بولتے ہیں اور کئی لوگ ایسا لکھ بھی دیتے ہیں۔ ضحٰی لفظ عَشِيَّةٌ کے مقابلے میں ہے۔ عَشِيَّة کہتے ہیں دن کے پچھلے پہر کو اور ضحٰی کہتے ہیں دن کے پہلے پہر چاشت کو۔ قربانی اس کا معنی نہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جاہلیت کے ان دو

❶ سورة حج :٣٦۔

❷ صحيح بخارى كتاب الحج باب ركوب البدن لقوله ﴿والبدن جعلناها لكم﴾۔

دنوں کے مقابلے میں جو آپ جاہلیت میں مناتے تھے دو دن دیئے ہیں ایک یوم عید الفطر اور دوسرا یوم عید الاضحیٰ یا یوم الاضحیٰ۔ لفظ اضحیٰ ہے قربانیوں کے معنی میں آضحاۃ کی جمع ہے۔

ایک لفظ ضَحِیَّۃ بھی قربانی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ جو قربانی ہم گھروں میں کرتے ہیں اس پر یہ لفظ بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس کی جمع ہے ضَحَایا جس طرح خَطِیئَۃٌ کی جمع خطآیاَ، مَطِیَۃ کی جمع مَطآیاَ۔ اسی طرح ضَحِیَّۃٌ کی جمع ضَحَایاَ۔

حدیث کی کتابوں میں باب یا کتاب منعقد کی ہوتی ہے۔

بَابُ الضَّحَایَا یا کِتَابُ الضَّحَایَا

''قربانیوں کی کتاب یا قربانیوں کا باب''

ایک لفظ اُضحِیَۃٌ بولا جاتا ہے۔ یہ لفظ بھی ان قربانیوں پر بولا جاتا ہے جو ہم گھروں میں کرتے ہیں۔ اس کی جمع ہے آضاحِی ہے۔

ایک روایت ہے بہت مشہور ہے آپ بھی سنتے رہتے ہیں۔

زید بن ارقم فرماتے ہیں: ہم نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا:

مَا هٰذِهِ الْأَضَاحِي

''گھروں میں جو قربانیاں ہم کرتے ہیں یہ کیا چیز ہے''

ان کی حقیقت کیا ہے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((سُنَّةُ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ))

''یہ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے''

((قَالُوا فَمَا لَنَا مِنْهَا))

''صحابہ کرام نے پوچھا ہمیں ان قربانیوں سے کیا ملتا ہے''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«بِكُلِّ شَعْرَةٍ حَسَنَةٌ» ❶

"ہر بال کے بدلے ایک نیکی ملتی ہے"

رسول اللہ ﷺ نے لفظ شعر استعمال فرمایا۔ شعر بکرے اور بکریوں کی جلد پر جو بال ہوتے ہیں ان پر استعمال ہوتا ہے۔

اللہ تعالی نے قرآن مجید میں فرمایا ہے:

﴿وَمِنْ أَصْوَافِهَا وَأَوْبَارِهَا وَأَشْعَارِهَا﴾ ❷

بَهِيمَةُ الْأَنعَامِ کے لئے أَوْبَار، أَصْوَاف، أَشْعَار، تین لفظ اللہ تعالی نے استعمال فرمائے ہیں: أَوْبَار، وَبَرَةٌ کی جمع ہے۔

أَصْوَاف یہ صُوفَةٌ اور صُوفٌ کی جمع ہے۔ أَشْعَار شَعْرٌ اور شَعْرَةٌ کی جمع ہے وَبرٌ اور وَبرَةٌ یہ اونٹوں کی جلد پر جو بال ہوتے ہیں ان پر بولا جاتا ہے۔ شَعْرٌ اور شَعْرَةٌ بکرے بکریوں، گائے اور بیلوں کی جلد پر جو بال ہوتے ہیں ان پر بولا جاتا ہے۔ صوف اور صوفہ یہ چھترے اور بھیڑ کی جلد پر جو بال ہوتے ہیں جن کو ہم اون کہتے ہیں اس پر استعمال ہوتا ہے۔ یاد رہے۔ لفظ شعر اور اشعار انسان وغیرہ کے بالوں پر بھی بولتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ بِكُلِّ شَعْرَةٍ حَسَنَةٌ بکرے یا بکری کے ہر بال کے بدلے ایک نیکی ہے۔ (کتنے بال ہوتے ہیں؟ بہت زیادہ نیکیاں مل گئیں) صحابہ کرام نے پوچھا۔ یہ تو آپ ﷺ نے بکریوں کی جنس کے بال کی نیکیاں بیان کی ہیں۔ لیکن چھترے بھیڑ کی جلجن پر اون ہوتی ہے اس کا ہمیں کیا ملتا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اون کی ہر تار کے بدلے ایک ایک نیکی ملے گی۔

گزارش کرنے کا مقصد یہ تھا۔ اس میں لفظ استعمال ہوا ہے أَضَاحِي۔ یہ لفظ ان قربانیوں پر بولا جاتا ہے جو گھروں میں کی جاتیں ہیں أُضْحِيَة کی جمع ہے۔

---

❶ سنن ابن ماجة كتاب الأضاحي باب ثواب الأضحية حديث نمبر ۳۱۲۷۔

❷ سورة نحل آيت نمبر ۸۰۔

آپ یہ روایت سن کر خوش تو بہت ہوئے ہیں لیکن یہ روایت صحیح نہیں۔اس میں عائذاللہ ابی داؤد سے روایت کرتا ہے۔دونوں انتہائی کمزور راوی ہیں۔ [1]

قربانی کی فضیلت:

قربانی کی فضیلت میں اکثر روایتیں کمزور ہی ہیں۔

بات قربانی کی فضیلت کی آ گئی ہے تو قربانی کی فضیلت کی روایتیں سماعت فرمائیں۔

ایک روایت ہے ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا والی قربانی کی فضیلت میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

یوم النحر میں قربانی سے بڑھ کر اور کوئی فضیلت والا عمل نہیں۔خون کا قطرہ زمین پر گرنے سے پہلے اللہ کے ہاں اس کا بہت درجہ بن جاتا ہے۔ [2]

یہ روایت بھی کمزور ہے۔ [3] ابن العربی عارضۃ الاحوذی کے مؤلف ترمذی کے شارح فرماتے ہیں۔

" لَيْسَ فِي فَضْلِ الْأُضْحِيَةِ حَدِيثٌ "

"گھروں میں جو قربانیاں کی جاتی ہیں ان کی فضیلت میں ایک روایت بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح ثابت نہیں"

جتنی روایتیں بھی آتی ہیں وہ سب کمزور ہیں جن میں اضحیۃ یا ضحیۃ کا نام لے کر فضیلت بیان کی گئی ہے۔

لیکن عام احادیث سے قربانی کی فضیلت نکل آئے تو وہ صحیح ہیں۔جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

---

[1] عائذ اللہ کے متعلق امام بخاری فرماتے ہیں: " لا یصح حدیثہ۔" اور ابو داؤد کے متعلق امام نسائی فرماتے ہیں: "متروك الحديث۔"

[2] سنن ابن ماجة كتاب الأضاحي باب ثواب الأضحية حديث نمبر ٣١٢٦۔

[3] اس کی سند میں ابو المثنی راوی منکر الحدیث ہے۔

"دوسرے دنوں کی نیکی ان دس دنوں کی نیکی سے زیادہ محبوب نہیں"

ذو الحجہ کا دسواں دن قربانی والا ہی ہوتا ہے۔ اس حدیث سے قربانی کی فضیلت بھی نکل آئی۔ خاص نام لے کر قربانی کی فضیلت والی روایتیں کمزور ہی ہیں۔

بہر حال بیان میں یہ کر رہا تھا۔ کہ اضاحی یا ضحایا یا اضحی یا ضحیة یا اضحیة یا اضحاة الفاظ ان قربانیوں پر بولے جاتے ہیں۔ جو گھروں میں کی جاتی ہیں۔

ھدیٌ کا لفظ ان قربانیوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ جو حاجی لوگ یا عمرہ کرنیوالے حج اور عمرہ کے موقع پر قربانیاں کرتے ہیں۔ بہت سارے لوگوں کو اس بات کا علم نہیں ہوتا۔ اس مسئلہ میں الجھ کر رہ جاتے ہیں اس لئے ان الفاظ کی تھوڑی سی وضاحت کر دی گئی ہے۔

قربانی کی شرعی حیثیت:

قربانی عمرہ کرنیوالے پر فرض نہیں۔ کوئی شخص صرف اکیلا عمرہ کر رہا ہے وہ چاہے تو قربانی کر لے چاہے تو نہ کرے اگر نہ کرے گا تو عمرہ ہو جائے گا وہ گنہگار بھی نہیں ہو گا۔ رسول اللہ ﷺ کبھی عمرہ پر قربانی کر لیتے تھے اور کبھی نہیں بھی کرتے تھے۔

کوئی شخص صرف اکیلا حج کر رہا ہے جس کو حجِ اِفراد کہتے ہیں ساتھ عمرہ نہیں کر رہا اس پر بھی قربانی فرض نہیں۔

البتہ اگر ثواب لینے کے لئے کرتا ہے تو ٹھیک ہے۔ اگر نہیں کرے گا تو وہ مجرم نہیں حج اس کا ٹھیک ہو گا۔

ہاں حج اور عمرہ دونوں اکٹھے حج کے دنوں میں کر رہا ہے۔ خواہ وہ تمتع کی صورت ہے یا قِران کی صورت ہے اس کے لئے قربانی فرض ہے۔ تمتع کرنیوالے

پر بھی یعنی عمرہ کر کے احرام کھول دیتا ہے اور آٹھ ذوالحج کو نئے سرے سے احرام باندھ کر حج کرتا ہے اس پر قربانی فرض ہے۔ اور جس نے عمرہ کر کے احرام نہیں کھولتا حج کر کے احرام کھولتا ہے دونوں اکٹھے کرتا ہے اس پر بھی قربانی فرض ہے۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے۔

﴿فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ﴾ ❶

”جو عمرہ اور حج دونوں حج کے دنوں میں اکٹھے کر رہا ہے خواہ وہ عمرہ کر کے احرام کھولے یا نہ کھولے اس پر قربانی فرض ہے“

اس آیت کریمہ میں تمتع کا معنی عام مراد ہے۔

اللہ تعالٰی فرماتے ہیں” جو قربانی اس کے لئے میسر ہے وہ قربانی کر لے“ اگر قربانی کی ہمت نہیں تو پھر اللہ تعالٰی فرماتے ہیں:

﴿فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَ سَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ﴾ ❷

”تین روزے حج کے دنوں میں اور سات روزے واپس آ کر۔ دس روزے رکھے گا۔(اگر وہ قربانی نہیں کر سکتا تو پھر)

قربانی فرض ہے:

گھروں میں جو قربانی کی جاتی ہے اس کے متعلق کچھ اہل علم فرماتے ہیں: فرض واجب ہے اور کچھ اہل علم کہتے ہیں فرض واجب نہیں کرے گا تو ثواب ہے نہ کرے گا تو گنہگار نہیں۔

صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ یہ فرض واجب ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے صحیح بخاری میں ہے۔صحیح مسلم میں بھی ہے اور بھی حدیث کی دوسری کتب میں آتا ہے جندب بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ اور براء بن عازب رضی اللہ عنہ رسول

❶ سورة بقرة: ۱۹۶۔

❷ سورة بقرة: ۱۹۶۔

اللہ ﷺ سے نقل فرماتے ہیں۔ کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''جس نے قربانی کا جانور عید کی نماز سے پہلے ذبح کر دیا ہے وہ اس کی جگہ اور جانور ذبح کرے'' [1]

رسول اللہ ﷺ حکم دے رہے ہیں۔ گنجائش کہیں بھی نہیں آتی۔ کہ چاہے تو وہ اس کی جگہ جانور ذبح کر دے چاہے تو نہ کرے۔ گنجائش آپ ﷺ نے نہیں دی۔ یا اس قسم کا اور کوئی لفظ، جس سے گنجائش نکلتی ہو آپ ﷺ نے کوئی نہیں بولا۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ قربانی فرض ہے۔ واجب ہے ضروری ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اگر وہ صاحب نصاب ہے تو پھر اس پر قربانی واجب ہے۔ اگر صاحب زکوۃ نہیں تو پھر اس پر قربانی واجب نہیں۔

لیکن نبی کریم ﷺ کی سنت و حدیث میں قربانی کے فرض ہونے کے لئے صاحب نصاب ہونے کی شرط نہیں آئی نہ قرآن مجید میں ہے اور نہ نبی کریم ﷺ کی سنت و حدیث میں ہے۔

ہاں اگر وہ صاحب استطاعت ہے۔ تو پھر اس پر قربانی واجب اور فرض ہے۔ خواہ صاحب نصاب زکوۃ ہے یا صاحب نصاب زکوۃ نہیں۔

﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ [2]

''ہمت اور طاقت سے بڑھ کر اللہ تعالی کسی پر پابندی عائد نہیں کرتے۔''

ہمت اور استطاعت ہے تو پھر وہ قربانی کرے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

«مَنْ وَّجَدَ سَعَةً فَلَمْ يُضَحِّ فَلَا يَقْرَبَنَّ مُصَلَّانَا» [3]

---

[1] صحیح بخاری کتاب الذبائح والصید باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلیذبح علی اسم اللہ حدیث: ۵۵۰۰

[2] سورۃ بقرۃ: ۲۸۶۔

[3] سنن الدار قطنی باب الصید والذبائح والأطعمة وغیر ذلك۔

''جس کے پاس قربانی کرنے کی استطاعت ہے وسعت ہے تو پھر وہ قربانی نہیں کرتا تو وہ ہماری عیدگاہ کے قریب بھی نہ آئے ''

وہ صاحب استطاعت ہونے کے باوجود قربانی نہیں کر رہا تو پھر وہ عیدگاہ کے قریب کیوں آتا ہے۔ اتنی قربانی کی اہمیت ہے۔

بعض روایات میں اس بات کو نبی اکرم ﷺ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ اس کی صحت میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ ●

بہر حال ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول موقوف ثابت ہے۔

«مَنْ وَجَدَ سَعَةً فَلَمْ يُضَحِّ فَلَا يَقْرَبَنَّ مُصَلَّانَا»

قربانی کا حکم یہ ہے کہ جس کے پاس استطاعت اور وسعت ہے وہ قربانی ضرور کرے۔ واجب ہے فرض ہے۔

قربانی کا جانور کیسا ہو؟

قربانی کے جانور کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے صحیح مسلم میں موجود ہے۔

« لَا تَذْبَحُوا اِلَّا مُسِنَّةً » ● ''نہ تم ذبح کرو مگر دو دانتا ''

مسنہ کی وضاحت:

"مُسِنَّة" اس جانور کو کہتے ہیں جو دو دانتا یا دو دانتا کے اوپر ہو مُسِنَّة سنٌ سے مشتق ہے۔ سنٌ کہتے ہیں دانت کو۔

صاحب قاموس نے لکھا ہے۔ مسنة کا لفظ جانور پر اس وقت بولا جاتا ہے۔ اِذَا طَلَعَ سِنُّهٗ ''جب دودھ کا دانت اس کا گر پڑے اور دوسرا دانت اس کا نکل آئے یا نکلنا شروع ہو جائے'' تو اس پر مسنہ کا لفظ بولا جاتا ہے۔ دانت دو نکل

● سنن ابن ماجة ، باب الاضاحي واجبة هي أم لا ، حديث :٣١٢٣۔ اس کی سند میں عبد اللہ بن عیاش ہے جس کو ابو داؤد اور امام نسائی نے ضعیف کہا ہے۔

● صحيح مسلم ، كتاب الاضاحي ، باب سِنّ الأضحية۔ حديث:١٩٦٣۔

آئیں چار نکل آئیں یا اس سے زیادہ وہ مسنہ ہی کہلائے گا۔

امام شوکانی رحمہ اللہ نے "نَيْلُ الْأَوْطَارِ" میں واضح طور پر لکھا ہے۔

" اَلْمُسِنَّةُ هِيَ الثَّنِيَّةُ فَمَا فَوْقَهَا "

"مسنہ دو دانتا یا دو دانتا سے اوپر پر بولا جاتا ہے"

نبی ﷺ فرماتے ہیں: « لَا تَذْبَحُوا إِلَّا مُسِنَّةً »

"دو دانتا یا اس سے اوپر جانور ہی ذبح کرو"

مقصد یہ ہے کہ اس سے نیچے کھیرا جانور تم ذبح نہیں کر سکتے۔ کھیرا خواہ کچا ہے، کھیرا خواہ پکا ہے یا چھ مہینوں کا ہے یا آٹھ مہینوں کا ہے یا دس مہینوں کا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے فرمان کا تقاضا یہی ہے۔ کہ دو دانتا سے نیچے کی قربانی کرنی ہی نہیں۔

« إِلَّا أَنْ يَعْسُرَ عَلَيْكُمْ »

"ہاں اگر تمھیں دو دانتوں والے جانور یا اس سے اوپر میں دشواری پیش آ رہی ہے"

تو پھر آپ ﷺ فرماتے ہیں:

« فَتَذْبَحُوا جَذَعَةً مِّنَ الضَّانِ » ❶

"بھیڑ چھترے، دنبے والی جنس سے جذعہ کر سکتے ہیں"

رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان سے یہ بات ثابت ہوئی کہ اونٹ گائے بکرا یہ تین جنسیں مسنہ سے نیچے ہوتی ہی نہیں۔ دو دانتا سے نیچے ہو تو یہ قربانی میں ہوتی ہی نہیں۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ فرما رہے ہیں۔

ہاں دشواری کی صورت میں بھیڑ چھترے کی جنس سے دو دانتے سے نیچے جذعہ کر سکتے ہیں۔ اگر دشواری ہے تو پھر ورنہ (اگر دشواری نہیں تو پھر) بھیڑ کی جنس سے بھی دو دانتا سے نیچے نہیں کر سکتے۔ پھر دو دانتا ہی کرو گے۔

---

❶ صحيح مسلم كتاب الأضاحي باب سن الأضحية حديث: ١٩٦٣۔

جذعہ کا لفظ عربی زبان میں کس پر بولا جاتا ہے؟

اس کے متعلق مختلف اقوال ہیں۔ صحیح ترین قول یہ ہے۔ مَا لَهُ سَنَةٌ تَامَّةٌ ''بھیڑ چھترے، دنبے کی جنس میں سے ان کے بچے پورے ایک سال کے ہو جائیں۔ تو وہ جذعۃ ہیں۔ سال سے کم ہے تو وہ جذعۃ نہیں۔ کچھ اقوال کی بنیاد پر سال سے کم پر بھی جذعۃ بولا جاتا ہے۔ جھگڑے میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ سال والے کو بالاتفاق تمام جذعة مانتے ہیں سال سے کم والے کو کچھ جذعة مانتے ہیں۔ کچھ جذعۃ نہیں مانتے۔

مسئلہ قربانی کا ہے۔ لہٰذا آپ جھگڑے والی بات کو چھوڑ دیں اور اتفاق والی بات کو تسلیم کر لیں۔ ایک سال والے کو جذعۃ سب تسلیم کر رہے ہیں۔ اہل لغت کی بات سے بھی تائید اسی بات کو حاصل ہوتی ہے۔

دشواری کی صورتیں:

دشواری کی دو صورتیں ہیں۔

نمبر ۱: یہ کہ دودانتا جانور مل ہی نہیں رہا منڈی میں تلاش کرنے کے باوجود مل ہی نہیں رہا۔

نمبر ۲: دوسری صورت یہ ہے کہ مل تو رہا ہے۔ لیکن اس کے پیسے بہت زیادہ ہیں اتنی قیمت یہ ادا نہیں کر سکتا ہے۔ اس قیمت سے وہ دودانتا نہیں خرید سکتا۔

ان دونوں صورتوں میں مال کی کمی یا نہ ملنے کی صورت میں وہ ایک سال کا کھیرا دنبے چھترے، بھیڑ کی جنس کا کر سکتا ہے۔

اس روایت پر کچھ لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ روایت صحیح نہیں۔

جواب یہ اعتراض صحیح نہیں روایت صحیح ہے صحیح مسلم میں آتی ہے۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے اس کو صحیح سمجھا ہے تو اس کو اپنی صحیح میں درج کیا ہے۔ ایسا نہیں ہوتا کہ کوئی حدیث امام مسلم کے نزدیک صحیح نہ ہو اور اس کو اپنی صحیح میں جگہ دے دیں۔ البتہ اس طرح ہو جاتا ہے کہ کوئی حدیث امام مسلم کے نزدیک صحیح ہوتی ہے امام مسلم اس کو اپنی صحیح میں جگہ نہیں دیتے۔ ایسی احادیث موجود ہیں۔

لیکن جن احادیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں درج کیا ہے. وہ صحیح ہی ہیں ضعیف نہیں۔ کیونکہ امام مسلم نے یہ شرط لگائی ہے کہ میں نے اپنی کتاب میں صرف صحیح صحیح احادیث ہی درج کی ہیں۔ اور یہ روایت صحیح مسلم میں موجود ہے لہٰذا یہ روایت صحیح ہے۔

صحیح مسلم کی روایت الا ان یعسر علیکم میں ابو زبیر کا سماع جابر سے ثابت ہے:

اس حدیث پر اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اس میں ایک راوی ابو زبیر محمد بن مسلم بن تدرس میں تدلیس پائی جاتی ہے۔ اور "عن" کے لفظ سے روایت کرتا ہے۔ "عَنْ جَابِرٍ" اس لیے یہ روایت کمزور ہے۔

اس اعتراض کا امام نووی اور دیگر اہل علم نے جواب دیا ہے کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں اہل تدلیس رواۃ کی احادیث سماع پر محمول ہیں۔ کیونکہ شیخین نے جانچ پڑتال کر کے جب ان کا سماع ثابت ہوا ہے تب ان کو اپنی صحیح میں جگہ دی ہے۔

اس قاعدہ اور اصول سے شیخین غافل تو نہیں اس کا وہ لحاظ رکھتے ہیں۔ بلکہ صحیح بخاری پڑھنے والے جانتے ہیں۔ امام بخاری ایک حدیث بیان کرتے ہیں با سند اور اس میں کوئی راوی تدلیس والا آیا ہوتا ہے اور وہ لفظ "عن" سے بیان کر رہا ہوتا ہے۔ دوسری سند امام بخاری بیان کرتے ہیں جس میں سماع کی صراحت ہوتی ہے۔ یا ایسی دلیل ملتی ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں تدلیس والا نقص موجود نہیں۔ کئی دفعہ امام بخاری دو دو یا تین تین سندیں بھی بیان کر دیتے ہیں۔ اس اصول اور قاعدہ

کا امام بخاری اور امام مسلم کو بھی پتہ ہے۔ جب امام مسلم اس کو اپنی صحیح میں درج کر رہے ہیں تو یہ صحیح ہی ہے سماع اس کا ثابت ہے۔صحیح ابی عوانہ یا مسند ابی عوانہ میں اسی حدیث کے سماع کی تصریح موجود ہے امام مسلم تو پہلے ہی اس کو صحیح تسلیم کرتے ہیں۔البتہ معترضین کو بھی جو کہتے ہیں کہ اس کے سماع کی تصریح نہیں ہے صحیح تسلیم کر لینی چاہیے۔

صحیح مسلم میں جو مدلسین راوی آتے ہیں۔ان کے متعلق ایک کتاب چھپی ہے سعودی عرب کے کسی عالم نے لکھی ہے مارکیٹ میں آ گئی ہے۔اس میں بھی انہوں نے اس کے سماع کی تصریح کی ہے۔

ایک رسالہ الحرمین شریفین جہلم سے چھپتا ہے۔ اس کے کسی پرانے شمارے میں ایک مضمون چھپا ہے۔ مسنہ اور جذعہ کے موضوع پر اس حدیث کے متعلق مضمون کے مصنف نے بھی لکھا تھا کہ صحیح ابی عوانہ یا مسند ابی عوانہ میں اس کے سماع کی تصریح موجود ہے۔ پھر مسنہ کی شرط اس حدیث کے علاوہ دوسری احادیث میں بھی موجود ہے کہ مسنہ ہونا ضروری ہے۔

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے صحیح بخاری میں متعدد الفاظ سے آئی ہے۔ایک لفظ اس کے یہ ہیں۔کہ وہ فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بکریاں دیں کہ میں یہ بکریاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر قربانی کے لئے تقسیم کر دوں۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے تقسیم کر دیں۔ سال کا ایک بکروٹا بچ گیا ایک عتود بچ گیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں میں نے عرض کی کہ یہ ایک بچ گیا ہے یہ سال کا ہے عتود ہے مقصد یہ تھا کہ مسنہ نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ آپ کر لیں۔ [1]

اور ساتھ یہ بھی فرمایا:

---

[1] صحیح بخاری کتاب الوکالۃ باب وکالۃ الشریک فی القسمۃ وغیرھا حدیث :۲۱۷۷۔

«لَنْ تُجزِیَ جَذْعَةٌ عَنْ اَحَدٍ بَعْدَكَ »

''کہ تیرے علاوہ جذعہ کسی سے کفایت نہیں کرے گا''

عقبہ بن عامر کو آپ ﷺ نے اجازت دے دی اور ساتھ یہ بھی فرمایا کہ جذعہ کسی سے کفایت نہیں کرے گا۔

سیاق وسباق ٹھیک ہے وہ بکری کا ہی آرہا ہے۔لیکن نبی کریم ﷺ نے اپنے الفاظ میں بکری کی شرط نہیں لگائی۔« لَنْ تُجزِیَ جَذْعَةٌ مِنَ الْمَعْزِ »''کہ بکری کا جذعۃ کسی سے کفایت نہیں کرے گا۔نہیں فرمایا۔

یہ معز وبکری والی شرط آپ نے نہیں لگائی۔اور گرامر کا قاعدہ ہے کہ نکرہ نفی کے حیز میں آ جائے تو وہ عموم کا فائدہ دیتا ہے عموم میں نص ہوتا ہے۔جذعۃ نکرہ ہے۔ لَا تُجزِی نفی کے بعد نفی کے حیز میں آرہا ہے یہ عموم کا فائدہ دے گا۔ مطلب یہ ہے کہ کسی قسم کا کوئی جذعہ بھی تیرے بعد کسی سے بھی کفایت نہیں کرے گا۔کھیرا جانور موٹا تازہ ہو، بکری کی جنس سے ہو، اونٹ کی جنس سے ہو، گائے کی جنس سے ہو، بھیڑ کی جنس سے ہو،اس کا رنگ کوئی بھی ہو۔

فرمایا۔« لَنْ تُجزِیَ جَذْعَةٌ عَنْ اَحَدٍ بَعْدَكَ »''وہ کسی سے بھی کفایت نہیں کرے گا''پھر ایک حدیث میں یہ بھی لفظ آتے ہیں کہ ابو بردہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

« هِیَ خَیْرٌ مِنَ مُسِنَّةٍ ـ » ❶

''میرے پاس کھیرا جانور ہے ویسے دو دانتے سے اچھا ہے بہتر ہے''

کئی جانور کھیرے ہوتے ہیں لیکن وہ دو دانتوں والے سے اچھے ہوتے ہیں اس بات پر ذرا غور کرو کہ اس صحابی کے پاس صرف کھیرا جانور باقی رہ گیا تھا اور وہ صحابی نبی ﷺ سے مسئلہ پوچھ رہا ہے کیا میں کھیرا جانور قربانی کر لوں؟ وہ صحابی

❶ صحیح بخاری کتاب الأضاحی باب قول النبی ﷺ لأبی بردة ضح بالجزع من المعز ولن تجزی عن أحد بعدك حدیث: ۵۲۳۷۔

مسئلہ کیوں پوچھ رہا ہے؟ اگر کھیرا جانور قربانی کے لئے ہو جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے مسئلہ تو بتایا ہی تھا۔

« نِعْمَتِ الْأُضْحِيَةُ الْجَذَعُ مِنَ الضَّانِ۔» ❶ یا « اِنَّ الْجَذَعَ يُوَفِّي مِمَّا يُوَفِّي مِنْهُ الثَّنِيُّ۔»

(اگر بقول ان حضرات کے جو کھیرا کو بغیر دشواری کے قربانی کے لئے جائز قرار دیتے ہیں) یہ اعلان نبی کریم ﷺ کا تھا تو پھر صحابی نبی کریم ﷺ سے مسئلہ کیوں پوچھتا ہے؟ ذبح کرے نا اب؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مسئلہ پوچھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بھی علم میں تھا۔ کھیرا جانور نہیں ہوتا۔ اسی لئے وہ مسئلہ پوچھنے کے لئے آیا ہے۔ اور ساتھ " خَيْرٌ مِّنَ مُسِنَّةٍ " بھی کہہ رہا ہے کہ شاید مجھے اجازت مل جائے۔

صحیح احادیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے یہ مسئلہ بتایا ہوا تھا دو دانتے سے نیچے کی قربانی نہیں ہوتی۔ اسی لئے وہ کھیرے کے متعلق مسئلہ پوچھنے آئے تھے وگرنہ مسئلہ پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں۔ اگر بتایا ہوتا کہ کھیرا بھی کرلو کوئی بات ہی نہیں۔ جس طرح اب معاملہ چل رہا ہے جانور دو دانتا ہے یا کھیرا ہے جو ملتا ہے بلا امتیاز بعض لوگ وہ قربانی کر رہے ہیں۔ کوئی بات ہی نہیں سمجھی جاتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے فرمان کا تقاضا ہے کہ صرف مسنہ دو دانتوں والے جانور کی قربانی کی جائے اگر دشواری ہے تو پھر بھیڑ کے ایک سال کے بچے کی قربانی کر لی جائے۔

« نِعْمَتِ الْأُضْحِيَةُ الْجَذَعُ مِنَ الضَّانِ۔» ❷

---

❶ جامع الترمذی کتاب الأضاحی عن رسول الله ﷺ باب ما جاء فی الجذع من الضان فی الأضاحی حدیث: ۱۴۹۹۔

❷ اس کی سند میں کدام بن عبد الرحمٰن اور ابی کباش ہیں۔ کدام بن عبد الرحمٰن کو ابن حجر نے تقریب میں مجہول کہا ہے۔ اور ابی کباش کے متعلق امام ذہبی فرماتے ہیں: " لا یعرف۔"

اس حدیث کا تذکرہ آ گیا ہے تو اس پر بھی ذرا غور کر لو۔ یہ روایت ان الفاظ سے ثابت نہیں۔ یہ صحیح نہیں۔

«اِنَّ الجَذَعَ یُوَفِّی مِمَّا یُوَفِّی مِنهُ الثَّنِیُّ» ❶

یہ روایت صحیح ہے سند کے اعتبار سے۔لیکن اس روایت میں جذعہ کی قید کوئی نہیں آتی ہے کہ یہ کھیرا اونٹ کا گائے کا یا بکری کا بھیڑ کا۔کس کا ہو قید کوئی نہیں آتی عام ہی ہے۔

یہاں سے تو پتہ چلتا ہے کہ کھیرا وہاں کفایت کر جاتا ہے جہاں دودانتا کفایت کرتا ہے

اگر اس حدیث کو سامنے رکھیں۔ پھر تو سارے کھیرے جائز ہونے چاہییں صحیح روایت میں نبی کریم ﷺ جو فرما رہے ہیں کہ سال کا کھیرا صرف تُو کر لے اور کسی سے کفایت نہیں کرے گا۔ یہ حدیث کدھر جائے گی۔

اس حدیث سے اور "لَا تَذبَحُوا اِلَّا مُسِنَّةً" سے اس حدیث کی تخصیص کی جائے گی۔مطلب یہ نکلے گا کہ دودانتا جانور یا اس سے اوپر والا نہیں مل رہا۔تو بھیڑ کا کھیرا جانور کفایت کر جائے گا۔

مجاشع سلمی کی اس حدیث «اِنَّ الجَذَعَ یُوَفِّی مِمَّا یُوَفِّی مِنهُ الثَّنِیُّ» میں تفصیل موجود ہے کہ وہ کسی سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔تو دودانتوں والے جانوروں کی کمی ہو گئی۔ تو ہم نے دودو کھیرے تین تین کھیرے دے کر ایک دودانتوں والا جانور خریدا۔اس موقعہ پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا:

«اِنَّ الجَذَعَ یُوَفِّی مِمَّا یُوَفِّی مِنهُ الثَّنِیُّ۔» ❷

اس روایت کے سیاق وسباق سے بھی پتہ چلتا ہے کہ جذعہ وہاں کفایت کرتا ہے جہاں مسنّہ کے ملنے میں دشواری ہو۔اور جذعہ وہ بھی بھیڑ چھترے دنبے کی جنس

---

❶ سنن نسائی کتاب الأضاحی باب المسنة والجذعة حدیث :۴۳۸۳۔

❷ ایضًا

کا ہو بشرطیکہ دو دانتوں والا نہ ملتا ہو تو۔ اور دوسری تین جنسیں بکری، گائے، اونٹ یہ کسی بھی صورت میں دو دانتے سے نیچے والے قربانی ہوتے ہی نہیں۔ کئی لوگ سال کا بکرا دو سال کی گائے اور چار سال کا اونٹ قربانی کے لیے ذبح کر دیتے ہیں یہ درست نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے فرمان کی مخالفت ہے کہ دو دانتا سے نیچے کی قربانی ہوتی ہی نہیں۔ یہ باتیں تو قربانی کے جانور کی عمر کے متعلق تھیں۔

قربانی کے جانوروں کے عیوب کے متعلق گزارشات:

چھ نقص وعیب ہیں جو قربانی کے جانور میں ہوں تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی قربانی کرنے سے منع فرمایا ہے۔ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ اَنْ نَسْتَشْرِفَ الْعَيْنَ وَالْاُذُنَ۔)) ❶

”رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم قربانی کے جانور کی آنکھیں اور کان اچھی طرح دیکھ لیں کہ کہیں اس کی آنکھ اور کان میں کوئی نقص نہ ہو۔“

رسول اللہ ﷺ کا حکم تھا:

((وَاَنْ لَّا نُضَحِّيَ بِمُقَابَلَةٍ وَّلَا مُدَابَرَةٍ وَّلَا شَرْقَاءَ وَلَا خَرْقَاءَ۔)) ❷

”ایسے جانور کی قربانی نہ کریں جس کا کان پچھلی جانب سے کترا ہو اور نہ ایسے جانور کی قربانی کریں جس کا کان اگلی جانب سے کترا ہو اور ایسے جانور کی قربانی بھی نہ کریں جس کے کان میں لمبا چیر ہو اور مستطیل چیرا ہوا ہو“

رسول اللہ ﷺ نے ایسے جانور کی قربانی کرنے سے بھی منع کر دیا ہے جس کے کان میں سوراخ ہو۔“

تو ایسے کان کٹے جانور سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ کان کے کٹے ہونے میں رسول اللہ ﷺ نے کوئی حد مقرر نہیں فرمائی کہ کتنا کٹا ہوا ہو۔ عام ہی فرمایا رسول اللہ ﷺ نے۔

❶ سنن نسائي كتاب الأضاحي باب المقابلة حديث: ٤٣٧٢۔

❷ سنن نسائي كتاب الأضاحي باب المقابلة حديث: ٤٣٤٢۔

علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب فرماتے ہیں :

« نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ اَنْ يُضَحىٰ بِاَعْضَبِ الْقَرْنِ وَالْاُذُنِ » [1]

''کہ کان کٹے جانور اور سینگ ٹوٹے جانور کی قربانی کرنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے''

سینگ کتنا ٹوٹا ہوا ہو کان کتنا کٹا ہوا ہو اس کی قید کتاب وسنت میں نہیں آئی لفظ أعضَبُ القَرنِ اور أعضَبُ الاُذُنِ آیا ہے۔

لغت والوں نے اعضب اور عضباء کا معنی کان کٹا اور سینگ ٹوٹا ہوا ہی کیا ہے۔ کچھ لوگوں نے ٹوٹے ہوئے کی مقدار بیان کی ہے کہ آدھا کٹا ہوا ہو کوئی کہتا ہے دو تہائی ٹوٹا ہوا ہو پھر قربانی نہیں ہوتی۔ البتہ لغت کا تقاضا یہی ہے کہ کان تھوڑا کٹا ہوا ہو زیادہ کٹا ہوا ہو، سینگ زیادہ ٹوٹا ہوا ہو تھوڑا ٹوٹا ہوا ہو اس کی قربانی نہ کرے۔

بسا اوقات سینگ کے اوپر سے خول اتر جاتا ہے۔ نیچے سینگ بالکل صحیح سلامت ہوتا ہے۔ سینگ یا گلی اگر نیچے سے صحیح ہو تو اس پر اعضب اور عضباء کا لفظ نہیں بولا جاتا وہ سینگ ٹوٹے ہوئے میں شامل نہیں ہوتا اور اگر سینگ کی گلی یا کان کٹا ہوا ہے تو پھر وہ اعضب اور عضباء میں شامل ہوتا ہے اس کی قربانی نہیں ہوتی۔

سینگ اس کا ٹوٹ گیا ہے دیوار پر ٹکر مارنے سے یا اپنی ہی سنگلی یا زنجیر میں پاؤں کے پھنسنے سے یا مالک کے مارنے سے خواہ کیسے بھی اس کا سینگ ٹوٹا ہے اس کی قربانی نہیں ہوتی۔

اسی طرح کان بھی اگر مالک نے خود کاٹا یا اپنے آپ ہی کٹ جائے اس کی قربانی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمادیا ہے۔

براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا:

[1] جامع ترمذی کتاب الأضاحی عن رسول اللہ ﷺ باب فی الضحیة بعضباء القرن والاذن حدیث: ۱۵۰٤۔

«مَاذَا يُتَّقٰى مِنَ الضَّحَايَا»

"کون کون سے جانور ہیں جن کی قربانی کرنے سے بچنا چاہیے"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلْعَوْرَاءُ الْبَيِّنُ عَوَرُهَا»

"کانا جانور جس کا کانا پن واضح ہو"

کانا پن واضح نظر آ رہا ہے اس کی قربانی نہیں ہوتی۔ اس سے یہ بات بخوبی واضح ہو گئی کہ جب کانے کی قربانی نہیں ہوتی تو نابینے کی بطریق اولی نہیں ہوتی۔

کیونکہ کانے کی صرف ایک آنکھ خراب ہے اور نابینے کی دونوں آنکھیں ختم ہیں

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

«وَالْعَرْجَاءُ الْبَيِّنُ ظَلْعُهَا»

"لنگڑا جانور جس کا لنگڑا پن واضح ہے"

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: اس کی بھی قربانی نہیں ہوتی۔

جب لنگڑے کی قربانی نہیں ہوتی تو جو ہے ہی (لُو ہلا) اس کی قربانی بطریق اولیٰ نہ ہوئی رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

«وَالْمَرِيضَةُ الْبَيِّنُ مَرَضُهَا»

"مریض بیمار جانور جس کی بیماری واضح ہے"

ہر ایک کو نظر آ رہا ہے کہ یہ بیمار ہے رسول اللہ ﷺ فرما رہے ہیں اس سے بھی بچنا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے مزید فرمایا:

«وَالْعَجْفَاءُ الَّتِي لَا تُنْقِي.» ❶

"لاغر دبلا پتلا جانور جس کے اندر روغن تک باقی نہیں رہا۔"

مغز ہی اس کا ختم ہو گیا ہے ایسے لاغر دبلے پتلے جانور کی بھی قربانی کرنے

---

❶ سنن بیهقی باب ماورد النهی عن التضحیة به حدیث: ۱۸۸۷۴۔

سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرما دیا ہے۔ یہ وہ عیوب ہیں اگر جانور کے اندر ہوں تو اس کی قربانی نہیں ہوتی۔

یہ عیب یا ان میں سے کوئی عیب قربانی کا جانور خریدنے سے پہلے ہو پھر بھی اس کی قربانی نہیں کرنی یا خریدنے کے بعد اس میں کوئی عیب آ گیا ہے پھر بھی اس کی قربانی نہیں کرنی کیونکہ رسول اللہ ﷺ حکم دے رہے ہیں کہ عیب والے جانور قربانی نہ کرو۔

تو جو شخص عیب والے جانور کی قربانی کر رہا ہے یا کرے گا (خواہ عیب خریدنے کے بعد ہی پیدا ہوا ہے) اس کا عمل رسول اللہ ﷺ کے حکم پر تو نہ ہوا۔ حکم پر عمل تو تب ہو گا جب وہ عیب والے جانور کی قربانی نہ دے گا۔

حافظ ابن حزم رحمہ اللہ نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ اگر قربانی والے جانور کو ذبح کرنے کے لئے لٹاتے وقت وہ لنگڑا ہو گیا ہے۔ (بسا اوقات ایسا ہو جاتا ہے کہ لٹاتے وقت ٹانگ پر چوٹ آ جاتی ہے) تو اس کی بھی قربانی نہ دے۔ کیونکہ وہ لنگڑا ہو گیا ہے اور رسول اللہ ﷺ فرما رہے ہیں لنگڑے کی قربانی نہیں کرنی اس سے بچو۔ یہ تو نہ بچا اب لنگڑا بیشک خریدنے کے بعد ہی ہو۔

ایک روایت پیش کی جاتی ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خریدنے کے بعد لنگڑا ہو جائے تو اس کی قربانی ہو جاتی ہے روایت یہ ہے کہ

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارا ایک دنبہ تھا۔ بھیڑیا آیا اس نے اس کی چکی کاٹ دی رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا آپ ﷺ نے فرمایا اس کی قربانی کر لو یہ نقص عیب اس میں خریدنے کے بعد پیدا ہوا یا خریدنے کے بعد بھیڑیا اس کی چکی لے گیا ہے۔ [1] اس سے یہ مسئلہ استنباط کیا جاتا ہے۔

پہلے نمبر پر تو یہ روایت ہی ضعیف ہے صحیح نہیں۔ اس میں ایک راوی ہے "جابر بن یزید جعفی" وہ انتہائی کمزور ہے صحیح مسلم کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ یہ اپنے پاس

[1] مسند أحمد حديث نمبر ١١٢٩٢ عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه۔

سے روایتیں بنا بنا کر رسول اللہ ﷺ کے ذمے لگاتا تھا۔اس کے کذب کا عالم دیکھو۔پھر اعلان کرتا تھا کہ میں نے اتنی روایتیں بنا کر رسول اللہ ﷺ کے ذمے لگا دی ہیں۔پھر یہ بدعقیدہ بھی تھا عام اہل اسلام کا عقیدہ ہے کہ عیسیٰ بن مریم قرب قیامت نزول فرمائیں گے۔اور یہ جعفی عقیدہ رکھتا تھا کہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بھی قرب قیامت نزول فرمائیں گے۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

" مَا لَقِيتُ فِيمَنْ لَقِيتُ أَفْضَلَ مِنْ عَطَاءٍ "

''جتنے علماء اور فضلاء کو میں ملا ہوں عطاء سے بڑھ کر کسی فضیلت والے شخص کو میں نہیں ملا''

یعنی جن جن کو میں ملا ہوں ان میں سے عطاء رحمہ اللہ تعالی سب سے زیادہ فضیلت والے ہیں۔اور ساتھ یہ بھی فرماتے ہیں:

" وَمَا لَقِيتُ فِيمَنْ لَقِيتُ أَكْذَبَ مِنْ جَابِرِ نِ الْجُعْفِيِّ "

''جن جن شخصوں کو میں ملا ہوں ان میں سب سے زیادہ جھوٹا جابر جعفی تھا''

یعنی میری ملاقات والے جتنے جھوٹے ہیں یہ ان سب سے زیادہ جھوٹا ہے۔اب اس کی روایت کا اعتبار کس طرح ہو سکتا ہے۔

اس کی سند میں ایک اور بھی نقص ہے ،لیکن ان کے مقابلے میں اس کو بیان کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔وہ نقص یہ ہے کہ حجاج بن ارطاۃ راوی اس میں مدلس ہے تدلیس سے بیان کرتا ہے۔لیکن اس میں جابر جعفی کذاب راوی بھی ہے۔لہٰذا اس کے ہوتے ہوئے اس کو بیان کرنے کی کوئی اتنی ضرورت بھی نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ جن جن عیوب سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے وہ یہ ہیں کہ کان کٹا ،سینگ ٹوٹا ،بیمار ،لنگڑا ،کانا ، لاغر جن کے یہ عیوب یا ان میں سے کوئی بھی عیب واضح ہو ان سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

دم کٹے ،چکی کٹے ہوئے سے تو رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہی نہیں۔بات

تو تب بنتی یا مسئلہ تو تب بنتا جب رسول اللہ ﷺ نے اس عیب سے بھی منع فرمایا ہوتا کہ دم کٹے کی قربانی نہ کرو۔

جس عیب سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہوتا وہ ممنوع عیب خریدنے کے بعد پیدا ہوتا پھر رسول اللہ ﷺ فرماتے کہ اس کی قربانی کرلو مسئلہ تو تب بنتا تھا۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے دم کٹے یا چکی کٹے سے تو منع کیا ہی نہیں۔

بات زیادہ سے زیادہ اس حدیث سے ثابت ہو گی بھی تو یہ ہو گی کہ دم کٹے چکی کٹے جانور کی قربانی کرلو۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس عیب سے منع فرمایا ہی نہیں اور یہ ان عیوب میں شامل نہیں جن عیوب سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے بلکہ اس حدیث کی رو سے دم کٹے، چکی کٹے جانور کی قربانی درست ہے۔

تو مسئلہ، جانور کے خریدنے کے بعد اس میں نقص یا عیب پیدا ہو گیا ہے تو اس کی قربانی ہو جائے گی اس حدیث سے بھی ثابت نہ ہوا۔ جانور کی دم یا چکی خریدنے سے پہلے کٹی ہے یا بعد میں کٹی ہے اس کی قربانی ہو جائے گی۔ ٹھیک ہے۔

کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے دم کٹے جانور کی قربانی سے کہیں منع فرمایا ہی نہیں۔ بلکہ اس حدیث سے اس کی اجازت مل رہی ہے۔

قربانی کا وقت:

قربانی کا وقت عید کی نماز پڑھنے کے بعد شروع ہوتا ہے۔ عید کی نماز سے پہلے قربانی کا جانور آدمی ذبح نہیں کر سکتا۔

جندب اور براء رضی اللہ عنہما کی احادیث آپ نے پہلے ساعت فرمائی ہیں۔

کہ جو عید کی نماز سے پہلے قربانی کرے گا وہ اس کی جگہ پر ایک اور کرے۔ ❶

براء بن عازب کی ایک روایت میں یہ لفظ بھی آتے ہیں کہ جس نے عید کی نماز سے پہلے قربانی کا جانور ذبح کر دیا ہے۔

❶ صحیح بخاری کتاب الذبائح باب قول النبی ﷺ فلیذبح علی اسم اللہ حدیث: ۵۵۰۰۔

«فَإِنَّمَا هُوَ لَحْمٌ قَدَّمَهُ لِأَهْلِهِ لَيْسَ مِنَ النُّسُكِ فِي شَيْءٍ.» ❶

"وہ تو صرف گوشت ہے جو اس نے اپنے گھر والوں کے لیے کیا ہے قربانی نہیں"

عید کی نماز سے پہلے قربانی کا جانور ذبح کرے گا تو وہ رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق قربانی نہیں ہوگی اس کی جگہ دوسرا جانور ذبح کرنا پڑے گا۔

«فَلْيَذْبَحْ مَكَانَهَا أُخْرَى.»

رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان شہر کے لوگوں کے لئے بھی ہے دیہات کے لوگوں کے لئے بھی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے کوئی تخصیص نہیں فرمائی کہ شہر والے عید کی نماز سے پہلے قربانی کریں گے تو نہیں ہوگی۔ شہر کی قید رسول اللہ ﷺ نے نہیں لگائی۔

رسول اللہ ﷺ شہر والوں کے بھی پیغمبر ہیں اور دیہات گاؤں والوں کے بھی پیغمبر ہیں، مردوں کے بھی پیغمبر ہیں عورتوں کے بھی پیغمبر ہیں، جنوں کے بھی پیغمبر ہیں انسانوں کے بھی پیغمبر ہیں، سب پر آپ کا حکم لگتا ہے۔

لہٰذا جو یہ خیال چلتا ہے کہ دیہات یا گاؤں والے فجر کی نماز کے بعد بھی قربانی کرلیں تو قربانی ہو جائے گی یہ خیال درست نہیں رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے خلاف ہے

ایک روایت پیش کی جاتی ہے کہ دیہاتوں میں تشریق نہیں اور اضحیٰ بھی دیہاتوں میں نہیں۔ جمعہ بھی دیہاتوں میں نہیں۔

جب دیہاتوں میں اضحیٰ نہیں تو پھر جس وقت چاہے قربانی کرے ہو جائے گی۔

جواب :

اول تو یہ روایت ثابت ہی نہیں، نبی اکرم ﷺ تک یہ صحیح سند سے پہنچتی ہی نہیں۔ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا قول بیان کیا جاتا ہے۔ شیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ

❶ صحيح بخاري كتاب الأضاحي باب سنة الأضحية حديث: ٥٥٤٥۔

فرماتے ہیں۔کہ علی رضی اللہ عنہ کا قول ہونا بھی ثابت نہیں۔اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ثابت نہیں۔تو اس سے مسئلہ کیا ثابت ہو گا۔علی رضی اللہ عنہ کا قول ثابت ہو بھی جائے تو یہ شریعت میں دلیل بنتا ہی نہیں۔

﴿ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ ﴾

اللہ تعالی کا فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث اور سنت دلیل ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قول اگر دلیل بنتا ہوتا تو پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپس میں ایک دوسرے سے اختلاف تو نہ کرتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول سے کوئی اختلاف کرتا ہے؟نہیں بھول کر خطاء ہو جائے تو وہ مسئلہ الگ ہے۔جان بوجھ کر تو اختلاف کوئی نہیں کرتا۔

چند منٹ کے لئے اس روایت کو تسلیم کر لو: اس روایت میں یہ ذکر ہے کہ تشریق دیہاتوں میں نہیں۔جمعہ دیہاتوں میں نہیں۔اضحیٰ قربانی دیہاتوں میں نہیں۔تو پھر اضحیٰ قربانی دیہاتوں میں نہ ہوئی تو فجر کی نماز پڑھ کر ذبح کرے گا تو بھی قربانی کوئی نہ ہوئی۔

وہ تو اب عید کی نماز پڑھنے کے بعد بھی ذبح کرے تو اس قول کے مطابق قربانی پھر بھی نہ ہوئی۔وہ فجر کی نماز پڑھ کر کرے یہ تو بہت دور کی بات ہے جب کہ آپ کی پیش کردہ روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں تشریق اضحیٰ بڑی عید یا قربانی دیہاتوں میں ہے ہی نہیں وہ تو گوشت ہی ہے جس وقت بھی وہ کرے قربانی تو پھر بھی نہ ہوئی اس لئے یہ بات غلط ہے صحیح نہیں۔دیہات میں قربانی بھی ہے جمعہ بھی ہے عید بھی ہے۔وہ بھی مسلمان ہیں کتاب وسنت ان کے لئے بھی ہے وہ بھی قربانی کریں۔صرف یہ ہے کہ جو وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر کیا ہے صرف اس وقت میں ذبح کریں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو وقت مقرر کیا ہے کہ عید کی نماز کے بعد قربانی کرے یہ وقت شہر والوں کے لئے بھی ہے اور دیہات والوں کے لئے بھی ہے۔

شہر والے بھی اگر عید کی نماز سے پہلے قربانی کریں گے تو ان کی بھی نہیں ہو گی اگر دیہات والے کریں گے عید کی نماز سے پہلے تو ان کی بھی نہیں ہو گی۔ یہ تو قربانی کے وقت کی ابتداء تھی۔

قربانی کے وقت کی انتہاء:

دار قطنی میں حدیث ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

«أَيَّامُ التَّشْرِيقِ كُلُّهَا ذَبْحٌ.» ❶

''تشریق کے تمام دن ذبح کے دن ہیں''

گیارہ بارہ تیرہ تاریخ منیٰ کے دن ان کو ایام تشریق کہا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرما رہے ہیں یہ ذبح کے دن ہیں۔ پتہ چلا کہ گیارہ بارہ تیرہ تاریخوں کو بھی آدمی قربانی کر سکتا ہے البتہ پہلے دن دس تاریخ کو آدمی قربانی کرے تو اس کی فضیلت زیادہ ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

''دوسرے دنوں کی نیکی ان دس دنوں کی نیکی سے زیادہ اللہ تعالی کو محبوب نہیں'' ❷

تو دس دن میں قربانی کا پہلا دن بھی آ جائے گا۔ دوسرے دنوں کا عمل صالح اللہ تعالی کو ان دس دنوں کے عمل صالح سے زیادہ محبوب نہیں۔ دسویں دن کی قربانی ان دس دنوں میں آ جائے گی۔ گیارہ بارہ تیرہ تاریخ کی قربانی ان دس دنوں سے باہر ہے۔

اس عام حدیث کو آدمی سامنے رکھ کر غور کرے تو پتہ چل جائے گا کہ پہلے دن کی قربانی بعد والے دنوں کی قربانی سے زیادہ فضیلت والی ہے۔

پھر نبی اکرم ﷺ کا عمل بھی پہلے ہی دن کا ہے۔ دس تاریخ کو ہی رسول

---

❶ سنن الدار قطنی باب الصید والذبائح والأطعمة وغیر ذلك حدیث: ٤٧۔

❷ جامع ترمذی باب ماجاء فی العمل فی الأیام العشر حدیث: ٧٥٧۔

اللہ ﷺ اپنی قربانی کا جانور ذبح کرتے تھے۔کوئی ایسی روایت نہیں ملتی جس میں یہ آیا ہو کہ نبی اکرم ﷺ گیارہ بارہ تیرہ تاریخوں کو بھی اپنی قربانی کا جانور ذبح کرتے تھے۔ آپ ﷺ کے فرمان سے گیارہ بارہ تیرہ تاریخوں میں قربانی کی اجازت نکلتی ہے۔ البتہ عمل آپ ﷺ کا پہلے ہی دن کا ہے۔

«وَخَيْرُ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔» [1]

''ساری سیرتوں میں سے بہترین سیرت اور بہترین طریقہ رسول اللہ ﷺ کا ہی ہے''

پہلے دن میں قربانی کرنے کا ثواب اور اجر زیادہ ہے۔ویسے دوسرے تیسرے چوتھے دن بھی آدمی قربانی کرسکتا ہے اس کی اجازت ہے۔

قربانی کے جانور میں شرکت:

ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ایک بکری یا بکرا اور ایک چھتری یا چھترا قربانی میں ایک گھر والوں کی طرف سے کفایت کرتا تھا۔ [2]

گائے اور اونٹ کی قربانی ہدی ہے تو حج یا عمرہ کرنیوالے سات سات تک شریک ہو سکتے ہیں۔ [3] اگر قربانی اضحیہ ہے گھروں میں کی جانے والی قربانی ہے تو گائے میں سات تک اور اونٹ میں دس تک شریک ہو سکتے ہیں۔

ترمذی،نسائی اور ابن ماجہ میں ہے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ہم ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے اضحیٰ گھروں والی قربانی کا وقت آگیا تو ہم

---

[1] مسند الإمام احمد عن جابر رضی اللّٰه عنه

[2] جامع ترمذی کتاب الأضاحی باب ما جاء أن الشاة الواحدة تجزی عن أهل البيت حدیث : ۱۵۰۵

[3] صحیح مسلم کتاب الحج باب الاشتراك الهدی حدیث :۳۵۱۔

گائے میں سات اور اونٹ میں دس شریک ہوئے۔ [1]

بعض کا خیال ہے اونٹ میں دس شریک ہونے کا باعث سفر تھا۔بعض کہتے ہیں باعث اونٹ کا دس بکریوں کے برابر ہونا تھا۔مگر دونوں باتیں درست نہیں۔ورنہ ہدی حج یا عمرہ والی قربانی میں بھی اونٹ میں دس کا شریک ہونا درست ہوتا۔کیونکہ دونوں سبب ادھر موجود ہیں اس لئے کہ اونٹ تو ہدی میں بھی اونٹ ہی ہے لا محالہ دس بکریوں کے برابر ہے۔اور بہت سے حج اور عمرہ کرنے والے مسافر ہوتے ہیں پھر سفر والا باعث گائے میں بھی موجود ہے۔ واللہ اعلم۔

قربانی کا گوشت تقسیم کرنے کا طریقہ:

قربانی کے گوشت کے عام طور پر لوگ تین حصے کر لیتے ہیں۔ایک اپنے لیے ایک خویش واقارب کے لیے اور ایک فقراء مساکین کے لیے۔

اس طرح آدمی کرے تو پھر بھی ٹھیک ہے اگر نصف اپنے واسطے اور قریبی رشتہ داروں کے واسطے کر لے اور باقی نصف فقراء مساکین کو دے دے پھر بھی ٹھیک ہے۔سارے کا سارا جانور آدمی تقسیم تو کر سکتا ہے لیکن سارے کا سارا آدمی گھر نہیں رکھ سکتا۔رسول اللہ ﷺ نے قربانی کا جانور ذبح کیا اور فرمایا کہ جس کا دل چاہتا ہے لے جائے۔وہ سارے کا سارا تقسیم کر دیا۔

لہٰذا سارے کا سارا تقسیم کر سکتا ہے لیکن سارے کا سارا گھر رکھنے کی اجازت نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

﴿فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ﴾ [2]

---

[1] سنن نسائی کتاب الأضاحی باب ما تجزی عنه البدنة فی الضحایا حدیث: ۴۳۹۱۔ وجامع الترمذی کتاب الأضاحی باب ما جاء فی الاشتراك فی الأضحیة حدیث: ۱۵۰۱۔

[2] سورة حج: ۲۸۔

دوسری جگہ ہے۔ ﴿فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ﴾ ❶

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: «كُلُوا مِنْهَا وَتَصَدَّقُوا.» ❷

''ان قربانیوں سے خود بھی کھاؤ اور صدقہ بھی کرو''

صدقہ کرنا لازمی ہے یہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے۔ قربانی کے جانور سے صدقہ کرنا لازمی ہے اگرچہ وہ کم ہی کرے، صدقہ ضرور کرنا پڑے گا۔ اگر سارا گھر رکھ لے، پھر تو اس نے صدقہ نہ کیا۔ صدقہ اس نے کتنا کرنا ہے کتاب وسنت میں اس کی تحدید نہیں آئی۔ البتہ یہ خود ہی سوچے کہ کتنا اس نے صدقہ کرنا ہے جان ہی نہ چھڑائے کہ ایک بوٹی دے کر کہے جی میں نے صدقہ کر دیا ہے یہ کیسا صدقہ ہے یہ تو مذاق ہوا۔ صدقہ ایسا کرے جس کو واقعی صدقہ کہا جاتا ہے وکیلوں والی موشگافی نہ پکڑے۔

قربانی کی کھالوں کا مسئلہ:

نبی اکرم ﷺ نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو کہا کہ یہ کھالیں غرباء اور فقراء میں تقسیم کر دو۔ ❸

رسول اللہ ﷺ نے غرباء اور مساکین میں تقسیم کی ہیں۔ ویسے صدقہ کا آپ نے حکم بھی دیا ہے اس میں کھالیں بھی آتی ہیں۔ کھالیں صدقہ کے مصارف جتنے (آٹھ) قرآن نے بیان کیے ہیں ان کو بھی دے سکتے ہیں۔ دینی مدارس میں غریب فقیر طلباء ہوتے ہیں ان کو دے سکتے ہیں۔ کچھ ادارے بھی ایسے ہوتے ہیں جو غرباء اور مساکین کی امداد کرتے ہیں ان کو بھی دے سکتے ہیں۔

((……❀❀❀……))

---

❶ سورۃ حج: ۳۶۔

❷ سنن نسائی کتاب العتیرۃ باب تفسیر العتیرۃ حدیث: ۴۲۳۰۔

❸ صحیح مسلم کتاب الحج باب فی الصدقۃ بلحوم الهدی وجلودها وجلالها حدیث: ۱۳۱۷۔

چند سوالات کے جوابات

سوال : جمعہ کا اکیلا روزہ رکھنا منع ہے۔اگر عرفہ کا دن ہی جمعہ کو آ جائے۔تو کیا پھر صرف اکیلا جمعہ کا روزہ رکھ سکتا ہے عرفہ کے دن کی حیثیت سے؟

جواب : یہ بات صحیح ہے کہ اکیلا جمعہ کا روزہ رکھنا منع ہے۔صحیح بخاری میں آتا ہے ام المؤمنین جویریہ رضی اللہ عنہا نے جمعہ کا روزہ رکھا ہوا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا جمعرات کا روزہ رکھا تھا۔تو انہوں نے کہا میں نے جمعرات کا روزہ نہیں رکھا تھا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا کل ہفتے کا روزہ رکھنے کا ارادہ ہے وہ کہنے لگی نہیں۔ہفتے کا روزہ رکھنے کا میرا کوئی ارادہ نہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو روزہ کھول دے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ کھلا دیا۔

پتہ چلا کہ اکیلا جمعہ کا روزہ رکھنا درست نہیں۔ہاں ساتھ جمعرات کا رکھ لے یا ہفتے کا ساتھ رکھ لے تو یہ ٹھیک ہے۔عرفے کا روزہ یعنی (۹ ذوالحج) کا روزہ جو جمعہ کے دن آ جائے تو یہ عرفہ کے روزہ کی نیت کر کے رکھ رہا ہے جمعہ کا روزہ نہیں رکھ رہا یہ ٹھیک ہے رکھ سکتا ہے وہ تو ویسے اتفاقاً عرفہ کا دن جمعہ کو آ گیا ہے۔اگر عرفہ کا روزہ بدھ کو آ جاتا تو پھر بھی اس نے رکھنا تھا عرفہ کے روزہ کی نیت کر کے۔وہ اتوار کو آ جاتا اس نے پھر بھی رکھنا تھا تو یہ جمعہ کو آ گیا ہے۔اس کی حیثیت دوسرے اعتبار سے بدل گئی ہے یہ اب عرفہ کا روزہ رکھ رہا ہے نیت یہ کرے کہ میں صرف عرفے کا روزہ رکھ رہا ہوں۔یہ ٹھیک ہے اگر جمعہ کی نیت کر کے رکھے گا تو یہ ٹھیک نہیں کیونکہ یہ صرف جمعہ کا روزہ رکھ رہا ہے۔اب یہ تو عرفہ کے روزے کی نیت کر

کے رکھ رہا ہے جمعہ کا نہیں رکھ رہا۔

سوال : ایام التشریق کون کون سے ہیں ؟

جواب : وہ تو بتا دیئے ہیں گیارہ بارہ تیرہ ذوالحجہ یہ ایام التشریق ہیں۔

﴿وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ﴾

''یہ ایام معدودات ایام تشریق ہیں۔''

سوال : سوال یہ ہے کہ ایک آدمی سوموار اور جمعرات کا روزہ رکھتا ہے۔اس کا معمول ہے تو کیا اگر سوموار اور جمعرات کو ایام تشریق آ جائیں تو سوموار اور جمعرات کے روزے کی نیت کر کے روزہ رکھ سکتا ہے یا نہیں ؟

جواب : نہیں ایام تشریق میں یہ روزہ نہیں رکھ سکتا۔کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ایام تشریق اور عید کے دن روزہ رکھنے سے منع فرما دیا ہے۔

نو ذوالحجہ عرفہ کے دن کے روزے کی حیثیت اور ہے۔سوموار اور جمعرات کے روزہ کی حیثیت اور ہے یہ بات آدمی کو ذہن میں رکھنی چاہیے۔پھر جمعہ کے روزے کی حیثیت اور ہے۔اور ایام تشریق اور عیدین کے روزے کی حیثیت اور ہر آدمی کو چاہیے کہ ان باتوں پر خوب کرے غور :یوں ہی نہ گزر جائے کہیں دنیا کا دور۔

سوال :اگر کسی کے پاس پہلے دن قربانی کا جانور موجود نہیں۔تو کیا وہ دوسرے تیسرے دن قربانی کر سکتا ہے؟

جواب : یہ مسئلہ تو پہلے بیان ہو چکا ہے کہ کر سکتا ہے۔پہلے دن جانور مل گیا ہے تب بھی کر سکتا ہے نہیں ملا تب بھی کر سکتا ہے البتہ پہلے دن قربانی کرنا افضل ہے۔ ملنے اور نہ ملنے کا امتیاز کوئی نہیں پہلے دن بھی کر سکتا ہے دوسرے دن بھی کر سکتا ہے تیسرے اور چوتھے دن بھی کر سکتا ہے۔

سوال : کیا قربانی نہ کرنے والا حجامت نہ بنوائے۔یہ حدیث ابو داؤد میں آتی ہے۔امام ابو داؤد کے سامنے یہ حدیث سنائی گئی۔تو وہ خاموش رہے۔اور یہ

قاعدہ ہے کہ صاحب کتاب اگر خاموش رہے تو وہ حدیث صحیح ہوتی ہے؟

جواب: یہ حدیث ابو داؤد میں کوئی نہیں کہ قربانی نہ کرنے والا حجامت نہ بنوائے۔ صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ رَأٰی هِلَالَ ذِی الْحِجَّةِ وَاَرَادَ اَنْ يُّضَحِّیَ فَلَا يَاْخُذْ مِنْ شَعْرِهٖ وَلَا مِنْ اَظْفَارِهٖ ۔»

''جو کوئی ذی الحجہ کا چاند دیکھتا ہے اور قربانی کا ارادہ رکھتا ہے وہ اپنے بال اور ناخن نہ کاٹے، حجامت نہ بنوائے''

یہ فرمان آپ کا صحیح مسلم میں ہے۔

قربانی کرنے والوں پر یہ پابندی ہے۔ قربانی نہ کرنے والوں کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پابندی نہیں لگائی۔

باقی رہی یہ بات کہ ابو داؤد میں کیا ہے۔ ابوداؤد میں یہ حدیث ہے۔

''کہ ایک صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: میرے پاس قربانی کے لئے جانور نہیں صرف یہ ایک دودھ دینے والی بکری ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو فرمایا کہ آپ حجامت کروالیں ناخن کٹوالیں، مونچھیں کٹوالیں، زیر ناف بال صاف کرلیں یہ تیری پوری قربانی ہو جائے گی۔''

یہ ہے ابوداؤد میں۔ یہ ابوداؤد میں کوئی نہیں کہ پہلے دس دن وہ حجامت نہ بنوائے۔

سوال: **اگر عید کے پہلے نو دن اس نے حجامت بنوالی تو اب عید کے دن اس نے حجامت کیا بنوانی ہے۔ عید کے دن حجامت بنوانے سے یہ ثابت ہوا کہ پہلے نو دن وہ بھی حجامت نہ بنوائے۔ اس طرح کرکے یہ مسئلہ نکالا جاتا ہے؟**

جواب: لیکن یہ مسئلہ نکلتا نہیں کیونکہ اگر عید سے ایک دن بھی پہلے اس نے حجامت بنوالی ہے تو عید کی نماز کے بعد وہ حجامت بنوالے کیا حرج ہے اس میں؟ کیا گناہ

ہے؟روز نہیں آدمی حجامت بنواسکتا ؟عید سے ایک دن یا دو دن پہلے حجامت بنوا لی ہے تو اب عید کے دن بنوانے کی کیا ضرورت ہے ؟اس طرح کرنے سے عید کے پہلے نو دن حجامت نہ بنوانے کی بات نکلتی نہیں۔ایک مثال سے میں اس بات کو واضح کر دیتا ہوں۔

داڑھی منڈوانا یہ حجامت حرام ہے۔کیوں جی حرام ہے نا؟داڑھی منڈوانے والوں سے پوچھ لوکہ وہ روزانہ داڑھی منڈوا رہے ہیں۔کئی ایسے آپ کو ملیں گے۔حرام حجامت روز کر سکتے ہوں۔تو کیا حلال حجامت روز کرتے ہوئے گناہ ہے؟وہ روز کیوں نہیں کر سکتے ؟ اس لئے یہ مسئلہ اس بات سے نکلتا نہیں مسئلہ نکالنے والوں نے بڑی کوشش کی ہے لیکن نکلتا نہیں ہاں یہ مسئلہ اس حدیث سے نکلتا ہے کہ عید کی نماز پڑھ کر حجامت بنوالے۔تو قربانی کا ثواب مل جاتا ہے۔پہلے حجامت نہ بنوانے کا مسئلہ نہیں نکلتا۔جس نے قربانی نہیں کرنی۔وہ بے شک پہلے بھی حجامت بنوا لے البتہ عید کی نماز پڑھ کر داڑھی منڈوانا شروع کر دے یہ حرام ہے یہ نہیں کتروانی اور نہ منڈوانی ہے۔رسول اللہ ﷺ نے تو فرمایا ہے کہ داڑھیاں بڑھاؤ۔

سوال : کیا فوت شدہ کی طرف سے قربانی ہو جاتی ہے؟

جواب : خاص حدیث تو کوئی نہیں کہ فوت شدہ کی طرف سے قربانی ہو جاتی ہے۔ایک روایت پیش کی جاتی ہے کہ حنش رحمہ اللہ کہتے ہیں علی رضی اللہ عنہ دو جانور ذبح کرتے تھے۔میں نے پوچھا دو جانور ذبح کیوں کرتے ہو ؟ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایارسول اللہ ﷺ نے مجھے وصیت کی تھی کہ میں ایک جانور آپ ﷺ کی طرف سے ذبح کروں۔یہ حدیث پایہ ثبوت تک نہیں پہنچتی باتفاق محدثین یہ حدیث کمزور ہے ضعیف ہے۔

باقی ایک روایت صحیح مسلم کی پیش کی جاتی ہے۔کہ نبی ﷺ نے ایک جانور ذبح کیا تو کہا:

«اَللّٰھُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُحَمَّدٍ وَّمِنْ آلِ مُحَمَّدٍ وَمِنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ ﷺ»

تو امت محمد ﷺ میں سارے آ جاتے ہیں اس وقت تمام امت تو زندہ نہیں تھی کچھ فوت بھی ہو چکے تھے کچھ زندہ بھی تھے۔اس حدیث سے نکالتے ہیں۔لیکن اس حدیث سے نکلتا نہیں۔

اولاً: یہ کہ سب علماء کرام کا مسلک ہے کہ ایک جانور ایک آدمی کی طرف سے ہوتا ہے۔اور کچھ محققین کہتے ہیں ایک جانور ایک گھر کی طرف سے ہو جاتا ہے۔اس سے بڑھ کر کہ پوری امت کی طرف سے ایک جانور یہ تو کسی عالم کا مسلک ہی نہیں اگر نکلتا تو متقدمین علماء میں سے جو یہ کہتے ہیں کہ ایک جانور ایک آدمی کی طرف سے یا ایک گھر کی طرف سے قربان ہو سکتا ہے تو وہ یہ بھی کہتے کہ ایک جانور ساری امت کی طرف سے بھی کر لو۔اس لئے بات نکلتی نہیں۔

ثانیاً: دوسری بات یہ کہ رسول اللہ ﷺ یہ نہیں فرما رہے کہ یہ جانور جو میں کر رہا ہوں یہ میری طرف سے میری آل کی طرف سے میری امت کی طرف سے ہے۔یہ آپ ﷺ نے نہیں فرمایا بلکہ آپ ﷺ تو دعا کر رہے ہیں کہ اے اللہ میری بھی قبول کر میری آل کی بھی قبول کر اور ساری امت کی بھی قبول کر یہ تو آپ ﷺ دعا کر رہے ہیں۔جس طرح ہم یہاں بیٹھے ہوئے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ یا اللہ جو تیرے گھر گئے ہوئے ہیں حج عمرہ کرنے ان کا حج اور عمرہ قبول فرما۔تو کیا ہمارا حج ہو جائے گا؟ یہ تو دعا ہے نبی ﷺ نے قربانی کے موقع پر اپنے لئے دعا کی اور ساتھ دوسروں کے لئے بھی دعا کر دی ہے یا اللہ دوسروں کی بھی قبول فرما یہ تو اس میں نہیں آیا کہ دوسروں کی طرف سے بھی میں قربانی کر رہا ہوں۔یہ تو دعا ہے۔

«تَقَبَّلْ مِنْ مُحَمَّدٍ وَمِنْ آلِ مُحَمَّدٍ وَّ مِنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ ﷺ»

جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے مسند احمد وغیرہ میں آتی ہے۔اس میں یہ لفظ آتے ہیں۔

((هٰذَا عَمَّنْ لَّمْ يُضَحِّ مِنْ أُمَّتِي))

''یہ جانور میری امت میں سے ان کی طرف سے ہے جنہوں نے قربانی نہیں کی''

مگر یہ لفظ پایہء ثبوت تک نہیں پہنچتے۔پھر " عَمَّنْ لَّمْ يُضَحِّ مِنْ أُمَّتِي " سے خاص فوت شدہ اکیلے مراد نہیں فوت شدہ اور زندہ ملے جلے مراد ہیں۔خاص منفرد اکیلی میت کی طرف سے قربانی کرنے کی کوئی صحیح مرفوع حدیث ابھی تک مجھے نہیں ملی۔

ہاں میت کی طرف سے صدقہ کرنا درست ہے۔سعد رضی اللہ عنہ والی حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔صدقہ خواہ جانور کا ہے کر لے اس میں کوئی مضائقہ نہیں واللہ اعلم۔

((...... ❀❀❀ ......))

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

«إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَ نَسْتَعِيْنُهُ وَ نَسْتَغْفِرُهُ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَيِّاٰتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَ مَنْ يُضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَ رَسُوْلُهُ» [ﷺ] اما بعد......:

داڑھی

داڑھی کی لغوی تشریح:

عربی لغت میں داڑھی کے لئے لحیۃ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔''ل'' کے کسرہ سے۔بعض اہل علم (زمخشری) نے ''ل'' کے فتحہ سے بھی نقل کیا ہے۔لیکن فصیح ترین لغت ''ل'' کے کسرہ سے ہی ہے۔حتی کہ القاموس المحیط والے نے زیر کے علاوہ ''ل'' پر کوئی دوسری حرکت نقل ہی نہیں کی۔

اللّحیۃ بالکسر انہوں نے بیان کیا ہے۔اس کی جمع اہل علم نے لِحیٰ نقل کی ہے وقف کی صورت میں لِحیٰ اور وصل کی صورت میں لِحیً پڑھا جائے گا۔

لغت دانوں نے اس کی ایک اور جمع بھی نقل کی ہے۔لُحیٰ ''ل'' کے پیش کے ساتھ۔ لُحی ہو یا لِحی بہر حال یہ لحیۃٌ کی جمع ہے۔اس کا معنی عربی لغت والے فارسی لغت والے اردو لغت والے یہ کرتے ہیں:

"شَعَرُ الْخَدَّيْنِ وَالذَّقْنِ." ❶

''رخسار اور ٹھوڑی پر جو بال اگتے ہیں''

ان کو لحیہ داڑھی کہا جاتا ہے۔یہ اس کی پکی ٹھوس اور محکم حقیقت ہے جو اہل لغت نے بیان فرمائی ہے۔کچھ لوگوں نے اپنی طرف سے اجتہاد کر کے (لفظ اجتہاد کا

❶ لسان العرب جلد ۱۵ صفحہ : ۲۵۳، تاج العروس جلد ۱۰ صفحہ : ۳۲۳، فتح الباری جلد ۱۰ صفحہ : ۴۲۹۔

تو نہیں بولنا چاہیے) بلکہ دماغ میں ایک بات پیدا کر کے اس کا پرچار شروع کر دیا ہے کہ لحیہ لفظ لَحْیٌ سے بنا ہے اور لَحْیٌ کہتے ہیں جبڑے کو۔ دو جبڑے ہیں ایک نیچے والا اور ایک اوپر والا۔

جبڑے کے لئے دوسرا لفظ عربی زبان میں فک استعمال ہوتا ہے عربی محاورہ ہے

"كل حيوان يحرك فَكَّهُ الأسفل عند المضغ الا التمساح"

''حیوان کھاتے وقت چباتے وقت نیچے والے جبڑے کو حرکت دیتے ہیں۔ ماسوائے مگرمچھ کے''

یہ کھاتے وقت چباتے وقت اوپر والے جبڑے کو حرکت دیتا ہے۔

لحی کا معنی جبڑا ہے۔ اس سے یہ لفظ لحیہ بنا ہے۔ لہٰذا جبڑوں کے اوپر جو بال ہیں ان کو داڑھی کہا جاتا ہے۔

یہ بات بے بنیاد ہے اور غلط ہے۔ کیونکہ واضع نے جو لفظ وضع کیا ہے اور لغت دانوں نے اس کی جو تشریح کی ہے اس کے خلاف ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ لَحْی کا لفظ جبڑے پر بولا جاتا ہے لیکن لحیۃ کا لفظ الگ ہے۔

بسا اوقات لفظ ایک ہی ہوتا ہے۔ زیر زبر سے اس کے معنی میں فرق پڑ جاتا ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ زیر زبر سے معنی میں فرق پڑ گیا تو اب تمام لفظوں کو ایک معنی پر لگاتے جاؤ۔

اس کی مثال اس طرح سمجھ لو کہ ایک لفظ حَب ہے اور ایک لفظ حُب ہے اور ایک حِب ہے۔ ان میں زیر زبر کا فرق ہے۔ ہیں یہ تینوں ح ب ہی۔ لیکن حُب کا معنی محبت ہے اور حَب کا معنی دانے ہے۔ اب کوئی محبت اور دانوں میں مناسبت قائم کرنے لگ جائے اور یہ کہنا شروع کر دے کہ جی مادہ دونوں کا ایک ہی ہے تو یہ تکلف ہی ہوگا کیونکہ دانے تمام محبوب ہی تو نہیں ہوتے کئی دانے مبغوض بھی ہوتے ہیں۔ انسان کی طبیعت ہی نہیں چاہتی ان کو کھانے پر ان پر بھی تو لفظ حَب کا بولا جاتا ہے۔

اس واسطے یہ خواہ مخواہ کا تکلف ہے۔اس تکلف کا سبب کیا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ کچھ لوگوں کا ذہن ہے کہ اوپر سے بھی داڑھی منڈ وا سکتے ہیں اور رخسار صاف کروا سکتے ہیں اور نیچے سے بھی صاف کروا سکتے ہیں۔داڑھی صرف اتنی ہے جتنی جبڑے کی ہڈی ہے صرف اتنی لکیری سی داڑھی ہے۔

کئی داڑھی والے آپ نے اس طرح کے دیکھے بھی ہوں گے۔انہوں نے صرف ایک لکیری سی بنوائی ہوتی ہے اور کئی لوگوں نے اوپر سے کٹائی ہوتی ہے اور نیچے پوری ہوتی ہے۔اللہ تعالی ان کو ہدایت عطا فرمائے ان کی یہ بات بنتی نہیں۔

بہر حال میں یہ عرض کر رہا تھا۔لحیہ کا لفظ رخسار اور ٹھوڑی پر جو بال اگتے ہیں ان پر بولا جاتا ہے۔

داڑھی رکھنا فرض ہے:

رسول کریم ﷺ کا حکم ہے صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں موجود ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

« قَصُّوا الشَّوَارِبَ وَأَعْفُوا اللُّحیٰ »......''مونچھیں کٹواؤ اور داڑھیاں بڑھاؤ''

رسول اللہ ﷺ نے اعفوا اللِحٰی کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔داڑھیوں کو بڑھاؤ۔'' أعفى يُعفي اعفاء ''

بہت سارے لغت دانوں نے اس کی یہ تفسیر کی ہے کہ داڑھی کو اپنی حالت پر چھوڑ دو اور اکثر نے اس کی تفسیر یہ کی ہے :'' داڑھی کو کثیر اور گھنی بناؤ اور کئی لوگوں نے اس کی تفسیر یہ کی ہے کہ اس کو لمبا کرو۔''

دوسرا لفظ رسول اللہ ﷺ نے « وَفِّرُوا » کا استعمال فرمایا ہے۔بعض روایات میں آپ ﷺ کے لفظ ہیں:

« وَفِّرُوا اللُّحیٰ۔» [1]

''داڑھیوں کو وافر کرو''

[1] صحيح البخاری کتاب اللباس باب تقليم الأظفار جلد ٢ صفحه : ٨٧٥۔

وافر تبھی بنیں گی جب وہ لمبی ہوں گی زیادہ ہوں گی بڑھیں گی۔

تیسرا لفظ رسول اللہ ﷺ نے استعمال کیا ہے:

«أَوْفُوا اللِّحَىٰ۔» ❶

أوفیٰ یُوفی ایفاء وافی بنانا ''داڑھیوں کو وافی بناؤ''

وافی کا معنی اعفوا اور وفروا کے ساتھ ملتا جلتا ہے۔ کثیر کرو، بڑھاؤ۔

چوتھا لفظ رسول اللہ ﷺ نے «أَرْخُوا اللِّحَىٰ» ❷ استعمال کیا ہے۔

''داڑھیاں لٹکاؤ، لمبیاں کرو''

پردہ جب دروازے سے لٹکا دیا جاتا ہے اس وقت کہا جاتا ہے:

"أَرْخَى السِّتْرَ یا أَرْخَى السُّتُوْرَ"

پانچواں لفظ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کے مطابق آپ ﷺ نے استعمال فرمایا ہے:

«وَأَرْجُوا اللِّحَىٰ۔» ❸

أرجیٰ یُرجی ارجاء کا معنی بھی ارخاء ایفاء، اعفاء اور توفیر سے ملتا جلتا ہے۔ تمام الفاظ کے معانی تقریبا قریب ہی ہیں۔ جن کا مفہوم امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بیان کیا ہے۔

"أُتْرُكُوْهَا عَلَى حَالِهَا" ❹

''کہ داڑھیوں کو اپنی حالت پر چھوڑ دو''

جس طرح آتی ہیں اسی طرح ان کو بڑھنے دو۔ چھیڑ چھاڑ ان سے نہیں کرنی۔ دوسرے الفاظ میں مطلب یہ ہے کہ نہ داڑھی کے بال کاٹنے ہیں نہ داڑھی کے بال مونڈنے اور منڈوانے ہیں اور نہ اکھیڑنے ہیں۔ اپنی حالت پر ان کو رہنے دو۔

❶ صحیح مسلم کتاب الطهارة باب خصال الفطرة جلد ۱ صفحه : ۱۲۹،

❷ صحیح مسلم کتاب الطهارة باب خصال الفطرة جلد ۱ صفحه : ۱۲۹۔

❸ شرح مسلم للنووی جلد ۱ صفحه : ۱۲۹۔

❹ شرح مسلم للنووی جلد ۱ صفحه : ۱۲۹۔

رسول اللہ ﷺ نے جو پانچ الفاظ استعمال کیے ہیں یہ اس چیز پر دلالت کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم ہے کہ مونچھیں کٹاؤ، داڑھیاں بڑھاؤ، ان کو اپنی حالت پر چھوڑ دو۔

اللہ تعالیٰ کا حکم اور رسول اللہ ﷺ کا حکم فرض ہوتا ہے:

رسول اللہ ﷺ جس چیز کا حکم دے دیں یا اللہ تعالیٰ کسی چیز کا حکم دے دیں وہ چیز فرض ہو جاتی ہے، واجب ہو جاتی ہے، اس پر عمل نہ کرنے کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ ہاں اگر کوئی دلیل یا قرینہ آ جائے جس سے گنجائش نکل رہی ہو پھر اس میں گنجائش ہوگی وہ چیز فرض اور واجب نہیں ہو گی اور اگر کوئی دلیل ایسی نہ ملے پھر حکم خواہ اللہ تعالیٰ کا ہے یا اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ﷺ کا ہے۔ وہ فرض ہی ہو گا۔

اس کی مثال اس طرح سمجھ لو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ ﴾ [1]

''نماز قائم کرو، زکوۃ ادا کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو''

یہ تینوں حکم ہیں اور گنجائش ان میں کہیں نہیں آئی کہ نماز قائم نہ کرو گے، یا زکوۃ ادا نہیں کرو گے، رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع نہیں کرو گے تو مجرم اور گناہ گار نہیں ہو گے ایسی دلیل کوئی نہیں۔ لہٰذا یہ تینوں چیزیں فرض ہیں۔ نماز قائم کر[illegible]، زکوۃ ادا کرنا اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرنا یہ تینوں چیزیں [illegible]۔

[illegible] تعالیٰ کا حکم اور رسول اللہ ﷺ کا حکم فرض ہوتا ہے۔ اس کی دلیل اللہ [illegible] کا فرمان ہے:

﴿ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ

[1] سورة البقرة آیت: ٤٣۔

لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا﴾ ❶

”کہ کسی ایمان والے اور کسی ایمان والی کے لئے گنجائش ہی نہیں، کوئی وجہ جواز ہی نہیں کہ اللہ تعالی اور اللہ تعالی کے پیغمبر کسی امر کا فیصلہ فرما دیں اور ان کے لئے کوئی اختیار ہو“

یعنی چاہیں تو تعمیل کریں چاہیں تو تعمیل نہ کریں یہ اختیار مومنوں کے لئے اس وقت ختم ہے جب اللہ کا حکم اور رسول اللہ ﷺ کا حکم آ جائے۔ اللہ تعالی نے مزید فرمایا:

﴿وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ﴾ ❷

”جو اللہ تعالی اور رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کرتا ہے“

﴿فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا﴾ ❸

”وہ کھلی ضلالت اور گمراہی میں مبتلا ہو گیا“

غور فرماؤ کہ اللہ اور رسول اللہ ﷺ کا حکم آ جائے اور اس میں نہ کرنے کی اگر گنجائش ہو تو پھر اس میں ضلالت اور گمراہی کیسے آئی؟ پھر اس کو گمراہی تو نہیں بننا چاہیے۔ جس کام کو کرنا گناہ نہیں آدمی وہ کرے تو وہ گمراہ تو نہیں ہوتا۔ جبکہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

﴿وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا﴾ ❹

پتہ یہی چلا کہ اللہ کا حکم اور رسول اللہ ﷺ کا حکم فرض اور واجب ہونے پر دلالت کرتا ہے نہ کرنے کی گنجائش ختم کر دیتا ہے۔

دوسرے مقام میں اللہ تعالی نے فرمایا ہے:

---

❶ سورۃ الأحزاب آیت: ۳۶۔

❷ سورۃ الأحزاب آیت: ۳۶۔

❸ سورۃ الأحزاب آیت: ۳۶۔

❹ سورۃ الأحزاب آیت: ۳۶۔

﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ ❶

''جو اللہ تعالیٰ یا اللہ کے پیغمبر محمد رسول اللہ ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں ان کو ڈرنا چاہیے کہ کہیں ان پر کوئی عذاب آ جائے۔ کسی فتنے کا شکار ہو جائیں، یا کوئی دردناک عذاب ہی ان پر مسلط ہو جائے''

پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کرنا فتنے اور عذاب کو دعوت دینے کے مترادف ہے اور جب خلاف ورزی میں فتنہ اور عذاب الیم آ جائے تو پھر گنجائش کیسے رہی؟ اگر گنجائش ہو تو پھر فتنہ تو نہیں آنا چاہیے، عذاب الیم تو مسلط نہیں ہونا چاہیے؟

اس مطلوب کے دلائل قرآن مجید اور رسول اللہ ﷺ کی احادیث میں تو بہت زیادہ ہیں چند ایک ذکر کروں گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَ مَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا﴾ ❷

''جو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کرتے ہیں ان کے لئے نار جہنم ہے''

اگر حکم کی خلاف ورزی کرنے کی گنجائش ہو تو پھر اللہ تعالیٰ نار جہنم کی وعید تو نہ سنائیں؟ ایک مقام میں فرمایا:

﴿وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا وَلَهُ عَذَابٌ مُهِينٌ﴾ ❸

''جو اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ﷺ کی نافرمانی کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی حدود کو پھلانگتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو آگ میں داخل کریں گے اور

---

❶ سورة النور آیت: ٦٣۔

❷ سورة الجن آیت: ٢٣۔

❸ سورة النساء آیت: ١٤۔

ان کے لئے ذلیل وخوار کرنے والا عذاب ہے"

غور فرماؤ: کیا اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے حکم پر عمل نہ کرنے کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے؟ نہیں۔ اگر گنجائش ہوتو پھر اللہ تعالیٰ یہ کیوں فرمائے کہ وہ جہنم رسید ہوگا اور یہ کیوں فرمائے کہ اس کے لئے ذلیل وخوار کرنے والا عذاب ہے۔

غور فرماؤ: ایک جگہ میں اللہ تعالیٰ نے آیت کے آخر میں فرمایا ہے:

﴿ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴾ ❶

"رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرو تاکہ تم ہدایت یافتہ ہو جاؤ"

اتباع کا حکم دیا ہے۔ اللہ کریم کے الفاظ پر غور فرماؤ۔ رسول اللہ ﷺ کا اتباع کرو تاکہ تم ہدایت یافتہ بنو۔ کیا سمجھے ہو؟ اگر رسول اللہ ﷺ کا اتباع نہیں کرے گا تو پھر وہ ہدایت یافتہ نہیں بنے گا۔ تو کیا بنے گا؟ گمراہ بنے گا۔ جیسا کہ دوسری آیت کریمہ میں بھی فرما دیا ہے:

﴿ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ﴾ ❷

ایک مقام میں اللہ تعالیٰ نے ان سے لوگوں ایمان کی ہی نفی فرمادی جو نبی کریم ﷺ کے فیصلے پر ظاہر اور باطن سے خوش نہیں ہوتے آپ کے فیصلے کو تسلیم نہیں کرتے۔ فرمایا:

﴿ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴾ ❸

"آپ کے رب کی قسم......"

اللہ تعالیٰ اپنے رب ہونے کی قسم اٹھا کر فرما رہے ہیں۔ قسم کے بغیر بھی بات فرما دے تو حق ہی ہے۔

---

❶ سورۃ الأعراف آیت: ۱۵۸۔

❷ سورۃ الأحزاب آیت: ۳٦۔

❸ سورۃ النساء آیت: ٦۵۔

﴿ وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيثًا ﴾ ❶

ایک مقام میں فرمایا:

﴿ وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيلًا ﴾ ❷

اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اپنے رب ہونے کی قسم اٹھائی کہ کسی قسم کی کوئی گنجائش ہی نہ رہے اور بات پکی ٹھوس اور محکم اور قول سدید بن جائے۔ پھر فرمایا:

''یہ لوگ ایمان والے بن ہی نہیں سکتے۔ جب تک رسول کریم ﷺ کا حکم تسلیم نہ کر لیں۔ اپنے مابہ النزاع میں رسول کریم ﷺ کو حکم تسلیم کریں تو پھر ایمان والے ہیں اور اگر حکم تسلیم نہ کریں تو پھر یہ ایمان والے ہی نہیں''

اگر یہ حکم تسلیم کریں بش اور ٹونی بلیئر، مارکس انجلز لینن کو تو پھر کیا یہ ایمان والے ہیں؟

اگر حاکم تسلیم کریں کثرت رائے کو، نبی کریم ﷺ کو سرے سے حاکم تسلیم ہی نہیں کریں گے۔ تو ایمان والے کیسے رہیں گے؟ قومی اور اجتماعی حالت پر بھی غور فرمالو کیا حالت بنی ہوئی ہے ہماری؟ امریکہ اور برطانیہ کو حاکم تسلیم کر لینا گوارہ ہے لیکن نبی کریم ﷺ کو حاکم تسلیم کرنا گوارہ نہیں۔

ہماری حالت تو یہ بنی ہوئی ہے کہ مجھے داڑھی رکھنے کا نہ کہو کافروں اور غیر مسلموں کی مانتے جائیں گے لیکن نبی کریم ﷺ کی پرواہ ہی کوئی نہیں۔ کیا یہ ایمان ہے؟ قرآن مجید کی آیت کریمہ پر غور فرماؤ۔ میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا۔ قرآن مجید کی آیت ہے کہ نبی کریم ﷺ کو جب تک حاکم اور فیصل تسلیم نہ کر لیں تب تک یہ لوگ ایماندار نہیں۔ فیصلہ اللہ تعالیٰ کا بھی ہے، نبی ﷺ کا بھی فیصلہ ہے اور اسلامی کونسل کا بھی فیصلہ ہے کہ سود حرام ہے اس کو ملک سے ختم کرو۔ اس کے باوجود اس فیصلے کو بدلنے کی کوشش کرنا اور ججوں کو ڈرانا دھمکانا کیا یہ ایمان ہے؟

---

❶ سورة النساء آیت : ۸۷۔

❷ سورة النساء آیت : ۱۲۲۔

غور فرماؤ اور سوچو! اللہ تعالیٰ فرمائیں کہ نبی ﷺ کو حاکم تسلیم کریں تو ایمان دار ہیں لیکن اب کسی سے بات کرو تو وہ یہی کہتا ہے میں مسلمان ہی ہوں، ملک میں اسلام ہی چل رہا ہے، کفر کہاں ہے، باتیں ایسی کریں گے لیکن اصل صورتحال آپ جانتے ہی ہیں کہ یہ کتنے مسلمان ہیں۔ نبی ﷺ کو حاکم تسلیم کرلیں پھر بھی ایماندار نہیں بنتے آگے مزید شرط ہے وہ یہ کہ رسول کریم ﷺ فیصلہ فرمائیں اور یہ دل و جان سے تسلیم کریں اور ظاہر میں بھی تسلیم کریں کسی قسم کی تنگی محسوس نہ کریں اور باطن میں بھی نبی کریم ﷺ کے فیصلے کو تسلیم کرلیں، خوش ہو جائیں پھر یہ ایمان والے ہیں۔

اور اگر یہ بادل ناخواستہ کہہ دیں کہ جی ہم نے مان لیا ہے لیکن ماتھے پر ایک بل آرہا ہے اور ایک بل جا رہا ہے اور رنگ متغیر ہو رہا ہے اور دل ودماغ کی کیفیت ہی دیگر گوں ہوگئی ہے اور اندر سے گھبرا گیا ہے یہ بھی ایمان والا کوئی نہیں۔ کیونکہ یہ نبی ﷺ کے فیصلے پر خوش نہیں ہو رہا۔

ظاہر بات ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے فیصلے کو تسلیم ہی نہیں کر رہے ایماندار کیسے بنیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جتنے فیصلے ہیں جن میں آپ ﷺ نے گنجائش نہیں رہنے دی سب پر یہ آیت لگتی ہے۔ اس حکم کا تعلق معاملات سے ہے، یا عبادات سے ہے یا کسی اور چیز سے، جس چیز سے بھی ہے داڑھی والا حکم بھی اس میں داخل ہے۔ سب پر رسول اللہ ﷺ کا حکم لگتا ہے۔

صحیح بخاری میں ہے۔ [1] حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میرا اور ایک انصاری کا پانی کے معاملے میں جھگڑا ہوگیا۔ میری زمین پہلے تھی۔ اس کی زمین میرے بعد آتی تھی۔ لہٰذا میں پہلے زمین کو پانی پلا دیتا تھا۔ وہ اس سے ناراض ہوگیا۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر اس نے شکایت کی۔ آپ ﷺ نے زبیر کو

---

[1] صحیح بخاری کتاب التفسیر باب قوله تعالی ﴿فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینهم﴾ جلد ۲ صفحہ : ٦٦٠۔

بلا لیا۔بات چیت سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

زبیر پہلے اپنی کھیتی پر پانی پھیر کر اس کی طرف رستہ کھول دیا کر۔رسول اللہ ﷺ کے اس فیصلے کو سن کر انصاری کہتا ہے:

((اِنْ کَانَ ابْنَ عَمَّتِکَ))

''کہ زبیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی کے بیٹے تھے''

یعنی آپ ﷺ کے فیصلے پر خوش نہ ہوا۔اگر خوش ہوتا تو یہ بات نہ کرتا۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلے میں انصاری کی رعایت رکھی ہوئی تھی۔لیکن اب رسول اللہ ﷺ نے انصاف کیا۔زبیر رضی اللہ عنہ کو اس کا پورا حق دیا۔ پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم صلح کی بات کرتے تھے۔اب آپ نے انصاف کی بات کی۔آپ ﷺ نے فرمایا:

زبیر کھیتی کو خوب سیر ہو کر منڈیروں تک پانی پلا پھر آگے پانی چھوڑ کیونکہ زبیر کی زمین پہلے آتی تھی اس لئے اس نے پانی پہلے ہی پلانا تھا۔زبیر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالی نے اس موقعہ پر یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ فَلاَ وَرَبِّکَ لاَ یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ ثُمَّ لاَ یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ﴾ [1]

انصاری صحابی کی آنکھیں کھل گئیں کہ مجھے یہ بات نہیں کہنی چاہیے تھی۔ جب تک انسان نبی کریم ﷺ کے فیصلے پر ظاہر و باطن سے خوش نہ ہو جائے تب تک ایمان والا بنتا ہی نہیں۔اب آگے آپ خود ہی اندازہ لگالیں ہم کس حالت میں جا رہے ہیں،ہمارا اسلام ہمارا قرآن ہماری حدیث ہم سے کس چیز کا تقاضا کرتے ہیں؟

میں گزارش یہ کر رہا تھا کہ حکم اللہ تعالی کا ہو یا حکم رسول اللہ ﷺ کا ہو، کتاب وسنت میں اس کی گنجائش نہ ہو تو اس پر عمل کرنا ضروری ہے،فرض ہے،

[1] سورۃ النساء آیت: ٦٥۔

واجب ہے، اس پر عمل نہ کرنا حرام ہے، نافرمانی ہے، ترک فرض ہے گناہ ہے۔
اب آپ غور فرمائیں کہ جو مسئلہ اس وقت زیر بحث ہے۔(داڑھی) اس کا حکم تو رسول اللہ ﷺ نے دے دیا ہے۔ کہ اس کو بڑھاؤ:

((أعفوا اللحیٰ۔)) ❶

''اور گنجائش اس میں کہیں آئی ہی نہیں۔''

داڑھی کی فرضیت پر لکھی ہوئیں چند کتابیں:

بہت سارے اہل علم نے یہ لکھا ہے کہ داڑھی کے حکم میں کہیں بھی گنجائش نہیں۔ جس میں امام نووی رحمہ اللہ، امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ شامل ہیں۔ علامہ محمد حیات سندھی رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی بہت پائے کے محدث اور عالم تھے)محمد بن عبد الوھاب مدنی رحمۃ اللہ علیہ، جن کی کتاب التوحید ہے اور جن کے ہاتھ سے تمام سعودی عرب کی اصلاح اللہ تعالی نے کی ہے ،علامہ سندھی ان کے شیخ اور استاذ تھے،انہوں نے اس موضوع میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے۔جس کا نام ہے" اعفاء اللحی" بہت ہی بہترین رسالہ ہے۔جس کو مل جائے وہ ضرور اس کا مطالعہ کرے۔

اس رسالہ کا حاشیہ ہمارے شیخ اور استاذ سید بدیع الدین راشدی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔ اس کا نام "ایفاء اللحی" ہے اصل کتاب کا نام " اعفاء اللحی" ہے یہ بھی بہترین اور معلوماتی فوائد پر مشتمل ہے کسی کو ملے تو وہ اس کا بھی مطالعہ کرے۔ یہ دونوں عربی زبان میں ہیں۔

شیخ بدیع الدین راشدی صاحب رحمہ اللہ کی داڑھی کے موضوع پر اردو زبان میں بھی ایک کتاب ہے بڑی بہترین کتاب ہے۔سیالکوٹ سالانہ کانفرس میں شیخ راشدی صاحب کا خطاب تھا، بڑا پر مغز اور جامع خطاب تھا۔دوستوں نے اس کو رسالے اور کتاب کی شکل میں شائع کر دیا ہے، قابل دید اور قابل مطالعہ رسالہ ہے۔

❶ صحیح البخاری کتاب اللباس باب اعفاء اللحیٰ جلد ۲ صفحہ : ۸۷۵ وصحیح مسلم کتاب الطھارۃ باب خصال الفطرۃ جلد ۱ صفحہ : ۱۲۹۔

بہرحال یہ علماء کرام اور دیگر علماء کرام فرماتے ہیں کہ قرینہ اور دلیل ایسی کوئی نہیں جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہو۔کہ آدمی داڑھی نہ بھی رکھے ،منڈوالے یا کٹوالے تو خیر ہے ،وہ مجرم اور گناہگار نہیں بنے گا،ایسی کوئی دلیل نہیں۔

کٹوائے گا یا منڈوائے گا تو تارک فرض ہو گا،اللہ تعالی اور اللہ تعالی کے پیغمبر ﷺ کا نافرمان ہو گا ،مجرم ہو گا ،گناہگار ہوگا،کیونکہ فرض کو اس نے ترک کر دیا ہے ،اب مجرم ہے اور گناہگار ہے۔

داڑھی منڈوانے اور کٹوانے والوں کے دلائل اور ان کارد:

داڑھی کٹوانے پر یا منڈوانے پر کوئی دلیل نہیں لیکن کچھ لوگوں نے دلیلیں بنانے کی کوشش کی ہے۔ایک دلیل انہوں نے یہ بنائی ہے کہ ترمذی شریف میں روایت ہے:

«كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ يَأْخُذُ مِنْ طُولِهَا وَعَرْضِهَا» [1]

''رسول اللہ داڑھی مبارک کو لمبائی اور چوڑائی سے لیتے تھے،کترتے تھے''

یہ روایت پیش کی جاتی ہے لیکن جہاں یہ روایت آتی ہے وہاں روایت کے متعلق محدثین کا فیصلہ بھی موجود ہے۔روایت پیش کرنے والے وہ فیصلہ نہ سنائیں اور روایت سنا جائیں کیا یہ انصاف ہے؟ یا کیا یہ دین کی خدمت ہے ؟

ذرا غور فرماؤ: یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ کسی اور شیء کی خدمت ہے لیکن دین کی خدمت نہیں اور نہ علم کی خدمت ہے۔ترمذی شریف میں ہی لکھا ہے :امام ترمذی اپنے شیخ اور استاذ، رئیس المحدثین، سید الفقہاء ،امیر المؤمنین فی الحدیث کا فیصلہ نقل فرماتے ہیں:

"سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ إِسْمَاعِيلَ" [2]

---

[1] جامع الترمذی =ابواب الاستیذان باب ما جآء فی الأخذ من اللحیة جلد ۲ صفحه : ۱۰۵۔

[2] جامع الترمذی= ابواب الاستیذان باب ما جآء فی الأخذ من اللحیة جلد ۲ صفحه : ۱۰۵۔

''فرماتے ہیں میں نے امام بخاری رحمہ اللہ سے سنا''

وہ فرماتے تھے کہ عمر بن ہارون جو اس روایت کی سند میں ایک راوی ہے جو مقارب الحدیث ہے اس کی روایات سے اس روایت کے علاوہ کوئی بے اصل یا تفرد والی روایت میں نہیں پہنچا تا۔حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے منکر کے لفظ نقل فرمائے ہیں۔ ❶

اب منکر و بے اصل روایت کو آدمی پیش کرے اور یہ سمجھے کہ میں دین کی خدمت کر رہا ہوں اور مجھے ثواب اور اجر ملے گا۔یہ زبانی کلامی جمع خرچ ہے اور فقط خوش فہمی ہے۔اللہ تعالی کے سامنے جب پیش ہوں گے پھر سمجھ آجائے گی۔پتہ چل جائے گا کیا ہم کرتے رہے ہیں۔

لہذا یہ روایت منکر و بے اصل ہے۔عمر بن ہارون کے متعلق اہل علم فرماتے ہیں یہ راوی متروک ہے۔ ❷ متروک راوی کی حدیث انتہائی ضعیف اور کمزور ہوتی ہے وہ پیش ہو ہی نہیں سکتی۔لیکن دیکھ لو پیش کرنے والے پیش کرتے جاتے ہیں۔سبحان اللہ۔

بہر حال یہ روایت دلیل نہیں بنتی۔کچھ لوگوں نے داڑھی کے کٹانے پر ایک اور دلیل بنانے کی کوشش کی کہ یہ جائز ہے۔جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((كُنَّا نُعْفِيَ السِّبَالَ إِلَّا فِيْ حَجٍّ أَوْ عُمْرَةٍ۔)) ❸

''کہ ہم سبال کو بڑھاتے تھے حج اور عمرہ کے علاوہ''

سبال کے کئی معانی ہیں لیکن دلیل بنانے والوں نے اس کا معنی داڑھیاں کر لیا ہے حالانکہ سبال کا معنی مونچھیں بھی آجاتا ہے۔لیکن انہوں نے دلیل بنانی ہے۔وہ اس کا ترجمہ داڑھی کریں تو دلیل بنے گی۔

---

❶ فتح الباری جلد ۱۰ صفحہ ۳۵۰۔

❷ أنظر التفصیل فی میزان الاعتدال جلد ۳ صفحہ : ۲۲۸ والتهذیب جلد ٤ صفحہ : ۳۰۳ وسلسلة الأحادیث الضعیفة جلد ۱ صفحہ ٤٥٦۔

❸ أبوداؤد کتاب الترجل باب فی أخذ الشارب جلد ۲ صفحہ ۲۲۱۔

اگر مونچھیں ترجمہ کریں پھر تو دلیل بنتی نہیں۔مونچھوں کے متعلق تو ویسے ہی رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے کہ ان کو کٹاؤ۔

یہ روایت پیش کرتے ہیں لیکن اس سے داڑھی کو کٹانے اور منڈوانے کی دلیل نکلتی نہیں۔دلیل نہ بننے کی دو وجہیں ہیں۔

پہلی وجہ:

پہلی وجہ تو یہ ہے کہ اس روایت میں جابر رضی اللہ عنہ سے نیچے راوی ابو زبیر محمد بن مسلم بن تدرس ہے اسمائے رجال کی کوئی کتاب یا اہل تدلیس پر جو کتابیں لکھیں گئیں ہیں وہ دیکھ لو۔ان میں اس کا نام آجائے گا کہ ابو زبیر مدلس راوی ہے۔ (1)

مدلس راوی (تدلیس کرنے والا) اس کے متعلق اصول اور ضابطہ یہ ہے کہ وہ سماع کی تصریح کر دے تو پھر اس کی روایت حجت ہے اور صحیح ہے اور اگر سماع کی تصریح نہ کریاورعن کا لفظ بولے یا قال کا لفظ بولے پھر اس کی روایت حجت اور دلیل نہیں بنتی۔وہ کمزور روایتوں کے زمرے میں چلی جاتی ہے۔

اس مقام میں بھی ابو زبیر عن سے بیان کر رہا ہے سماع کی تصریح نہیں کر رہا۔ اصول اور ضابطے کے مطابق یہ روایت صحیح نہیں اور نہ حسن پھر دلیل کیسے بنی۔یہ روایت ہی کمزور ہے اس واسطے یہ دلیل اور قرینہ نہیں بنتی۔

صحابیؓ کا قول اور صحابی کا اپنا عمل دین میں دلیل نہیں بنتا:

دوسری وجہ اس کے دلیل اور قرینہ نہ بننے کی یہ ہے کہ موقوف ہے۔رسول اللہ ﷺ کا نہ فرمان ہے ، نہ عمل ، نہ ہی تقریر اور تصویب ہے،مرفوع ہے ہی

---

(1) كما قال الحافظ ابن حجر صدوق الا أنه يدلس۔تقريب صفحه : ۳۱۸ وعده فى الطبقة الثالثة من المدلسين الذين لم يحتج الأئمة من احاديثهم الا بما صرحوا فيه بالسماع۔طبقات المدلسين لابن حجر صفحه ۱۳۔

نہیں۔صحابہ کا قول موقوف ہوتا ہے یہ دین میں حجت نہیں بنتا۔صحابی کا قول اور صحابی کا اپنا عمل دلیل نہیں بنتا۔صحابی رضی اللہ عنہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول وعمل اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویب تقریر بیان کریں تو وہ دلیل ہے صحابی رضی اللہ عنہ کا اپنا عمل اورقول دلیل نہیں۔

جب یہ دلیل نہیں تو پھر اس سے گنجائش کیسے ملی۔اللہ تعالی نے قرآن مجید میں فرمایا ہے:

﴿ اِتَّبِعُوْا مَا أُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهِ أَوْلِيَاءَ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴾ [1]

''جو کچھ رب تعالی کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اس کا اتباع کرو اور اس کے علاوہ اولیاء کا اتباع نہ کرو۔تم بہت ہی تھوڑی نصیحت حاصل کرتے ہو''

نصیحت حاصل کرو ﴿ما انزل الیکم من ربکم﴾ یہ حجت ہے یہ دلیل ہے۔ قرآن مجید ہو اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور حدیث ہو یہ دلیل ہیں۔موقوفات اور بزرگوں کے اقوال یہ دین میں دلیل نہیں بنتے۔

صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا مقام:

صحابی رضی اللہ عنہ کا مقام سمجھنے میں بھی لوگوں کو غلط فہمی ہو گئی ہے۔لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ معصوم ہوتے ہیں حالانکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم معصوم نہیں معصوم عن الخطا نہیں۔جب معصوم عن الخطا نہیں تو پھر دلیل کیسے بنے؟ بات سمجھ رہے ہو؟ہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کیا مقام ہے؟

ان کا مقام یہ ہے کہ ان کی خطائیں اللہ تعالی نے معاف کر دی ہیں۔یہ مقام ہے صحابہ کا۔فرمایا:

﴿ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ﴾ [2]

---

[1] سورة الأعراف آيت : ٣۔

[2] سورة آل عمران آيت : ١٥٢۔

آپ کو یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اللہ تعالی نے معاف کر دیا ہے۔قرآن مجید میں اللہ تعالی نے ان کو معاف کرنے کا اعلان کر دیا ہے۔اگر ان کی خطائیں ہیں ہی نہیں تو پھر معاف کیا گیا ہے؟غور فرماؤ:صحابہ کا یہ مقام نہیں کہ ان کی خطا ہی نہیں،ان سے خطا سرزد ہوتی ہی نہیں۔بلکہ ان کا مقام یہ ہے کہ ان کی خطائیں اللہ تعالی نے معاف کر دی ہے۔

﴿ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ﴾ ❶

جب یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿ لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ۝ وَيَنْصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا عَزِيزًا ﴾ ❷

اللہ تعالی نے آپ ﷺ کو فتح مبین عطا کر دی ہے۔(حدیبیہ کے مقام میں جو صلح ہوئی اس کو اللہ تعالی نے فتح مبین قرار دیا ہے)فرمایا:"یہ فتح مبین ہے کہ اللہ تعالی تمہاری پہلی اور بعد والی خطائیں اور لغزشیں معاف کر دیا ور آپ ﷺ کو صراط مستقیم پر چلا دے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبردست مدد کرے۔"

رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالی نے یہ تین انعامات عطا کر دیئے۔صحابہ کرام نے فرمایا یہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہیں۔ہمیں کیا ملا؟اللہ تعالی نے مزید آیتیں نازل فرما دیں:

﴿ لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَذَالِكَ عِنْدَ اللَّهِ فَوْزًا عَظِيمًا ﴾ ❸

"یہ فتح مبین اللہ تعالی نے آپ ﷺ کو عطا کی ہے تاکہ اللہ تعالی ایمان والے اور ایمان والیوں کو جنت میں داخل فرما دے جن کے نیچے دریا بہہ

❶ سورۃ آل عمران آیت : ۱۵۲۔
❷ سورۃ الفتح آیت : ۲،۳۔
❸ سورۃ الفتح آیت : ۵۔

رہے ہیں اور وہ ہمیشہ ان جنتوں میں رہیں گے اور ان کی خطائیں اللہ تعالیٰ مٹا دے۔''

پتہ چلا کہ صحابہ کرام کی سیئات اور خطائیں ہیں ورنہ ﴿ وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ ﴾ والی بات بنتی نہیں اور اللہ تعالیٰ کی کوئی بھی بات واقع کے خلاف ہوتی ہی نہیں۔خواہ وہ پچھلی بات کی خبر ہو یا آئندہ بات کی خبر ہو یا موجودہ کی خبر ہو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ وہ بات نفس الامر اور واقعہ کے خلاف ہو۔اللہ تعالیٰ نے حق فرمایا ہے اور سچ فرمایا ہے۔

﴿ وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ ﴾

سیئات اور خطائیں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی نہیں۔یہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا مقام ہے۔

آپ سنتے ہی رہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے کسی کا ہاتھ کاٹ دیا اور کسی کو کوڑے لگا دیئے اور کسی کو سنگ سار بھی کر دیا اور کسی کو چالیس کوڑے لگا دیئے۔کیا یہ نیکی کر کے آئے تھے؟ اس لئے آپ ﷺ ان کو یہ سزائیں دیتے تھے۔غور فرماؤ! کوئی غلطی اور خطا ہوتی تھی تو یہ سزا ملتی تھی میں اور آپ تو وہاں موجود ہی نہیں تھے۔لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ خطائیں ان کی معاف کردیں حد لگ گئی۔نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهُ وَطَهُورٌ۔)) ❶

اسلامی حد اور تعزیر جو خود آجائے یا جس پر ثابت ہو جائے اس پر لگا دی جائے وہ اس کے لئے گناہ کا کفارہ بن جاتی ہے اور اس کو گناہ سے پاک اور صاف کر دیتی ہے۔پھر غلطیاں تو ہوئی نا؟ بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے معاف کر دی ہیں۔

اب کوئی یہ کہہ دے کہ موضوع تو داڑھی تھا لیکن صحابہ کرام کی گستاخی ہو رہی

❶ صحيح البخاري كتاب الحدود باب توبة السارق جلد ١ صفحه ١٠٠٤۔

ہے۔نعوذ باللہ من ذلک۔سوچو کیا یہ گستاخی ہے؟یہ تو قرآن مجید کی آیتیں ہیں اور ان کا احترام ہے۔ہاں ان کو معصومیت کا درجہ دینا یہ ان کی گستاخی اور بے ادبی ہے جو ان میں ہے نہیں۔جو مقام ان کا ہے اس مقام کا اعتراف کرنا یہ تو ان کی تعظیم ہے، ان کا احترام ہے،ان کا ادب ہے۔بدری صحابہ کرام کے متعلق اللہ تعالی نے فرمایا:

((اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ قَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ۔)) ❶

''اے بدریو! جو چاہو عمل کر لو۔کیا یہ کم مقام ہے؟اس لئے کہ میں نے آپ کو بخش دیا ہے''

خطائیں بھی معاف ہو گئیں، بخشی گئیں اور آئندہ فوت ہونے تک جو آپ نے کرنی ہیں وہ بھی معاف۔((قد غفرت لکم)) یہ ہے صحابہ کرام کا مقام۔کہ ان کی خطائیں اور لغزشیں اللہ تعالی نے معاف کر دیں ہیں۔

صحابی کی بات یا عمل دین میں دلیل نہیں بنتا:

دلیل قرآن مجید کی آیت ہے رسول اللہ ﷺ کی حدیث اور سنت ہے۔اگر وہ ہوں تو پیش کرو۔جو اس حکم میں گنجائش نکالے۔لیکن گنجائش والی آیت اور حدیث کوئی نہیں۔

عبد اللہ بن عمرؓ کا عمل اور اس کا جواب:

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی جو روایت پیش کی جاتی ہے۔اس کا حل بھی جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں پیش ہو گیا ہے وہ بھی موقوف ہے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل ہے دین میں وہ دلیل نہیں بنتا۔صحابی چھوٹے سے چھوٹا ہو یا بڑے سے بڑا ہو وہ اللہ تعالی کا مقرب ہے اس کی خطائیں اور لغزشیں اللہ تعالی نے معاف کر دیں ہیں۔﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾ کا اعلان کر دیا ہے۔لیکن ان کی بات اور عمل دین میں دلیل نہیں بنے گا۔آپ غور کریں جن کتابوں میں شرعی دلائل چار بیان

❶ صحیح البخاری کتاب المغازی باب فضل من شهد بدرا جلد ۲ صفحه ۵٦۷۔

کئے گئے ہیں:

① کتاب اللہ ② سنت رسول (ﷺ)

③ قیاس ④ اجماع مجتہدین امت

"اِنَّ أُصُوْلَ الشَّرْعِ أَرْبَعَةٌ"

"شریعت کے اصول اور دلائل چار ہیں"

جو آپ نے سماعت فرمائے ہیں۔ صحابہ کرام کا قول اور عمل ان چار میں ذکر نہیں ہوا۔ اگر دلیل تھا تو پھر انہوں نے کیوں چھوڑا ہے۔

پتہ یہ چلا کہ یہ دلیل ہے ہی نہیں۔ اگر دلیل ہوتے تو شمار کرتے۔ قیاس اور اجماع علماء امت کو شمار کر لیا ہے لیکن صحابی کے قول وعمل کو شامل نہیں کیا۔ دلیل نہیں تھا تو اس لئے انہوں نے شمار نہیں کیا۔ علماء نے شریعت کے دلائل میں خلفاء راشدین کے قول وعمل کو بھی شامل نہیں کیا۔ جن کے متعلق حکم بھی تھا:

« عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ » ❶

شریعت میں دلیل رب تعالی کی طرف سے جو نازل کیا گیا ہے وہ ہے۔

﴿ اِتَّبِعُوْا مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ ﴾ ❷

خلفائے راشدین کو دلیل نہیں بنایا۔ دوسرے صحابی دلیل کیسے بن سکتے ہیں؟

ایک روایت پیش کی جاتی ہے:

« أَصْحَابِيْ كَالنُّجُوْمِ بِأَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُمْ اِهْتَدَيْتُمْ۔ » ❸

"میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں۔ جس کی بھی اقتداء کر لو گے ہدایت پا جاؤ گے۔"

---

❶ جامع الترمذی= کتاب الاحکام باب ما جاء فی القاضی کیف یقضی جلد:۱، ص:۲۴۷

❷ سورۃ الاعراف، آیت:۳

❸ رواہ رزین قال الألبانی ھذا الحدیث باطل مکنوب (سلسلة الأحادیث الضعیفة جلد ۱ صفحہ ۱۵۱۔

یہ روایت رسول اللہ ﷺ تک پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتی۔اس میں کذاب راوی موجود ہیں۔اس روایت کو موضوع سمجھو۔اگر موضوع نہیں تو ضعیف ترین ضرور ہے۔

پھر معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ والی روایت بھی پیش کی جاتی ہے کہ انہوں نے فرمایا تھا:

((أَجْتَهِدُ بِرَأْيِي۔)) ❶

''میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا''

یہ بھی پایہ ثبوت تک نہیں پہنچتی۔محدث زمان فقیہہ زمان شیخ البانی رحمہ اللہ سلسلہ ضعیفہ ❷ میں لکھتے ہیں۔معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ والی یہ روایت باطل ہے۔جب باطل ہے تو پھر کس طرح وہ قابل اعتماد ہے؟لہٰذا یہ موقوفات جتنے مرضی کوئی پیش کرے۔جی فلاں کا عمل ہے فلاں کا فتوی ہے یہ دلائل اور قرینہ نہیں بن سکتے۔

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی بات بھی دلیل نہیں:

دور نہ جاؤ۔عبد اللہ بن عمر تو عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ان کے والد گرامی عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ان کا مقام تو عبد اللہ اپنے بیٹے سے اونچا ہے۔عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا خاص مقام ہے۔کیا یہ مقام کم ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک مقام میں فرماتے ہیں:

''واہ بہت خوب اے ابن خطاب جس راستے اور گلی میں آپ جا رہے ہوں شیطان وہ راستہ اور گلی چھوڑ دیتا ہے''

کتنا مقام ہے؟خلفائے راشدین میں شامل بھی ہیں اور حکم بھی ہے:

((عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ۔)) ❸

---

❶ ترمذی ابواب الأحکام باب ما جآء فی القاضی کیف یقضی جلد ۱ صفحہ ۲۴۷۔

❷ سلسلة الأحاديث الضعيفة جلد ۲ صفحہ : ۲۷۳ حديث : ۸۸۱۔

❸ ابو داؤد كتاب السنة باب فی لزوم السنة جلد ۲ صفحہ : ۲۷۹ وترمذی کتاب العلم باب الأخذ بالسنة واجتناب البدعة جلد ۲ صفحہ ۹۶ وابن ماجة باب اتباع سنة الخلفاء الراشدين المهديين صفحہ ۵ ومسند احمد جلد ٤ صفحہ ۱۲۶۔

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہی فرماتے ہیں "حج کرتے وقت ساتھ عمرہ نہ کیا کرو اکٹھا حج اور عمرہ نہ کرو۔ حج کے دنوں میں صرف حج کرو اور عمرہ آگے پیچھے کیا کرو۔

تو کیا یہ بات دلیل بنتی ہے؟ یہ تو عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مقام میں بلند ہیں۔ کیا ان کی یہ بات دلیل بنتی ہے؟ دیکھ لو جو بھی حاجی جاتا ہے وہ حج کے ساتھ عمرہ کر کے آتا ہے حالانکہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ منع کر رہے ہیں ساتھ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بھی منع کر رہے ہیں وہ بھی حج کے دنوں میں عمرہ کرنے سے منع کرتے تھے۔ تو کیا پھر یہ دلیل بن گئی ہے؟ نہیں دلیل بنی۔

راوی کی روایت دلیل ہے راوی کا قول اور عمل دلیل نہیں :

پھر یہ بات بھی پیش کی جاتی ہے کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس مرفوع روایت کے راوی بھی ہیں جس میں ہے کہ داڑھیاں بڑھاؤ۔ اور ادھر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی تو راوی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے حج کے ساتھ عمرہ کرو صحیح بخاری میں ہے خود فرماتے ہیں حج کے ساتھ عمرہ کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور عمر بن خطاب نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں حج اور عمرہ اکٹھے کئے بھی ہیں۔ عینی شاہد بھی ہے اور راوی بھی ہے تو کیا پھر ان کی بات درست ہے؟ کیا ان کی بات حجت اور دلیل ہے؟ جبکہ ساتھ خلفائے راشدین میں داخل بھی ہیں اور حکم ہے سنت خلفائے راشدین کی اتباع کا۔ اب قرینہ اور دلیل بنانے والے کہاں گئے ہیں یہاں دلیل بنائیں نا۔ جبکہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ حج اور عمرہ اکٹھے کرنے والی روایت کے راوی بھی ہیں۔ بالکل بعینہ عبد اللہ بن عمر والی صورت ہے۔ کہ روایت کے راوی بھی ہیں اور عمل بھی اپنا ہے لیکن اس کے باوجود ابن خطاب کا قول دلیل نہیں۔

اس پر یہ بات کہی جاتی ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس بات سے رجوع کر لیا تھا۔ رجوع والی بات کا تو اللہ تعالیٰ کو ہی علم ہے۔ چند منٹ کے لئے اگر تسلیم بھی کر لیا جائے تو جتنی دیر تک انہوں نے رجوع نہیں کیا تھا سال یا آدھا سال یا

آدھا مہینہ، ایک دن ہی سمجھ لو کیا اتنی دیر تک دلیل تھا؟ دلیل تو اتنی دیر تک بھی نہیں تھا اور اس کو عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بھی دلیل نہیں سمجھتے تھے۔ دوسرے صحابی بھی دلیل نہیں سمجھتے تھے۔

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی بات کو ابن عمر بھی دلیل نہیں سمجھتے تھے:

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی بات جامع ترمذی میں موجود ہے۔ کسی نے ان سے پوچھا۔ کیا حج کے دنوں میں ایک ہی سفر میں حج اور عمرہ اکٹھا کر سکتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا ہاں کر سکتے ہیں اور دلیل پیش کی:

« تَمَتَّعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ وَتَمَتَّعْنَا »

''رسول اللہ ﷺ نے حج اور عمرہ دونوں ایک سفر میں اکٹھے کئے ہیں اور ہم بھی ایک ہی سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آئے اور حج عمرہ اکٹھے کئے ہیں''

اس آدمی نے سوال کیا آپ کے والد محترم عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اس سے منع کرتے ہیں ابھی انہوں رجوع نہیں کیا تھا۔ اگر رجوع کر لیا ہوتا پھر تو اس کی بات نہیں بنتی تھی عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جواب دیتے ہیں۔

« أَأَمْرُ أَبِي يُتَّبَعُ أَمْ أَمْرُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم » [1]

''میرے باپ کے حکم کا اتباع کیا جائے گا یا رسول اللہ ﷺ کے حکم کا اتباع کیا جائے گا؟''

ظاہر بات ہے رسول اللہ ﷺ کے حکم کا اتباع کیا جائے گا۔

اور اب وہ والی بات کہ راوی اپنی روایت کو خوب سمجھتا ہے وہ بات یہاں بھی تو تھی نا؟ عمر بن خطاب راوی بھی ہے اور روایت کو بھی خوب سمجھتے ہیں اور پھر منع بھی کر رہے ہیں اور ان ہی کے صاحبزادے فرما رہے ہیں کہ حکم میرے باپ کا نہیں چلے گا رسول اللہ ﷺ کا حکم چلے گا۔ اس لئے یہ سب حیلے بہانے ہیں دلیلیں

[1] ترمذی کتاب الحج باب ما جاء فی التمتع جلد ۱ صفحہ : ۱۶۹۔

نہیں۔ لہٰذا یہ ابن عمر رضی اللہ عنہ والا عمل بھی دلیل نہیں بنتا۔

دوسری مثال عمر رضی اللہ عنہ کی روایت اور عمرؓ کا فیصلہ:

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تین طلاقوں میں لوگوں کو اختیار ہوتا تھا یعنی تین طلاقیں ایک ہوتی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دو سال۔ [1]

عمر بن خطاب اس بات کے راوی ہیں۔ فرما رہے ہیں:

''لوگوں کے لئے گنجائش تھی اور پھر اپنی خلافت کے ابتدائی دو سال اس پر عمل بھی کرتے رہے ہیں۔ کیا اس سے مضبوط کوئی راوی ہو سکتا ہے؟ کہ اپنی روایت پر عمل کرتا بھی ہے اور کروا بھی رہا ہے دو سال تک۔ پھر بعد میں فرمایا: ''کیا تینوں ہی نہ ان پر نافذ کر دیں کہ یہ جلد بازی سے کام لیتے ہیں۔ لہٰذا ہم تینوں ہی ان پر نافذ کر دیتے ہیں''

اور پھر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے نافذ کر دیں۔ [2] کیا یہ بات ان کی دلیل ہے؟ جبکہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ صحابی بھی ہیں۔ خلفائے راشدین میں سے بھی ہیں۔ پھر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے والد محترم بھی ہیں کیا دلیل بنتے ہیں؟

جس مرضی اہلحدیث سے جا کر مسئلہ پوچھو کہ تین طلاقیں ایک ہی مجلس میں یک مشت دیں ہوئی ہوں، تینوں ہو جاتیں ہیں؟ تو تمام علماء یہی کہتے ہیں نہیں ایک ہی ہوگی۔ جبکہ ہمارے دوسرے بھائی ابن خطاب رضی اللہ عنہ کے اس قول سے فائدہ اٹھاتے ہوئے تینوں کے نافذ ہونے کا فتوی ہی دیتے ہیں۔ پھر کیوں نہیں تسلیم کرتے؟ جبکہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اس روایت کے راوی بھی ہیں۔ سوچو اور غور کرو۔ آخر انصاف بھی کچھ چیز ہے۔

---

[1] صحیح مسلم کتاب الطلاق باب طلاق الثلاث جلد ۱ صفحہ : ٤٧٧۔

[2] صحیح مسلم کتاب الطلاق باب طلاق الثلاث جلد ۱ صفحہ : ٤٧٨۔

أَنّٰی شِئْتُمْ میں ابن عمرؓ کی تفسیر کو کوئی بھی اہل علم تسلیم نہیں کرتا:

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا یہاں عمل داڑھی کو مٹھی سے کٹوانے کا ہے۔زبان سے بول کر تو انہوں نے نہیں فرمایا کہ میں حدیث کا معنی یہ لے رہا ہوں۔ ہمارا حسن ظن ہے صرف کہ انہوں نے حدیث کا مفہوم یہ سمجھا ہے۔ہم ان کے عمل سے ہی کشید کرتے ہیں کہ انہوں نے مٹھی سے کٹوانے کا مفہوم سمجھا ہے۔جبکہ اس آیت کی تفسیر ﴿ نِسَآءُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنّٰی شِئْتُمْ ﴾ [1] وہ بول کر بیان کرتے ہیں۔زبان سے تفسیر کرتے ہیں: "یأتیها فی [2] ۔[خاص تفسیر]

اہل علم سے کوئی بھی اس تفسیر کو نہیں تسلیم کرتا۔جبکہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس آیت کے راوی بھی ہیں اور تفسیر بول کر زبان سے کر رہے ہیں۔اہل علم پھر بھی تسلیم نہیں کرتے۔اب وہ بات کہاں گئی؟ کہ صحابی کا عمل اور قول دلیل ہوتا ہے۔یہاں بھی عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ہی ہیں جو داڑھی کو مٹھی سے کٹوا رہے ہیں۔ادھر ان کی بات کو تسلیم کیوں نہیں کرتے؟

یہاں یہ بات کہی جاتی ہے۔کہ ابن عمر نے ﴿انی شئتم﴾ کی تفسیر سے رجوع کر لیا تھا۔ٹھیک ہے انہوں نے رجوع کر لیا تھا تو جب تک انہوں نے رجوع نہیں کیا تھا کیا اتنی دیر تک دلیل تھا؟ سوچو اور غور کرو۔

لہٰذا صحابی کا قول اور عمل دلیل نہیں بنتا محدثین نے اصول بنا دیا ہے۔علوم الحدیث ابن صلاح میں،الباحث الحثیث ،تدریب الراوی ،الارشاد ،تقریب النواوی ،ارشاد الفحول اور ان کے علاوہ بھی اصول حدیث اور اصول فقہ کی کتابوں میں یہ ضابطہ اور قانون سکھایا ہے کہ راوی جو روایت بیان کرتا ہے اس کا قول عمل اور اس کی رائے اس کے خلاف ہے یا اس کے موافق ہے وہ دلیل نہیں

[1] سورۃ البقرۃ آیت : ۲۲۳۔

[2] صحیح بخاری کتاب التفسیر باب قوله تعالی ﴿نساء کم حرث لکم﴾ ج:۲ ص : ۶۴۹۔

بنے گی۔اس کے قول اور عمل کو لے کر یہ نہیں سمجھا جائے گا کہ روایت منسوخ ہوگئی ہے یا اس میں تاویل کی جائے گی بلکہ وہاں روایت کو ہی قبول کیا جائے گا۔

راوی کا قول،عمل اور رائے نہیں چلے گی خواہ موافق ہے یا مخالف ہے۔راوی کی روایت چلے گی بشرطیکہ پایۂ ثبوت تک پہنچ جائے۔بالخصوص اہلحدیث عام طور پر ان لوگوں کی تردید کرتے ہیں جو راوی کی روایت پر اس کا عمل یا قول پیش کریں۔ یہاں پتہ نہیں ان کو کیا ہوگیا ہے؟کوئی سمجھ نہیں آئی۔اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔بہر حال میں تو یہی عرض کروں گا کہ عدل وانصاف سے کام لو۔جو اصل دلائل ہیں کتاب وسنت کے ان کا انکار نہ کرو۔

تیسری مثال عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت اور عائشہ کا عمل:

اس کی ایک اور مثال بھی سماعت فرمالو۔ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ پہلے حضر کی نماز دو دو رکعتیں تھیں۔سفر کی دو دو رکعتیں مقرر کر دیں گئیں اور حضر کی نماز میں اضافہ کر دیا گیا۔ ❶ یہاں سے پتہ چلا کہ سفر کی نماز دو دو رکعتیں ہیں ماسوائے مغرب کی نماز کے وہ تین رکعتیں ہیں۔

یہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے اور عائشہ رضی اللہ عنہا کا عمل یہ تھا کہ وہ سفر میں چار رکعتیں پڑھتی تھیں۔اب راوی کی روایت لی جائے گی یا راوی کا عمل لیا جائے گا؟روایت ہی لی جائے گی۔ ❷

خاص طور پر وہ لوگ جن کا نظریہ ہے کہ اگر مسافر دو کی بجائے چار پڑھے تو مجرم اور گناہگار ہوگا۔وہ راوی کی روایت کو لیتے ہیں یا راوی کے عمل کو؟غور فرمائیں۔

ام المؤمنین اس حدیث کی راویہ ہے اور عمل ان کا اس کے برعکس ہے۔اب

❶ صحیح مسلم کتاب صلوۃ المسافرین وقصرھا باب فرضت الصلاۃ رکعتین جلد ۱ صفحہ : ۲٤۱ وصحیح البخاری ابواب تقصیر الصلوۃ باب یقصر اذا خرج من موضعہ جلد ۱ صفحہ : ۱٤۸

❷ ترمذی ابواب السفر باب التقصیر فی السفر جلد ۱ صفحہ : ۱۲۱ وصحیح مسلم کتاب صلوۃ المسافرین جلد ۱ صفحہ : ۲٤۱ وبخاری۔

کونسی چیز معتبر اور مستند ہے؟ روایت اور حدیث معتبر ہے۔

چوتھی مثال عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت اور عائشہ کا فیصلہ:

ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی فرما رہی ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

«اِنَّمَا الرَّضَاعَةُ مِنَ الْمُجَاعَةِ۔» [1]

''رضاعی رشتہ اس وقت قائم ہوتا ہے جب بچہ بھوک کی وجہ سے کسی عورت کا دودھ پیئے''

یعنی دودھ سے اس کی بھوک دور ہو کھانا ابھی اس نے شروع نہیں کیا۔ جب کھانا شروع کر دے پھر کھانے سے بھوک دور ہو جاتی ہے دودھ پھر قوت کے لئے پلایا جاتا ہے کہ بچے کی صحت اچھی ہو جائے گی۔

اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ بچہ بچپن میں دودھ پیئے گا تو رضاعی رشتہ ثابت ہوگا۔ اگر بڑا ہو کر پیئے گا تو رضاعی رشتہ ثابت نہیں ہوگا۔

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول تھا کہ بڑا بھی ہو جائے داڑھی مونچھ والا ہو جائے وہ اگر کسی عورت کا دودھ پی لے تو اس کا رضاعی بیٹا بن جائے گا۔ [2] کیا اب ان کی روایت لیں گے یا ان کا قول لیں گے؟

غور فرماؤ عائشہ رضی اللہ عنہا راویہ بھی ہیں اور اپنی روایت کو خوب سمجھتی بھی ہیں۔ اب پھر کیا خیال ہے؟ ان کا قول ان کی روایت پر مقدم کرو۔ کیوں نہیں کرتے؟ اسی لئے کہ اصول یہ ہے کہ روایت اور حدیث حجت بنے گی۔ راوی کا قول عمل اور رائے روایت کے مخالف ہو یا موافق ہو وہ دلیل اور حجت نہیں بنے گی۔ لیکن یہاں اصول اور ضابطہ بھی پس پشت پھینک دیا جاتا ہے کیا کیا جائے۔

---

[1] صحیح البخاری کتاب النکاح باب من قال لا رضاع بعد حولین جلد ۲ صفحہ : ۷٦٤ وصحیح مسلم کتاب الرضاع جلد ۱ صفحہ : ٤٧٠۔

[2] صحیح مسلم کتاب الرضاع جلد ۱ صفحہ : ٤٦٨۔

تو گزارش میں یہ کر رہا تھا کہ داڑھی کے حکم میں گنجائش کے جتنے بھی دلائل پیش کیے جاتے ہیں ان میں کوئی ایک بھی دلیل نہیں بنتا۔ رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے:

"داڑھیاں بڑھاؤ، ان کو اپنی حالت پر چھوڑ دو"

نہ خط اور نہ لفافہ اور نہ کٹانا اور نہ منڈوانا کوئی چیز بھی شریعت میں ثابت نہیں۔ یہ جرم اور گناہ ہے حرام ہے، معصیت اور فرض کا ترک ہے۔

امور عادیہ ہوں یا عبادیہ اللہ کے حکم اور رسول اللہ کے حکم کی تعمیل لازمی ہے:

پھر ایک بات یہ بتائی جاتی ہے کہ داڑھی رکھنا عادی عمل ہے عبادی نہیں دل چاہے تو داڑھی رکھ لو نہ چاہے تو نہ رکھو۔ نعوذ باللہ من ذلک توقع نہیں تھی کہ اہل علم سے ایسی باتیں سرزد ہوں جو کہ رسول اللہ ﷺ کے حکم کے خلاف ہی خلاف ہے۔

سن لو داڑھیاں رکھنا عادی امر نہیں ہے عبادی امر ہے۔ عادی کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ پہلے ہی اس کا رواج چلا آ رہا تھا اس واسطے لوگ رکھتے تھے اس لئے رسول اللہ ﷺ نے کہا کہ رکھ لو اس کے علاوہ کوئی بات نہیں ہے۔ یہ بات غلط ہے اللہ تعالی نے نبی کریم ﷺ کے حکم کا ذکر کیا ہے اپنے حکم کا بھی ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ اطاعت کرو۔ اطاعت کا حکم دیا ہے اور جو اطاعت نہ کریں ان کے متعلق فرمایا ہے وہ گمراہ ہیں، ہدایت یافتہ نہیں، ایمان والے نہیں، جہنمی اور دوزخی ہیں۔

اگر یہ عادی مسئلہ ہوتا تو پھر اللہ تعالی عادیوں کو اس سے مستثنی کرتے۔ کہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت عبادی امور میں ہے عادی امور میں نہیں۔ لیکن ایسی کوئی آیت اور حدیث نہیں ہے۔

اب آپ عرب کے معاشرے میں نظر دوڑا کر دیکھ لیں۔ عادی والی بات ہی

کوئی نہیں۔ بلکہ عادی والی بات بے بنیادی والی بات ہے۔ کیونکہ کئی لوگ کٹواتے ،کئی لوگ منڈواتے تھے ،کئی کترواتے تھے۔ اگر عادی ہوتی پھر ایک بھی داڑھی نہ منڈواتا۔ ❶

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں موجود ہے:

((أَعْفُوا اللِّحىٰ وَخَالِفُوا الْمُشْرِكِيْنَ۔))

''مونچھوں کو کٹاؤ، داڑھیاں بڑھاؤ اور مشرکین کی مخالفت کرو''

پتہ چلا کہ مشرک اس کے الٹ کام کرتے تھے۔

کہتے ہیں جمال الدین ساوی سے بات چلی ہے اور کئی کہتے ہیں فرقہ بندیاں سے یہ بات چلی ہے۔ یہ سب باتیں خواہ مخواہ ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کے دور میں کٹانے والے اور منڈوانے والے موجود تھے۔ صحیح مسلم ❷ کی ایک روایت میں الفاظ ہیں:

''مونچھیں کٹاؤ، داڑھیاں بڑھاؤ اور مشرکین اور مجوس کی مخالفت کرو۔''

پتہ چلا کہ مجوسیوں میں بھی داڑھیاں کٹانے والے مونچھیں بڑھانے والے تھے یہ گروہ بعد میں نہیں بلکہ اسی وقت سے یہ سلسلہ چلا آ رہا ہے۔

کئی لوگ یہ بات انگریز کے ذمے لگاتے ہیں کہ اس نے یہ طریقہ نکالا ہے اور کئی ہندوؤں کے ذمے لگا دیتے ہیں کہ ان میں یہ رواج تھا۔ جہاں بھی تھا ہے یہ غلط اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی ہے ،فرض کا ترک کرنا ہے، جرم ہے ،گناہ ہے ،حرام ہے۔ یہ جو بھی کوئی کرتا ہے یا نہیں کوئی کرتا رسول اللہ ﷺ نے داڑھی بڑھانے کا حکم دے دیا اس لئے عادی اور غیر عادی والی بات فضول اور خواہ مخواہ ہے۔

امور عادیہ ہوں یا امور عبادیہ ہوں اللہ کا حکم ہو ،رسول اللہ ﷺ کا حکم ہو،

---

❶ صحیح البخاری کتاب اللباس باب تقلیم الأظفار جلد ۲ صفحہ : ۸۷۵ وصحیح مسلم کتاب خصال الفطرۃ جلد ۱ صفحہ ۱۲۹۔

❷ کتاب الطهارة باب خصال الفطرۃ جلد ۱ صفحہ : ۱۲۹۔

اس کی تعمیل لازمی ہے۔ہاں خود اگر اللہ تعالی اور اللہ تعالی کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم گنجائش دے دیں تو پھر مسئلہ دوسرا ہے۔

خطرناک بات:

کچھ لوگوں نے یہ مسئلہ بنایا ہے کہ داڑھی رکھنا سنت ہے ، فرض نہیں۔عام لوگوں کا یہ ذہن ہے اس کو سنت سمجھتے ہیں۔یہ نظریہ بھی غلط ہے۔ داڑھی رکھنا بڑھانا سنت نہیں بلکہ فرض ہے،واجب ہے اور داڑھی کٹانا فرض اور واجب کی خلاف ورزی ہے، نافرمانی ہے ،حرام ہے اور گناہ ہے۔بات یہ بناتے ہیں کہ اللہ کا حکم اگر قرآن میں آجائے تو وہ فرض ہے۔اگر نبی کریم ﷺ کا حکم ہو تو وہ فرض نہیں۔یہ تقسیم انہوں نے کی ہے۔یہ تقسیم بہت خطرناک ہے۔

اچھے بھلے متقی پرہیز گار سمجھدار بھی یہ باتیں کرتے ہیں۔غور فرماؤ۔کہ اللہ تعالی کا حکم ہو تو فرض ہے اور رسول اللہ ﷺ کا حکم ہو تو وہ فرض نہیں وہ سنت ہے۔اس کا مطلب یہ نکلا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم اللہ کا حکم نہیں۔اللہ کا حکم نہیں تو اس لئے اس کا درجہ کم کیا ہے۔

اگر رسول اللہ ﷺ کے حکم کو اللہ تعالی کا حکم سمجھیں تو یہ بات کیوں کریں۔کہ اللہ کا حکم فرض اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم سنت۔اس بات سے پتہ چلتا ہے کہ ذہنی طور پر نبی کریم ﷺ کے حکم کو اللہ تعالی کا حکم نہیں سمجھتے۔

جبکہ یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت کا انکار ہے۔نبی کریم ﷺ کے اللہ کے رسول اور پیغمبر ہونے کا مطلب کیا ہے؟ کہ ان کا حکم اللہ کا حکم ہے۔جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول تسلیم کیا تو پھر ان کا حکم اللہ کا حکم تسلیم کرو اور اگر ان کا حکم اللہ کا حکم تسلیم نہیں کرنا پھر تو رسول اللہ ﷺ کی نبوت اور رسالت کا انکار ہو گیا دیکھو یہ جملہ کتنا خطرناک ہے۔پھر بڑے معصومانہ انداز میں چھوٹے اور بڑے اچھے بھلے دانا آدمی بھی یہ باتیں کرتے جا رہے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا حکم اللہ کا حکم ہے

دلائل:

﴿ مَنْ يُطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ ﴾ [1]

''جس نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی''

کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا حکم اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔فرمایا:

﴿ وَالنَّجْمِ إِذَا هَوٰى o مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى o وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى o إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ﴾ [2]

دین کے امور میں رسول اللہ ﷺ وحی کے بغیر بولتے نہیں اور جب وحی سے بولتے ہیں۔(تو حکم پھر کس کا ہوا۔) اللہ تعالیٰ ہی کا ہوا نا؟

﴿ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوْحٰى إِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ ﴾

ایک مقام میں فرمایا:

﴿ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوْحٰى إِلَيَّ ﴾ [3]

''میں صرف اور صرف وحی کی اتباع کرتا ہوں''

وحی کے علاوہ اور کسی چیز کا اتباع نہیں کرتا۔پھر رسول اللہ ﷺ کا حکم اور حدیث کیا ہے؟وحی ہے اور آپ اتباع صرف وحی کا ہی کرتے ہیں اور کسی چیز کا کرتے ہی نہیں اور جہاں وحی نہیں صرف آپ ﷺ کا قول یا عمل ہے اللہ تعالیٰ نے وہاں لقمہ دے دیا ہے۔اس واسطے یہ کہنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم اللہ کا حکم نہیں یہ بات بے بنیاد ہے۔یہ بات تو مکے کے کافر کہتے تھے:

﴿ أَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرَاهُ ﴾ [4]

---

1. سورة النساء آیت : ۸۰۔
2. سورة النجم آیت : ۱ الی ٤۔
3. سورة الأنعام آیت : ۵۰۔
4. سورة الأحقاف آیت : ۸۔

"یہ اپنے پاس سے بنا لیتے ہیں"

﴿إِنْ هَٰذَا إِلَّا إِفْكٌ افْتَرَاهُ وَأَعَانَهُ عَلَيْهِ قَوْمٌ آخَرُونَ﴾ ❶

اب جو یہ سمجھے کہ رسول اللہ ﷺ کا حکم اللہ کا حکم نہیں تو پھر بات انہیں والی ہی ہوئی نا؟ صرف لفظوں کا فرق ہے۔انہوں نے کہا اپنے پاس سے بناتا ہے اور انہوں نے بھی کہا کہ رسول اللہ ﷺ کا حکم اللہ کا حکم نہیں۔اپنے پاس سے بناتے ہیں نعوذ باللہ من ذالک کیا فرق رہا؟

فقہ کا قانون اور اصول بناتے بناتے دین ہی سے باہر نکل گئے۔کیا فائدہ رہا ایسے اصولوں کا۔لہٰذا سوچو اور غور کرو۔

کسی شاعر نے کہا:

يُحَلِّلُوْنَ بِزُعْمٍ مِنْهُمْ عَقَدَ
وَبِالَّذِيْ وَضَعُوْهُ زَادَتِ الْعُقَدُ

"اپنے زعم کے مطابق فنی اور اصولی قاعدے بنا رہے ہیں اور گتھیاں سلجھا رہے ہیں جبکہ ان قاعدوں سے گتھیاں اور پیچ بڑھ گئے ہیں پیچیدگی بڑھ گئی ہے"

اس سے زیادہ اور پیچیدگی کیا بڑھے کہ قاعدہ اور اصول بناتے بناتے دین ہی سے باہر نکل گئے ہیں۔

رسول کریم ﷺ کے حکم ہی کو اللہ تعالیٰ کا حکم نہ سمجھنا شروع کر دیا۔غور کرو حکم اللہ تعالیٰ کا ہو یا رسول کریم ﷺ کا حکم ہو وہ اللہ تعالیٰ کا ہی حکم ہے کیونکہ آپ وحی کے بغیر بولتے ہی نہیں۔دین نام ہی اس چیز کا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو۔ "الوضع الالٰھی" دین اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ چیزوں کا نام ہے دوسری چیزوں کا نام دین ہے ہی نہیں۔اس لئے یہ بات بے بنیاد ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا حکم اللہ کا حکم نہیں اور وہ فرض نہیں۔اللہ کا حکم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم فرض ہے خواہ وہ قرآن مجید میں آجائے یا نبی کریم ﷺ کی سنت میں آجائے۔اگر اس میں

❶ سورة الفرقان آیت : ٤۔

گنجائش نہیں تو وہ وجوب پر دلالت کرتا ہے۔

داڑھی کے بڑھانے کے حکم میں کوئی گنجائش والی دلیل نہیں ہے۔رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے اور حقیقت میں یہ اللہ تعالی کا حکم ہے۔اس کا رکھنا فرض واجب ہے، اس کا منڈوانا معصیت نافرمانی ہے جرم ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی حدیث میں معنوی تحریف:

پھر ایک اور بات بنائی جاتی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے "اعفوا" کا لفظ استعمال کیا ہے۔اعفوا عفا یعفو سے مشتق ہے۔عفا یعفو کا معنی ہوتا ہے مٹنا۔کسی نے شعر کہا:

عَفَتِ الدِّيَارُ ...... مَحلُّهَا فَمُقَامُهَا

"گھر مٹ گئے ہیں۔ان کا نام ونشان نہیں رہا"

یہاں عفت کا لفظ بولا ہے۔تو اعفوا کا مطلب ہے داڑھیاں مٹاؤ استغفر اللہ نعوذ باللہ دیکھو ان علماء دین کو۔کہ حوس نے کہاں تک پہنچا دیا ہے۔

اگر یہی مطلب تھا کہ داڑھی مٹاؤ۔تو پھر رسول اللہ ﷺ فرما دیتے:

((قُصُّوا الشَّوَارِبَ وَاللُّحیٰ))

درمیان میں اعفوا لانے کی ضرورت کیا تھی۔جبکہ آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا لہٰذا اعفوا کا ترجمہ مٹانا کرنا غلط ہے۔یہ دین کی تشریح نہیں یہ حدیث کی تحریف ہے۔اس کو تحریف کہتے ہیں۔

﴿ يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهِ ﴾ [1]

پھر فرمایا:

﴿ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِمَّا يَكْسِبُونَ ﴾ [2]

---

[1] سورة المائدة آيت : ۱۳۔

[2] سورة البقرة آيت : ۷۹۔

اہل اسلام نے بھی اہل کتاب والا کام شروع کر دیا ہے نعوذ باللہ من ذالک۔

آپ نبی کریم ﷺ کے الفاظ پہلے سماعت فرما چکے ہیں آپ نے اکیلا اعفوا ہی نہیں فرمایا۔ یہ وحی ہے من جانب اللہ ہے قیامت تک لوگوں کے جو سوالات تھے جو ان کے ذہن میں باتیں تھیں اللہ تعالیٰ کو معلوم ہیں ان کا لحاظ رکھ کر اللہ تعالیٰ نے کتاب وسنت کو نازل فرمایا ہے اور ہر ایک معترض اور ناقد کا ناطقہ بند کر کے رکھ دیا ہے۔ دیکھو اس بات کا ناطقہ کیسے بند کیا؟ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

«وَفِّرُوا اللُّحیٰ»

اب اعفوا کا معنی تو کر لیا مٹاؤ۔ تو وفروا کا کیا کرو گے؟ اس کا معنی مٹاؤ کیسے کرو گے۔ یہاں ان کا علم جواب دے جائے گا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَوْفُوا اللُّحیٰ»

اب أوفوا کا معنی کیا کرے گا۔ پھر فرمایا أَرْجُوْا پھر فرمایا أَرْخُوْا۔ ان الفاظ کے متعلق کیا کہے گا؟ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کا ناطقہ بند کر دیا ہے۔

ایک آدمی متنبی ہوا ہے اس نے نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ اس وقت کی حکومتیں اچھی تھیں آج کل کی حکومتیں نہیں تھیں کہ بے دین اور بے ایمانوں کی پشت پناہی اور دین والے اور ایمان والوں کو خود بھی اگلے جہاں پہنچا نا اور ایسا کرنے والوں کا خوب ساتھ بھی دینا کہ ان کو تہہ وتیغ کرو ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ وہ حکومتیں مسلمان تھیں اسلام کا درد ان میں تھا۔ ایک آدمی نے نبوت کا دعویٰ کر دیا حکومت نے اس کو بلا لیا۔ اس سے پوچھا کہ تیرے نبی ہونے کی کیا دلیل ہے۔ جبکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے میں خاتم النبیین ہوں «لا نبی بعدی»[1] وہ بدمتنبی کہنے لگا یہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے نبی ہونے کی پیشین گوئی فرما گئے ہیں۔

---

[1] ترمذی کتاب الفتن باب ما جاء لا تقوم الساعة حتی یخرج کذابون جلد ۲ صفحہ: ۴۵ وأبوداؤد کتاب الفتن باب ذکر الفتن ودلائلها جلد ۲ صفحہ: ۲۲۸ وابن ماجة کتاب الفتن باب ما یکون من الفتن صفحہ: ۲۹۲۔

جس حدیث کو ہم دلیل بناتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں اس نے کہا یہ نبی کریم ﷺ میری نبوت کی پیشن گوئی فرما گئے ہیں۔انہوں نے کہا کہ وہ کیسے؟ کہنے لگا:

« لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ »

اس کا مطلب ہے ایک آدمی ہوگا ''لا'' وہ میرے بعد نبی ہوگا۔نعوذ باللہ من ذالک۔ دیکھو کیسا معنی اس نے بیان کیا ہے۔رسول اللہ ﷺ نفی کر کے گئے ہیں اور وہ کہتا ہے وہ ''لا'' میں ہی ہوں۔

« وَاَنَا اُسَمّٰی فِی السَّمَآءِ لَا »

''آسمانوں میں میرا نام ''لا'' ہے''

یہ تو دور کی بات ہے زمانہ قریب میں مرزا غلام احمد قادیانی بے ایمان کہتا رہا ہے خاتم النبیین کا مطلب ہے مہر لگا کر نبی بنانے والا۔نعوذ باللہ من ذالک یہ تفسیریں اور تشریحیں کرتے ہیں۔

اسی طرح لا الہ الا اللہ جو کلمہ توحید ہے اس سے ہی ہر ایک کی الوہیت نکال رہے ہیں۔صوفی لوگوں نے لا الہ الا اللہ کا ترجمہ کیا ہے کہ ''تمام الہ جن کو اللہ کے علاوہ پوجا جاتا ہے یہ تمام ہی اللہ ہیں''نعوذ باللہ من ذالک۔

اگر یہی معنی ہوتا تو ابو جہل اور ابو لہب وغیرہ نبی ﷺ سے کیوں لڑتے ان کی لڑائیوں کا کیا مقصد۔ ایسی ایسی تفسیریں جن کی کوئی بنیاد ہی نہیں نہ نقلا نہ عقلاً۔یہ دل کی بیماری ہے جو ان سے یہ کام کرواتی ہے۔ایسے لوگوں کے متعلق کسی نے کہا:

برمن صوفی وملا سلامے
کہ گفتند پیغام خداما را
ولے تاویل شاں در حیرت انداخت
خدا وجبریل ومصطفیٰ را

''صوفیوں اور ملاؤں کو میری طرف سے سلام کہ ہمیں خدا کے پیغام سناتے ہیں لیکن ان کی تاویل نے حیران کر دیا ہے اللہ تعالی کو اور اللہ تعالی کے پیغمبر کو اور جبریل کو''

اللہ تعالی نے شریعت کتاب وسنت نازل فرمائی جبریل لے کر آئے اور نبی کریم ﷺ پر نازل ہوئی تینوں اپنی جگہ سوچتے ہیں کہ مطلب اس آیت کا یہ نکلتا تو نہیں جو ان بزرگوں نے نکال لیا ہے۔

ہمارے شیخ اور استاد مولانا اسماعیل صاحب سلفی شیخ التفسیر والحدیث ایک مقام میں لکھتے ہیں اگر کسی نے رحمت کا ترجمہ لعنت کرنا ہو تو پھر کچھ مخصوص طبقوں کے مخصوص مدرسے ہیں ان میں داخلے کی ضرورت ہے ان میں داخلہ لے لے پھر یہ کام کر سکتا ہے ورنہ نہیں۔

اب رحمت کا معنی لعنت اور لعنت کا معنی رحمت کرنا کوئی بات ہے؟ بالکل یہی کیفیت ان کی ہے۔ نبی کریم ﷺ تو فرما رہے ہیں: ((أعفوا اللحیٰ)) ''داڑھیوں کو بڑھاؤ'' اور یہ کہہ رہے ہیں کہ داڑھیوں کو مٹاؤ۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

داڑھیوں کو کیوں مٹاؤ اس جیسی ہستیوں کو مٹاؤ جو کتاب وسنت کے ساتھ یہ سلوک روا رکھے ہوئے ہیں مٹانا تو ان کو چاہیے۔ بہر حال میں عرض کر رہا تھا کہ ایک بات یہ بھی بنائی گئی ہے۔

اسلام میں داڑھی ہے:

ایک اور بات بنائی جاتی ہے جس سے وہ گنجائش نکالتے ہیں کہ اسلام میں داڑھی ہے داڑھی میں اسلام نہیں۔ یہ بات کر کے داڑھی کتروانا اور منڈوانا شروع کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ داڑھی میں اسلام ہے وہ تو سکھوں نے بھی رکھی ہوئی ہے نعوذ باللہ من ذالک

غور کرو اور سوچو کہ یہ باتیں کس قسم کی بنا رہے ہیں۔ اگر اس طرح ہی فرائض کو رد کیا جائے پھر تو نماز کے متعلق بھی کوئی کہہ سکتا ہے کہ اسلام میں نماز ہے نماز

میں اسلام نہیں پھر تو نماز بھی گئی اس کو بھی کاٹنا شروع کر دو اب۔اس طرح اکیلی زکوۃ کو لے لو کہ اسلام میں زکوۃ ہے زکوۃ میں اسلام نہیں۔

دیکھو کافر کتنی خیرات وصدقات لوگوں کو دے رہے ہیں۔کوئی ہسپتال بنا گیا ہے کوئی کالج کوئی سکول وہ بھی خرچ کر رہے ہیں۔اس طرح تو زکوۃ بھی گئی وہ بھی کاٹی گئی۔اسی طرح روزے کے متعلق بھی بات بنا لو اسلام میں روزہ ہے روزے میں اسلام نہیں پھر تو روزہ بھی گیا،وہ بھی کاٹا گیا۔

اگر یہ بات بنا کر داڑھیاں کٹواتے جانا ہے پھر تو اسلام کے جس مرضی حکم پر یہ بات لگالو۔حج پر بھی لگا لو کہ اسلام میں حج ہے حج میں اسلام نہیں۔اسی طرح لاالہ الا اللہ کلمہ میں بھی یہی بات لگا لو اسلام میں کلمہ ہے کلمہ میں اسلام نہیں۔اس طرح جو مرضی بات لے لو اور بنالو پھر تو سارا اسلام ہی خراب ہو گیا ہے۔

اب اس بات کو ہی لے لو بات پھر بھی نہیں بنتی کہ اسلام میں داڑھی ہے اس کا مطلب تو پھر یہ نکلا کہ جہاں جہاں اسلام ہے وہاں وہاں داڑھی ہے۔ورنہ اسلام میں داڑھی کا کیا مطلب ؟اگر وہاں داڑھی نہ ہوئی تو پھر اسلام میں داڑھی کا مطلب کیا ؟ پھر اب کیا داڑھی منڈھے شخص میں اسلام ہے؟وہ تو یہی کہے گا جی مجھ میں اسلام ہے یہ تو نہیں کہنے لگا کہ میں اسلام سے باہر ہوں یہی کہے گا مجھ میں اسلام ہے۔تو کیا اس میں داڑھی ہے ؟اسلام میں تو داڑھی تھی۔یہاں تو کوئی نہیں اب پھر؟اپنی ہی بات کو سامنے رکھ لے۔اسلام میں داڑھی ہے اب جہاں جہاں اسلام ہے وہاں وہاں داڑھی ہونی چاہیے نا؟

اب داڑھی کدھر گئی۔اگر اسلام تمہارے اندر موجود ہے تو پھر داڑھی کیوں نہیں؟ لگتا ہے کہ دال میں کوئی کالا کالا ہے۔یہ بات جو انہوں نے بنائی ہے کوئی نیک نیتی سے نہیں کی۔جب داڑھی کتری گئی یا مونڈھی گئی تو اسلام کترا گیا یا مونڈھا گیا۔اسلام میں داڑھی تھی نا وہ تو یہاں مل ہی نہیں رہی یہ ایک بہانہ بنایا گیا ہے لوگوں کو داڑھیاں کترانے اور منڈوانے کا اس کی کوئی قدرومنزلت نہیں۔اس طرح

تو سارا اسلام ہی ختم ہوجائے گا اس طرح کے تمام حیلے وبہانے جو بنائے گئے ہیں ان کی کچھ بھی وقعت نہیں۔

داڑھی نہ رکھنے کی قباحتیں

ا۔اللہ اور رسول کی نافرمانی:

ایک قباحت تو آپ سن ہی چکے ہیں کہ اللہ تعالی کی نافرمانی، رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی، فرض اور واجب کا ترک، گناہ، جرم، حرام کا ارتکاب ہے۔

۲۔مشرکوں سے مشابہت اور موافقت:

کیونکہ رسول اللہ ﷺ فرمارہے ہیں:

((خَالِفُوا الْمُشْرِكِيْنَ۔)) ❶

ایک روایت میں فرمایا:

((وَالْمَجُوْسَ۔)) ❷

''مشرک اور مجوس کی مخالفت کرو''

جو داڑھی منڈواتا ہے وہ مشرکوں کی مخالفت تو نہیں کرتا۔ بلکہ ان کی موافقت کرتا ہے۔جبکہ ایمان کا اور صراط مستقیم کا تقاضا یہ ہے کہ کفار اور مشرکین کی مخالفت کی جائے

یہ ایک مستقل موضوع ہے جو کہ بہت طویل ہے اس کے متعلق ایک کتاب کی نشاندہی کر دیتا ہوں۔ جو حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے لکھی ہے:

"اِقْتِضَاءُ الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِيْمِ بِمُخَالَفَةِ أَصْحَابِ الْجَحِيْمِ"

''صراط مستقیم پر چلنے کا تقاضا ہے کہ دوزخی اور جہنمیوں کی مخالفت کی جائے۔''

---

❶ صحیح بخاری کتاب اللباس باب تقلیم الأظفار جلد ۲ صفحہ : ۸۷۵ ومسلم کتاب الطهارة باب خصال الفطرة جلد ۱ صفحه : ۱۲۹۔

❷ صحیح مسلم کتاب الطهارة باب خصال الفطرة جلد ۱ صفحه ۱۲۹۔

تو رسول اللہ ﷺ فرما رہے ہیں مشرکوں کی مخالفت کرو مجوسیوں کی مخالفت کرو اور جو داڑھیاں منڈواتے ہیں یہ مجوسیوں کی موافقت کرتے ہیں ان کے ساتھ ہیں۔

شیخ بدیع الدین راشدی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے: کہ ایک عقیدے کا شرک اور کفر ہے اور ایک قول کا شرک اور کفر ہے اور ایک عمل کا شرک اور کفر ہے اور ایک صورت وشکل کا شرک اور کفر ہے پہلے تین شرک وکفر آپ سمجھتے ہی ہیں۔(عقیدے کا شرک وکفر،قول کا شرک وکفر،عمل کا شرک وکفر)۔صورت وشکل کا شرک وکفر داڑھی منڈوانا اور کتروانا ہے۔رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

((مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ۔)) ❶

''جو کسی قوم سے مشابہت کرتا ہے فرمایا وہ ان میں سے ہی ہے''

ماسوائے ان کی مشابہت اور موافقت کے جن کے دلائل کتاب وسنت میں موجود ہے وہاں مخالفت نہیں کرنی۔

۲۔عورتوں سے مشابہت:

آپ دیکھ لیں جو عورتوں سے مشابہت کرتے ہیں وہ بال لمبے رکھ کر عورتوں کے بال باندھ لیتے ہیں اور داڑھی پر الٹا سیدھا استرا پھیر کر جڑ سے کاٹ ڈالتے ہیں۔تاکہ یہ محسوس ہو کہ یہ عورت ہے اور پھر باتیں بھی عورتوں کی طرح کرتے ہیں کہ میں فلاں جگہ پر گئی تھی فلاں کو یہ کہا تھا اور نقل بھی پھر عورتوں کی اتاریں گے۔

نبی کریم ﷺ نے ایسے مردوں پر لعنت کی ہے جو عورتوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں۔صحیح بخاری❷ اور صحیح مسلم میں ہے:

---

❶ أبوداود كتاب اللباس باب في لبس الشهرة جلد ٢ صفحه ٢٠٣۔

❷ صحيح البخاري كتاب اللباس باب المتشبهين بالنسآء والمتشبهات بالرجال ج:٢ ص: ٨٧٤ وترمذی ابواب الأدب باب ما جآء في التشبهات بالرجال من النسآء ج: ٢ ص:١٠٦

« لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ الْمُتَشَبِّهِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ بِالنِّسَاءِ وَالْمُتَشَبِّهَاتِ مِنَ النِّسَاءِ بِالرِّجَالِ۔ »

''جو مرد عورتوں کی مشابہت کرتے ہیں (لباس میں یا بول چال میں) ان پر لعنتاور جو عورتیں مردوں کے ساتھ مشابہت کرتی ہیں۔(مردوں کی طرح بال کٹوا کر یا شکل وصورت میں)ان پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت بھیجی ہے''

غور فرماؤ کہ یہ داڑھی منڈوانا کتنا سنگین جرم ہے اور کئی تو روز منڈواتے ہیں خاص طور پر دفتروں میں جانے والے باؤ، ملازم الا ماشآء اللہ جو دین دار ہیں اللہ نے ان کو توفیق دی ہے وہ نہیں منڈواتے۔دوسرے سب لوگ الٹا سیدھا استرا پھیر کر سیفٹی پھیر کر روزانہ دفتر میں جاتے ہیں۔کیا یہ عورتوں سے مشابہت ہے یا نہیں ؟ کیوں نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے لعنت بھیجی ہے۔کتنی بڑی قباحت ہے کہ اللہ تعالی نے ان کو مرد بنایا اور یہ عورت بن رہا ہے۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔ دیکھو جس میں قدرتی طور پر معمولی سا نقص ہے وہ اپنی جگہ بڑی شرم اور حیا محسوس کرتے ہیں کہ ہم مرد نہیں ہم میں کچھ کمی ہے اور یہ مرد جو عورتیں بنتے ہیں ان کی شرم وحیا ختم ہوگئی ہوئی ہے۔کچھ غور کرو اور سوچو کیا یہ انسانیت ہے شرافت ہے؟

بیوقوف کون؟

پھر یہ داڑھی منڈوانے والے جن کی لمبی داڑھی دیکھتے ہیں ان کو بیوقوف اور کم عقل کہیں گے۔جی جس کی جتنی لمبی داڑھی ہوگی اتنا ہی وہ بے وقوف اور کم عقل ہوگا نعوذ باللہ من ذالک۔

ان لوگوں کے بہانے دیکھواور یہ انہوں نے سوچا نہیں کہ داڑھی منڈوا کر میں جن میں شامل ہو رہا ہوں ان کو تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہی ناقص العقل اور ناقص الدین ہے۔ان لوگوں کے حواس ہی قائم نہیں رہے۔نبی کریم ﷺ کی داڑھی مبارک آپ ﷺ کا حلیہ بیان کرنے والوں نے یہی بیان کیا ہے کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی مبارک گھنی تھی اور بڑی خوبصورت تھی جو سینے کو ڈھانپ لیتی تھی اور خلفائے راشدین رضوان رضی اللہ عنہم کی داڑھی بھی بڑی گھنی تھی۔ کیا خیال ہے پھر کہ وہ بے وقوف اور کم عقل ہی تھے؟ نعوذ باللہ من ذالک۔

اس بے غیرت اور بے حیا نے سوچا ہی نہیں کہ میں جو بات کر رہا ہوں اس کی زد کہاں پڑتی ہے۔ اگر داڑھی والے بے وقوف ہیں تو پھر قرآن مجید میں آ رہا ہے موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہارون علیہ السلام کی داڑھی تھی ہارون نے موسیٰ علیہما السلام کو کہا:

﴿يَابْنَؤُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِي وَلَا بِرَأْسِي﴾ [1]

''اے میرے ماں جائے بھائی میری داڑھی اور میرا سر نہ پکڑ''

ان کی داڑھی تھی اور یہ اللہ کے پیغمبر تھے اور ادھر ان لوگوں کا خیال دیکھو جو اپنے خیال کو روشن خیال کہتے ہیں کہ داڑھیوں والے بے وقوف ہیں۔ استغفر اللہ کوئی عقل کی بات کہو۔ کبھی کہیں گے جی لمبی داڑھیوں والوں کی عقل ٹخنوں میں ہوتی ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

پھر غور کرو اگر داڑھی والے بے وقوف ہیں اور جو داڑھیاں منڈوا کر رگڑا کر شیو کراتے ہیں وہ عقلمند ہیں تو پھر یہ چاہیے کہ جن کو داڑھی اگتی ہی نہیں وہ تو پھر زیادہ عقل والیاں ہوئی نا؟

یہ تو خود داڑھی منڈوا کر مصنوعی خانہ ساز عقل والا بنا ان کو تو اللہ نے داڑھی ہی نہیں اگائی وہ تو پھر زیادہ عقل والیاں ہوئیں نا قدرتی طور پر؟ جبکہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو وعظ کیا اس میں فرمایا میں نے تم سے زیادہ عقل اور دین میں ناقص کسی اور کو نہیں دیکھا اچھے بھلے سمجھدار آدمی کی عقل کو ختم کر دیتی ہیں۔ عورتوں نے پوچھا ہماری عقل اور ہمارے دین میں نقص کیا ہے تو

---

[1] سورة طه آیت: ۹٤۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔دین میں نقص اور کمی یہ ہے کہ مخصوص دنوں میں تم نے نہ روزے رکھنے ہوتے ہیں اور نہ نماز پڑھنی ہوتی ہے یہ دین میں کمی ہے اور عقل میں کمی یہ ہے کہ دوعورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہے“

مرد سے آدھی گواہی ہوئی یہ عقل میں کمی ہے۔رسول اللہ ﷺ تو فرما رہے ہیں جن کی داڑھی نہیں ان کی عقل کم ہے۔آج کل کے روشن خیالوں نے الٹ کام کر دیا ہے کہ جن کی داڑھی ہے ان میں عقل کم ہے نعوذ باللہ من ذالک استغفر اللہ یہ لوگ خود کم عقل بلکہ بے عقل ہیں۔

ایماندار ہی عقلمند ہیں:

کیونکہ اللہ نے عقل والے ایمان والوں کو کہا ہے جو ایمان والے ہیں وہ عقل والے ہیں اور جو ایمان والے نہیں وہ عقل والے ہی نہیں۔

﴿ اَلَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهُ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰاهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴾ ❶

”کتاب وسنت پر چلنے والے اللہ کے بندے وہ ہیں جن کو اللہ تعالی نے ہدایت دے دی ہے اور یہی لوگ عقل والے ہیں“

پھر دوسرے عقل والے نہ تا ہوئے ؟ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں :

((مَنْ رَّاٰى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذَالِكَ اَضْعَفُ الْاِيْمَانِ۔)) ❷

”جو تم میں سے شریعت کے خلاف کام دیکھے وہ اس کو ہاتھ سے ختم کرے اور اگر ہاتھ سے نہیں تو پھر زبان سے روکے اگر زبان سے نہیں روک سکتا تو پھر دل ہی سے اس کو برا سمجھے۔دل سے برا جاننا کمزور ایمان ہے“

اب آپ داڑھی منڈوانے والے اور کترانے والوں کا حساب لگالیں کہ جو

---

❶ سورۃ الزمر آیت : ۱۸۔

❷ صحیح مسلم کتاب الایمان باب بیان کون النهی عن المنکر من الایمان ج:۱ ص:۵۱

منڈوا کر شیشہ دیکھتا ہے پھر اس پر خوش ہوتا ہے کہ میں خوبصورت ہو گیا ہوں۔ آپ نے تو فرمایا ہے کہ دل سے برا جانے تو یہ کمزور ترین ایمان ہے اور اگر دل سے خوش ہو جائے تو پھر کمزور ترین ایمان بھی جاتا رہا اور دائرہ ایمان سے بالکل ہی خارج ہو گیا۔ جو داڑھی منڈوا کر کترا کر خوش ہوتا ہے نافرمانی پر خوش ہوتا ہے جو معصیت اور گناہ پر خوش ہو گیا وہ تو ایمان سے باہر ہو گیا۔ اس حدیث میں تو آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ کمزور ترین ایمان ہے۔

صحیح مسلم کی دوسری حدیث میں ہے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«إِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى بَعَثَ فِي كُلِّ أُمَّةٍ نَبِيًّا مِنْ قَبْلِي۔»

''اللہ تعالیٰ نے پہلی امتوں میں نبی مبعوث فرمائے''

« فَكَانَ مِنْ أُمَّتِهِ حَوَارِيُّونَ وَأَصْحَابٌ يَأْخُذُونَ بِسُنَّتِهِ وَيَقْتَدُونَ بِأَمْرِهِ وَتَخْلُفُ مِنْ بَعْدِهِمْ خُلُوفٌ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ وَيَفْعَلُونَ مَا لَا يُؤْمَرُونَ فَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِيَدِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَّ مَنْ جَاهَدَهُمْ بِلِسَانِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَّمَنْ جَاهَدَهُمْ بِقَلْبِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَّ لَيْسَ وَرَآءَ ذَالِكَ مِنَ الْإِيْمَانِ حَبُّ خَرْدَلٍ۔ » ❶

'' ہر نبی کے کچھ حواری اور ساتھی تھے جو ان کے نقش قدم پر چلتے، ان کے حکموں کی تعمیل کرتے۔ وہ گزر گئے تو ان کے بعد نالائق اور ناخلف قسم کے لوگ آ گئے۔ (جو بڑے دعوے کرتے ہم نے یہ کیا ہم نے یہ کیا اور انہوں نے کیا کچھ بھی نہ ہوتا۔ کارنامہ کوئی بھی رونما ہوتا۔ دوسروں کے کارنامے اپنے ذمے لگا لیتے) اور جو حکم ان کو ہوتا ان کی تعمیل نہ کرتے اس کی نافرمانی کرتے۔ انبیاء کرام کی خلاف ورزی کرنے والے نافرمان لوگ آ گئے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو ان سے ہاتھ سے جہاد کرے وہ بھی مومن ہے۔ جو ان سے زبان سے جہاد کرے وہ بھی مومن ہے۔ جو ان سے دل سے جہاد کرے وہ بھی مومن ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو دل سے

❶ صحیح مسلم کتاب الایمان باب بیان کون النهی عن المنکر من الایمان ج: ۱ ص: ۵۲

بھی برا نہیں جانتا، ان کے اعمال پر خوش ہوتا ہے اور خود بھی برا کام کر رہا ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اس کے بعد پھر ایمان رائی کے دانے کے برابر بھی نہیں رہ جاتا"

سارا ایمان ہی ختم۔یہ بڑا جرم ہے، بہت بڑی قباحت ہے ہم لوگ اس کو معمولی سمجھتے ہیں۔حالانکہ یہ معمولی نہیں ہے بڑا سنگین جرم ہے۔

جب ایمان ہی ختم ہو گیا تو پھر عقلمند کیسے ہوا۔جبکہ عقل مند اللہ تعالی ایمان والوں کو کہہ رہے ہیں۔

۴۔تغییر بخلق اللہ:

داڑھی منڈوانا اللہ تعالی کی تخلیق اور فطرت کو بدلنا ہے۔رسول کریم ﷺ نے ان عورتوں پر لعنت بھیجی ہے۔جو چہرے کی خوبصورتی کے لئے چہرے کے بال اکھاڑتی ہے۔فرمایا:

« اَلْمُغَيِّرَاتِ بِخَلْقِ اللّٰهِ مِنْ حُسْنٍ۔ » ❶

"جو خوبصورتی کی بنا پر چہرے کے بال اکھاڑتی ہیں ان پر لعنت"

اور یہ شیطان کی پیروی ہے اللہ تعالی نے ابلیس کا قول قرآن مجید میں بیان کیا ہے:

﴿وَلَأَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ۝ وَلَأُضِلَّنَّهُمْ وَلَأُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ آذَانَ الْأَنْعَامِ وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ وَمَنْ يَتَّخِذِ الشَّيْطَانَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِينًا﴾ ❷

اللہ تعالی فرماتے ہیں شیطان ابلیس نے یہ بات کہی:

"کہ میں ان کو گمراہ کروں گا ان کو آرزوئیں دلاؤں گا ان کو حکم دوں گا یہ

❶ صحيح مسلم كتاب اللباس باب تحريم فعل الواصلة والمستوصلة جلد ۲ صفحه ۲۰۵ وصحيح البخارى كتاب اللباس باب الموصولة جلد ۲ صفحه : ۸۷۹ وأبوداؤد كتاب الترجل باب فى صلة الشعر جلد ۲ صفحه : ۲۱۸۔

❷ سورة النساء آيت : ۱۱۹۔

جانوروں کے کان کاٹیں گے۔میں ان کو حکم دوں گے یہ اللہ تعالی کی تخلیق اور فطرتی قدرتی ہیئت کو تبدیل کریں گے"

رسول اللہ ﷺ نے حسن کی وجہ سے چہرے کی ہیئت تبدیل کرنے والیوں پر لعنت بھیجی ہے اور جو داڑھی منڈواتا ہے یہ بھی حسن اور خوبصورتی کی وجہ سے اپنا حلیہ بگاڑتا ہے اپنی ہیئت بدلتا ہے۔اللہ تعالی نے قدرتی ہیئت داڑھی سے بنائی ہے۔ایک حدیث ہے حسن درجہ کی۔آپ ﷺ نے فرمایا:

«عَشْرٌ مِنَ الْفِطْرَةِ» ❶

"دس چیزیں فطرت میں شامل ہیں۔"

ایک ان میں سے آپ ﷺ نے «اعفاء اللحية» بیان کی ہے۔داڑھی کو بڑھانا بھی فطرت ہے۔

﴿ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ ❷

فطرت کو تبدیل کرنا بہت بڑا سنگین جرم ہے۔شیطان کی اتباع ہے۔

سکھوں نے بابے نانک کی جتنی قدر پائی مسلمانوں نے نبی ﷺ کی اتنی قدر بھی نہ پائی:

دیکھو! سکھ قوم اپنے نانک کے پیچھے لگ کر اپنے بال نہیں اتارتی۔حالانکہ بابا نانک ہے کافر۔کئی اس کو مسلمان بنانے کی کوشش کرتے ہیں، ہے وہ کافر ہی۔سکھ اس کے حکم کے پیچھے لگ کر بال نہیں کتراتے۔جبکہ ہمارے پیغمبر ﷺ تمام پیغمبروں کے بھی امام ہیں۔

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

ہم نے آپ ﷺ کی کیا قدر پائی ہے۔سکھوں نے بابے نانک کی جتنی قدر

❶ صحیح مسلم کتاب الطهارة باب خصال الفطرة جلد ۱ صفحه :۱۲۹

❷ سورة الروم آیت : ۳۰۔

پائی ہے ان مسلمانوں نے نبی ﷺ کی اتنی بھی قدر نہ پائی۔کیا ڈوب مرنے کا مقام نہیں ؟ اللہ تعالیٰ کو کیا منہ دکھاؤ گے۔اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہیئت اور شکل کو تبدیل نہ کرو جس کو اللہ تعالیٰ نے احسن کہا ہے:

﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ﴾ [1]

احسن تقویم کو اقبح التقویم بنا رہے ہیں۔

کیا اللہ کے رسول ؑ خوبصورت نہیں تھے ؟

پھر دیکھو اس کی زد کہاں پڑ رہی ہے۔ داڑھی منڈا کر خوبصورت بنا اور جنہوں نے داڑھی رکھی ہے وہ پھر بدصورت بنے نا؟ ذہنی طور پر اس نے داڑھی رکھنے والوں کو بدصورت بنایا یہ اس بات کو تسلیم کرے یا نہ کرے۔اب داڑھی والوں میں اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ﷺ بھی ہیں پیغمبروں کے سردار محمد رسول اللہ ﷺ بھی ہیں،کیا یہ دینداروں والی ذہنیت ہے؟ اس نے تو تمام انبیاء عظام اور اولیاء کرام، خلفائے راشدین اور صحابہ کرام کو بدصورت بنا دیا ہے۔ استغفر اللہ۔

جمال الدین ساوی کا واقعہ اور اس کی اندھی تقلید:

پھر یہ بات بھی بناتے ہیں کہ ایک بہت بڑے بزرگ گزرے ہیں ان کی داڑھی کوئی نہیں تھی ان کے مریدوں کی بھی داڑھیاں کوئی نہیں تھی۔ایک واقعہ بھی سنایا جاتا ہے کتابوں میں بھی لکھا ہوتا ہے کہ جمال الدین ساوی کو ایک عورت نے ورغلانے کی بہت کوشش کی لیکن یہ اس کے دھوکے میں نہیں آتے تھے۔ایک دن اس عورت نے ایک بوڑھی عورت کو ایک پرچی پر کچھ لکھ کر دیا اور کہا۔

کہ جب جمال الدین ساوی نماز کے لئے مسجد میں جائیں تو تو نے راستے میں ان سے پوچھنا ہے کہ کیا آپ کچھ پڑھے بھی ہیں تو جب وہ کہیں کہ ہاں میں پڑھا ہوا ہوں تو تم نے یہ رقعہ ان کو دے کر کہنا کہ مجھے یہ رقعہ پڑھ دو۔جب وہ

[1] سورۃ التین آیت : ٤۔

پڑھنا شروع کریں تو تم کہنا کہ یہ رقعہ میری بہو کو آیا ہے۔میں اس کو سنا نہیں سکتی۔ہمارا دروازہ قریب ہی ہے آپ میری بہو کو دروازے کے اندر ہو کر یہ رقعہ سنا دیں وہ کانوں سے سن لے گی۔

جمال الدین ساوی جو پہلے اس عورت کے قابو میں نہیں آتے تھے انہوں نے سوچا کوئی بات نہیں خط ہی پڑھنا ہے خط سنا کر میں نماز پڑھ لوں گا۔جب وہ خط پڑھنے کے لئے اندر ہوئے تو اس بڑھیا نے دروازہ بند کر دیا۔اندر سے اس فریفتہ عورت نے اپنے خادموں کو حکم دے دیا کہ اس کو اندر لے آؤ۔پھر اس عورت نے برائی کی دعوت دے دی۔

اب جمال الدین ساوی صاحب سوچنے لگے کہ میں کیا کروں۔کہنے لگے اے بی بی میں تیری خواہش پوری کر دیتا ہوں مجھے پہلے پیشاب کرنا ہے بیت الخلاء سے فارغ ہو کر آتا ہوں۔ساوی صاحب جب بیت الخلاء گئے تو انہوں نے سوچا کہ میری داڑھی بہت خوبصورت ہے یہ اس پر فریفتہ ہو گئی ہے میں اس داڑھی کو مونڈھ دیتا ہوں۔ساوی صاحب نے اپنے پاس صفائی کے سامان سے داڑھی کو صاف کر دیا۔

پیشاب وغیرہ تو ان کو آیا نہیں تھا وہ تو ویسے ہی بہانہ بنا کر گئے تھے۔جمال الدین ساوی صاحب جب داڑھی صاف کر کے آئے تو وہ عورت سخت غصے میں آ گئی کہ تو نے تو یہ شکل ہی بدل دی ہے یہاں سے نکل جا میرے محل سے باہر نکل جا ،دھکے مار کر باہر نکال دیا۔ساوی صاحب نے شکر کیا کہ کوئی بات نہیں ،میں نے داڑھی منڈوانے والا گناہ تو کیا ہی ہے لیکن دوسرے بڑے گناہ سے تو بچ گیا ہوں۔

اب ساوی صاحب کے تمام مرید داڑھیاں منڈواتے چلے آرہے ہیں۔لیکن وہ یہ نہیں سمجھتے کہ پیر صاحب غلطی کر بیٹھے ہیں ان کو سمجھ نہیں آئی ہم کیوں اللہ اور اللہ تعالی کے پیغمبر ﷺ کی نافرمانی کر رہے ہیں۔

لیکن یہاں کیا کریں۔جہاں یہ باتیں بنائی گئی ہیں کہ امام صاحب شراب میں بھی مصلی ڈبو لیں تو ان کو کچھ نہ کہو ،آخر وہ بھی کسی مقام میں پہنچے ہوئے

ہیں،سب کچھ جانتے ہی ہیں،ایسی باتیں یہاں پر بنا رہے ہیں۔سمجھ ساوی صاحب کو نہیں آئی، اس کے ہتھکنڈوں سے بچنے کے لئے اور بھی کوئی طریقہ ہو سکتا تھا۔ساوی صاحب نافرمانی نہ کرتے۔بیت الخلاء میں تو حلیہ بگاڑنے کی کئی صورتیں موجود تھیں۔

میاں نذیر حسین دہلوی رحمہ اللہ کے شاگرد کا واقعہ:

کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ میاں نذیر حسین دہلوی کا ایک شاگرد تھا۔وہ بہت نیک اور صالح تھا۔کسی گھر میں کھانا لینے کے لئے گیا۔گھر والے گھر نہیں تھے۔وہاں ایک لڑکی تھی۔وہ لڑکی بھی موقعہ کی تلاش میں تھی۔کہ درویش کبھی خلوت میں مجھے ملے تو میں اس کو قابو کروں۔اس نے اس درویش سے کہا اندر آجاؤ۔میں تجھے روٹی دیتی ہوں وہ غریب اندر چلا گیا اس کو کیا علم تھا۔اس لڑکی نے اپنے ڈورے ڈالنے شروع کر دیئے۔وہ کہنے لگا مجھے پیشاب آیا ہے مجھے بیت الخلاء بتا دو۔میں نے پیشاب کرنا ہے۔اس نے بیت الخلاء میں جا کر داڑھی نہیں مونڈھی اللہ کی نافرمانی نہیں کی نبی کریم ﷺ کی نافرمانی نہیں کی۔اس نے بیت الخلاء سے گند اپنے اوپر لگا لیا۔جب وہ گند کو اپنے اوپر لیپ کر کے آیا تو اس لڑکی نے کہا یہاں سے باہر نکل جا۔اس نے اللہ کا شکر ادا کیا۔یا اللہ کوئی بات نہیں اس نجاست کو میں اتار کر دور کر دوں گا۔اس گناہ سے تو بچ گیا ہوں۔

ساوی صاحب کے دماغ میں یہ بات نہیں آئی اور ان ماننے والوں پر بھی قربان جائیں کہ وہ ساوی صاحب کے پیچھے چل کر محمد رسول اللہ ﷺ کی آج تک مخالفت کر رہے ہیں۔کچھ غور کرو اور سمجھو۔

بہر حال میں ذکر یہ کر رہا تھا کہ داڑھی کو منڈوانا،کٹانا اللہ تعالی کی خلق اور فطرت کی تغییر ہے یہ گناہ ہے اس سے بچنا چاہیے۔

پانچویں قباحت یہ ہے کہ یہ مُثلہ ہے:

حافظ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ اور بھی دوسرے علمانے لکھا ہے کہ یہ مثلہ ہے۔[1] مثلے کا مطلب یہ ہوتا ہے کان ناک، ہاتھ، پاؤں وغیرہ کاٹ دیئے جائیں۔داڑھی بھی ناک کان کی طرح ہے۔ چہرے کی خوبصورتی کے لئے ہے۔جس طرح ناک کان وغیرہ کو کاٹ دینا مثلہ ہے۔اسی طرح داڑھی کٹوانا بھی مثلہ ہے۔[2]

عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ راشد فرمایا کرتے تھے:

((اِنَّ حَلْقَ اللِّحْيَةِ مُثْلَةٌ۔))

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مثلہ سے منع فرمایا ہے اس لئے آدمی کو اس سے بچنا چاہیے۔

صوفیوں کی تاویلوں سے بچو:

پھر داڑھی منڈوانے والے کئی کئی باتیں بناتے ہیں کہ علامہ صاحب نے جو داڑھی منڈوائی تھی تو ان کی داڑھی ان کے اندر تھی۔جس طرح صوفیوں نے باتیں بنائی ہوئی ہیں کہ نماز ہمارے اندر ہے۔زکوۃ اندر ہے، دین اسلام ہمارے اندر ہے اور اوپر سے جو مرضی کرتے جاؤ۔کیا ہے کوئی بات کرنے والی؟

کسی پیغمبر نے بھی ایسی باتیں کہیں ہیں۔کوئی پیغمبر اندر عمل کرنے والا بھی گزرا ہے۔تمام پیغمبر باہر عمل کرنے والے تھے۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازیں بھی باہر تھیں، داڑھی بھی باہر تھی، صدقہ زکوۃ بھی باہر تھی، روزہ اور حج عمرہ بھی باہر تھے۔نیکی کے تمام کام باہر ہی تھے اور اللہ تعالی نے فرما بھی دیا ہے۔

﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾[3]

''تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہترین نمونہ ہیں''

---

[1] مراتب الاجماع صفحہ: ۱۵۷۔

[2] انظر التفصیل فی النہایۃ فی غریب الحدیث والآثار لابن الأثیر جلد ۲ صفحہ: ۲۹٤ومجمع بحار الأنوار جلد ۳صفحہ: ۲۸۹۔

[3] سورۃ الأحزاب آیت: ۲۱۔

زندگی کا کوئی پتہ نہیں۔ نیکی میں جلدی کرو:

اللہ تعالی سب کو نیکی کی توفیق عطا فرمائے۔ جنہوں نے سالم داڑھیاں رکھی ہیں اللہ تعالی ان کو استقامت کی توفیق عطا فرمائے اور جو ہمارے دوست منڈواتے اور کتراتے ہیں اللہ تعالی ان کو توفیق عطا فرمائے کہ وہ اللہ تعالی اور نبی کریم ﷺ کے حکم کی تعمیل کریں اور اس قسم کے حیلے بہانے چھوڑ دیں۔ زندگی کا کوئی پتہ نہیں۔ آدمی آج چل بسے کل چل بسے۔ اللہ تعالی کے ہاں نیکیاں کام آئیں گیں اور نافرمانیوں نے اس کو ڈبونا ہی ڈبونا ہے۔ فرمایا:

﴿ أَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِينَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَالْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ خَيْرٌ عِندَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ أَمَلاً ﴾ ❶

''مال، آل اولاد حیاۃ دنیا کی زینت ہے اور اللہ تعالی کے ہاں باقی رہنے والی نیکیاں ہیں جن کا اجر اور ثواب ملنا ہے''

جس سے اس کی عاقبت بہتر بنتی ہے۔ اس واسطے توجہ فرماؤ۔ خاص طور پر جو نمازی ہیں اور جنہوں نے حج اور عمرے کئے ہوئے ہیں اور زکوتیں بھی دیتے ہیں وہ غور کریں اور سوچیں کہ یہ نیکیاں ان سے کس چیز کا تقاضا کرتی ہیں۔

اور یہ بات کرنا کہ آپ دعا کریں میں بس رکھ لوں گا۔ وہ سال ہا سال ہمیں دعا پر ہی لگائے رکھتے ہیں۔ بھائیو! آپ ہمیں جس طرح بھی ٹرخائیں ہم ٹرخ جائیں گے۔ اللہ تعالی کے ہاں جا کر کیا جواب دو گے۔ کچھ غور کرو اور سوچو لہٰذا اپنے چہرے رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق بنا لو اور چہرے کے تاج کو ضائع نہ کرو۔

[تخریج =......: جاوید اقبال سیالکوٹی]

((...... ❀ ❀ ❀ ......))

---

❶ سورة الكهف آيت : ٤٦۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

"اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَ مَنْ یُّضْلِلْ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ" [ﷺ] اما بعد......:

تعداد رکعات

نماز کی اہمیت اور فرضیت کسی مسلم سے مخفی نہیں ہے کہ نماز فرض ہے اور بڑا اہم فریضہ ہے۔اسلام کے بنیادی پانچ ارکان میں شامل ہے اور رکن ہے۔

دینی اور ایمانی اخوت کا دارومدار نماز پر ہے:

اللہ تبارک وتعالی نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿فَإِنْ تَابُوْا وَأَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَآتَوُا الزَّکٰوۃَ فَإِخْوَانُکُمْ فِی الدِّیْنِ وَنُفَصِّلُ الْآیَاتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ﴾ ❶

"اگر غیر مسلم کفر اور شرک سے تائب ہو جائیں، نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں پھر وہ تمہارے دینی بھائی ہیں"

پتہ چلا کہ جو کفر اور شرک سے توبہ نہیں کرتا وہ ایمان والوں کا دینی بھائی نہیں۔اسی طرح جو زکوۃ ادا نہیں کرتا وہ بھی ایمان والوں کا دینی بھائی نہیں۔اور جو نماز قائم نہیں کرتا وہ بھی ایمان والوں کا دینی بھائی نہیں ہے۔تو کتنی اہمیت ہے نماز کی؟

نماز کی محافظت:

رسول اللہ ﷺ کا فرمان مسند احمد میں موجود ہے آپ ﷺ فرماتے ہیں:

❶ سورۃ توبہ: ۱۱

''جو پانچ نمازوں کی محافظت کرتا ہے پابندی سے پڑھتا ہے اللہ کے ذمہ عہد ہے کہ اللہ اس کو جنت میں داخل فرمائیں گے''

((وَمَنْ لَمْ يُحَافِظْ عَلَيْهَا)) ''اور جو پانچ نمازوں کی محافظت نہیں کرتا'' (جو بالکل پڑھتا ہی نہیں اس نے محافظت کیا کرنی ہے؟) نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں جو پانچ نمازوں کی محافظت نہیں کرتا۔

((كَانَ مَعَ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَقَارُوْنَ وَأُبَيِّ بْنِ خَلَفٍ)) ❶

''وہ فرعون، ہامان، قارون اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا''

آپ جانتے ہیں ماشاء اللہ علماء کرام کی مجلسوں میں بیٹھتے ہو۔ قرآن وسنت کی باتیں سنتے رہتے ہو۔ فرعون، ہامان، قارون اور ابی بن خلف انہوں نے کہاں ہونا ہے؟ جہنم اور دوزخ میں ہونا ہے۔ اور جو نمازوں کی محافظت نہیں کرتا وہ بھی جہنم اور دوزخ میں ہوگا۔

اللہ تعالی نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ﴾

''جنتی دوزخیوں سے پوچھیں گے تم کو کس چیز نے جہنم میں پھینک دیا ہے؟

دوزخی اور جہنمی لوگوں کا جواب اللہ تعالی نے قرآن مجید میں نقل فرمایا ہے۔

﴿قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ○ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ○ وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَائِضِيْنَ ○ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ○ حَتّٰى أَتٰنَا الْيَقِيْنُ﴾ ❷

''جہنمی کہیں گے ﴿لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ﴾ ہم نمازی نہیں تھے۔ دوسری بات یہ کہیں گے ﴿وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ﴾ مسکینوں کو کھانا نہیں

---

❶ مسند احمد عن عبد اللہ بن عمرو حدیث: ٦٥٧٧ جزء ٢ صفحہ ١٦٩ مطبوعہ

❷ سورۃ مدثر: ٤٢ تا ٤٧

کھلاتے تھے تیسری بات یہ کہیں گے ﴿وَكُنَّا نَخُوضُ مَعَ الْخَائِضِينَ﴾
خوض کرنے والوں کے ساتھ ہم بھی خوض کرتے تھے''

دین اسلام کے ساتھ مذاق کرنے والوں کے ساتھ مل کر ہم بھی مذاق کیا کرتے تھے اور چوتھا سبب جہنم رسید ہونے کا یہ بیان کیا ہے ﴿وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ﴾

جزا وسزا کے دن کی ہم تکذیب کیا کرتے تھے۔حساب کتاب کے دن کو تسلیم نہیں کرتے تھے ﴿حَتّٰى أَتٰنَا الْيَقِيْنُ﴾ حتی کہ ہمارے پاس موت آگئی۔مرتے دم تک آخرت کی تکذیب کرتے رہے ہیں۔

تو جہنمیوں نے اپنے جہنم رسید ہونے کے چار اسباب بیان کئے ہیں۔ان چار میں سے پہلا سبب انہوں نے یہ بیان کیا ہے کہ ہم نمازی نہیں تھے۔

کافروں پر بھی نماز فرض ہے:

اس آیت پر غور کرو۔اس سے یہ بات ثابت ہو رہی ہے کہ جو مسلم ہیں ان پر تو نماز فرض ہے ہی،کافروں پر بھی نماز فرض ہے۔

کیونکہ کافر کہہ رہے ہیں:

﴿وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ﴾

''قیامت کے دن کی ہم تکذیب کیا کرتے تھے'' کافر ہی ہوئے نا؟

جو قیامت کے دن کی تکذیب کرے وہ مسلم تو نہیں ہوتا۔کافر ہی ہوتا ہے۔

﴿وَكُنَّا نَخُوضُ مَعَ الْخَائِضِينَ﴾

اور جو دین اسلام کا مذاق اڑائے وہ بھی کافر ہی ہوتا ہے۔

ہیں یہ کافر جہنم میں جانے کا سبب کیا بیان کر رہے ہیں۔وہ اپنا کفر بیان کر رہے ہیں اور ساتھ بے نماز ہونا بھی۔اگر نماز کافروں پر فرض ہی نہیں تھی تو پھر نماز ترک کرنے پر کافر مجرم تو نہ ہوئے؟

اگر نماز ان پر فرض ہی نہیں پھر تو وہ مجرم ہی نہ ہوئے۔اگر مجرم ہی نہیں تو پھر بے نماز ہونے کی وجہ سے جہنم میں کیوں جا رہے ہیں؟

غور فرماؤ: بہت سے لوگوں کے دماغ میں یہ چیز نہیں آتی۔نماز مسلموں اور مؤمنوں پر بھی فرض ہے۔اور کافر جنہوں نے کلمہ نہیں پڑھا یا کلمہ پڑھا ہے ویسے کافر ہیں نماز ان پر بھی فرض ہے۔تو اتنی اس کی اہمیت ہے جہنمیوں کو جہنم میں جا کر پتہ چلا وہ دوسرے اسباب پہلے نہیں بیان کرتے پہلے یہی کہتے ہیں:

﴿لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ﴾

نماز پڑھنے سے انسان کے گناہ بھی معاف ہوتے ہیں:

جو انسان نماز پابندی سے ادا کرے گا اس نے اپنا فریضہ ادا کیا۔اپنے فرض سے سبکدوش ہوا عہدہ برآ ہوا۔اور ساتھ اللہ کا فضل وکرم دیکھو: فریضہ اور ذمہ داری اپنی نبھا رہا ہے اور ساتھ اجر اور ثواب بھی اس کو مل رہا ہے۔اجر اور ثواب اللہ کا فضل وکرم ہی ہوا۔اللہ تعالی فرماتے ہیں:

﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا﴾ ❶

”جو ایک نیکی کرتا ہے اس کو دس گنا اجر وثواب ملتا ہے“

ایک نماز پڑھے گا اجر وثواب دس نمازوں کا۔معراج والی حدیث میں ہے۔اللہ تعالی نے نمازیں پانچ کر دیں اور ساتھ فرمایا:

((اُمْضَيْتُ فَرِيْضَتِيْ وَخَفَّفْتُ عَنْ عِبَادِيْ)) ❷

”میں نے اپنا فریضہ نافذ کر دیا ہے اور اپنے بندوں سے تخفیف بھی کر دی ہے“

((هُنَّ خَمْسٌ وَهُنَّ خَمْسُوْنَ)) ❸

---

❶ سورۃ انعام: ۱۶۰

❷ صحیح بخاری کتاب مناقب الأنصار باب المعراج حدیث: ۳۸۸۷

❸ فتح الباری جز ۱ صفحہ ۴۶۳ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت

پڑھے گا پانچ ملیں گی پچاس ﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا﴾ ❶ یہ محض اللہ کا فضل وکرم ہے ورنہ یہ تو اپنا فریضہ ادا کررہا ہے۔اپنی ذمہ داری نبھا رہا ہے۔اللہ تعالیٰ کے انعامات کا شکر ادا کر رہا ہے۔وہ بھی کما حقہ اس سے ہو نہیں رہا۔پھر بھی اللہ تعالیٰ اس کو اجر وثواب عطا کر رہا ہے۔

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں اور بعض روایات میں اللہ تعالیٰ کا فرمان بھی آیا ہے:

((كُلُّ حَسَنَةٍ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا اِلَى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ))

''ہر نیکی دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک''

اِلَّا الصَّوْمِ ''ما سوائے روزے کے'' اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

((فَاِنَّهُ لِيْ وَاَنَا أَجْزِيْ بِهِ)) ❷

''روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا اور اس کا ثواب دوں گا''

اس انسان کو اجر وثواب بھی مل رہا ہے۔اور ساتھ اللہ کا فضل وکرم بھی دیکھو۔نماز پڑھتا ہے اپنی ذمہ داری ادا کر رہا ہے۔اجر وثواب بھی لے رہا ہے اور ساتھ گناہ بھی اس کے معاف ہو رہے ہیں۔نماز پڑھنے سے انسان کے گناہ بھی معاف ہوتے ہیں رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں:

آپ میں سے کسی کے گھر کے سامنے دریا بہہ رہا ہو۔وہ اس میں دن رات میں پانچ دفعہ غسل کرے۔کیا اس کے بدن پر کوئی میل کچیل باقی رہ جائے

---

❶ سورة أنعام: ١٦٠

❷ یہ حدیث صحیح ابن حبان میں ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے :((عن أبي هريرة عن النبي ﷺ قال كل حسنة يعملها ابن آدم بعشر حسنات الى سبع مائة ضعف يقول الله الا الصوم فهو لي وأنا أجزي به يدع الطعام ـــــ)) صحيح ابن حبان كتاب الصوم باب فضل الصوم حديث نمبر ٣٤٢٤ مطبوعه مؤسسة الرسالة بيروت

گی؟صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا نہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پانچ نمازوں کی یہی مثال ہے۔ باقاعدگی سے پانچ نمازیں پڑھے۔اس کے گناہوں کی میل کچیل صاف ہو جائے گی گناہ اس سے صاف ہو جاتے ہیں۔ ❶

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مجلس میں سوال کیا:

((أَيُّكُمْ يَحْفَظُ حَدِيثَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْفِتْنَةِ))

''آپ میں سے کسی کو فتنے کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث یاد ہو؟

((قَالَ حُذَيْفَةُ أَنَا))

''حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے کہا۔ مجھے یاد ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا''

((فِتْنَةُ الرَّجُلِ فِي أَهْلِهِ وَمَالِهِ وَجَارِهِ يُكَفِّرُهَا الصَّلٰوةُ وَالصَّدَقَةُ وَالصَّوْمُ وَالْأَمْرُ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ))

''آدمی کا فتنہ، اس کی لغزشیں گھر کے معاملے میں، مال کے معاملے میں، ہمسائیوں کے معاملات میں، نماز ان خطاؤں کا کفارہ بن جاتی ہے،صدقہ روزہ،امر بالمعروف،نہی عن المنکر ان چیزوں کا کفارہ بن جاتے ہیں''

معلوم ہوا کہ نماز غلطیوں کا کفارہ بھی ہے۔عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ میرا سوال اس فتنے کے متعلق نہیں۔میرا سوال اس فتنے کے متعلق ہے جو فتنہ بہت بڑا ہوگا سمندر کی طرح جوش مارتا ہوگا۔سب کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا اس فتنے کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان پوچھ رہا ہوں۔حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے اس فتنے کے متعلق بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سنایا۔ ❷ بہر حال مقصد یہ تھا کہ نماز گناہوں غلطیوں کا کفارہ بن جاتی ہے۔

صحیح بخاری میں ہے۔عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا کوئی خطا غلطی اس نے کی تھی۔کہنے لگا مجھ سے غلطی ہو گئی

❶ صحیح بخاری کتاب مواقیت الصلاۃ باب الصلوات الخمس کفارۃ حدیث :۵۲۸

❷ صحیح بخاری کتاب الزکوۃ باب الصدقۃ تکفر الخطیئۃ حدیث :۱۴۳۵

ہے۔رسول اللہ ﷺ نے اس کی بات سنی۔نماز کا وقت تھا نماز پڑھنے کے بعد اس نے پھر عرض کی مجھ سے غلطی ہوگئی ہے۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا نماز ہمارے ساتھ پڑھی ہے؟ کہنے لگا جی ہاں نماز میں نے پڑھی ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالی نے آیت اتار دی ہے۔❶

﴿وَأَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ اللَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذَّاكِرِيْنَ﴾❷

”دن کے دونوں اطراف اور رات کی گھڑیوں میں نماز قائم کرو یقیناً نیکیاں برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں“

اللہ تعالی نے بات نماز کی بیان کی اور الفاظ عام استعمال فرمائے۔ ﴿إِنَّ الْحَسَنَاتِ﴾ نیکیاں اس میں نماز بھی آگئی دوسری نیکیاں بھی آگئیں۔ صدقہ، روزہ، حج، زکوۃ وغیرہ سب آگئیں ﴿إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ﴾ نیکیاں برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں اور نماز بھی برائیوں کو ختم کرتی ہے۔ان کا کفارہ بنتی ہے۔

صحیح مسلم کی حدیث ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

((اَلصَّلَوَاتُ الْخَمْسُ وَالْجُمُعَةُ اِلَى الْجُمُعَةِ وَرَمَضَانُ اِلَى رَمَضَانَ مُكَفِّرَاتٌ لِّمَا بَيْنَهُنَّ اِذَا اجْتُنِبَ الْكَبَائِرُ)) وَفِيْ رِوَايَةٍ ((مَا لَمْ تُغْشَ الْكَبَائِرُ)) ❸

”پانچ نمازیں اور جمعہ جمعہ تک اور رمضان کے روزے رمضان تک درمیانے

---

❶ صحیح بخاری کتاب مواقیت الصلاۃ باب الصلاۃ کفارۃ حدیث :٥٢٦ صحیح بخاری میں یہ ذکر نہیں کہ نبی ﷺ نے اس کو کہا کہ تو نے ہمارے ساتھ نماز پڑھی ہے۔

❷ سورۃ ھود :١١٤

❸ صحیح مسلم کتاب الصلاۃ باب الصلوات الخمس والجمعۃ الی الجمعۃ ورمضان الی رمضان مکفرات لما بینھن ما اجتنبت الکبائر حدیث :٢٣٣ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت جزء١ صفحہ ٢٠٠

وقفوں کے لئے کفارہ بن جاتے ہیں۔جب تک کبائر سے اجتناب کیا جائے“

کبیرہ گناہ کا ارتکاب نہ کیا جائے تو یہ نمازیں، جمعے کفارہ بن جاتے ہیں۔اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوئی کہ نماز، جمعے، روزے یہ کبیرہ گناہوں کا کفارہ نہیں بنتے۔صغیرہ گناہوں کا کفارہ بنتے ہیں۔صغیرہ کا کفارہ بنیں پھر بھی بہت بڑی بات ہے کہ صغیرہ گناہ ہی انسان کے معاف ہو جائیں۔اللہ تعالی نے قرآن مجید میں فرمایا ہے:

﴿إِنْ تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُدْخَلًا كَرِيمًا﴾ ❶

”اگر کبائر سے اجتناب کرو تو پھر ہم تمہاری غلطیوں کو مٹا دیں گے ختم کر دیں گے اور تم کو عزت کی جگہ داخل کریں گے۔“

کبیرہ گناہ توبہ کرنے سے معاف ہوتا ہے یا اللہ اپنے فضل وکرم سے معاف کر دے یا کچھ مخصوص نیکیاں ہیں جن کے کرنے سے کبیرہ گناہ بھی معاف ہو جاتے ہیں لیکن وہ مخصوص نیکیاں ہیں۔

کفر وشرک یہ اللہ تعالی معاف نہیں کریں گے اگر اسی حالت پر فوت ہو جائے۔

اللہ تعالی نے قرآن مجید میں اعلان فرما دیا ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدِ افْتَرَى إِثْمًا عَظِيمًا﴾ ❷

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا﴾ ❸

کفر کے متعلق فرمایا:

---

❶ سورۃ نساء، آیت نمبر ۳۱

❷ سورۃ نساء: ۴۸

❸ سورۃ نساء: ۱۱٦

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ﴾ ❶

صحیح بخاری میں حدیث ہے۔عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو وضوء کر کے دکھایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح وضوء کرتے تھے۔پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث سنائی کہ رسول اللہ نے فرمایا: ''جو مؤمن مسلم میرے والا وضوء کرے'' وضوء بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم والا اور نماز بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والی ((صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّيْ)) ❷ ''اس طرح نماز پڑھو جس طرح مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے'' حج بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح سب نیکیاں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح۔

((مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ)) ❸

اللہ تعالی نے قرآن مجید میں فرمایا:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ ❹

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اسوہ حسنہ ہے۔وضو میں بھی،نماز،زکوۃ،حج میں، عقائد واعمال اور اقوال میں بھی۔

﴿وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ﴾ ❺

''رسول اللہ کا اتباع کرو تا کہ ہدایت یافتہ بن جاؤ''

پتہ چلا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع نہ کرنا ہدایت یافتہ بننے والا کام نہیں۔

---

❶ سورة محمد: ٣٤

❷ صحيح بخاری كتاب الأذان باب الأذان للمسافر اذا كانوا جماعة حديث: ٦٣١

❸ صحيح مسلم باب نقض الأحكام الباطلة ورد محدثات الأمور حديث: ١٧١٨ مطبوعہ دار احياء التراث العربی بيروت جزء ٣ صفحہ ١٣٤٣

❹ سورة أحزاب: ٢١

❺ سورة أعراف: ١٥٨

﴿وَمَنْ يَعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا﴾ ❶

''اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ کی جو لوگ نافرمانی کرتے ہیں وہ کھلی ضلالت اور گمراہی کے اندر ہیں''

لہٰذا عثمان رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جو میرے والا وضو کرے وہ مومن و مسلم وضو کرنے کے بعد ((ثم یصلي رکعتین)) دو رکعت نماز ادا کرے۔ دو رکعت کوئی پڑھے تخصیص نہیں فرمائی۔ عام لفظ استعمال کیے ہیں۔ فرض کو بھی شامل ہیں نفل کو بھی شامل ہیں ((لایحدث فیھما نفسه)) اطمینان تسلی سے پڑھے اپنے نفس سے بھی کوئی بات نہ کرے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

((غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ)) ❷

''اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں''

یہ دو رکعتوں کا اجر اور ثواب رسول اللہ ﷺ بیان فرما رہے ہیں۔ دن رات میں پانچ نمازیں فرض ہیں۔ ان کی فرض رکعات سترہ بنتی ہیں۔ دو فرض فجر کے، چار فرض ظہر کے، چار فرض عصر کے، تین فرض مغرب کے، چار فرض عشاء کے سترہ رکعتیں ہوئیں۔ یہ سترہ رکعتیں دن رات میں کوئی پڑھے دل جمعی اور اطمینان سے، رسول اللہ ﷺ والا وضو کر کے، کیا اس کے گناہ معاف نہیں ہوں گے؟ اللہ کے فضل وکرم سے ضرور معاف ہوں گے۔ اور فرضوں کے آگے پیچھے رکعتیں ساتھ شامل کر لو۔ رکعتوں کی تعداد اور زیادہ ہو جائے گی۔

فرض نمازوں سے پہلے اور بعد میں رکعات کی تعداد:

فرض نمازوں کے آگے پیچھے رکعات کی تعداد اکتیس ہے تیس اور ایک (تفصیل سماعت فرمائیں)

---

❶ سورۃ احزاب: ۳۶

❷ صحیح بخاری کتاب الوضوء، باب الوضوء، حدیث: ۱۵۹

فجر کی دو رکعتیں فرضوں سے پہلے:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق حدیث میں آتا ہے نبی کریم ﷺ ان دو رکعتوں کا جتنا اہتمام کرتے تھے فرضوں کے علاوہ کسی اور نماز کا اتنا اہتمام نہیں کرتے تھے۔❶ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو بہت زیادہ اہتمام کرتے تھے لیکن ہم پرواہ ہی نہیں کرتے۔

ظہر کے فرضوں سے پہلے چار رکعتیں:

دو اور چار چھ رکعتیں ہو گئیں۔

ظہر کے فرضوں کے بعد چار رکعتیں:

چھ اور چار دس رکعتیں ہو گئیں۔

ترمذی میں حدیث ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

((مَنْ حَافَظَ عَلَى أَرْبَعٍ قَبْلَ الظُّهْرِ وَأَرْبَعٍ بَعْدَهَا حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ)) ❷

"جو انسان چار رکعتیں ظہر سے پہلے پڑھتا ہے اور حفاظت سے باقاعدگی سے پڑھتا ہے۔اور چار رکعتیں ظہر کے بعد پڑھتا ہے بحفاظت سے باقاعدگی اور پابندی سے ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ جہنم و دوزخ پر حرام کر دے گا۔"

کتنی فضیلت ہے؟ چار ظہر سے پہلے پڑھنے اور چار بعد میں پڑھنے سے طبیعت میں کوئی خرابی واقع نہیں ہوتی اور نہ ہی اس کی موت واقع ہوتی ہے۔اور نہ ہی کوئی کاروباری خسارہ ہوتا ہے بلکہ باقاعدگی سے پڑھنے سے اللہ تعالیٰ برکت عطا فرما دیتا ہے اب تک کل دس رکعتیں ہوئیں۔

---

❶ صحیح بخاری کتاب التہجد باب تعاھد رکعتی الفجر حدیث: ۱۱۶۹

❷ جامع ترمذی باب ما جاء فی الرکعتین بعد الظھر کے بعد باب کے تحت یہ حدیث درج ہے حدیث: ۴۲۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت جزء ۲ صفحہ ۲۹۲

عصر کی نماز سے پہلے چار رکعتیں:

رسول اللہ ﷺ عصر کی نماز سے پہلے چار رکعتیں پڑھتے تھے۔ نبی کریمؐ نے عصر سے پہلے چار رکعتیں پڑھنے والوں کے لئے دعا بھی فرمائی ہے۔

«رَحِمَ اللّٰهُ امْرَأً صَلَّى قَبْلَ الْعَصْرِ أَرْبَعًا» ❶

''اللہ اس انسان پر رحم فرمائے جو عصر سے پہلے چار رکعتیں پڑھے''

عصر سے پہلے چار رکعتیں پڑھنے والے کے لئے رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی ہے۔ آپ دیکھتے نہیں کوئی فیصل آباد جا رہا ہے۔ بھائی کس لئے جا رہے ہو؟ بزرگوں سے دعا کروانے کے لئے۔ کتنا سفر کر رہا ہے اور کرایہ بھی خرچ رہا ہے۔ وقت بھی لگا رہا ہے دعا کرانے جا رہا ہے۔ وہ بھی کسی بزرگ سے کسی پیغمبر سے نہیں۔ یہ تو اللہ کے پیغمبر محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ ان کی دعا کی ضرورت نہیں؟ عصر سے پہلے چار رکعتیں پڑھ لے ان کی دعا کا مستحق بن گیا۔ تو یہ چار رکعتیں عصر سے پہلے ہیں۔ دس پہلے تھیں چار یہ جمع کر لو۔ چودہ ہو گئیں۔

عصر کے بعد دو رکعتیں رسول اللہ ﷺ پڑھتے تھے:

دلیل ان دو رکعتوں کی صحیح بخاری میں موجود ہے۔ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: «رَكْعَتَانِ» صحیح مسلم کی ایک روایت میں «صَلٰوتَانِ» کے الفاظ بھی آئے ہیں۔

«لَمْ يَكُنْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ يَدَعُهُمَا»

''دو رکعتیں دو نمازیں رسول اللہ ﷺ نہیں چھوڑتے تھے''

کیا مطلب کہ پڑھتے تھے «سرا ولا جهرا» پوشیدہ بھی نہ چھوڑتے تھے اور علانیہ بھی نہیں چھوڑتے تھے۔ حالت سفر میں بھی نہیں ترک کرتے تھے اور لوگوں کے

---

❶ جامع ترمذی کتاب الصلاۃ باب ماجاء فی الأربع قبل العصر حدیث: ۴۳۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت جزء ۲ صفحہ ۲۹۵

سامنے بھی نہیں چھوڑتے تھے۔

رَكْعَتَانِ قَبْلَ الصُّبْحِ وَرَكْعَتَانِ بَعْدَ الْعَصْرِ)) ❶

''دو رکعتیں فجر سے پہلے اور دو رکعتیں عصر کے بعد''

ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عصر کی دو رکعتیں فجر کی دو رکعتوں کے ساتھ بیان کی ہیں۔ جہاں سے ان کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے اور پھر یہ بھی فرمایا ہے کہ نہ خفیہ چھوڑتے تھے نہ علانیہ چھوڑتے تھے۔ یہ دو رکعتیں بھی ساتھ شامل کر لو۔ سولہ رکعتیں ہوگئیں

عصر کے بعد والی دو رکعتوں پر اعتراضات اور ان کے جوابات:

کچھ لوگ عصر کی دو رکعتوں کے متعلق چہ میگوئیاں کرتے ہیں۔ آج تک ہم نے سنی نہیں۔ جس نے آج تک نہیں سنی اس میں ہمارا کوئی قصور نہیں۔ اس کے نہ سننے سے حدیث کا تو کوئی قصور نہیں۔

ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کر رہی ہیں اور حدیث بھی بخاری و مسلم کی متفق علیہ ہے۔

متفق علیہ حدیث ثبوت کے اعتبار سے اتنی ہی مضبوط ہوتی ہے جتنی قرآن مجید کی آیت مضبوط ہوتی ہے۔ کیونکہ دونوں قطعی الثبوت ہیں گو قطعیت میں آیت زیادہ درجہ رکھتی ہے۔ متواتر حدیث اور متفق علیہ حدیث قرآن کی طرح قطعی الثبوت ہوتی ہے۔ مولانا انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ جو دار العلوم دیو بند کے استاد اور بہت بڑے عالم محدث تھے، فیض الباری کے مقدمے میں املائی تقریر فرماتے ہیں کہ ''بخاری اور مسلم کی احادیث قطعی الثبوت ہیں۔ اور متواتر احادیث کا ثبوت بھی قطعی ہوتا ہے۔ اور قرآن مجید کی آیات بھی متواتر ہیں قطعی الثبوت ہیں۔'' شاہ صاحب کی بات ختم ہوئی۔

❶ صحیح بخاری کتاب مواقیت الصلاۃ باب ما یصلی بعد العصر من الفوائت حدیث: ۵۹۲

اس لئے اگر کوئی کہے کہ یہ حدیث ثابت ہی نہیں۔ یہ تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا متفق علیہ حدیث ہے قطعی الثبوت ہے ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرما رہی ہیں۔

اعتراض نمبر ۲: عصر کے بعد والی رکعتیں ظہر کے بعد والی تھیں:

ایک بات یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ عصر کے بعد والی رکعتیں ظہر کے بعد والی تھیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رہ گئی تھیں۔

جواب: اس بات پر بھی ذرا غور فرما لو: کیا وہ ظہر کے بعد والی رکعتیں ایک دن رہ گئی تھیں یا ہمیشہ رہ گئی تھیں۔ ایک دن رہ گئی تھیں۔ تو پھر ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ پڑھ لی تھیں۔ کسی آدمی کی نماز فرض خواہ غیر فرض رہ جائے تو وہ ایک ہی دفعہ پڑھتا ہے۔ اس کی قضاء ایک ہی دفعہ دیتا ہے۔ یا روزانہ اس کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔

ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان آپ نے سن لیا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو چھوڑتے ہی نہیں تھے «لَمْ یَکُنْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَدَعُھُمَا» پھر ایک لفظ یہ بھی ہے کہ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم عصر کے بعد میرے گھر آتے تھے دو رکعتیں پڑھتے تھے۔ [1] پھر یہ ظہر والی تو نہ ہوئیں۔ ظہر والی رکعتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ ہی پڑھی ہیں۔

اعتراض نمبر ۳: آپ جس کام کو شروع کرتے تھے پھر اس پر ہمیشگی کرتے تھے:

ایک نظریہ یہ بھی پیش کیا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ایک عمل شروع کرتے تھے۔ تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کرتے ہی چلے جاتے تھے۔ اس پر ہمیشگی کرتے تھے ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی رکعتیں عصر کے بعد پڑھیں پھر ان پر

[1] کتاب مواقیت الصلاۃ باب ما یصلی بعد العصر من الفوائت حدیث: ۵۹۳

ہمیشگی کی ۔ رکعتیں ظہر کی ہی تھیں۔

اس بات پر بھی ذرا غور فرما لو: کہ یہ نظریہ کس حد تک پایہ ثبوت تک پہنچتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی ظہر کی رکعتوں کے علاوہ بھی کئی نمازیں رہ گئی تھیں۔ فجر کی نماز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رہ گئی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بھی رہ گئی سورج کے طلوع ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے پڑھی وقت کے بعد پڑھی۔ ❶

اگر یہی اصول ہوتا رسول اللہ ﷺ کا تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ سورج کے طلوع ہونے کے بعد چار رکعتیں پڑھتے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ شروع تو کر لی ہیں اگر چہ قضاء کر کے ہی پڑھی ہیں جس طرح ظہر کے بعد والی رکعتیں قضا کر کے پڑھی ہیں۔ ظہر کے بعد والی پر آپ ﷺ نے ہمیشگی کر لی اور سورج کے طلوع ہونے کے بعد والی رکعتوں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشگی نہیں کی۔ معلوم ہوا کہ یہ قاعدہ قانون کوئی نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی نماز قضا ہو۔ آپ نے وہ ایک دفعہ پڑھی ہو پھر ہمیشہ اس کو پڑھتے رہے ہوں۔ یہ اصول آپ ﷺ کا کوئی نہیں تھا۔

دوسری مثال نبی کریم ﷺ کی عصر اور مغرب کی نمازیں ایک دفعہ رہ گئی تھیں۔ عشاء کا وقت ہو گیا تھا عشاء کے وقت میں آپؐ نے عصر بھی پڑھی مغرب بھی پڑھی قضا کر کے پڑھی وقت بھی گزر گیا تھا۔ ❷

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سلسلہ شروع تو نہیں کر دیا تھا کہ عشاء کے بعد عصر بھی روزانہ پڑھیں اور مغرب بھی۔ اس لئے یہ اصول رسول اللہ ﷺ کا نہیں تھا۔ کسی کے دماغ میں آگیا ہے تو آجائے ہم کیا کر سکتے ہیں؟

البتہ نبی کریم ﷺ کوئی نیک کام ابتداء سے نئے سرے سے شروع کرتے تو اس کے متعلق آپ کی کوشش ہوتی تھی کہ اس پر ہمیشگی کی جائے۔ اور آپ ﷺ نے

❶ صحیح بخاری کتاب مواقیت الصلاۃ باب الاذان بعد ذهاب الوقت حدیث: ۵۹۰

❷ صحیح بخاری کتاب مواقیت الصلاۃ باب من صلی بالناس جماعة بعد ذهاب الوقت حدیث: ۵۹۶

اس معاملے میں ترغیب بھی دلائی ہے۔

((أَحَبُّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللّٰهِ أَدْوَمُهَا وَإِنْ قَلَّ)) ❶

''اللہ کے ہاں زیادہ محبوب پیارے اعمال وہ ہیں۔ جن پر ہمیشگی کی جائے۔ خواہ وہ کم ہی ہوں''

اور ایک روایت میں رسول اللہ ﷺ کے یہ الفاظ بھی ہیں:

((مَا دَاوَمَ عَلَيْهِ صَاحِبُهُ)) ❷

''اعمال میں سے اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب وہ عمل ہے جس پر عمل کرنے والا ہمیشگی کرے''

لیکن ابتداء سے نئے سرے سے۔ یہ نہیں کہ قضا کیا ہے پھر اس کو ہمیشہ کرنا شروع کر دے۔ ہمیشہ تو وہ کرتا ہی ہے اسی لئے تو وہ اس کی قضا دے رہا ہے رسول اللہ ﷺ ظہر کے بعد دو رکعتیں ہمیشہ پڑھتے تھے۔ ایک دفعہ رہ گئی تھیں اسی وجہ سے آپؐ نے عصر کے بعد وہ پڑھی تھیں کہ ہمیشگی میں فرق نہ آئے قضا نماز میں رسول اللہ ﷺ کا یہ اصول نہیں تھا۔ قضا نماز میں اگر یہی اصول ہوتا تو پھر نبی ﷺ فجر کو سورج طلوع ہونے کے بعد اور عصر و مغرب کو عشاء کے بعد روزانہ پڑھتے۔

اعتراض نمبر ۴: عصر کے بعد والی رکعتیں رسول اللہ ﷺ کا خاصہ تھیں:

پھر ایک بات یہ بھی بتائی جاتی ہے کہ یہ نبی کریم ﷺ کا خاصہ تھا۔ یہ آپ ﷺ کے ساتھ مخصوص تھا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کے بعد نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔

جواب: آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو دو رکعتیں پڑھتے تھے۔ یہ آپ ﷺ کا خاصہ ہے۔ دوسرا کوئی نہیں پڑھ سکتا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں اس

❶ صحیح مسلم باب فضیلۃ العمل الدائم من قیام اللیل وغیرہ حدیث: ۷۸۳

❷ صحیح مسلم باب أمر من نعس صلاتہ حدیث: ۷۸۵ حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ((کان أحب الدین الیہ ما داوم علیہ صاحبہ))

نظریہ کی خوب تردید فرمائی ہے۔ ❶

اہل علم کی خدمت میں گزارش ہے کہ فتح الباری کا یہ مقام ضرور ایک دفعہ پڑھ لیں۔ یہ مقام بھی بہت عمدہ اور بہترین ہے انہوں نے بحث کی ہے کہ یہ نبی کریم ﷺ کا خاصہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ تو فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے لئے اسوہ حسنہ ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہی طریقہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو کوئی کام کرتے دیکھتے تو فوراً کرنا شروع کر دیتے تھے۔ سوال نہیں کرتے تھے۔ کہ یہ آپ کا خاصہ ہے یا نہیں؟

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں جوتا اتار دیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی جوتے اتار دیئے۔ ❷ نماز میں تو وہ سوال کر ہی نہیں سکتے تھے۔ جس طرح نبی کریم ﷺ کرتے تھے اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کرتے تھے۔ حدیبیہ کے مقام پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ٹھہرے ہوئے تھے کفار آپ کو عمرہ نہیں کرنے دیتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دے دیا کہ قربانیاں جو ساتھ لے کر آئے ہو یہیں ذبح کر دو۔ کیونکہ احصار کا قاعدہ یہی ہے۔

﴿فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ﴾ ❸

جو میسر ہے قربانی کر دو۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا قربانیاں ذبح کر دو۔ صحابہ میں سے کوئی بھی اٹھ کر قربانی ذبح نہیں کرتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پریشان ہوئے۔ کہ میں ان کو حکم دے رہا ہوں یہ ذبح نہیں کرتے۔ نبی کریم ﷺ ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس خیمہ میں چلے گئے۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا۔ آپ ﷺ پریشان کیوں ہیں؟ آپ نے فرمایا: میں نے ان کو قربانیوں کے ذبح کرنے کا کہا ہے یہ ذبح نہیں

---

❶ فتح الباری ، حدیث : ۵۹۲-۵۹۳۔

❷ صحیح ابن حبان باب ذکر الأمر لمن أتى المسجد للصلاة أن ينظر في نعليه ويمسح الأذى عنهما إن كان بهما حديث نمبر ۲۱۸۵ جزء ۵ صفحه ۵۶۰ أبو داؤد باب الصلاة في النعل حديث : ۶۵۰

❸ سورة البقرة : ۱۹۶

کرتے۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس انتظار میں تھے کہ شاید بات بن جائے تو مکہ جا کر ہی ذبح کریں گے۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں آپ ان کو (صحابہ کرام کو) کچھ نہ کہیں۔اپنی قربانی کو ذبح کر دیں۔ام سلمہ رضی اللہ عنہا سمجھتی تھیں کہ جس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قربانی کا جانور ذبح کریں گے تو وہ فوراً ذبح کر دیں گے۔ نبی کریمؐ نے اپنی قربانی ذبح کر دی۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جب دیکھا کہ نبی کریمؐ نے قربانی ذبح کر دی ہے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فوراً اپنی اپنی قربانیاں ذبح کر دیں۔ ❶

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو بھی عمل کریں وہ عامہ ہی ہوتا ہے خاصہ نہیں ہوتا۔قاعدہ قانون یہی ہے۔البتہ خاصہ کی کوئی دلیل آئے تو پھر خاصہ بنے گا جب تک دلیل نہ آئے وہ عامہ ہی سمجھا جائے گا۔خاصہ نہیں ہوگا قانون یہی ہے۔

اس کی مثال اللہ تعالی نے قرآن مجید میں فرمایا ہے :جو عورت اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہبہ کردے وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حلال ہے۔آپ ارادہ کریں تو نکاح کر سکتے ہیں۔

﴿خَالِصَةً لَّكَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ ❷

”یہ صرف آپ کے لئے خاص ہے دوسرے ایمانداروں کے سوا“

یہ الفاظ اللہ تعالی نے کیوں استعمال فرمائے ؟اگر یہ لفظ استعمال نہ فرماتے تو یہ بھی عامہ بن جاتا تھا۔یہ چیز بھی عام ہو جاتی تھی۔

جس طرح اللہ تعالی نے قرآن مجید میں فرمایا ہے :”اے نبی ہم نے آپ کے لئے چچا کی بیٹیوں سے نکاح حلال کر دیا ہے،پھوپھی کی بیٹیوں سے نکاح حلال کر دیا ہے“ ......”خالہ کی بیٹی سے بھی تمہارے لئے نکاح حلال کر دیا ہے“

کیا یہ چیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خاص ہے؟نہیں عام ہے۔قرآن مجید میں

❶ صحیح بخاری کتاب الشروط باب الشروط فی الجهاد والمصالحة مع أهل الحرب وكتابة الشروط حدیث :۲۷۳۱

❷ سورة أحزاب : ۵۰

تو نبی کریم ﷺ کا ہی نام ہے۔

﴿يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ الّٰتِيْ آتَيْتَ أُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّا أَفَاءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِيْ هَاجَرْنَ مَعَكَ﴾ ❶

رسول اللہ کے چچا کا، رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی کا، رسول اللہ کے ماموں اور رسول اللہ ﷺ کی خالہ کا ذکر ہے کہ ان کی بیٹیوں کا نکاح تمہارے لئے حلال ہے۔ عامہ ہی بنا کیونکہ خاصہ کی دلیل کوئی نہیں آئی۔ اور ادھر ہبہ کرنے میں لفظ آ گئے:

﴿خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾

تو عصر کے بعد دو رکعتیں رسول اللہ ﷺ پڑھتے تھے نہ ان کو سرًا چھوڑتے نہ علانیہ۔ ان کے خاصہ ہونے کی دلیل کیا ہے؟

ایک اور دلیل پیش کی جاتی ہے۔ اس پر بھی ذرا غور کر لو۔ ابو داؤد میں حدیث آتی ہے۔

((إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي بَعْدَ الْعَصْرِ وَيَنْهٰى عَنْهَا)) ❷

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصر کے بعد دو رکعتوں سے منع کرتے تھے اور خود پڑھتے تھے''

خاصہ بن گیا ہاں ٹھیک ہے۔ یہ دلیل خاصہ کی بن سکتی ہے۔ اگر پایہ ثبوت تک پہنچ جائے لیکن یہ روایت پایہ ثبوت تک پہنچتی ہی نہیں۔ اس میں ایک راوی مدلس ہے۔ ❸ تدلیس کا عادی تھا اس روایت میں سماع کی تصریح اس نے نہیں کی (عن) کے لفظ سے وہ روایت کر رہا ہے۔ دوسری کتب میں تفتیش کی ہے کہ شاید سماع کی تصریح مل جائے اور تدلیس والا نقص ختم ہو جائے لیکن سماع کی تصریح ملی

❶ سورۃ أحزاب : ٥٠

❷ باب من رخص فيهما اذا كانت الشمس مرتفعة ابو داؤد صفحة ١٨٩ درسی کتب۔

❸ محمد بن اسحاق

نہیں۔متابعت بھی کہیں سے نہیں ملی اور اگر یہ صحیح ہوتی تو دلیل بن سکتی تھی۔دوسری بات یہ بھی ہے کہ یہ روایت کرنے والی ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں۔وہ یہ بھی فرما رہی ہیں:

((لَمْ يَكُنْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَعُهُمَا)) ❶

اور پھر مزید یہ کہ خود عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا یہ دو رکعتیں پڑھا کرتی تھیں۔

صاحب عون المعبود نے صحیح سند سے روایت نقل کی ہے کہ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھا کرتی تھیں۔اور جو نہیں پڑھنے دیتا تھا اس پر نکیر فرماتی تھیں۔اور کہتی تھیں ان کی خطا اور لغزش ہے۔ان کو غلطی لگ گئی ہے۔❷

بہر حال یہ دو رکعتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے تھے۔خاصہ کی دلیل کوئی نہیں عامہ ہی ہے۔صرف اتنی بات ہے کہ ہم لوگ سستی کرتے ہیں۔پڑھتے نہیں کچھ لوگوں کے علم میں نہیں اور جن کے علم میں ہیں وہ ویسے کوتاہی کر جاتے ہیں۔اور بھی کئی نفلی نمازیں ہیں جن میں کوتاہی کر جاتے ہیں۔اور کچھ کا ذہن یہ ہے کہ پڑھنی ہی نہیں چاہییں۔اس لئے عام لوگوں میں اس کی تشہیر نہیں ہوئی ورنہ ہیں یہ عامہ ہی خاصہ کی دلیل کوئی نہیں۔

اعتراض نمبر ۵:رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کے بعد نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے:

ایک بات یہ بھی کہی جاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کے بعد نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ٹھیک ہے منع فرمایا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ عصر کے بعد نماز نہ پڑھو۔❸

---

❶ صحیح بخاری کتاب مواقیت الصلاۃ باب ما یصلی من الفوائت بعد العصر حدیث:۵۹۲

❷ عون المعبود باب من رخص فیھما اذا کانت الشمس مرتفعۃ فلا تکرہ الصلوۃ عندہ بعد العصر اذا کانت الشمس حیۃ بیضاء جزء نمبر ٤ صفحہ ۱۱۲ مطبوعہ دار الکتب بیروت

❸ صحیح بخاری باب لا یتحری الصلاۃ قبل غروب الشمس حدیث:۵۸۳

جواب: آپ نے پہلے سن لیا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی ظہر کے بعد والی رکعتیں رہ گئی تھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کے بعد پڑھی ہیں۔ساری دنیا اس کو تسلیم کرتی ہے۔منع میں یہ تو شامل نہیں ہوئیں۔اگر منع تھیں تو پھر آپ ﷺ نے کیوں پڑھیں۔کسی اور وقت پڑھ لیتے مغرب کے بعد وقت نہیں آتا تھا؟

معلوم ہوا کہ اگر رہی نماز آپ پڑھ لیں تو وہ منع میں شامل نہیں۔ظہر کی نماز کسی کی بھی رہ جائے تو کیا وہ عصر کے بعد نہیں پڑھ سکتا؟ پڑھے گا۔عصر کے بعد نماز نہیں اب منع کدھر گیا؟ پھر ایک اور حدیث بھی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک وقت آجائے گا۔لوگ نماز مؤخر کر کے پڑھیں گے۔آپ بر وقت نماز پڑھ لیا کریں۔اگر ان کی جماعت ملے تو ان کے ساتھ بھی شامل ہو جایا کرو۔وہ آپ کے نفل بن جائیں گے۔❶ اب عصر کی نماز کوئی آپ کے فرمان کے مطابق بر وقت پڑھ لے۔پھر اس کو بعد میں جماعت مل جائے تو کیا ساتھ ملے گا؟ہاں:تو وہ اس کے نفل ہو گئے تو کیا وہ عصر کے بعد نہیں؟ نبی کریم ﷺ نے عصر کے بعد نفل پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔لیکن اس کے باوجود یہ پڑھ سکتے ہیں۔

کوئی شخص طواف کرتا ہے فجر کے بعد اور عصر کے بعد۔اب طواف کی بھی دو رکعتیں وہ پڑھے گا۔کیونکہ نبی کریم ﷺ طواف کرتے اور پھر مقام ابراہیم علیہ السلام میں دو رکعتیں پڑھتے۔اب بھی وہاں لوگ پڑھتے ہیں اب یہ نفل بھی وہ عصر کے بعد پڑھ رہا ہے عصر کے بعد نفلی نماز کوئی نہیں اس کے باوجود پڑھ رہا ہے۔

کچھ اہل علم کی تحقیق یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مطلقاً عصر کے بعد نماز پڑھنے سے منع نہیں فرمایا۔بلکہ جب سورج کا رنگ زرد ہو جائے غروب ہونے کے قریب اس وقت رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔عصر کی نماز مثل اول سے لے کر سورج کے زرد ہونے تک سورج کے رنگ بدلنے تک آپ نے منع نہیں فرمایا۔اس وقت میں نماز پڑھ سکتے ہیں۔جن کی یہ تحقیق ہے وہ پڑھ سکتے ہیں۔اور

---

❶ صحیح مسلم باب کراھیۃ تاخیر الصلاۃ عن وقتھا المختار حدیث:٦٤٨ جز ١ صفحہ ٤٤٨

جو کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے عصر کے بعد مطلقاً نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے وہ بھی کچھ نمازیں مستثنیٰ کرتے ہیں۔مثلاً:نماز جنازہ یا جو فرض نمازیں رہ گئی ہیں نفل نمازیں رہ گئی ہیں۔ان کے خیال کے مطابق وہ پڑھ سکتے ہیں منع والی احادیث سے یہ مستثنیٰ ہیں۔اس وجہ سے کہ ان کا پڑھنا ثابت ہے۔کچھ نبی کریم ﷺ نے پڑھیں اور کچھ کے متعلق فرما دیا۔اب یہ دو رکعتیں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی ہیں۔یہ اس سے مستثنیٰ نہیں ہو سکتیں، یہ بھی نہی والی احادیث سے مستثنیٰ ہو جائیں گی۔یہ بھی کراہت والے وقت سورج کے رنگ بدلنے سے پہلے پہلے عصر کی نماز کے ساتھ ہی پڑھ لے۔

بہر حال جتنے بھی عذر کئے جاتے ہیں ان میں سے کوئی بھی قابل اعتناء نہیں جو واقعی عذر بن سکے بہر حال یہ بھی دو رکعتیں ثابت ہیں۔اب کل تعداد رکعتوں کی سولہ ہو گئی۔

مغرب کے فرضوں سے پہلے دو رکعتیں:

آگے آ گئی مغرب کی نماز اس کے فرضوں سے پہلے دو رکعتیں۔سولہ اور دو اٹھا رہ ہو گئیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((بَیْنَ كُلِّ أَذَانَیْنِ صَلٰوةٌ)) ❶

”ہر اذان اور اقامت کے درمیان نماز ہے“

دو مرتبہ آپ ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی۔تیسری مرتبہ فرمایا ((لمن شآء)) ”جو چاہے“ اس لئے فرمایا کہیں لوگ اس کو فرض نہ سمجھ لیں۔

پھر مغرب سے پہلے بھی نماز ہوئی نا؟ کیونکہ آپ ((بین کل اذانین)) لفظ کل استعمال فرما رہے ہیں۔فجر کے وقت بھی اذان اور اقامت کے درمیان نماز،ظہر کے وقت بھی اذان اور اقامت کے درمیان نماز،عصر کے وقت بھی اذان اور اقامت

---

❶ صحیح بخاری کتاب الأذان باب بین کل اذانین صلاۃ لمن شاء حدیث:٦٢٧

کے درمیان نماز،مغرب کے وقت بھی اذان اور اقامت کے درمیان نماز،عشاء کے وقت بھی اذان اور اقامت کے درمیان نماز ہے «بین کل اذانین صلوۃ»● بلکہ اس حدیث کے عموم کو سامنے رکھو تو پتہ چلتا ہے کہ

نماز جمعہ کی اذان اور اقامت کے درمیان بھی نماز ہے:

اس لئے اہل حدیث علماء کہتے ہیں کہ جو آدمی خطبہ شروع ہونے کے درمیان پہنچتا ہے وہ بھی دو رکعتیں پڑھ لے۔کیونکہ نبی کریم ﷺ فرما رہے ہیں:«بین کل اذانین صلوۃ»● اور خاص حدیث بھی موجود ہے جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

نبی کریم ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے ایک آدمی آیا اور بیٹھ گیا۔نبی کریمؐ نے پوچھا کہ تو نے دو رکعتیں پڑھیں ہیں؟اس کو کھڑا کرا کے دو رکعتیں پڑھائیں۔●اور یہ بھی فرمایا:

«إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمْ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ وَلْيَتَجَوَّزْ فِيهِمَا»●

"جب تم میں سے کوئی شخص آئے اور امام خطبہ دے رہا ہو تو وہ ہلکی پھلکی دو رکعتیں پڑھے"

بات یہ پیش کی جاتی ہے کہ وہ آدمی غریب تھا۔نبی کریم ﷺ نے اس کو اس لئے کھڑا کرا کے نماز پڑھوائی تھی کہ لوگ اس کی حالت کو دیکھ لیں اور کچھ صدقہ خیرات کر دیں۔یہ بات بے بنیاد ہے لیکن چند منٹ کے لئے تسلیم کر لو کہ

● صحیح بخاری کتاب الأذان باب کم بین الأذان والاقامة أن ینتظر الاقامة حدیث:٦٢٤

● صحیح بخاری کتاب الأذان باب کم بین الأذان والاقامة أن ینتظر الاقامة حدیث:٦٢٤

● صحیح بخاری کتاب الجمعة باب اذا رأى الامام رجلا جاء وهو يخطب أمره أن يصلي ركعتين حديث:٩٣٠

● صحیح مسلم باب التحية والامام يخطب حديث:٨٧٥ جزء ٢ صفحه ٥٩٦مطبوعه دار احياء التراث العربي بيروت

اس کی حالت اسی طرح تھی اور اسی لئے اس کو رسول اللہ ﷺ نے کھڑا کیا تھا تو آگے آپ ﷺ کا فرمان ہے۔ جب کوئی تم میں سے آئے اور امام خطبہ دے رہا ہوتو ہلکی پھلکی دورکعتیں پڑھے۔تو کیا ساری امت ہی نادار اور مفلس ہو گئی ہے قیامت تک؟

کچھ سوچو غور کرو: بات وہ کرو جو بن سکے یہ بات تو بنتی ہی نہیں۔ چلو اس اکیلے آدمی کے متعلق بنا لو۔لیکن یہ جو آپ ﷺ کا فرمان ہے صحیح مسلم میں موجود ہے۔ جب آؤ اور امام خطبہ دے رہا ہوتو ہلکی پھلکی دو رکعتیں پڑھو۔اس کے متعلق کیا کہو گے؟ سوچو اور غور کرو۔

تو ((بین کل اذانین صلوۃ)) اس کا عموم یہ تقاضا کر رہا ہے کہ مغرب کے فرضوں سے پہلے بھی نماز ہے:

اور خاص حدیث بھی موجود ہے۔صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشادفرمایا:

((صَلُّوا قَبلَ صَلاَةِ الْمَغرِبِ)) [1]

تین دفعہ آپ ﷺ نے فرمایا: مغرب سے پہلے نماز پڑھو تیسری دفعہ فرمایا: ((لمن شآء))

کہیں لوگ فرض نہ بنا لیں۔کیونکہ نبی کریم ﷺ کا حکم بھی فرض پر دلالت کرتا ہے۔اللہ کا حکم بھی فرض پر دلالت کرتا ہے۔البتہ کوئی قرینہ اور دلیل مل جائے کہ یہ چیز فرض نہیں یہ اور بات ہے۔قرینہ اور دلیل نہ ہو حکم اللہ تعالی یا رسول اللہ ﷺ کا ہو یہ فرض پر ہی دلالت کرتا ہے۔

یہ جو ذہن چلتا ہے کہ قرآن پاک میں اللہ تعالی کا حکم آجائے تو فرض ہے۔اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان آجائے فرض نہیں سنت بنتی ہے۔یہ عقیدہ ٹھیک نہیں اور کسی بھی عالم کا یہ نظریہ نہیں عام لوگوں کی بات ہے کسی نے کوئی

---

[1] صحیح بخاری کتاب التہجد باب الصلاۃ قبل المغرب حدیث :۱۱۸۳

بات سنی ہے اس کو صحیح سمجھ نہیں سکا تو یہ کہہ دیا ہے۔حکم ہو اللہ کا،اللہ کے پیغمبر کا اور قرینہ موجود نہ ہو۔گنجائش کی دلیل نہ ہو تو وہ فرض ہی ہوتا ہے۔چنانچہ نبی کریم ﷺ نے تیسری مرتبہ فرما دیا کہ جس کا دل چاہے کہیں لوگ اس کو فرض نہ سمجھ لیں۔

نماز مغرب سے پہلے دو رکعتوں پر اعتراض کا جواب:

پھر یہ بھی ایک بات پیش کی جاتی ہے کہ نبی کریم ﷺ جو یہ کہہ رہے ہیں۔ ((صلوا قبل صلاۃ المغرب)) یہ مغرب کے فرضوں سے پہلے اور اذان کے بعد والی رکعتوں کی بات نہیں بلکہ یہ تو آپ ﷺ عصر کی نماز کا حکم دے رہے ہیں۔کیونکہ عصر کی نماز مغرب سے پہلے ہی ہوتی ہے۔

آدمی ذرا بھی غور کرے اس کو سمجھ آسکتی ہے کہ یہ عصر کی نماز کی بات نہیں ہو رہی۔کیونکہ تیسری مرتبہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:((لمن شآء)) اس پر آدمی غور کرے اس کو بات کی سمجھ آجائے گی۔یہ مغرب کی دو رکعتوں کی بات ہو رہی ہے کیونکہ عصر کی نماز کے لئے ((لمن شآء)) نہیں۔عصر کی نماز کی تو اہمیت ہی بہت زیادہ ہے۔نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

((اَلَّذِیْ تَفُوْتُهُ صَلٰوةُ الْعَصْرِ فَكَاَنَّمَا وُتِرَ اَهْلُهُ وَمَالُهُ)) ❶

''جس انسان کی عصر کی نماز فوت ہو جائے تو اس کا اتنا نقصان ہوگیا کہ کوئی شخص ڈاکہ مار کر اس کے گھر بار کا سارا سامان لے گیا۔اور یہ اس سے واپس بھی نہ لے سکے اور اس کے گھر والوں کو قتل کر جائے اور یہ اس سے بدلہ بھی نہ لے سکے''

کتنا نقصان ہے اس کا؟ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ تَرَكَ صَلَاةَ الْعَصْرِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ)) ❷

❶ صحیح بخاری کتاب مواقیت الصلاۃ باب اثم من فاتته العصر حدیث:۵۵۲

❷ صحیح بخاری کتاب التهجد باب من ترك العصر حدیث:۵۵۳

"جس نے عصر کی نماز ترک کر دی اس کے عمل ہی حبط ہو گئے"

کیا عصر کی نماز کے متعلق نبی ﷺ یہ فرما سکتے ہیں «لمن شآء» "جو کوئی چاہے" بات بنتی ہے؟

یہ بات اس طرح کی ہے جیسے عرب کا محاورہ ہے:

"رُبَّ قَوْلٍ يَـقُوْلُ دَعْنِيْ"

"کئی باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ وہ باتیں ہی کہتی ہیں ہمیں نہ کرو"

لیکن بعض لوگ پھر بھی کرتے جاتے ہیں۔ کیا کریں؟

یہ وہی حالت اور کیفیت ہے جو کسی شاعر نے کہی ہے ۔

زمن بر صوفی وملا سلامے
کہ گفتند پیغام خدا مارا
ولے بتاویل شاں در حیرت انداخت
خدا و جبریل و مصطفیٰ را

"صوفی اور ملا کو میری طرف سے سلام ہو یہ اللہ تعالی کے پیغام ہمیں سناتے ہیں لیکن ان کی تاویل نے اللہ تعالی کو، جبریل امین اور نبی کریم ﷺ کو حیرت میں ڈال دیا ہے"

اب یہ «صلوا قبل صلاۃ المغرب» کو عصر کی نماز پر لگانا کوئی بات بنتی ہے؟ بہرحال مغرب کی دو رکعتوں کے متعلق خاص اور عملی حدیث بھی آتی ہے۔ صحیح ابن حبان میں رسول اللہ ﷺ کا عمل بھی موجود ہے۔ ❶ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھتے تھے۔

صحیح ابن حبان کسی کو نہ مل سکے تو بلوغ المرام میں دیکھ لے۔ حافظ صاحب نے صحیح ابن حبان کے حوالے سے یہ حدیث نقل فرمائی ہے۔ ❷

---

❶ صحیح ابن حبان فصل فی الأوقات المنهی عنها حدیث: ۱۵۸۸۔

❷ بلوغ المرام باب صلوۃ التطوع حدیث: ۲۸۶

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھتے تھے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ جب مغرب کی اذان ہوتی لوگ ستونوں کے سامنے دو رکعتیں پڑھتے باہر سے آنے والے سمجھتے کہ شاید مغرب کی نماز ہو گئی ہے۔ یہ بعد والی دو رکعتیں پڑھ رہے ہیں۔ ● اتنی کثرت سے پڑھتے۔ اور بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ گھر سے تشریف لاتے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دو رکعتیں پڑھ رہے ہوتے۔ ●

تقریری حدیث بھی ہو گئی مغرب سے پہلے کی دو رکعتیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے بھی ثابت ہیں اور قول سے بھی ثابت ہیں اور نبی کریم ﷺ کی تقریر سے بھی ثابت ہیں کتنا پختہ ثبوت ہے؟ کوئی شک وشبہ کرے تو اس کی مرضی۔ ایک اور حدیث ہے شیخ البانیؒ نے سلسلہ صحیحہ میں نقل فرمائی ہے۔ لفظ ہیں:

((مَا مِنْ صَلٰوةٍ مَفْرُوْضَةٍ اِلَّا وَبَيْنَ يَدَيْهَا رَكْعَتَانِ)) ●

”جو بھی فرض نماز ہے اس سے پہلے دو رکعتیں ہیں“

اس میں بھی مغرب سے پہلے دو رکعتیں ثابت ہو رہی ہیں۔ کیونکہ مغرب کی بھی نماز فرض ہے۔ دو رکعتیں یہ ہو گئیں کل اٹھارہ ہو گئیں۔

مغرب کے فرضوں کے بعد دو رکعتیں:

اور دو رکعتیں مغرب کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے تھے۔ اٹھارہ اور دو بیس ہو گئیں مغرب کے بعد دو رکعتیں تو ثابت ہیں۔ ● اور کئی لوگ چار پڑھتے ہیں۔ چار رکعتوں کا ثبوت مغرب کے بعد رسول اللہ ﷺ سے نہیں ملتا۔ سات

● سنن الدار قطنی باب الحث علی الرکوع بین الأذانین فی کل صلاۃ والرکعتین قبل المغرب واختلاف فیه (حدیث هذا الباب۹ جزء ۱ صفحه ۲۶۷)

● صحیح بخاری کتاب الأذان باب کم بین الأذان والاقامة ومن ینتظر اقامة الصلوة حدیث: ۶۲۵

● السلسلة الصحیحة للألبانی

● صحیح مسلم صلوة المسافرین باب جواز النافلة قائما وقاعدا حدیث: ۷۳۰

رکعتیں بنتی ہیں مغرب کی۔دو فرضوں سے پہلے اور دوفرضوں کے بعد اور تین فرض۔اس طرح سات بنتی ہیں۔اس طرح نہیں بنتی کہ پہلے کچھ بھی نہ پڑھا جائے اور بعد میں چار۔ البتہ ویسے کوئی مغرب کے بعد عشاء تک جو وقفہ ہے اس میں کوئی نفل پڑھنا چاہے تو پڑھ لے۔فضیلت والے نفل ہیں۔مغرب کے ساتھ نبی کریم ﷺ دو رکعتیں ہی پڑھتے تھے۔آگے عشاء کی نماز ہے۔

عشاء کے فرضوں سے پہلے دو رکعتیں ہیں:

اس کی دلیل آپ نے سماعت فرمالی ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں "ہر نماز سے پہلے دو رکعتیں ہیں" تو اس عشاء کی نماز سے پہلے بھی دو رکعتیں ہیں: ((بین کل اذانین صلوۃ)) ❶ اس حدیث سے بھی عشاء کی نماز سے پہلے دو رکعتیں ثابت ہوتی ہیں۔عشاء سے پہلے چار رکعتوں کا ثبوت میری نظر سے نہیں گزرا۔نہ عملی نہ قولی نہ تقریری۔

عشاء کے فرضوں کے بعد چار رکعتیں:

صحیح بخاری میں ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک رات میں اپنی خالہ ام المؤمنین میمونہ رضی اللہ عنہا کے پاس ٹھہرا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز پڑھی پھر گھر تشریف لے آئے۔چار رکعتیں آپ ﷺ نے پڑھیں پھر سو گئے۔ ❷

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں ذکر کیا ہے کہ یہ چار رکعتیں عشاء کے بعد والی ہیں اور تائید کے لئے "قیام اللیل" محمد بن نصر مروزی کی کتاب سے روایت بھی نقل کی ہے کہ یہ عشاء کے بعد والی رکعات تھیں۔رسول اللہ ﷺ پڑھتے تھے۔چار یہ جمع کرلو بائیس اور چار چھبیس ہوگئیں فرض نمازوں کے آگے پیچھے جو نفل نمازیں ہیں۔ پھر وتر۔

---

❶ صحیح بخاری کتاب الأذان باب بین کل أذانین صلاۃ لمن شاء حدیث :٦٢٧

❷ صحیح بخاری کتاب العلم باب السمر فی العلم حدیث:١١٧

ایک وتر بھی ثابت ہے تین بھی ثابت ہیں اور پانچ بھی ثابت ہیں اور سات بھی ثابت ہیں:

ہمیشہ ایک وتر پڑھنے والے ذرا غور کریں۔ٹھیک ہے ایک بھی ثابت ہے۔پانچ بھی تو ثابت ہیں وہ بھی کبھی پڑھے ہیں؟ان سے پوچھو ایک کیوں پڑھتے ہو؟ کہتے ہیں ثابت ہے تو کیا پانچ ثابت نہیں؟وہ بھی پھر کبھی پڑھ لیا کرو۔اور کبھی سات پڑھ لیا کرو۔تین وتر ان چھبیس میں شامل کر لو۔چھبیس اور تین انتیس رکعات ہوگئیں۔

وتروں کے بعد بھی رسول اللہ ﷺ دو رکعتیں پڑھتے تھے:

صحیح مسلم میں حدیث موجود ہے۔❶ دو یہ بھی شامل کر لو۔اکتیس ہوگئیں۔
نبی ﷺ وتروں کے بعد دو رکعتیں بیٹھ کر پڑھتے تھے۔

نفل نماز بیٹھ کر پڑھنے سے نصف نماز کا ثواب ملتا ہے:

یہاں یہ بات بھی ذہن نشین کر لو کہ نفل نماز بغیر عذر کے بیٹھ کر پڑھیں تو نصف ثواب ملتا ہے۔اگر نفل نماز کھڑے ہو کر پڑھیں تو پورا ثواب ملتا ہے۔اگر باعذر زخمی ہونے کی وجہ سے یا کسی بیماری کی وجہ سے بیٹھ کر پڑھتا ہے اس کو پورا ثواب ملے گا۔نفل نماز بیٹھ کر بلا عذر پڑھے تو نصف ثواب ملتا ہے۔رسول اللہ ﷺ کو پورا ثواب ملتا تھا۔صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ میں نے حدیث سنی تھی کہ نفلی نماز بیٹھ کر پڑھیں تو نصف ثواب ملتا ہے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا۔آپ بیٹھ کر پڑھ رہے تھے۔میں نے سوال کیا آپ نے فرمایا ہے: بیٹھ کر نصف ثواب ملتا ہے تو آپ خود بیٹھ کر پڑھ رہے ہیں۔نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میں

❶ صحیح مسلم باب جامع صلاة الليل ومن نام عنه أو مرض حديث: ٧٤٦ جزء١ صفحه: ٥١٣

آپ کی طرح نہیں ہوں۔● خاصہ ہو گیا رسول اللہ ﷺ کا بیٹھ کر بھی پڑھیں تو پورا ثواب ملتا ہے ایسے خاصہ بنتا ہے۔اب دماغ سے سوچ کر آدمی خاصہ بنانا شروع کر دے ایسے خاصے نہیں بنتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں آپ کی طرح نہیں ہوں۔یعنی میں بیٹھ کر بھی پڑھوں گا مجھے ثواب پورا ملے گا۔اگر آپ بلا عذر بیٹھ کر نفلی نماز پڑھیں گے تو نصف ثواب ملے گا۔کچھ لوگ بھی وتروں کے بعد دو نفل بیٹھ کر پڑھتے ہیں۔ اور بھی کئی نفل بیٹھ کر پڑھتے ہیں۔ انہوں نے خود کچھ تقسیم کر رکھی ہے۔یہ سوچتے ہی نہیں کہ نصف ثواب وہ ضائع کر رہے ہیں ایک انسان نے ساری نماز کھڑے ہو کر پڑھی پھر یہاں بیٹھ کر نصف ثواب کیوں ضائع کر رہا ہے۔ وہ بھی کھڑا ہو کر پڑھے ثواب پورا ملے گا۔بہر حال بیٹھ کر پڑھے گا ثواب نصف ہے ہم اس کو منع نہیں کرتے کہ بیٹھ کر نہیں پڑھ سکتا۔یہی کہہ سکتے ہیں کہ ثواب کم ہو جائے گا۔ادھورا ثواب کیوں لیتا ہے۔پورا ثواب لے۔

یہ کل اکتیس رکعتیں ہیں جو فرض نمازوں کے آگے پیچھے ہیں۔اور سترہ فرض ہیں۔سترہ میں اکتیس جمع کرو تو اڑتالیس رکعات بن گئیں دو کم پچاس۔اڑتالیس رکعتیں کوئی آدمی دن رات میں پڑھے تو اس کے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ دو رکعتوں سے گناہ معاف ہو رہے ہیں۔اڑتالیس سے کیوں معاف نہیں ہوں گے۔یقیناً معاف ہوں گے۔اگر کوئی بندہ اشراق بھی پڑھتا ہے دو یہ شامل کرلو پوری پچاس ہو گئیں۔کسی کو اگر اللہ تعالی نے تہجد کی توفیق دی ہے تو دس وہ بھی شامل کرلو پچاس اور دس ساٹھ ہو گئیں۔اور بھی کئی نمازیں ہیں ان کے علاوہ رکعات زیادہ ہی ہوتی جائیں گی۔نماز سے انسان کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں یہ خواہ نفل ہو خواہ فرض۔اس لئے اس میں کوتاہی نہیں کرنی چاہیے۔

● صحیح مسلم باب جواز النافلة قائما وقاعدا وفعل بعض الركعة قائما و بعضها قاعدا عن عبد الله بن عمرو حدیث: ۷۳۵

فرضوں کی کمی نفلوں سے پوری ہو گی:

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: قیامت کے دن نماز کا حساب ہو گا۔ پہلے فرض نماز کا حساب ہو گا اگر فرض نماز میں کوئی کمی کوتاہی، نقص ہوا تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے کہیں گے۔ دیکھو اس میرے بندے نے فرضوں کے علاوہ بھی کوئی نماز پڑھی ہوئی ہے۔ اگر اس نے پڑھی ہو گی تو فرضوں کی کوتاہی اس سے پوری کر دی جائے گی۔ نماز کے حساب میں کامیاب ہو جائے گا اگر اس نے صرف فرض فرض ہی پڑھے ہوں گے اور نفل وغیرہ نہیں پڑھے ہوں گے۔ بلکہ نفل پڑھنے والوں کا مذاق اڑاتا ہے۔ اور فرضوں میں بھی کمی کوتاہی ہو جاتی ہے۔ انسان جو ہوا فرضوں میں کوتاہی ہو گی تو یہ نماز کے حساب میں فیل ہو گیا۔ اور جو نماز میں ہی ناکام ہو رہا ہے وہ دوسرے حسابوں میں کیسے کامیاب ہو گا؟

پھر باقی اعمال کے حساب بھی اسی طرح ہوں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر فرضی صدقہ میں کوئی کوتاہی ہوئی تو وہ نفلی صدقہ سے پوری کر دی جائے گی۔ فرض حج کا حساب ہو گا اس میں کمی کوتاہی ہوئی تو نفلی حج سے پوری کر دی جائے گی۔ فرض روزوں کا حساب ہو گا کمی کوتاہی ہوئی تو نفلی روزوں سے پوری کر دی جائے گے۔ ● چنانچہ جو فرض عبادت کے علاوہ عبادت ہے اس کی بھی بڑی اہمیت ہے۔ یہاں تو انسان کو نوافل کی قدر نہیں۔ آخرت میں جب فرض نمازوں میں کوتاہی ثابت ہوئی تو اس کو پتہ چلے گا کہ نوافل کی کتنی قدر ہے۔ اس لئے نوافل بھی کثرت سے پڑھا کریں سستی اور کاہلی کو ترک کر دیں۔

باقاعدگی سے جب انسان نماز پڑھے تو اس کی طبیعت پر بوجھ نہیں بنتا۔ جب کبھی پڑھے اور کبھی نہ پڑھے تو بوجھ تب محسوس ہوتا ہے۔ اگر ہمیشہ پڑھے تو پھر بوجھ محسوس نہیں ہوتا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

● أبو داود باب قول النبي ﷺ كل صلاة لا يتمها صاحبها تتم من تطوعه حديث: ٨٦٤ جزء ١ صفحه: ٢٢٩

''جس عمل پر عمل کرنے والا ہمیشگی کرتا ہے وہ عمل اللہ تعالی کو بہت پسند ہے'' ❶

اللہ کے ہاں بھی بہت پیارا ہو گیا اور اس کی طبیعت پر بوجھ بھی نہ پڑا۔

لہذا جو کمی کوتاہی سستی پہلے ہوئی اس کو ترک کر دو۔ آئندہ کے لئے مستعد ہو جاؤ۔ آپ نے سن بھی لیا ہے کہ نمازوں کے آگے پیچھے کتنی رکعات ہیں۔ کوشش کرو کہ پابندی سے ان کو پڑھا جائے۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ ہر ایک کو نیکی کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین ثم آمین

((......❀❀❀......))

❶ صحیح مسلم کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا باب فضیلۃ العمل الدائم من قیام اللیل وغیرہ حدیث : ۷۸۳

بسم اللہ الرحمن الرحیم

" إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَ نَسْتَعِينُهُ وَ نَسْتَغْفِرُهُ وَ نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا ، مَنْ يَهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَ مَنْ يُضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَ رَسُوْلُهُ" [ﷺ]

قرآن وسنت کی تعلیم پر اجرت لینا جائز ہے

محترم المقام حافظ صاحب :......السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:

کچھ سوالات ہیں۔ان کے جوابات درکار ہیں۔برائے مہربانی جوابات تفصیلی ہوں۔اور بزبان اردو ہوں۔

❶ عبادات میں اصل اخلاص ہے۔جیسے کہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔

﴿ وَمَا أُمِرُوْا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾ اور ((إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ))

تو جب ہر عبادت کے لئے اخلاص ضروری ہے۔تو کیا دنیاوی طمع ولالچ اس اخلاص کے منافی نہیں ہے۔اور کیا اس طمع ولالچ میں عبادات پر بدلہ یعنی تنخواہ وغیرہ کا حصول داخل نہیں ہے؟

❷ قرآن کے اندر مختلف رسولوں کا اللہ تعالیٰ نے تذکرہ فرمایا ہے۔اور ان سے اعلان کروایا ہے۔کہ

﴿ مَا أَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ﴾ ......﴿ قُلْ مَا سَأَلْتُكُمْ مِنْ أَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ﴾

ان اور ان جیسی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ تبلیغ دین پر اجرت نہ مانگنے کا اعلان کروایا جا رہا ہے۔جبکہ امتیوں کو پیغمبروں کی اطاعت کرنے کا حکم ہے۔تو کیا امتی اجرت کا معاملہ طے کرتے وقت اس اطاعت سے خارج نہیں ہو جاتے۔

❸ نبی کریم ﷺ کے عہد مبارک میں بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم امامت وخطابت اور تعلیم کے منصب پر فائز تھے۔کیا کسی مستند حدیث سے ثابت ہے کہ انہوں

نے یہ فرائض اجرت لے کر سرانجام دیئے ہوں۔یا خود نبی کریمؐ نے ان کی اجرت مقرر فرمائی ہے۔

4 «اِنَّ أَحَقَّ مَا أَخَذْتُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا كِتَابُ اللّٰهِ» کو شان ورود کے ساتھ ملا کر مطلب لیا جائے گا نہ کہ اس کو عام رکھ کر ہر قسم کی اجرت کے جواز کا مسئلہ نکالا جائے گا۔

5 امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب قائم کیا ہے

"بَابُ اِثْمِ مَنْ رَأَى بِقِرَاءَةِ الْقُرْآنِ أَوْ تَاكَّلَ بِهِ أَوْ فَخَرَ بِهِ"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب قرآن کے ذریعے اجرت لینے کو گناہ سمجھتے ہیں۔

6 قرآن میں ہے ﴿وَلَا تَشْتَرُوْا بِآيَاتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلاً﴾ اور اس جیسی اور کئی آیات ہیں۔جن سے معلوم ہوتا ہے۔کہ اللہ کی آیات کے بدلہ میں ثمن قلیل لینے سے منع کیا گیا ہے۔

اور پھر یہ آیات عام ہیں۔خواہ وہ کتمان آیات کر کے ثمن لیا جائے پھر بھی اور اگر تعلیم تفسیر،امامت،خطابت وغیرہ کر کے ثمن وصول کیا جائے پھر بھی۔

دلیل اس کی یہ ہے۔کہ انبیاء کرام کو اللہ نے حکم دیا ہے۔

﴿مَاسَأَلْتُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ﴾ تو رسول کتمان تو نہیں کرتے تھے بلکہ اظہار حق ہی کرتے تھے۔

باقی بھی اگر اس کے متعلقہ کچھ ہو تو وضاحت فرمادیں۔

والسلام

ابو اویس

اس سلسلے میں جو حدیثیں بیان کی جاتی ہیں ان کی اسنادی حیثیت واضح فرمائیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ کچھ سوالات ہیں جن کے جوابات درکار ہیں۔

سوال ا: عبادات میں اصل اخلاص ہے جیسا کہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے
﴿وَمَا أُمِرُوْا اِلاَّ لِيَعْبُدُوْا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾......((اِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ))

جب ہر عبادت میں اخلاص ضروری ہے۔تو کیا دنیاوی طمع ولالچ اس اخلاص کے منافی نہیں ہے۔اور اس طمع ولالچ میں عبادت پر بدلہ یعنی تنخواہ وغیرہ کا حصول داخل نہیں۔

سوال کا خلاصہ یہ ہے۔قرآن مجید کی تلاوت،خطابت اور نمازوں کی امامت یہ عبادات ہیں۔اور عبادات میں اللہ تعالی نے اخلاص کی پابندی عائد فرمائی ہیں۔کہ اخلاص کے ساتھ اللہ تعالی کی عبادت کرو۔تو اگر قرآن مجید کی تعلیم،قرآن مجید کی تلاوت نمازوں کی امامت اور جمعہ کی خطابت پر پیسے وصول کیے جائیں تو وہ اخلاص کدھر گیا۔اللہ تعالی کے حکم کی پابندی نہیں رہتی۔

جواب:سب سے پہلے اخلاص کا معنی انسان کو سمجھنا چاہیے اخلاص کا مقصد کیا ہے؟

اخلاص اور نیت کی تعریف :

اہل علم نے اخلاص اور نیت کی تعریف یہ فرمائی ہے۔

"اَلْإِرَادَةُ الْمُتَوَجِّهَةُ نَحوَ الْفِعْلِ لِابْتِغَاءِ مَرضَاةِ اللّٰهِ وَامتِثَالِ حُكْمِهِ"

''ایسا ارادہ جو کسی کام کی طرف متوجہ ہو۔اس غرض سے کہ اللہ تعالی کی رضا حاصل ہو۔اللہ تعالی کے حکم کی تعمیل ہو''

یہ اخلاص کی حقیقت اور تعریف بیان کی گئی ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے علامہ بیضاوی کے حوالے سے یہ تعریف فتح الباری میں نقل فرمائی ہے۔تو اس تعریف سے آپ سمجھ گئے ہیں۔کہ اخلاص کا مطلب یہ ہے کوئی کام آدمی کرے اللہ تعالی کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اور اللہ تعالی کے حکم کی تعمیل کے لئے۔اب اس کے ساتھ اور کوئی غرض ہو جو شرعاً جائز اور درست ہو تو وہ اخلاص کے منافی نہیں۔کیونکہ اللہ تعالی کی رضا اور خوشنودی کے لئے وہ کام کر ہی رہا ہے

اس کی مثال اس طرح سمجھ لو کہ حج ایک عبادت ہے۔اور اس میں بھی اخلاص ضروری ہے۔آدمی حج کے لئے جاتا ہے۔اور ساتھ یہ بھی ارادہ بنا لے کہ حج پر جاتا ہوں جتنے دن وہاں صرف ہوتے ہیں وہاں کوئی کام کاج بھی کرلوں گا۔تو اب یہ جو اس کا ارادہ ہے کہ وہاں تجارت کروں گا کوئی کام کاج کرلوں گا تو یہ اخلاص کے منافی نہیں حج اس کا درست ہوگا صحیح ہوگا،کوئی فرق نہیں پڑے گا۔اس کے متعلق قرآن مجید میں ہے۔

﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلاً مِّنْ رَّبِّكُمْ فَإِذَا أَفَضْتُمْ مِنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ﴾ ❶

اللہ تعالی فرماتے ہیں:" تم پر کوئی گناہ نہیں کوئی حرج نہیں کہ اللہ تعالی کا فضل تلاش کرو............"

اس آیت کریمہ کا شان نزول تمام مفسرین نے یہی بیان فرمایا ہے کہ حج یا عمرہ کے لئے آدمی جائے تو ساتھ تجارت بھی کر لے۔کوئی کام کاج کر لے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے سمجھا کہ حج عمرہ کے ساتھ تجارت کرنا کام کاج کرنا یہ حرج والی بات ہے اللہ تعالی نے آیت نازل فرما دی:

﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلاً مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾

---

❶ سورۃ بقرۃ:۱۹۸

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی قرأت اس طرح ہے

﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلاً مِّنْ رَّبِّكُمْ فِي مَوَاسِمِ الْحَجِّ فَإِذَا أَفَضْتُمْ مِنْ عَرَفَاتٍ﴾ ❶

"فِي مَوَاسِمِ الْحَجِّ" کے لفظ وہ قرآن میں تلاوت فرمایا کرتے تھے یہ ان کی قرأت ہے۔

حج کے موقع میں اللہ تعالی نے اجازت دے دی ہے۔تو اب اس سے بات بالکل واضح ہو رہی ہے کہ حج آدمی کر رہا ہے۔اللہ تعالی کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنا اس کا مقصد ہے۔اور ساتھ ساتھ تجارت بھی کر لے، کام کاج بھی کر لے،تو اس کا اخلاص ختم نہیں ہو گا۔اس کی نیت،اخلاص اور للھیت کے یہ چیز منافی نہیں۔تو یہ سمجھنا کہ آدمی عبادت کر رہا ہے۔تو اس کے ساتھ کوئی اور غرض، جو شرعاً جائز ہے، وہ ساتھ لگا لے تو یہ اخلاص کے منافی ہے۔یہ سمجھ ہی پہلے درست نہیں تو اسی پر اس کی بنیاد تھی۔اس لئے ((اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ)) ❷اور﴿ وَ مَا أُمِرُوْا اِلَّا لِيَعْبُدُوْا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾❸یا﴿فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ﴾❹اس قسم کی آیات اور احادیث سے یہ بات اخذ کرنا کہ قرآن مجید کی تعلیم یا اذان کہہ کر یا جمعہ کی خطابت وغیرہ پر اجرت لینا درست نہیں یہ بات غلط ہے۔

کیونکہ اجرت لینے والے کی بھی نیت ہے کہ قرآن مجید کی تعلیم دے رہا ہوں اللہ تعالی سے مجھے اجر اور ثواب ملے گا۔اللہ تعالی مجھ پر راضی ہو گا۔اللہ تعالی کے حکم کی میں تعمیل کر رہا ہوں۔اور ساتھ وہ اجرت کا بھی ارادہ کر لے اجرت بھی لے لے تو یہ چیز اس کے اخلاص کو ختم نہیں کرتی۔وہ اخلاص اس کا اسی طرح بحال ہی

---

❶ صحیح بخاری کتاب البیوع باب ما جآء فی قول اللہ تعالی ﴿فاذا قضیت الصلوۃ فانتشروا فی الارض﴾حدیث:۲۰۵۰

❷ صحیح بخاری باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ ﷺ

❸ سورۃ البینۃ:۵

❹ سورۃ الزمر:۲

ہے۔ جس طرح حج میں آدمی تجارت کا یا کام کاج کا ارادہ کر لے تو اس کی نیت وللھیت ختم نہیں ہوتی اسی طرح ادھر بھی ختم نہیں ہوتی۔ تو یہ سمجھنا کہ ختم ہو جاتی ہے یہ بات ٹھیک نہیں۔ ہاں اگر کسی شخص کا یہ ارادہ ہے کہ قرآن مجید کی تعلیم دے رہا ہوں، یا یہ کام کررہا ہوں، تو لوگوں سے تعریف حاصل کرنا مقصد ہے یعنی ریا کاری، اللہ تعالی سے اجر حاصل کرنا اللہ کے ثواب کا ارادہ کرنا یہ اس کے دل ودماغ کے کسی خانے میں چیز نہیں ہے تو یہ مسئلہ دوسرا ہے۔

یہ تو اجرت نہ بھی لے تب بھی ٹھیک نہیں ہے۔ وہ ارادہ ہی اس نے غلط بنا لیا ہے اخلاص ہے ہی نہیں۔ اس کی نفی میں اجرت لینے کو کوئی دخل نہیں۔

پھر دوسرا مسئلہ یہ بھی ہے کہ کیا قرآن مجید کی تلاوت یا قرآن مجید کی تعلیم عبادت میں شامل بھی ہے؟ حدیث کی تعلیم، فقہ کی تعلیم یہ عبادت میں شامل بھی ہے؟ جس طرح دوسرے دنیاوی علوم ہیں۔ ان دنیاوی علوم میں تو سب اجرت کو جائز سمجھتے ہیں کسی قسم کی اس میں قباحت نہیں۔ اور اس کو عبادت بھی کوئی نہیں سمجھتا۔ تو یہ تعلیم بحیثیت تعلیم عبادت میں شامل ہے؟ اس کی کوئی دلیل نہیں۔

نیک اعمال کی تقسیم: عبادات، قربات اور طاعات:

اہل علم نے کتاب وسنت کی روشنی میں نیک اعمال کی تقسیم فرمائی ہے۔ کہ کچھ نیک اعمال ہیں جو عبادات میں شامل ہیں جس طرح نماز، زکوۃ، روزہ، حج یہ عبادات میں شامل ہیں۔ اور کچھ نیک اعمال ایسے ہیں جو قربات میں شامل ہیں۔

مثال کے طور پر قرآن مجید کی تلاوت اللہ تعالی کا ذکر یہ قربات میں شامل ہیں کہ ان سے اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔

نیک اعمال کی تیسری قسم ہے طاعات یہ تین قسمیں ہیں۔

اللہ تعالی کی عبادت قربت بھی ہے، اطاعت بھی ہے مگر ہر قربت اور ہر اطاعت عبادت نہیں۔ تو تلاوت قرآن مجید اور اللہ تبارک وتعالی کے ذکر کو اہل علم

نے قربات میں شامل کیا ہے۔ پھر ہر ایک کے لئے کیا حکم ہے۔عبادات میں تو نیت اور معرفت دونوں ضروری ہیں۔کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کر رہا ہے تو اللہ تعالیٰ کی معرفت جان پہچان بھی اس کو حاصل ہو۔پھر عبادت کے لئے نیت کا اخلاص بھی ضروری ہے۔اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل اور اس کی رضا اور خوشنودی کا مقصود ہونا بھی فرض ہے اور قربات میں اہل علم فرماتے ہیں کہ معرفت ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہا ہے تو اللہ تعالیٰ کی معرفت اس کو ہو۔نیت ہو نہ ہو اجر وثواب اس کو مل جائے گا۔دلیل اس کی یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :ایک آدمی نے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے لئے گھوڑا پالا ہوا ہے۔تو وہ گھوڑا بھاگ گیا۔کہیں سے اس نے پانی پی لیا۔کہیں سے اس نے چارہ کھا لیا۔رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں :اس کا اس کو اجر وثواب ملے گا۔[1] حالانکہ پانی پلانے کی یا کسی کی فصل سے چارہ وغیرہ کھلانے کی اس کی نیت نہیں وہ خود ہی بھاگ گیا ہے۔اس کو علم ہی نہیں لیکن اس کو اجر وثواب مل رہا ہے کیونکہ یہ قربت ہے۔اس لئے اس کو اجر اور ثواب مل رہا ہے۔

تیسری چیز ہے طاعات۔اس کے لئے اہل علم فرماتے ہیں: نہ نیت ضروری ہے نہ معرفت ضروری ہے۔ اس اصول کو سامنے رکھا جائے تو یہ تلاوت قرآن مجید،قرآن مجید کی تعلیم،حدیث کی تعلیم یہ عبادات کے زمرہ میں داخل ہی نہیں۔تو اس مقام پر یہ آیت چسپاں کرنا ﴿وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾ یا﴿ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ﴾ عبادت والی آیات اس پر چسپاں کرنا نا مناسب ہے بلکہ درست ہی نہیں۔پھر تیسری چیز اس سلسلے میں جو ذہن نشین رکھنا چاہیے یہ ہے کہ اس نظریہ کے جو حامل ہیں کہ قرآن مجید کی تعلیم دے کر اجرت نہیں لے سکتے۔وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ بطور ہدیہ اگر کوئی چیز دے وہ قبول کر سکتے ہیں۔قرآن مجید کی تعلیم دینے والوں کو ہدیے کے طور پر لوگ کوئی چیز دیں تو وہ لے لیں اس میں کوئی حرج نہیں۔ہدیہ کے طور پر، عطیہ کے طور پر، تحفے کے طور پر، جو

---

[1] صحیح بخاری کتاب الجهاد باب الخیل لثلاثة حدیث : ۲۸٦۰

چیزیں انہیں ملیں وہ لے سکتے ہیں۔

اب قابل غور بات یہ ہے۔جب معاوضہ لینا ناجائز ہو گیا تو اب اس کا نام ہدیہ، تحفہ اور عطیہ رکھنے سے تو حقیقت اس کی نہیں بدلے گی بلکہ اس کی حقیقت وہی رہے گی۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک صحابی ابن لتبیہ کو صدقہ کی وصولی کے لئے بھیجا کہ صدقہ اور زکوۃ لوگوں سے وصول کر کے لاؤ۔وہ صحابی گئے اور زکوۃ وصول کر کے لائے۔رسول اللہ ﷺ سے فرمانے لگے کہ یہ مال تو آپ کا ہے جو وصول کر کے لایا ہوں صدقہ اور زکوۃ وغیرہ اور یہ مال الگ تھوڑا سا یہ مجھے ہدیے دیئے گئے ہیں بطور تحفہ مجھے ملے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ ابن لتبیہ اپنی ماں اور اپنے باپ کے گھر بیٹھے رہتے جو کام ہم نے ان کے سپرد کیا ہے اس کام پر نہ جاتے تو پتہ چلتا کہ ان کے گھر یہ تحفے تحائف پہنچتے ہیں یا نہیں؟❶

ظاہر بات ہے پھر تو وہ تحفے نہیں پہنچنے تھے اب اس کام پر گیا ہے تو لوگوں نے وہ تحفے تحائف دیئے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا آدمی ہے صدقہ کی وصولی کے لئے آیا ہے تو انہوں نے تحفے تحائف دے دیئے ہیں۔رسول اللہ ﷺ نے جو تحفے تحائف اسے ملے تھے وہ سب کے سب اس سے رکھوا لئے اس کو نہیں لینے دیئے۔ تو اب نام اس کا بھی ہدیہ اور تحفہ اور عطیہ ہی تھا لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس کو لینے نہیں دیئے۔

اگر بالفرض، جس طرح یہ کہہ رہے ہیں قرآن مجید کی تعلیم پر اجرت جائز نہیں ہے درست نہیں ہے تو اس معاوضے کا نام ہدیہ رکھو، تحفہ رکھو، ہبہ رکھو، وہ جائز تو نہیں ہونا چاہیے۔وہ پھر کیوں جائز بتاتے ہیں؟ معلوم ہوتا ہے کہ اندر سے یہ بھی قائل ہیں کہ اجرت درست ہے جائز ہے۔ورنہ ایک چیز ناجائز ہو تو اس کا نام تحفہ ہو جائے وہ ناجائز ہی رہے گی۔

❶ صحیح بخاری کتاب الهبة باب من لم یقبل الهدیة لعلة حدیث: ۲۵۹۷

اب رسول اللہ ﷺ نے وہ ناجائز کیوں بنائے اس لئے کہ اصل میں وہ رشوت تھی۔لوگوں نے بطور رشوت وہ چیزیں اس صحابی کو دی تھیں۔اس کا نام ہدیہ رکھ لیا تو رسول اللہؐ نے اس کو وہ لینے نہیں دیا۔جس طرح آج کل بھی ہوتا ہے افسروں کے پاس تحفے تحائف پہنچ رہے ہیں۔گھی کا ٹین پہنچ رہا ہے۔پھل پہنچ رہا ہے آم کی پیٹیاں پہنچ رہی ہیں۔یہ جی تحفہ ہے۔تو ہوتا وہ کیا ہے؟رشوت۔نام اس کا تحفہ اب نام تحفہ رکھنے سے وہ رشوت جائز تو نہیں ہو جائے گی۔اسی طرح تعلیم قرآن،تعلیم حدیث،تعلیم فقہ،تعلیم دین پر اجرت اگر ناجائز ہے تو پھر نام اس کا تحفہ رکھ لینے سے ہدیہ ہبہ نام رکھ لینے سے وہ جائز نہیں ہو جائے گی۔اب کیوں جائز بناتے ہیں؟اسی لئے جائز بنا رہے ہیں کہ اندر سے دل میں یہ اس کے جواز کے قائل ہیں۔ورنہ یہ کبھی نہ فرماتے کیونکہ اتنی بات ماشاء اللہ اہل علم سمجھتے ہی ہیں کہ ناجائز چیز ہو لیبل اس پر جائز کا لگا لیا جائے تو وہ جائز نہیں بن جاتی۔

اجر کا لفظ اجرت اور ثواب دونوں پر بولا گیا ہے:

پھر ایک چوتھی چیز بھی سمجھنے کے قابل ہے۔اصل بات ہے کہ ایک ہے اجر اور ایک ہے اجرت۔کتاب وسنت میں اجر کا لفظ اجرت پر بھی بولا گیا ہے۔اور اجر وثواب جو عند اللہ ملنا ہے اس پر بھی بولا جاتا ہے۔دونوں پر یہ لفظ عربی زبان میں استعمال ہوتا ہے۔اجر وہ تو اللہ تعالی ہی سے لینا ہے۔ثواب تو دوسرے لوگ دے ہی نہیں سکتے۔اب جس کو قرآن مجید کی تعلیم دی جا رہی ہے وہ یا اس کے والدین خویش واقارب اس عمل کا معاوضہ تنخواہ دے سکتے ہیں۔تو دے بھی رہے ہیں اللہ تعالے کے فضل وکرم سے۔اس میں اور اس اجر میں جو عند اللہ ملنا ہے دونوں میں فرق ہے۔تو اللہ تعالی نے عبادت کے اندر اخلاص کی شرط لگائی ہے۔اس میں بات ہے اجر اور ثواب کی' اللہ تعالی کی رضا کی' اس کے حکم کی تعمیل کی وہ اللہ تعالی سے لینا

ہے۔اور یہ قرآن مجید کی تعلیم دینے والے قاری صاحبان انہوں نے کبھی اپنے دل میں یہ بات نہیں رکھی کہ اس کا ثواب اور اجر ہم نے ان لوگوں سے لینا ہے۔وہ جانتے ہیں یہ تو دے ہی نہیں سکتے۔وہ اللہ تعالی ہی دے گا۔تو باقی اجرت یا اس پر پیسے لینے یہ اس اجراور ثواب کو ختم نہیں کرتے۔اجر وثواب اس کو پھر بھی ملے گا۔

مثال اس کی اس طرح سمجھ لو: کہ تجارت ہے۔ اب یہ خالص دنیاوی چیز ہے۔لیکن حلال تجارت جو کتاب وسنت کے مطابق تجارت کا روبار ہے اس پر بھی اجر اور ثواب ہے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

((اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْأَمِيْنُ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ)) ❶

''کہ تاجر آدمی ہے تجارت پر سچ بولتا ہے جھوٹ نہیں بولتا امانتدار ہے کاروبار میں خیانت نہیں کرتا۔تو فرمایا ''سچا امانتدار تاجر سفرۃ کرام بررۃ کے ساتھ ہوگا فرشتوں کے ساتھ ہوگا''

دنیاوی تجارت کر رہا ہے لیکن ساتھ اس کو اخروی اجر وثواب بھی مل رہے ہے۔

دوسرا سوال:

قرآن مجید میں مختلف رسولوں کا اللہ تعالی نے تذکرہ فرمایا ہے۔اور ان سے اعلان کروایا ہے۔

﴿مَا أَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ﴾ ❷

﴿قُلْ مَا سَأَلْتُكُمْ مِنْ أَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللَّهِ﴾ ❸

ان اور ان جیسی اور آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ تبلیغ دین پر اجرت نہ مانگنے کا

---

❶ سنن ترمذی باب ما جاء في التجار وتسمية النبي ﷺ اياهم حديث: ۱۲۰۹

❷ سورة شعراء: ۱۰۹-۱۲۷-۱۴۵-۱۶۴-۱۸۰

❸ سورة سبا: ۴۷

اعلان کروایا جا رہا ہے۔جبکہ امتیوں کو پیغمبروں کی اطاعت کرنے کا حکم ہے تو کیا امتی اجرت کا معاملہ طے کرتے وقت اس اطاعت سے خارج نہیں ہو جائے گا؟

جواب: آیتوں کے اندر جو چیزیں آئی ہیں وہ آپ سب سمجھ ہی گئے ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام یہ فرما رہے ہیں''ہم اس تبلیغ پر تم سے اجر کا سوال نہیں کرتے مطالبہ نہیں کرتے''نفی مطالبے کی آئی ہے۔ان سے اجر لینے کی نفی تونہیں آئی۔

آیتوں کے اندر سوال کی نفی ہے کہ میں مطالبہ نہیں کرتا یا جو مطالبہ کر کے تم سے اجر میں نے وصول کیا ہے وہ تمہیں ہی دے دیتا ہوں۔جب مطالبہ کر کے اجر ان سے لینا ہی نہیں تو ان کو دینا کیا ہے؟تو ان آیتوں میں سوال کی نفی ہے۔

اللہ تعالی نے سورۃ فرقان میں فرمایا ہے:

﴿قُلْ مَا أَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِلَّا مَنْ شَآءَ أَنْ يَتَّخِذَ إِلَى رَبِّهِ سَبِيلًا﴾ ❶

فرمایا''میں اجر کا تم سے مطالبہ نہیں کرتا ہاں جو اپنے رب تعالی کی طرف راستہ بنانا چاہے''

﴿إِلَّا مَنْ شَآءَ أَنْ يَتَّخِذَ إِلَى رَبِّهِ سَبِيلًا﴾ بھی تو آیا ہے پھر دوسرے انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام تو پہلے کے ہیں۔آخر الزماں پیغمبر محمد رسول اللہ ﷺ بھی دین کی تبلیغ کرتے تھے نبوت ملنے سے پہلے تجارت کا بھی تذکرہ ملتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ تجارت کیا کرتے تھے لیکن نبوت ملنے کے بعد کوئی آپ کا کاروبار نہیں تھا تجارت بھی نہیں کرتے تھے دین کی تبلیغ ہی کرتے تھے تو رسول اللہ ﷺ کے گھر کا خرچہ کہاں سے چلتا تھا۔وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کو دیتے تھے۔ابوبکر رضی اللہ عنہ ، دوسرے صحابی ، انصاری صحابی ،کوئی بکری دے رہا ہے،کوئی کھجور کا درخت دے رہا ہے کوئی دودھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر لا رہا ہے تو اس طرح آپ کے گھر کا خرچہ چلتا تھا۔نو گھر تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی آپ ﷺ کو تحفے

❶ سورۃ فرقان:۵۷

ہدیے دیتے تھے۔ کیوں دیتے تھے؟ کہ نبی کریمؐ دن رات دین کا کام کر رہے ہیں۔ آپ ﷺ کو کاروبار کے لئے فرصت نہیں تو خرچہ کہاں سے چلے گا۔ اس لئے صحابہ دیتے تھے۔ جہاد کا سلسلہ شروع ہوا اللہ تعالی نے مال غنیمت میں خمس پانچواں حصہ بیت المال کے لئے رکھ دیا۔ پھر اس پانچویں حصے سے پانچواں حصہ رسول اللہ ﷺ کو ملتا تھا میدان جہاد میں آپ شریک ہوں۔ مجاہدین کے ساتھ جہاد پر جائیں خواہ نہ جائیں۔ گھر بیٹھے رہیں پانچواں حصہ ملتا تھا۔ آپ کے پاس بحرین کے علاقے سے عبد القیس خاندان کا وفد آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے دین کی باتیں ان کو بتائیں۔ ساتھ یہ بھی فرمایا: ((وَأَنْ تُعْطُوا خُمُسَ مَا غَنِمْتُمْ)) ❶

جہاد کرو گے مال غنیمت حاصل ہو گا۔ پانچواں حصہ دینا اب وہ بحرین میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ وہ جہاد کریں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو وہاں جانا ہی نہیں۔ تو پانچواں حصہ انہوں نے بھی دینا ہے۔ تو رسول اللہ ﷺ کو یہ ہدیے اور تحفے ملتے تھے۔ اللہ تعالی نے نبی ﷺ کے لئے مال غنیمت میں پانچواں حصہ رکھ دیا۔ تا کہ آپ کے گھروں کا خرچہ چلتا رہے۔ جب رسول اللہ ﷺ کے پاس مال آ گیا تو لوگوں نے جو کھجوروں کے درخت دیے ہوئے تھے یا کسی نے بکری دی ہوئی تھی وہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو واپس کر دی کہ اب اللہ تعالی نے مجھے مال دے دیا ہے تو یہ اپنی چیزیں لے لیں۔

تو ہدیے اور تحفے کے طور پر یہ بھی جائز سمجھ رہے ہیں۔ تو بات یہ ہو رہی تھی۔ جس طرح پہلے عرض کر چکا ہوں کہ ایک چیز ناجائز ہے۔ تو تحفہ اور ہدیہ اس کا نام رکھ لینے سے وہ جائز نہیں ہو جائے گی۔

پھر دوسری بات یہ بھی ہے کہ جو اجر من عند اللہ ملنا ہے۔ اللہ تعالی کی طرف سے ملنا ہے۔ وہ لوگوں سے طلب نہیں کر رہے۔ یہ فرمایا ہے: کہ ﴿مَا أَسْئَلُكُمْ

❶ صحیح بخاری کتاب مواقیت الصلاۃ باب ﴿منيبين اليه واتقوه واقيموا الصلاة ولا تكونوا من المشركين﴾ حدیث : ۵۲۳

ہدیے دیتے تھے۔کیوں دیتے تھے؟ کہ نبی کریمؐ دن رات دین کا کام کر رہے ہیں۔آپ ﷺ کو کاروبار کے لئے فرصت نہیں تو خرچہ کہاں سے چلے گا۔اس لئے صحابہ دیتے تھے۔جہاد کا سلسلہ شروع ہوا اللہ تعالیٰ نے مال غنیمت میں خمس پانچواں حصہ بیت المال کے لئے رکھ دیا۔پھر اس پانچویں حصے سے پانچواں حصہ رسول اللہ ﷺ کو ملتا تھا میدان جہاد میں آپ شریک ہوں۔مجاہدین کے ساتھ جہاد پر جائیں خواہ نہ جائیں۔گھر بیٹھے رہیں پانچواں حصہ ملتا تھا۔آپ کے پاس بحرین کے علاقے سے عبد القیس خاندان کا وفد آیا۔رسول اللہ ﷺ نے دین کی باتیں ان کو بتائیں۔ساتھ یہ بھی فرمایا:((وَأَنْ تُعْطُوا الْخُمُسَ مَا غَنِمْتُمْ)) ❶

جہاد کروگے مال غنیمت حاصل ہوگا۔پانچواں حصہ دینا اب وہ بحرین میں بیٹھے ہوئے ہیں۔وہ جہاد کریں گے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو وہاں جانا ہی نہیں۔تو پانچواں حصہ انہوں نے بھی دینا ہے۔تو رسول اللہ ﷺ کو یہ ہدیے اور تحفے ملتے تھے۔اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کے لئے مال غنیمت میں پانچواں حصہ رکھ دیا۔تاکہ آپ کے گھروں کا خرچہ چلتا رہے۔جب رسول اللہ ﷺ کے پاس مال آ گیا تو لوگوں نے جو کھجوروں کے درخت دیے ہوئے تھے یا کسی نے بکری دی ہوئی تھی وہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو واپس کر دی کہ اب اللہ تعالیٰ نے مجھے مال دے دیا ہے تو یہ اپنی چیزیں لے لیں۔

تو ہدیے اور تحفے کے طور پر یہ بھی جائز سمجھ رہے ہیں۔تو بات یہ ہو رہی تھی۔جس طرح پہلے عرض کر چکا ہوں کہ ایک چیز ناجائز ہے۔تو تحفہ اور ہدیہ اس کا نام رکھ لینے سے وہ جائز نہیں ہو جائے گی۔

پھر دوسری بات یہ بھی ہے کہ جو اجر من عند اللہ ملنا ہے۔اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنا ہے۔وہ لوگوں سے طلب نہیں کر رہے۔یہ فرمایا ہے: کہ ﴿مَا أَسْئَلُكُمْ

❶ صحیح بخاری کتاب مواقیت الصلاۃ باب ﴿منیبین الیہ واتقوہ واقیموا الصلاۃ ولا تکونوا من المشرکین﴾ حدیث : ۵۲۳

فائز تھے۔کیا کسی مسند حدیث سے ثابت ہے کہ انہوں نے یہ فرائض اجرت لے کر سرانجام دیے ہوں یا خود نبی کریم ﷺ نے اجرت مقرر فرمائی ہو۔

جواب: ایک ہے اجرت کا جائز اور نا جائز ہونا ایک ہے اجرت نہ لینا۔اب جن کاموں پر اجرت جائز ہے مثلاً کوئی آدمی دوسرے کا کام مفت کر دے بغیر اجرت کے تو منع تو نہیں ہے۔کوئی آدمی مزدوری کر رہا ہے وہاں اینٹیں لگا رہا ہے۔کسی کا مکان بنا رہا ہے اور وہ یہ کہتا ہے میں مزدوری نہیں لیتا۔اس کو اختیار ہے نہ لے۔اور اگر لے لے تو نا جائز تو نہیں بن جائے گی۔

اسی طرح اگر کسی صحابی نے اجرت نہیں لی۔اللہ تعالی سے مزید ثواب حاصل کرنے کے لئے تو ٹھیک ہے نہ لے۔لیکن اس سے یہ نہیں نکلتا کہ وہ نا جائز ہو گئی ہے۔

خلفائے راشدین کا کیا کام تھا ؟دین کا ہی کام تھا۔جمعہ پڑھاتے تھے،نمازوں کی امامت کرواتے تھے،بیت المال سے انہیں روزینہ ملتا تھا،تنخواہ ملتی تھی۔ابوبکر صدیق،عمر بن خطاب،عثمان بن عفان اور علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم کو بیت المال ہی سے تنخواہ ملتی تھی۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب خلیفہ بنے تو اپنے کام کاج کے لئے نکلے لوگوں نے کہا اپنا کام کاج کرو گے تو یہ خلافت کا نظام کیسے چلے گا۔اب اپنا کام چھوڑ دو بیت المال سے آپ کو وظیفہ مل جائے گا۔

رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام کو یہی چیزیں ملتی تھیں اور وہ قبول بھی فرماتے تھے۔

چوتھا سوال :

چوتھا سوال یہ ہے کہ حدیث ((ان أحق ما أخذتم عليه أجرا كتاب الله)) کو شان ورود کے ساتھ ملا کر مطلب لیا جائے۔نہ کہ اس کو عام رکھ کر ہر قسم کی اجرت کے جواز کا مسئلہ نکالا جائے۔

سوال کی وضاحت:

«ان أحق ما أخذتم علیه أجرا »حدیث ہے صحیح بخاری میں موجود ہے اور اس کا ایک سبب ورود ہے کہ

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی قافلے کی شکل میں گئے۔راستے میں ایک قبیلہ تھا۔وہ ٹھہرے انہوں نے ان کی مہمان نوازی نہ کی۔اللہ کی قدرت کہ ان کے ایک آدمی بعض روایتوں میں سردار کا لفظ بھی آتا ہے کو سانپ یا بچھو ڈس گیا دم کروانے کے لئے وہ ان کے پاس آئے۔ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دم تو میں کروں گا لیکن کچھ لوں گا۔چنانچہ بکریوں کے ایک ریوڑ پر بات تہہ ہو گئی۔انہوں نے کہا کہ بکریوں کا ایک ریوڑ ہم تمھیں دیں گے۔ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے سورۃ فاتحہ پڑھ کر دم کیا اللہ تعالی نے شفا دے دی۔انہوں نے بکریوں کا ایک ریوڑ دے دیا۔بعد میں انہوں نے سوچا کہ پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لیں پھر ان میں تصرف کریں گے۔تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرا بھی اس میں حصہ رکھو۔« ان أحق ما أخذتم علیه أجرا »● لوگ غلط اور باطل دم کر کے اجرت لے رہے ہیں۔ آپ لوگوں نے تو صحیح دم کیا ہے سورۃ فاتحہ پڑھ کر دم کیا ہے۔تو قرآن مجید پر جو اجرت لی جائے اجر لیا جائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں وہ دوسری اجرتوں کی نسبت زیادہ حق والا ہے زیادہ حق والی اجرت ہے۔

سبب ورود کو سامنے رکھ کر اس کا مطلب لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دم کر کے تو اجرت لے سکتے ہیں۔لیکن قرآن مجید کی تعلیم دے کر اجرت نہیں لے سکتے کیونکہ سبب ورود اس کا دم ہے۔لہذا دم کے علاوہ دوسری چیزوں پر اس کو چسپاں نہیں کر سکتے۔

جواب: اصول ہے اور عام علماء اس کو اپنی کتابوں میں بیان کرتے ہیں۔

● صحیح بخاری کتاب الطب باب الشروط فی الرقیة بفاتحة الکتاب حدیث:۵۷۳۷

أَلْعِبْرَةُ بِعُمُوْمِ اللَّفْظِ لَا بِخُصُوْصِ السَّبَبِ

''اخذ احکام میں اعتبار لفظ کے عموم کا ہوتا ہے''

لفظوں کے عموم کو سامنے رکھا جاتا ہے۔عموم کے اندر جو جو آجائے وہ سب ٹھیک ہے۔خاص سبب کا اعتبار نہیں ہوتا۔ما سوائے چند مقاموں کے جہاں کوئی تخصیص کی دلیل مل جائے۔وہاں تو تخصیص ہوگی۔ وہ سبب ورود کے ساتھ ہی خاص رہیں گے لیکن اگر تخصیص کی دلیل نہیں ملتی تو پھر لفظوں کے عموم کا اعتبار ہوتا ہے۔

اس کی کافی مثالیں ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور اللہ تعالیٰ نے خاص موقعوں پر لفظ استعمال کیے ہیں۔لیکن ان الفاظ کو ان خاص موقعوں کے علاوہ دوسرے موقعوں پر بھی ان کو چسپاں کیا جاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے صحابی فرماتے ہیں: کہ اے اللہ کے رسولؐ ہم شکار کے لئے جاتے ہیں۔پینے کے لئے تھوڑا سا پانی ساتھ لے جاتے ہیں۔اگر اس پانی سے وضو کریں تو پینے کے لئے پانی نہیں بچتا۔سمندر کا پانی کڑوا ہوتا ہے۔پینے کے قابل نہیں تو کیا ہم سمندر کے پانی سے وضو کر لیا کریں؟اور جو ساتھ لے کر جاتے ہیں وہ پینے کے لئے محفوظ رکھ لیں کیا یہ جائز ہے؟

یہ بات سمندر میں شکار کرنے والے لوگوں نے پوچھی شکاری لوگ تھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((هُوَ الطَّهُوْرُ مَاءُهُ وَالْحِلُّ مَيْتَتُهُ)) [1]

''سمندر کا پانی پاک ہے اور سمندر کا مردار حلال ہے''

نبی اکرم ﷺ کے یہ الفاظ خاص موقعے کے لئے ہیں۔شکاریوں کے لئے ہیں جو تھوڑا پانی ساتھ لے کر جائیں ان کے لئے ہیں۔تو کیا پھر یہ الفاظ ان ہی کے ساتھ مخصوص رہیں گے؟نہیں بلکہ وہ شکاری ہو غیر شکاری ہو۔ساتھ پانی لے کر جائیں یا پانی لے کر نہ جائیں۔سب کے لئے پاک ہے۔کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے

[1] سنن أبي داؤد باب الوضوء بماء البحر حديث :۸۳

الفاظ عام ہیں۔اسی طرح سمندر کا مردار مچھلی صرف ان شکاریوں کے لئے حلال نہیں۔بلکہ سب کے لئے حلال ہے۔یہی اہل علم جو یہ باتیں کررہے ہیں۔(کہ قرآن مجید کی تعلیم پر اجرت نہیں لینی چاہیے)اپنی کتابوں میں یہی اصول لکھتے ہیں۔کہ "العبرة بعموم اللفظ لا بخصوص اسبب" (اعتبار لفظ کے عموم کا ہوتا ہے۔)لہٰذا یہاں پر بھی لفظ عام ہے۔

«إِنَّ أَحَقَّ مَا أَخَذْتُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا كِتَابُ اللّٰهِ»

"کہ سب سے زیادہ حق والی اجرت وہ ہے جو اللہ کی کتاب پر لو"

یہ بات رسول اللہ ﷺ فرما رہے ہیں۔لہذا یہ اجرت جائز ہے اور حق ہے نبی کریم ﷺ حق قرار دے رہے ہیں۔

سبب ورود کے ساتھ خاص ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔اور جو دلیلیں یہ بیان کرتے ہیں وہ بنتی نہیں۔اور ان کا حال بھی آپ نے ﴿ وما امروا الاليعبدوا الله﴾ کی تفسیر میں سن ہی لیا ہے۔البتہ ٹھیک ہے اگر تخصیص کی کوئی دلیل آجائے تو وہ چیز خاص ہو جائے گی۔وہ لفظ عام ہیں اپنے عموم پر ہی رہیں گے۔

پانچواں سوال:

پانچواں سوال یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے باب قائم کیا ہے

"بَابُ إِثْمِ مَنْ رَأَى بِقِرَاْةِ الْقُرْآنِ أَوْتَأَكَّلَ بِهِ أَوْ فَخَرَ بِهِ.

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ قرآن مجید کے لئے اجرت لینے کو برا سمجھتے ہیں۔

جواب: امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں کتاب البیوع میں یہ باب قائم کیا ہے۔❶ قرآن مجید کی تعلیم پر اجرت لینا پھر اس کے دلائل پیش کیے ہیں۔علماء

❶ صحیح بخاری باب ما يعطى في الرقية على أحياء العرب بفاتحة الكتاب وقال ابن عباس رضی الله عنهما عن النبي ﷺ ان أحق ما أخذتم عليه أجرا كتاب الله وقال الشعبي لا يشترط المعلم إلا أن يعطى شيئا فليقبله وقال الحكم لم أسمع

کے قول بھی نقل فرمائے ہیں پھر ترجمۃ الباب میں حدیث رسول ﷺ: ((ان احق ما اخذتم علیه اجرا کتاب الله)) درج فرمائی ہے۔

کتاب البیوع کے اس باب سے تو پتہ چلتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ تعلیم قرآن وحدیث پر اجرت کو جائز سمجھتے ہیں۔اور ادھر جو امام بخاری فرما رہے ہیں۔جو سوال میں ہے کہ امام بخاری نے باب قائم کیا ہے "باب من رائی بقراء ۃ القرآن" أَوْتَأَكَّلَ به أوفخربه

اس میں ہے :((من رأى بقراء ۃ القرآن))یعنی قرآن کی قراءت میں ریا کاری سے جو کام لے وہ گناہگار ہے۔تو یہ ٹھیک ہے۔حدیث میں ذکر ہے کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک قاری صاحب قرآن مجید کی تلاوت کر رہے تھے۔بہت اچھا قرآن مجید پڑھ رہے تھے تو بعد میں انہوں نے مانگنا شروع کر دیا۔اس موقع پر صحابی نے رسول اللہ ﷺ کی حدیث سنائی کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے کہ مانگنے کے لئے قرآن مجید کو ذریعہ بنایا جائے۔یہ صورت ہے تاکل بہ کی یہ جرم ہے۔یہ تو نہیں کہ قرآن مجید کی تعلیم دے رہا ہے اس پر اجرت نہ لے۔ تاکل بہ کا یہ معنی بنتا ہی نہیں۔

آگے امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں : "أَوْ فَجَرَ بِهِ" قرآن مجید کے ساتھ کوئی گناہ کا کام کرتا ہے۔قرآن مجید کو گناہ کے کام کے لئے استعمال کرتا ہے جرم ہے۔وہاں پیسے لینے ٹھیک نہیں کیونکہ وہ کام ہی حرام ہے گناہ ہے۔

اب جو حافظ صاحب یا قاری صاحب قرآن مجید کی تعلیم دیتے ہیں۔کوئی جرم تو نہیں کرتے۔یہ کیسے حرام اور نا جائز ہے؟

کوئی شخص جرم کرے اور قرآن مجید کو اپنے جرم کی پردہ پوشی کے لئے بہانہ بنا رہا ہو یہ نا جائز ہے۔اس کو امام بخاریؒ نا جائز قرار دے رہے ہیں۔کوئی آدمی قرآن مجید کی تعلیم صحیح معنوں میں دے کر پیسے لیتا ہے۔اس کو امام بخاریؒ نا جائز نہیں فرما رہے۔

انہوں نے تو خود جواز کا باب باندھا ہے پھر دلائل پیش کرتے ہیں

((ان أحق ماأخذتم عليه اجرا كتاب الله)) یہ دلیل پیش فرمائی ہے:

اس سے پتہ چلا کہ امام بخاری رحمہ اللہ بھی ((ان احق ما اخذتم عليه اجرا كتاب الله)) کو سبب ورود دم کے ساتھ مخصوص نہیں سمجھتے۔ورنہ قرآن مجید کی تعلیم پر اجرت کے سلسلے میں یہ دلیل کیوں پیش کرتے۔

چھٹا سوال:

چھٹا سوال یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَلَا تَشْتَرُوْا بِآيَاتِیْ ثَمَنًا قَلِيْلًا﴾

اور اسی جیسی اور کئی آیات ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آیات کے بدلے میں ثمن قلیل لینے سے منع کیا گیا ہے۔اور پھر یہ آیات عام ہیں خواہ وہ کتمان آیات کر کے ثمن لیا جائے پھر بھی اور اگر تعلیم تفسیر،امامت اور خطابت وغیرہ کر کے ثمن وصول کیا جائے پھر بھی۔دلیل اس کی یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے ﴿مَا سَأَلْتُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ﴾ تو رسول کتمان تو نہیں کرتے تھے۔بلکہ اظہار حق ہی کرتے تھے۔

جواب: سائل صاحب پہلے فرما چکے ہیں: ((ان أحق ما أخذ تم عليه أجرا كتاب الله)) کو شان ورود کے ساتھ ملا کر مطلب لیا جائے۔

• شان ورود کے ساتھ ملا کر مطلب لینا ٹھیک ہوا نا؟ درست ہوا نا؟ تو اب یہ جو آیت ﴿ وَلَا تَشْتَرُوْا بِآيَاتِیْ ثَمَنًا قَلِيْلًا﴾ کو بھی شان نزول کے ساتھ ملا کر مطلب لیا جائے بلکہ سیاق وسباق کو ملحوظ رکھ کر مطلب لیا جائے۔سیاق وسباق میں کیا ہے؟

بنی اسرائیل کی بات ہو رہی ہے۔

﴿ يٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِیْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ وَاِيَّایَ فَارْهَبُوْنِ ○ وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ

وَلَا تَكُوْنُوْا أَوَّلَ كَافِرٍ بِهٖ وَلَا تَشْتَرُوْا بِآيَاتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا﴾ ❶

خطاب کن کو ہے؟ ﴿يٰبَنِيْ اسرائيل﴾ اے اسرائیل کے بیٹو: ان کو حکم ہو رہا ہے ﴿وَلَا تَشْتَرُوْا بِآيَاتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا﴾

ہم نبی کریم ﷺ کی امت بنی اسرائیل تو نہیں؟ ادھر تو شان ورود کی بات کر رہے تھے۔ ادھر لفظ بھی قرآن مجید کے اندر آ گئے۔ ان کا بھی لحاظ نہیں رکھ رہے سوال میں کہتے ہیں۔ عام ہے جی۔ عام کیسے ہیں۔ یٰبنی اسرائیل یہ عام ہے۔ بنی اسرائیل کو حکم ہو رہا ہے اس مضمون کے اور بھی الفاظ قرآن مجید میں کئی جگہ پر آئے ہیں سب جگہ خطاب یا ذکر بنی اسرائیل کا ہی ہے۔ مثلاً:

﴿فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ﴾ ❷

اہل کتاب کا کام کیا تھا؟ اپنے ہاتھ سے کتاب لکھتے خود مسئلے گڑھتے۔ جو نہ توراۃ میں ہوتے نہ انجیل میں۔ اپنی طرف سے بنا کر کہہ دیتے ھذا من عند اللہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ لوگوں کو خوش کرنے کے لئے۔ یہ خوش ہو جائیں اور ہمیں چار پیسے مل جائیں۔ ﴿لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا﴾ یہ حالت اور کیفیت تھی ان اہل کتاب کی۔ اگر کوئی قرآن مجید کے ساتھ بھی اسی طرح کرتا ہے مثلاً: ایک بات نہ قرآن مجید میں ہے نہ نبی کریم ﷺ کی سنت اور حدیث میں ہے۔ اپنی طرف سے مسئلہ بنا کر اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ کے ذمے بہتان لگا دیتا ہے۔ پھر اس مسئلے پر پیسے لیتا ہے یہ ناجائز ہے حرام ہے۔ حدیث میں اگر شان ورود کا اعتبار کرنا ضروری ہے تو قرآن مجید میں بھی تو شان نزول کا اعتبار ضروری ہے۔ شان نزول کو بھی سامنے رکھو اور بات کو بھی سامنے رکھو جو آیت میں بیان ہو رہی ہے۔

اس قسم کی آیتوں کو صحیح حق کی تعلیم دینے والوں پر چسپاں کرنا ٹھیک نہیں۔

---

❶ سورۃ بقرۃ: ۴۰-۴۱

❷ سورۃ بقرۃ: ۷۹

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے۔یہود ونصاریٰ کے مذہب میں کتاب وسنت کی تعلیم پر دین کی تعلیم پر اجرت لینا نا جائز تھا۔یہ مسئلہ ان کے مذہب میں تھا ہماری شریعت میں اس کی اجازت دے دی گئی ہے۔

.« اِنَّ أَحَقَّ مَا أَخَذْتُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا كِتَابُ اللّٰهِ » ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے سورۃ فاتحہ پڑھ کر دم کیا۔اس کے بدلے میں بکریوں کا ریوڑ لیا۔رسول اللہ ﷺ نے بھی فرمایا میرا بھی اس میں حصہ رکھو۔ (1) کیا وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کے بدلے تھوڑی قیمت تھی؟

آدمی کو کچھ سوچ لینا چاہیے کہ اس کی زد کس کس پر پڑ رہی ہے؟ یہاں بات بنی اسرائیل کی ہو رہی ہے۔جو آیتوں کو بگاڑتے تھے ﴿يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ﴾ (2) پھر لوگوں سے پیسے لیتے تھے۔اللہ تعالیٰ نے اس کو نا جائز قرار دیا ہے۔

ایک حدیث بھی پیش کی جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ایک صحابی کو ہدیے کے طور پر ایک کمان ملی۔انہوں نے قرآن مجید کی تعلیم دی تھی۔تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ آگ کی کمان ہے۔ (3) آپ نے لینے سے منع فرما دیا۔

یہ روایت سنداً صحیح نہیں۔اگر صحیح ہو بھی جائے تو اس کے الفاظ ہیں۔

أهدى له قوسا کہ اس کو ہدیے کے طور پر اس کے شاگرد نے قوس دی تھی ہدیے کو تو یہ علماء بھی جائز سمجھتے ہیں۔جو ﴿وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيَاتِیْ ثَمَنًا قَلِيْلًا﴾ اور ﴿وَمَا أُمِرُوْا اِلَّا لِيَعْبُدُوْا اللّٰهَ﴾ والی آیتوں سے اجرت کو نا جائز کہتے ہیں۔

اگر شاگرد ہدیے کے طور پر تحفے کے طور پر کوئی چیز پیش کرتا ہے تو وہ جائز ہے۔تو پھر وہاں تو آرہا ہے۔"اهدى له قوسا" کہ اس نے ہدیے کے طور پر قوس کمان پیش کی تھی پھر تو یہ کہنا چاہیے کہ ہدیہ بھی نا جائز ہے۔ہدیے کو یہ جائز سمجھ رہے ہیں حدیث کی مخالفت کر رہے ہیں۔پھر اس سے استدلال کیسے جبکہ وہ سنداً صحیح بھی نہیں۔

---

(1) صحيح بخاری باب الشروط فی الرقية بفاتحة الكتاب حديث: ۵۷۳۷

(2) سورۃ نساء: ٤٦

(3) سنن البيهقی الكبری باب من كره أخذ الأجرة عليه حديث: ۱۱۴۶۱۔

رسول اللہ ﷺ کی ایک دوسری حدیث بھی وہ پیش کرتے ہیں۔کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ایک دور آئے گا لوگ قرآن مجید پڑھیں گے ((يَتَعَجَّلُوْنَهُ وَلَا يَتَأَجَّلُوْنَهُ))❶ اس میں جلدی کریں گے دیر سے کام نہیں لیں گے۔اس سے بھی اجرت لینے کو ناجائز ثابت کرتے ہیں۔لیکن اس سے منع نکلتا نہیں ((يَتَعَجَّلُوْنَهُ وَلَا يَتَأَجَّلُوْنَهُ)) کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی سے وہ اجروثواب کی امید نہیں رکھیں گے لوگوں کو خوش کرنا مقصد ہو گا یا اپنی قراءت کی لوگوں پر دھاک بٹھانا مقصد ہو گا جس طرح کہ دوسری حدیث میں وضاحت بھی آگئی ہے۔

تین آدمی پیش ہوں گے ایک مجاہد شہید، ایک سخی اور ایک قاری عالم۔اللہ تعالیٰ پوچھیں گے تم نے کیا کیا۔تو قاری صاحب فرمائیں گے۔یا اللہ قرآن مجید کی تعلیم دیتا رہا ہوں اجر اور ثواب حاصل کرنے کے لیے۔اللہ تعالی فرمائیں گے تو جھوٹ بولتا ہے تو اس لیے قرآن مجید کی تعلیم دیتا رہا اور علم لوگوں کو پڑھاتا رہا ہے لوگ کہیں کہ بڑا علامہ ہے بڑا قاری ہے۔حکم ہو گا اس کو گھسیٹ کر جہنم دوزخ میں پھینک دیا جائے۔اور ادھر جو رسول اللہ ﷺ فرما رہے ہیں :((يَتَعَجَّلُوْنَهُ وَلَا يَتَأَجَّلُوْنَهُ)) یہ بھی ریا کاروں کی بات ہے یہ نہیں ہے کہ وہ قرآن مجید کی تعلیم دے کر تنخواہ یا پیسے لیتے تھے۔((يَتَعَجَّلُوْنَهُ وَلَا يَتَأَجَّلُوْنَهُ)) کا مطلب دوسری حدیث کی روشنی میں یہی بنتا ہے کہ وہ ریا کار ہوں گے۔

اجرت کو خود رسول اللہ ﷺ نے جائز قرار دیا ہے: ((إِنَّ أَحَقَّ مَا أَخَذْتُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا كِتَابُ اللّٰهِ)) اس لیے کتاب وسنت کی تعلیم دے کر اجرت لینا حلال ہے حق ہے۔بلکہ رسول اللہؐ کے فرمان کے مطابق زیادہ حق والی ہے۔

اللہ تعالی ہر ایک کو نیکی کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

((......❀❀❀......))

❶ سنن أبي داؤد باب ما يجزئ الأمي والأعجمي من القرأة حديث : ۸۳۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

«اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَ مَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ» [ﷺ] اما بعد......:

ضعیف روایات

یہ دو لفظ ہیں۔ایک لفظ ضعیف ہے۔ دوسرا لفظ روایات ہے۔ضعیف صفت ہے اور روایات موصوف ہے اردو ترکیب ہے کسی کو عربی قواعد سامنے رکھ کر پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔

لفظ ضعیف:

قرآن مجید میں بھی ضعیف لفظ متعدد مقامات میں آیا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا﴾ [1]

''انسان کو ضعیف ہونے کی حالت میں پیدا کیا گیا ہے''

یعنی انسان ناتواں اور کمزور ہے۔دوسرے مقام میں اللہ تعالیٰ نے انسان کے ضعیف ہونے کی کچھ وضاحت بھی فرمائی ہے۔

﴿اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّشَيْبَةً﴾ [2]

ہماری عام قرات میں اس کو ضُعف ہی پڑھا گیا ہے۔بعض قراء کرام نے اس کو ضَعف بھی پڑھا ہے۔چنانچہ جو قرآن مجید سعودی عرب سے طبع ہوا ہے اس میں ض پر زبر ڈالی گئی ہے۔ اس قرات کے مطابق اور جو قرآن مجید ہمارے ہاں چلتے

[1] سورۃ نساء آیت:۲۸

[2] سورۃ روم آیت:۵٤

ہیں جس کی ہم تلاوت کرتے ہیں اس میں ض پر پیش ڈالی گئی ہے معنی دونوں کا ایک ہے فرق کوئی نہیں پڑتا۔ ویسے زبر زیر سے فرق پڑ جاتا ہے لیکن ہر جگہ نہیں۔ کسی جگہ نہیں بھی پڑتا۔ تو اللہ تعالی فرماتے ہیں :

﴿ اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِنْ ضُعْفٍ ﴾

''اللہ وہ ہے جس نے تمہیں ضعف سے پیدا کیا ہے کمزوری اور ناتوانی سے پیدا کیا ہے''

﴿ ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ﴾

''ضعف اور کمزوری کے بعد اللہ تعالی نے قوۃ عطا فرما دی''

چوپائے، بھینس، گائے، اونٹ، بکریاں اور بھیڑیں ان کے بچے جب پیدا ہوتے ہیں تو دن رات سے پہلے پہلے اٹھ کر چلنے لگ جاتے ہیں۔ اور انسان کے بچے آپ دیکھتے ہی ہیں کہ کئی مہینوں کے بعد چلنے پھرنے کے قابل ہوتے ہیں۔ کھڑا ہونا اور چلنا پھرنا تو درکنار پہلے تو وہ بیٹھ بھی نہیں سکتے یہ کمزوری ہے۔ پھر اللہ تعالی نے کچھ عرصے کے بعد قوت عطا فرما دی۔ قوت تو اللہ تعالی نے عطا کی تھی اب اس کو چاہیے تھا کہ وہ اللہ تعالی کا شکر گزار بندہ بنتا۔ لیکن اس میں اتنا تکبر آ جاتا ہے کہ اَنَا وَلَا غَیْرِیْ کے نعرے لگانے لگ جاتا ہے۔ اپنے آپ کو بڑا مضبوط اور طاقتور سمجھتا ہے۔ اللہ تعالی نے قوم عاد کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کی یہ بات نقل کی ہے۔

﴿ وَقَالُوْا مَنْ أَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ﴾

ان کو اپنی قوت پر اتنا ناز کہ کہنے لگے: ''ہم سے زیادہ قوت والا کون ہے؟''

یہ استفہام انکاری ہے۔ یعنی ہم سے زیادہ قوت والا کوئی ہے ہی نہیں۔

اللہ تعالی نے ان کا رد کیا۔ فرمایا:

﴿ اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ﴾[1]

''کیا ان کو یہ سمجھ نہیں کہ جس اللہ نے ان کو پیدا کیا ہے وہ ان سے قوت

---

[1] سورۃ فصلت آیت: ۱۵۔

میں بہت زیادہ بڑھ کر ہے“

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿أَنَّ الْقُوَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا﴾ ❶

”ساری کی ساری قوت اللہ تعالیٰ کے پاس ہے“

وہ کسی کو تھوڑی سی دے کر چھین لے اس کے سامنے کوئی دم نہیں مار سکتا۔قوم عاد کا اتنا دماغ خراب ہوا کہ وہ اپنی قوت پر اتنا ناز کر بیٹھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو ہی فراموش کر گئے۔

﴿مَنْ أَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً﴾

اللہ تعالیٰ نے ان کے اس جواب میں دوسری قومیں ذکر نہیں کیں۔حتی کہ جن بھی ذکر نہیں کیے۔کہ جن ان سے قوت میں زیادہ ہیں۔فرشتے بھی ذکر نہیں کیے حالانکہ وہ ان سے قوت میں زیادہ ہی ہیں۔لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے ﴿مَنْ أَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً﴾ کے جواب میں اپنی قوت کا ذکر کیا ہے۔کہ جس نے ان کو پیدا کیا ہے۔وہ ان سے قوت میں زیادہ ہے۔(یہاں سے ان کے تکبر کا پتہ چلتا ہے کہ وہ تکبر میں کہاں تک پہنچ چکے تھے)

بہر حال ان کی قوت کسی کام نہ آ سکی۔جب اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا وہ سب قوتوں والے ختم۔سات راتیں اور آٹھ دن مسلسل اللہ تعالیٰ نے ان پر طوفان چلا دیا بھسم کر کے رکھ دیا ان کو۔دیکھنے والا سمجھتا تھا

﴿كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ﴾ ❷

”جیسے کھجوروں کے درخت اکھاڑ پھینکے ہوتے ہیں“

کوئی ادھر گرا ہوا ہے کوئی ادھر گرا ہوا ہے اس طرح اللہ تعالیٰ نے سب ختم کر دیئے۔

---

❶ سورۃ بقرۃ آیت:۱۶۵۔

❷ سورۃ حاقۃ آیت:۷۔

بہر حال یہ بات ضمناً آ گئی۔بیان میں یہ کر رہا تھا کہ اللہ تعالی نے اس انسان کو کمزوری کے بعد قوۃ عطا فرمائی۔

﴿ثُمَّ جَعَلَ مِنۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَ شَيْبَةً﴾

''پھر قوت اور طاقت کے بعد اس پر ایک دور ایسا آ گیا۔کہ یہ پھر کمزور اور بوڑھا ہو گیا۔

پرانے دور میں سکولوں میں ایک قاعدہ پڑھایا جاتا تھا۔اس میں لکھا ہوا تھا ''ض''ضعیف یعنی بوڑھا۔اللہ تعالی نے پھر انسان کو بوڑھا کر دیا۔یہ ضعیف لفظ ضُعف اور ضَعف سے مشتق ہے جس کا معنی کمزوری ہے۔قوۃ کا مقابل ہے عدم قوت قوت کا نہ ہونا۔پھر یہ کمزوری بھی کئی قسم کی ہے مالی کمزوری ،بدنی کمزوری ،روحانی کمزوری ،مادی کمزوری ،علمی کمزوری ،فنی کمزوری۔کمزوریاں کئی قسم کی ہیں۔اور یہ جو روایات کے ساتھ ضعیف کا لفظ لگا ہوا ہے۔یہ بھی ایک کمزوری کی طرف اشارہ ہے۔

ضعیف روایات مقصد اس کا یہ ہے۔کہ کمزور روایات۔روایات کمزور ہیں قبولیت کی جو شرطیں ہیں وہ یا تو بالکل ہی نہیں پائی جاتیں یا کچھ پائی جاتیں ہیں اور کچھ نہیں پائی جاتیں۔درجہ قبول سے جو روایت گر جائے اس کو ضعیف روایت کہہ دیا۔

لفظ روایات کی وضاحت:

دوسرا لفظ روایات ہے۔یہ روایت کی جمع ہے۔کسی چیز کے نقل اور حکایت کرنے کو روایت کہا جاتا ہے۔کوئی چیز کسی سے سن کر دوسرے کو جا کر سنا دینا۔یہ خبر کا ہم معنی ہے یعنی خبر سے ملتی جلتی بات، حکایت، روایت، خبر، اخبار۔یہ ہم معنی الفاظ ہیں۔ضعیف روایات کا مطلب یہ بنے گا وہ روایتیں جو درجہ قبول تک نہیں پہنچتیں۔ان میں کوئی ضعف اور کمزوری پائی جاتی ہے۔

ضعیف روایت پر بحث کے مختلف پہلو:

ضعیف روایات پر بحث کئی پہلوؤں سے کی جا سکتی ہے۔ ایک پہلو یہ کہ عرف اور اصطلاح میں ضعیف روایت کن کو کہا جاتا ہے؟ ضعیف روایت کی حقیقت کیا ہے؟ یہ بھی ایک مستقل موضوع ہے۔

ضعیف روایات پر بحث کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ ضعف کی علتیں اور وہ وجوہ جن کی بنا پر روایت میں کمزوری پیدا ہوتی ہے۔ ضعف کے علل اور وجوہ بھی متعدد ہیں یہ بھی ایک مستقل بحث اور موضوع ہے۔

ضعیف روایات پر گفتگو کرنے کا تیسرا پہلو یہ ہے کہ ضعیف روایات کے اسباب کیا ہیں۔ جن کی وجہ سے ضعیف روایات معرض وجود میں آئی ہیں۔ وہ اسباب باعثہ کیا ہیں؟ وہ سبب سیاست ہے یا کوئی ذاتی غرض ہے یا جماعتی غرض ہے یا وہ سبب عصبیت اور حمیت ہے۔ جو کچھ رواۃ کو اس طرف لے گئے یہ بھی ایک ضعیف روایات پر گفتگو کرنے کا مستقل پہلو ہے۔

ضعیف روایات پر گفتگو کرنے کا چوتھا پہلو یہ ہے کہ ضعیف ایک ایک کر کے گنوائی جائیں کہ یہ یہ ضعیف روایات ہیں۔ اور پھر ان پر محدثانہ گفتگو کی جائے کہ یہ کیوں ضعیف ہیں۔

بہر حال اپنی اپنی فرصت میں آپ ان پر بات چیت سن لیں گے ان شاء اللہ تعالی

حدیث اور سنت کے متعلق ایک اشکال اور اس کا ازالہ:

سب سے پہلے آپ اس اشکال کو دور کر لیں جو عام ذہنوں کے اندر پیدا ہوتا ہے اور اکثر لوگ اس کے متعلق سوال بھی کرتے ہیں کہ حدیث اور سنت تو وحی ہیں من جانب اللہ ہیں یہ کیسے ضعیف ہو سکتی ہیں۔ آپ اس بات کو ذرا اچھی طرح سمجھ لیں موضوع کا عنوان ضعیف روایات لکھا گیا ہے۔ ضعیف احادیث اور ضعیف سنن نہیں رکھا گیا۔ اور یہ موضوع جان بوجھ کر قصداً رکھا گیا ہے۔ سنن اور احادیث کا لفظ

نہیں لکھا گیا۔ کیونکہ روایت، حدیث اور سنت میں فرق ہے۔

حدیث اور سنت کا لفظ جب بولا جائے۔ تو عام مسلمانوں کا ذہن رسول اللہ ﷺ کی احادیث اور سنن کی طرف ہی جاتا ہے۔ بلکہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے حجاج بن یوسف کو حج کے موقع پر یہ بات کہی کہ اگر تو سنت کا ارادہ رکھتا ہے تو ابھی چل پڑ۔ عبد اللہ بن عمر کے بیٹے سالم رحمہ اللہ سے کسی نے پوچھا کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے جو یہ کہا ہے کہ اگر سنت کا ارادہ ہے تو ابھی چل پڑ۔ سنت سے کیا مراد ہے؟ سالم نے فرمایا:

«هَلْ يَعْنُونَ بِهَا إِلَّا سُنَّةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ» ❶

"جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ لفظ بولتے تھے تو وہ اس سے رسول اللہ ﷺ کی سنت مراد لیتے تھے"

کسی اور کی سنت مراد نہیں لیتے تھے۔

تو سنت اور حدیث سے مراد رسول اللہ ﷺ کی سنت اور حدیث ہے جو کہ وحی ہے اسی طرح روایات بھی وحی ہیں تو یہ کیسے ضعیف ہو سکتی ہیں؟ یہ بات بالکل ٹھیک ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث اور سنن تو ضعیف ہو ہی نہیں سکتیں۔ ان کے ضعیف ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ الصادق الامین ہیں الصادق المصدوق ہیں۔ قرآن مجید میں ہے۔

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾ ❷

﴿اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ﴾ ❸

﴿اِنَّمَا اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ﴾ ❹

---

❶ نخبة الفكر کی شرح نزهة النظر میں ابن حجر نے بخاری کے حوالے سے یہ الفاظ بیان کیے ہیں۔

❷ سورة نجم آیت: ۳، ۴۔

❸ سورة یونس آیت: ۱۵۔

❹ سورة اعراف آیت: ۲۰۳۔

﴿وَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَ الْحِكْمَةَ﴾ ❶

فرمایا: اللہ تعالی نے آپ پر کتاب اور حکمت نازل فرمائی ہے۔ بہت سارے مفسرین کرام فرماتے ہیں۔ حکمت سے مراد نبی اکرم ﷺ کی احادیث اور سنن ہیں نبی اکرم ﷺ خود فرماتے ہیں:

«اَلَا اِنِّی اُوْتِیْتُ الْقُرْآنَ وَ مِثْلَه مَعَه۔» ❷

''مجھے قرآن مجید اور اس کے ساتھ اس کی مثل چیز عطا کی گئی ہے''

وہ آپ کی احادیث اور سنن ہیں۔ یہ بھی آپ کو عطا ہوئی ہیں من جانب اللہ ہیں لہذا واقع اور نفس الامر میں ہم جس کو حدیث اور سنت کہیں گے وہ ضعیف نہیں ہوگی اس کو ہم ضعیف کہہ ہی نہیں سکتے۔ اور یہ ضعیف اور کمزور جو کہا جاتا ہے۔ یہ روایت اور حکایت کو کہا جاتا ہے۔ اور جس روایت و حکایت کے متعلق محدثین اور اہل علم ضعیف اور کمزور کا حکم لگائیں گے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس کا حدیث ہونا سنت ہونا پایہء ثبوت تک پہنچتا ہی نہیں۔

اگر اس کا حدیث ہونا سنت ہونا پایہء ثبوت تک پہنچ جائے پھر تو اس نے ضعیف ہونا ہی نہیں۔ یہ تو رسول اللہ ﷺ کا عمل ہے آپ کا قول ہے اور آپ کی تقریر ہے اس میں تو ضعف اور کمزوری کا سوال ہی نہیں۔ یہ تو حجت اور دلیل ہے اور جو چیز حجت اور دلیل ہو وہ کمزور کیسے ہوسکتی ہے؟

اور اس کو جو ضعیف کہا جاتا ہے یہ اصطلاحی معنی میں ہوتا ہے۔ کیونکہ اصطلاح میں حدیث اور سنت کا معنی یہ کرلیا گیا ہے۔

« مَایُضَافُ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ »

''جو چیز رسول اللہ کی طرف منسوب کردی جائے''

اس پر اہل علم اور محدثین کرام حدیث اور سنت کا لفظ بول دیتے ہیں۔ اس

❶ سورۃ نساء آیت: ۱۱۳۔

❷ مسند احمد عن المقدام بن معدیکرب الکندی حدیث: ۱۷۲۱۳۔

سے قطع نظر کہ وہ واقع اور نفس الامر میں رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے یا نہیں؟ صرف جو چیز آپ ﷺ کی طرف منسوب کر دی جائے۔ تو اس کو حدیث اور سنت کہہ دیتے ہیں۔

«مَا يُضَافُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ مِنْ قَوْلٍ أَوْ فِعْلٍ أَوْ تَقْرِيرٍ أَوْ صِفَةٍ أَوْ حَالٍ۔»

اس اصطلاح اور خاص معنی (کہ جو چیز بھی رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب ہو) کے اعتبار سے اس کو ضعیف بھی کہہ سکتے ہیں متروک بھی اور موضوع بھی۔ پھر اس کو صحیح بھی کہہ سکتے ہیں اور حسن بھی۔ یہ ساری چیزیں اس میں آجاتی ہیں۔

اب چونکہ عام آدمی اس اصطلاحی اور خاص عرفی معنی سے واقف نہیں ہوتا تو وہ پریشان ہو جاتا ہے کہ ایک طرف حدیث کہتے ہیں اور پھر اس کو ضعیف اور کمزور بھی کہتے ہیں یہ عجیب معاملہ ہے۔ اور کئی ہوشیار اور چالاک قسم کے لوگ اس چیز کو عام سادہ لوح انسانوں کو حدیث اور سنت سے متنفر کرنے کے لئے بہانہ بنا لیتے ہیں۔ اصل بات اتنی ہی ہے جو آپ کے سامنے بیان کر دی گئی ہے۔

پھر ایک ذہن یہ بھی چلتا ہے کہ حدیث صحیح بھی ہو سکتی ہے حسن بھی ہو سکتی ہے، ضعیف بھی ہو سکتی ہے اور سنت وہ صرف صحیح صحیح ہی ہو سکتی ہے، یا حسن حسن ہی ہو سکتی ہے ضعیف نہیں ہو سکتی۔ یہ بھی ایک قسم کا مغالطہ ہی ہے کہ حدیث کا اصطلاحی اور عرفی معنی لے لیا کہ جو چیز رسول اللہ کی طرف منسوب ہو یہ صحیح بھی ہو سکتی ہے حسن بھی ہو سکتی ہے ضعیف بھی ہو سکتی ہے لیکن سنت کا اصطلاحی اور عرفی معنی نہیں لیا بلکہ نفس الامر اور واقع والا جو معنی تھا وہ لے لیا۔ یا اصول یا فقہ والی اصطلاح مراد لے لی۔ یہاں محدثین والی اصطلاح ترک کر کے فقہاء اور اصولیوں والی اصطلاح لے لی ہے یا نفس الامر والا معنی لے لیا ہے۔ اور کہہ دیا ہے کہ سنت ضعیف نہیں ہو سکتی۔

اگر نفس الامر اور واقع والا معنی مراد لیا جائے پھر حدیث بھی ضعیف نہیں ہو سکتی۔
نفس الامر اور واقع والے معنی کے اعتبار سے حدیث ہو، وہ ضعیف نہیں ہو سکتی سنت ہو وہ بھی ضعیف نہیں ہو سکتی۔

اگر سنت کا بھی وہی معنی لیں۔ جو محدثین نے لیا ہے "مَا يُضَافُ إِلَى النَّبِيِّ" پھر تو سنت بھی ضعیف ہو گی۔ سنت کا بھی وہی حال ہو گا جو حدیث کا حال ہے۔ اہل علم تو اس حقیقت کو جانتے ہیں پھر بھی اگر وہ لوگوں کو ورغلانے کی کوشش کرتے ہیں تو یہ علم اور دیانت کے تقاضے کے خلاف ہے۔

اور جو اس حقیقت کو جانتا ہی نہیں اس کی نا واقفیت آڑے آئی ہوئی ہے اس وجہ سے وہ اس قسم کی باتیں کرتا ہے۔ تو یہ ناواقفیت بھی اچھی چیز نہیں۔ اگر واقفیت ہونے کے باوجود دوسرے کو مغالطہ دیتا ہے تو یہ بھی اچھی چیز نہیں۔ کسی نے کہا ہے:

"إِنْ كُنْتَ لَا تَدْرِيْ فَتِلْكَ مُصِيْبَةٌ"

''اگر آپ نہیں جانتے تو یہ بھی ایک مصیبت ہے''

"وَإِنْ كُنْتَ تَدْرِيْ فَالْمُصِيْبَةُ أَعْظَمُ"

''اور اگر جانتے ہو۔ پھر (لوگوں کو ورغلا رہے ہو) تو مصیبت بہت بڑی ہے''

یعنی جان بوجھ کر کسی کو ورغلانہ اور سیدھے رستے سے بھٹکانا اور پریشان کرنا تو یہ لاعلمی اور جہالت والی مصیبت سے بڑی مصیبت ہے۔

بات کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ نبی اکرم ﷺ کی احادیث اور سنن جو نفس الامر میں ہیں ان میں کوئی ضعف اور کمزوری نہیں۔ وہ قوی ہی قوی ہیں۔ بلکہ اقوی ہیں اللہ تعالی کے پیغمبر سید الاولین والآخرین ﷺ کی زبان سے جو نکلتا ہے وہ حق ہی نکلتا ہے۔

عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ میں رسول اللہ کی احادیث اور فرامین لکھا کرتا تھا "فَنَهَتْنِي قُرَيْشٌ" تو قریشیوں نے مجھے اس بات سے منع کیا یعنی رسول اللہ ﷺ کی ہر بات وہ لکھنے والی ہوتی بھی ہے کہ نہیں؟ کبھی آپ حالت غضب میں ہوتے ہیں اور کبھی حالت رضا میں ہوتے ہیں کبھی غصے میں ہوتے ہیں

کبھی خوشی میں ہوتے ہیں اور آپ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر حالت میں ہر بات ہی لکھتے جاتے ہیں۔

عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔اور عرض کی۔میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث لکھتا ہوں۔اور قریش نے مجھے اس سے منع کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کسی حالت میں ہوتے ہیں اور کبھی کسی حالت میں ہوتے ہیں۔اس وجہ سے آپ رضی اللہ عنہ ہر بات نہ لکھا کریں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : عبد اللہ رضی اللہ عنہ ہر بات لکھ لیا کر میری زبان سے صرف حق ہی نکلتا ہے حق کے علاوہ کوئی چیز نہیں نکلتی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حالت غضب میں ہوں پھر بھی حق ہی نکلتا ہے اور اگر خوشی کی حالت میں ہوں پھر بھی حق ہی نکلتا ہے۔[1]

اس کی مثال زبیر رضی اللہ عنہ کا واقعہ بھی ہے کہ زبیر رضی اللہ عنہ کا ایک انصاری رضی اللہ عنہ سے جھگڑا تھا حرہ کے پانی کے نالے کے سلسلے میں۔زبیر کی زمین اس انصاری صحابی کی زمین سے پہلے آتی تھی اور اس انصاری صحابی رضی اللہ عنہ کی زمین بعد میں آتی تھی اور یہ ظاہر بات ہے کہ جس کی زمین پہلے آتی تھی اس نے اپنی زمین کو پہلے پانی پلانا تھا وہ پہلے اپنی زمین کو سیراب کرے گا پھر دوسرے کی طرف پانی چھوڑے گا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب یہ مسئلہ پیش ہوا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زبیر رضی اللہ عنہ کو فرمایا : پہلے زمین کو پانی پلا لیا کر پھر انصاری کی طرف چھوڑ دیا کر۔انصاری صحابی رضی اللہ عنہ کہنے لگے: "اِنْ كَانَ ابْنَ عَمَّتِكَ" یہ تمہاری پھوپھی کا بیٹا تھا اس لئے یہ فیصلہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم غصے میں آگئے اور غصے کی حالت میں فرمایا : اے زبیر رضی اللہ عنہ تو اپنے کھیتوں کو پانی دے جب وہ منڈیروں تک خوب بھر جائیں پھر آگے چھوڑا کر۔[2]

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب العلم باب فی کتابة العلم حدیث:٣٦٤٦

[2] صحیح بخاری کتاب التفسیر باب ﴿فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم﴾ حدیث:٤٥٨٥

یہ فیصلہ نبی اکرم ﷺ نے حالت غضب میں فرمایا تھا لیکن ہے یہ عدل وانصاف پر مبنی۔ کیونکہ حق یہی ہے کہ کھیتوں کو بھرا جائے۔ نبی اکرم ﷺ پہلے انصاری کی رعائت کر رہے تھے۔ کھیتوں کو بھرنے کی پابندی آپ ﷺ نے نہیں لگائی تھی اس نے بے بنیاد اور غلط بات کی تو رسول اللہ ﷺ نے زبیر رضی اللہ عنہ کو جتنا ان کا حق بنتا تھا پورا دلوایا عدل وانصاف ہی کیا۔ اور دوسرے قاضیوں اور ججوں کو نبی اکرم ﷺ نے حالت غضب میں فیصلہ کرنے سے منع فرما دیا ہے۔ ❶

لیکن رسول اللہ ﷺ خود غضب کی حالت میں بھی فیصلہ فرما رہے ہیں۔ کیونکہ آپ ﷺ کی زبان سے ہر حالت میں حق ہی نکلتا تھا۔ لہذا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ بن عمرو بن عاص کو فرمایا کہ حدیثیں لکھ لیا کرو۔ تو وہ نبی اکرم ﷺ کی اجازت سے احادیث لکھا کرتے تھے۔ ضمناً یہ بات بھی آ گئی ہے تو آپ کی توجہ اس طرف بھی کرا دیتا ہوں۔

کیا احادیث رسول ﷺ دوسو سال بعد لکھی گئی ہیں؟

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ احادیث دوسو سال بعد لکھی گئی ہیں۔

" نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ .اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ."

کیا یہ عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ سے دوسو سال بعد ہیں؟ غور کرو اور سوچو: یہ تو نبی کریم ﷺ کے صحابی ہیں اور آپ ﷺ کی احادیث لکھا کرتے تھے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«اِنَّهُ كَانَ يَكْتُبُ وَلَا اَكْتُبُ۔» ❷

''عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث لکھا کرتے تھے اور میں نہیں لکھا کرتا تھا۔''

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الأحکام باب یقضی القاضی أو یفتی و هو غضبان

❷ صحیح بخاری کتاب العلم باب کتابة العلم حدیث: ۱۱۳۔

یعنی آپ زبانی یاد کیا کرتے تھے لکھتے نہیں تھے۔

تو رسول اللہ ﷺ کی احادیث آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں آپ ﷺ کے سامنے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے لکھی جاتی تھیں۔اور یہ بات کہنا کہ احادیث دو سو سال بعد لکھی گئی ہیں بات بے بنیاد اور غلط ہے۔عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی احادیث لکھ کر پوری ایک کتاب بنا لی تھی اور اس صحیفے کا نام انہوں نے اَلصَّحِیْفَةُ الصَّادِقَةُ رکھا تھا۔

مولانا عبد الرحمٰن محدث مبارکپوری نے ''تحفۃ الاحوذی'' کے مقدمے میں ایک روایت بیان کی ہے۔عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مجھے دنیا میں رہنے کی کوئی رغبت نہیں۔دل تو یہی چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس چلا جاؤں لیکن دو چیزوں کی بنا پر میں زندہ رہنے کی رغبت کرتا ہوں۔ایک یہ کہ کسی یتیم کی زمین تھی، جو ان کے پاس بطور امانت تھی کہتے تھے کہ یہ ان کی زمین ضائع نہ ہو جائے اس کی حفاظت کی وجہ سے جینے کی کچھ رغبت رکھتا ہوں دوسری چیز یہ صحیفہ صادقہ ہے۔رسول اللہ ﷺ کی احادیث کی حفاظت کے لئے میں جینے کی رغبت رکھتا ہوں۔

تو کیا یہ دو سو سال بعد کی بات ہے؟ یہ صرف عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ہی نہیں لکھا کرتے تھے بلکہ دوسرے بھی کئی صحابہ احادیث لکھا کرتے تھے۔

یہ بات کہنا کہ احادیث دو سو سال بعد لکھی گئی ہیں بالکل اسی طرح ہے جیسے کوئی تاج کمپنی کا قرآن مجید پکڑ کر کہے کہ قرآن مجید نبی اکرم ﷺ سے چودہ سو سال بعد لکھا گیا ہے۔اس طریقے سے لوگوں کو گمراہ کرنا شروع کر دے اور لوگوں کو اس کی تاریخ طباعت اور تاریخ کتابت دکھانا شروع کردے تیرہ سو سال اور کتنی ہجری لوگوں کو دکھانا شروع کر دے۔تو کیا یہ اس کی بات صحیح ہو گی؟ نہیں یہ بات غلط اور بے بنیاد ہو گی۔اس قسم کے لوگوں کے دلوں میں مرض بیماری ہے۔وہ اپنی اس بیماری اور مرض کا اس طریقے سے اظہار کر رہا ہے قرآن مجید تو

نبی اکرم ﷺ کے دور میں لکھا گیا ہے اور یہ تاج کمپنی والا چودہ سو سال بعد میں لکھا گیا ہے اس میں کوئی شک نہیں اور ویسے تو قرآن مجید نبی اکرم ﷺ کے دور سے لے کر آج تک اہل اسلام لکھ رہے ہیں اور قیامت تک لکھتے جائیں گے۔ان شاء اللہ۔رسول اللہ ﷺ کی احادیث بھی اسی طرح ہیں نبی اکرم ﷺ کے دور سے لے کر آج تک اہل اسلام لکھتے رہے ہیں اور قیامت تک یہ لکھتے رہیں گے۔ان شاء اللہ۔

باقی رہی یہ بات کہ اگر کوئی صحیح بخاری ،صحیح مسلم ،ترمذی ،ابوداؤد وغیرہ لے کر یہ کہے کہ احادیث نبی اکرم ﷺ سے دوسو سال بعد میں لکھیں گئیں ہیں اور لوگوں کو ورغلانہ شروع کر دے تو اس کے دل میں ہی بیماری ہے۔

صحیح بخاری تو امام بخاری رحمہ اللہ نے لکھی ہے۔انہوں نے تو اس کو اپنے دور میں ہی لکھنا تھا۔لیکن صحیح بخاری میں جو نبی اکرم ﷺ کی احادیث ہیں کیا وہ پہلے نہیں لکھی ہوئی تھیں ؟وہ تو پہلے ہی موجود تھیں نبی اکرم ﷺ کے دور ہی سے لکھی جاتی تھیں۔اس واسطے یہ مغالطہ دینا دل کی بیماری کی غمازی کر رہا ہے۔اس جیسے مغالطے دینا اہل اسلام اور اہل علم کے شایان شان نہیں۔

یہ بات تو ضمناً آ گئی ہے۔بہر حال عرض تو میں یہ کر رہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے جس حالت میں بھی جو نکلتا ہے وہ حق ہی ہوتا ہے اس میں کسی قسم کا کوئی شبہ بھی نہیں اس میں کمزوری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ضعف اور کمزوری خبر، روایت اور حکایت میں پیدا ہوتی ہے جس کوضعیف کہا جاتا ہے۔اس کے حدیث اور سنت ہونے میں شبہ ہوتا ہے۔یعنی کیا یہ حدیث ہے یا حدیث نہیں،کیا یہ سنت ہے یا سنت نہیں۔لیکن جب سنت اور حدیث ثابت ہو جائے پھر تو وہ ضعیف ہوتی ہی نہیں اس کے ثبوت میں شبہ ہوتا ہے اس لئے اس کوضعیف اور کمزور کہا جاتا ہے۔

ضعیف اور کمزور روایت کا پتہ کیسے چلتا ہے؟

محدثین کرام رحمہم اللہ نے کچھ اصول کتاب وسنت سے اخذ کیے ہیں۔ان اصولوں کی بنیاد پر روایت ،حکایت اور خبر کو پرکھا جاتا ہے پھر فیصلہ کیا جاتا ہے کیا یہ چیز پایہء ثبوت تک پہنچتی ہے یا نہیں؟

یہ اصول تو بہت زیادہ ہیں۔اختصار سے بیان کرتا ہوں۔

ضعیف روایت کو سمجھنے کے لئے اگر صحیح یا حسن روایت کو آدمی سمجھ لے تو ضعیف کی سمجھ بڑے آسان اور احسن طریقے سے اس کو آ جائے گی۔کیونکہ یہ ایک اصول ہے۔

" وَ بِضِدِّهَا تَتَبَيَّنُ الْاَشْيَاءُ ."

آپ نے اگر کسی چیز کی مٹھاس کا اندازہ لگانا ہو تو کڑوی چیز سامنے رکھو۔وہاں سے آپ کو مٹھاس کا اندازہ ہو گا۔سفیدی کو سمجھنا ہو تو سیاہی کو سامنے رکھو ،روشنی کو سمجھنا چاہتے ہو تو تاریکی کو سامنے رکھو تاریکی کو سمجھنا چاہتے ہو تو روشنی کو سامنے رکھو۔اسی طرح ضعیف روایت کو سمجھنے کے لئے صحیح اور حسن روایت کو آدمی سامنے رکھے تو ضعیف کو بخوبی آدمی سمجھ لے گا۔

صحیح روایت:

صحیح روایت کونسی ہوتی ہے؟اہل علم نے کتابوں میں لکھا ہے صحیح روایت وہ ہوتی ہے جس کے تمام راوی بیان کرنے والے سے لے کر رسول اللہ ﷺ تک عادل ہوں۔

عادل کی تعریف:

عادل کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ان میں نیکی ،تقوی اور مروت اس حد تک موجود ہو کہ غلط کام کرتا ہی نہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے عدالت کی تعریف کی ہے۔

" مَلَكَةٌ فِي الْآدَمِيِّ تَحْمِلُهُ عَلَى الْمُرُوءَةِ وَ مُلَازَمَةِ التَّقْوَىٰ . "

''آدمی میں ایک ملکہ ہے قوت ہے جو آدمی کو مروۃ اور تقوی پر ہمیشہ لگائے رکھتی ہے''

یعنی وہ ایسی بات اور ایسا کام نہیں کرتا جو تقوی کے مقام سے گرا ہوتا ہے۔

دوسرے لفظوں میں عدالت کا معنی یہ ہے نیک ،متقی ،صالح اور سچا آدمی۔ تو اس عادل راوی میں عدالت کے یہ تمام اوصاف موجود ہوتے ہیں۔

تام الضبط:

ذوسری چیز صحیح روایت میں یہ ہے کہ اس کے تمام راویوں کا ضبط تام ہو۔حافظہ درست ہو۔یہ نہ ہو کہ بات بات پر وہ بھول رہے ہوں۔اس کو پتہ بھی نہ ہو کہ کون سی بات کرنی ہے اور کون سی نہیں کرنی۔

حافظے کے درست ہونے کے لئے محدثین نے یہ معیار قائم کیا ہے کہ اس کی درست روایتیں، جو حافظے سے بیان کرتا ہے، زیادہ ہوں۔ اور کبھی شاذ ونادر غلطی ہو جائے تو اس کی کوئی بات نہیں۔وہ تو اچھا بھلا انسان بھی بسا اوقات بھول جاتا ہے۔

لیکن اللہ تعالیٰ سے بھول کا واقع ہونا ناممکن ہے ﴿وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا﴾ [1]

اور ایسا آدمی جو غلط روایتیں زیادہ بیان کرتا ہے۔اس کی غلط روایتیں صحیح روایتوں سے زیادہ ہوگئی ہیں یعنی کثیر الغلط ہوگیا ہے تو پھر یہی سمجھا جائے گا کہ اس کا حافظہ درست نہیں رہا۔اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

بہر حال صحیح روایت کا دوسرا وصف یہ ہے کہ اس کے تمام راوی بیان کرنے والے سے لے کر رسول اللہ ﷺ تک ضابط ہوں۔ان کے ضابطے اور حافظے میں

---

[1] سورۃ مریم آیت: ٦٤۔

کسی قسم کا کوئی نقص نہ ہو۔ ضابطے اور حافظے میں کامل اور مکمل ہوں۔

اتصال السند:

اہل علم نے صحیح روایت کی تیسری چیز یہ بیان کی ہے کہ اس کی سند متصل ہو یعنی ہر راوی کی اپنے اوپر والے راوی سے، جس سے وہ بیان کر رہا ہے ملاقات ہو، اور سماع ہو، اور ایسی کوئی چیز نہ ہو جس سے پتہ چلے کہ اس کی اس سے ملاقات ہی نہیں یا ہو سکتی ہی نہیں۔ سند متصل ہو گی تو روایت صحیح ہو گی اگر متصل نہیں انقطاع اس میں آ گیا ہے تو یہ روایت صحیح نہیں۔

شذوذ:

اہل علم نے صحیح روایت کے لئے چوتھی شرط یہ لگائی ہے کہ اس میں شذوذ نہ ہو۔ شذوذ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ راوی تو اپنی جگہ ثقہ ہے لیکن اپنے سے اوثق کے خلاف روایت بیان کرتا ہے۔ اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ اس میں بھی کوئی نقص اور خرابی پیدا ہو گئی ہے۔ تو اس روایت میں شذوذ بھی نہ ہو تو پھر یہ روایت صحیح بنے گی۔

علت خفی:

اہل علم نے صحیح روایت کے لئے پانچویں شرط یہ لگائی ہے کہ اس میں کسی قسم کی کوئی علت بھی نہ ہو۔ یعنی بظاہر تو اس روایت کا متن اور سند صحیح نظر آ رہا ہے لیکن خفی علت اس میں کوئی نکل آئے جو ضعف اور کمزوری کا موجب بن جائے۔

مثلاً: کسی وقت کسی راوی کو کوئی وہم ہی ہو جاتا ہے یا غلطی سے وہ موقوف کو مرفوع بیان کر دیتا ہے۔ تو صحیح روایت میں ایسا نقص بھی نہ ہو۔

صحیح روایت کو پرکھنے کے اصول محدثین نے قرآن مجید سے اخذ کئے ہیں:

جس روایت اور خبر میں یہ پانچ شرطیں ہوں گی اس کو صحیح کہا جائے گا۔ صحیح روایت کو پرکھنے کے یہ پانچ اصول اہل علم اور محدثین نے قرآن مجید سے اخذ کیے

ہیں اللہ تعالی نے قرآن مجید میں فرمایا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا﴾ ❶

''اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لے کر آیا ہے تو اس کی تحقیق کرو''

ایسا نہ کرو کہ اس نے جیسی سنائی ویسی تم نے آگے بیان کر دی۔اور اس میں غور ہی نہ کیا کہ یہ خبر صحیح ہے یا نہیں۔بلکہ اللہ تعالی نے فرمایا:﴿فَتَبَيَّنُوا﴾ تحقیق کرو۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح کے مقدمے میں ان اصولوں کو اخذ کرنے کے لئے قرآن مجید کی یہ آیت نقل کی ہے۔اور دوسری آیت یہ نقل کی ہے۔

﴿وَأَشْهِدُوا ذَوَيْ عَدْلٍ مِنْكُمْ﴾ ❷

بیوی کو طلاق دیتے وقت یا رجوع کرتے وقت اللہ تعالی نے فرمایا ہے کہ گواہ بناؤ۔گواہ کن کو بنانا ہے۔فرمایا:

﴿ذَوَيْ عَدْلٍ مِنْكُمْ﴾

''عدالت والے متقی پرہیز گار اور صالح کو''

اس آیت سے انہوں نے اخذ کیا ہے کہ عدل والے نیک متقی صالح کی خبر تسلیم کی جائے گی۔کیونکہ گواہ نے قاضی کے سامنے گواہی دینی ہوتی ہے کہ میں نے یہ واقعہ اس طرح دیکھا سنا ہے۔وہ خبر بھی دے رہا ہے۔توانہوں نے خبر کے لئے بھی عادل ہونا اور عدالت کی شرط اس آیت کریمہ سے نکالی ہے۔اور پھر اللہ تعالی نے فرمایا ہے:

﴿فَاسِقٌ﴾ اگر عادل خبر لے کر آئے تو پھر تو اللہ تعالی نے نہیں فرمایا کہ تحقیق کرو۔بلکہ پھر تو قبول کرو۔جس طرح کہ ﴿وَأَشْهِدُوا ذَوَيْ عَدْلٍ مِنْكُمْ﴾ سے بھی

❶ سورۃ حجرات آیت:٦۔

❷ سورۃ طلاق آیت:٢۔

ثابت ہوتا ہے کہ ﴿ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْکُمْ﴾ کی گواہی مقبول ہے۔اگر مسترد ہو تو پھر ان کو گواہ بنانے کا فائدہ کیا؟ تو محدثین نے جو عدالت والی شرط لگائی ہے وہ ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اِنْ جَآءَ کُمْ فَاسِقٌ﴾ اور ﴿وَاَشْھِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْکُمْ﴾ سے نکلتی ہے۔کسی کو اگر سمجھ نہ آئے تو اس کی مرضی ورنہ آیتیں اس بات پر واضح دلالت کرتی ہیں۔ پھر اللہ تعالی فرماتے ہیں ﴿جَآءَ کُمْ﴾ وہ تمہارے پاس آئے۔اور پاس آنا اس وقت ہوگا جب اتصال ہوگا۔اور جب انقطاع ہوگا اس وقت وہ تمہارے پاس نہیں آیا بلکہ کسی اور کے پاس گیا ہے۔

﴿جَآءَ کُمْ﴾ سے نکلتا ہے کہ اتصال ہو یعنی سند اس کی متصل ہو انقطاع کہیں بھی نہ ہو۔ورنہ ﴿جآء کم﴾ والی بات نہیں بنتی۔اسی لئے آپ دیکھتے ہیں کہ اہل علم جب ان مسائل پر بحث کرتے ہیں تو وہ لکھتے ہیں۔ہم تک خبر کے پہنچنے پر بحث یا ہم سے لے کر رسول اللہ ﷺ تک پہنچنے پر گفتگو ہو رہی ہے۔جآءکم سے انہوں نے یہ بات نکالی ہے کہ سند متصل ہو۔ ورنہ ﴿جآء کم﴾ نہیں بنتا۔پھر فرمایا: ﴿بِنَبَاٍ﴾ خبر لے کر آئے۔وہ خبر لے کر تب ہی آئے گا اگر اس کا حافظہ ٹھیک ہے۔ اگر اس کا حافظہ صحیح نہیں تو اس کو خبر وہیں بھول جاتی ہے تمہارے پاس لے کر اس نے کیا آنا ہے؟

مثلاً: ایک آدمی نے لاہور میں ایک خبر سنی پھر اس کو لاہور سے نکلنے سے پہلے ہی وہ بھول گئی ہے تو وہ اب آپ کو گوجرانوالہ آ کر کیسے سنائے گا؟ تو ﴿جَآءَ کُمْ بِنَبَاٍ﴾ سے اہل علم نے یہ بات اخذ کی ہے کہ اس کا حافظہ صحیح ہو۔اگر اس کا حافظہ صحیح نہیں تو کم ازکم لکھ کر ہی لے آئے۔اس کو وہ خبر ضبط ہونی چاہیے۔پھر ﴿جَآءَ کُمْ بِنَبَاٍ﴾ بنتا ہے ورنہ ﴿جَآءَ کُمْ بِنَبَاٍ﴾ بنتا ہی نہیں۔

عدالت اتصال اور حافظے والی تین شرطیں تو یہاں سے نکل آئیں۔باقی رہیں علت اور شذوذ والی شرطیں تو وہ ﴿فَتَبَیَّنُوْا﴾ راوی بھی اس کے تمام عادل ہیں ضابط ہیں حافظے والے ہیں سند بھی اس کی متصل ہے آپ تک پہنچ گئی ہے۔تو پھر اللہ تعالی

فرماتے ہیں ﴿فَتَبَيَّنُوْا﴾ تحقیق کرو۔

اب تحقیق اس کی کیا کرنی ہے؟ وہ تحقیق یہ کرنی ہے کہ کہیں یہ اوثق کی مخالفت تو نہیں کرتا۔ دوسرا خبر دینے والا کچھ اور بتا رہا ہو اور یہ کچھ اور بتا رہا ہو۔ تو اس میں کمزوری نکل آئے گی۔ اور بسا اوقات آدمی بھول جاتا ہے وہم ہی ہو جاتا ہے۔ یہ شرطیں ﴿فَتَبَيَّنُوْا﴾ سے نکل آئیں۔ لہٰذا حدیث کی مخالفت کرنے والے لوگوں کے دماغوں میں جو یہ تشکیک ڈالتے رہتے ہیں کہ جی محدثین نے یہ اصول کہاں سے بنا لیے ہیں؟ اپنے پاس سے ہی بناتے رہتے ہیں۔ یہ محدثین نے اپنے پاس سے نہیں بنائے۔ بلکہ کتاب وسنت سے انہوں نے اخذ کیے ہیں۔ اور یہ اصول بڑے مضبوط اور پکے ہیں۔ ایسے پکے اور مضبوط اصول ہیں کہ ان پر آپ احادیث اور سنن کی خبروں کو بھی پرکھ سکتے ہیں۔ تفسیری اور تاریخی خبروں کو بھی آپ پرکھ سکتے ہیں۔ اتنے مضبوط اصول محدثین نے استنباط فرما کر پوری دنیا پر احسان عظیم فرمایا ہے۔ دنیا کی کوئی بھی خبر ہو خواہ اہل اسلام کی ہو یا اہل کفر کی ہو وہ ان اصولوں پر پرکھی جاتی ہے۔

محدثین نے حدیث اور سنت کی داخلی چیزوں پر بھی بحث کی ہے:

اور کچھ لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ محدثین نے خارجی چیزوں پر تو بڑی توجہ کی ہے کہ راوی کیسا ہے، سند متصل ہے یا نہیں وغیرہ وغیرہ۔ لیکن سنت اور حدیث کی جو داخلی چیزیں تھیں ان کو نظر انداز کر گئے ہیں اس طرف انہوں نے توجہ کی ہی نہیں۔

مثلاً: کیا یہ خبر مشاہدہ کے ساتھ مطابقت رکھتی ہے؟ یا یہ خبر قرآن مجید کی آیات کی موافقت کرتی ہے؟ یا یہ خبر دوسری سنن اور احادیث کے ساتھ موافقت کرتی ہے؟ یہ لوگ کہتے ہیں ان چیزوں کو محدثین نظر انداز کر گئے ہیں۔

"نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ"

محدثین نے نظر انداز نہیں کیں۔ بلکہ جو نظر انداز والی بات کرتا ہے اس نے اپنے دماغ اور فہم کو نظر انداز کر دیا ہے سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کر رہا۔ کیا محدثین نے جو یہ کہا ہے کہ شذوذ نہ ہو علت نہ ہو یہ داخلی چیز نہیں۔ اور مزید یہ کہ ثقہ اوثق کی مخالفت نہ کر رہا ہو، کوئی ضعیف راوی ثقہ کی مخالفت نہ کر رہا ہو، متن میں کوئی نقص نہ ہو، سند میں کوئی نقص نہ ہو۔ البتہ محدثین نے داخلی اور خارجی سب چیزوں کو مدنظر رکھا ہے اور یہ اصول انہوں نے کتاب وسنت سے اخذ کیے ہیں۔ اور ان اصولوں کو ایسا قبول عام حاصل ہوا ہے کہ مسلمان تو مسلمان کافر بھی قبول کرنے پر مجبور ہیں۔

اور کافر یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ صحیح خبر کو پرکھنے کا معیار اور کسوٹی کو مقرر کرنا یہ شرف صرف مسلمانوں کو ہی حاصل ہوا ہے۔ ان سے پہلے کسی نے بھی یہ صحیح خبر کو پرکھنے کا معیار اور کسوٹی مقرر نہیں کی۔

یہ محدثین کا بہت بڑا ایک کارنامہ ہے کہ انہوں نے صحیح خبر کی تحقیق کے لئے قرآن وحدیث سے اصول استنباط کئے ہیں۔ لہٰذا ان اصولوں کی مخالفت کرنا اور حدیث کے متعلق لوگوں کے دماغ میں شکوک وشبہات پیدا کرنا یہ الحاد اور زندیقیت کی علامت ہے۔ دین اور اسلام کی کوئی خدمت نہیں اور نہ ہی یہ قرآن مجید کی خدمت ہے۔ حدیث کی مخالفت کر کے بزعم خود یہ کہنا کہ ہم قرآن مجید کی خدمت کر رہے ہیں اور اس کا پرچار کر رہے ہیں اور لوگوں کو سمجھا رہے ہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ حالانکہ قرآن مجید تو خود حدیث اور سنت کی تلقین کر رہا ہے اور اس کو من جانب اللہ وحی قرار دے رہا ہے اور یہ لوگ اس کا سرے سے انکار کر رہے ہیں۔

حسن روایت:

بہر حال کسی حدیث میں یہ پانچ شرائط ہوں تو وہ حدیث صحیح بنتی ہے البتہ اگر کسی راوی میں ضابطے کی خفت وکمی ہو یعنی حافظہ تو اس کا ٹھیک ہو لیکن اعلیٰ درجے کا حافظہ نہیں، کامل اور مکمل نہیں تو پھر اس کو، بشرطیکہ باقی چار شرائط

پوری ہوں حسن کہہ دیا جاتا ہے یہ حسن اور صحیح روایت ہے۔اور ضعیف روایت کون سی ہوئی ؟ جس میں حسن اور صحیح والی تمام شرائط نہ پائی جائیں ،یا کوئی ایک شرط نہ پائی جائے ،یا دو نہ پائی جائیں، یا تین نہ پائی جائیں، یا چار نہ پائی جائیں، یا پانچوں ہی نہ پائیں جائیں تو یہ روایت کمزور اور ضعیف ہو جائے گی۔مطلب یہ ہوگا کہ اس روایت کا سنت اور حدیث ہونا پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتا۔اور غالب خیال بھی ہے کہ یہ روایت رسول اللہ ﷺ تک پایہ ء ثبوت تک نہیں پہنچی۔

ضعیف روایت کا حکم

یعنی کیا ضعیف روایت پر عمل کیا جائے گا یا نہیں کیا جائے گا؟

پچھلی فرصت میں آپ یہ بات سن چکے ہیں کہ جو روایت صحیح یا حسن نہ ہو یعنی نہ وہ صحیح کے درجے تک پہنچے اور نہ حسن کے درجے تک پہنچے اس کو ضعیف روایت کہا جاتا ہے۔یعنی نہ وہ صحیح لذاتہ ہے نہ صحیح لغیرہ ہے اور نہ حسن لذاتہ ہے اور نہ حسن لغیرہ ہے۔ ان چاروں میں سے کوئی بھی نہیں تو وہ روایت ضعیف سمجھی جائے گی۔

ضعیف روایات مقبول نہیں:

یہ چار قسمیں اہل علم نے قبول اور رد کے اعتبار سے بنائی ہیں۔یعنی کچھ روایات مردود ہیں اور کچھ روایات مقبول ہیں۔مقبول روایات جن کو قبول کیا جائے گا وہ صحیح اور حسن ہیں۔مردود وہ ضعیف ہیں۔اہل علم کی اس تقسیم ہی سے آدمی یہ سمجھ جاتا ہے کہ ضعیف روایت قابل عمل نہیں۔کیونکہ یہ مردود کی قسم ہے۔مردود کے زمرے میں آگئی۔اگر اس پر عمل پیرا ہونا ہے تو پھر اسے مقبول کی قسم میں آنا چاہیے تھا۔جبکہ تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ضعیف روایات مقبول نہیں۔اس پر عمل نہیں کیا جائے گا البتہ ضعیف روایت کے بارے میں ایک بات عام مشہور ہے جو

کچھ پرانے علماء اور کچھ نئے علماء کی طرف منسوب ہے کہ

" ان الضعيف يعمل به عند المحدثين والأصوليين في فضائل الأعمال۔" ❶

کسی عالم نے یہ بات اپنی کتاب میں لکھ دی ہے کہ محدثین اور اصولیین کے نزدیک ضعیف روایت پر فضائل اعمال میں عمل کیا جاتا ہے۔چند شرائط کے ساتھ۔ جیسا کہ اپنی جگہ پر اس کی تقریر اور تفصیل کی گئی ہے۔اور بعض کتابوں میں یہ عبارت بھی لکھی ہوئی ہے۔

" ويعمل بالحديث الضعيف في فضائل الأعمال۔" ❷

''یعنی فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کیا جاتا ہے''

اثبات اعمال اور فضائل اعمال میں فرق ہے:

بہر حال ان دونوں عبارتوں سے بھی یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ اعمال میں بھی ضعیف روایت پر عمل نہیں کیا جائے گا۔کیونکہ اوپر والی دونوں عبارتوں میں فضائل اعمال کی بات کی گئی ہے۔ایک ہے اعمال اور ایک ہے فضائل اعمال۔ان دونوں میں فرق ہے۔عام طور پر فضائل اعمال اور اثبات اعمال کو خلط ملط کر دیا جاتا ہے۔بات اثبات اعمال کی ہو رہی ہوتی ہے اور اوپر فقرہ فضائل اعمال کا چسپاں کیا جاتا ہے۔

مثال کے ساتھ بات کو واضح کرتا ہوں۔شعبان کی پندرہویں رات میں کوئی خاص عمل کرنا ہے یا نہیں ؟یعنی پندرہویں رات کا قیام اور دن کا روزہ یہ عمل ہے فضائل اعمال نہیں۔فضائل کا مطلب تو یہ ہے کہ پندرہویں رات قیام کا اتنا اجر اور فضیلت ہے۔یا پندرہویں شعبان کے روزے کا اتنا اجر اور ثواب ہے۔یہ اجر اور ثواب فضائل اعمال ہیں۔لیکن پندرہویں رات کا قیام اور پندرہویں شعبان کا روزہ

❶ مقدمه جامع الصغیر از علامه البانی صفحه ٤٣ مطبوعه المكتب الاسلامي ۔

❷ مقدمه جامع الصغیر از علامه البانی۔

یہ فضائل اعمال نہیں یہ تو عمل ہے۔لہٰذا سب علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اعمال کے اثبات میں ضعیف روایت پیش نہیں ہو سکتی۔اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں۔پندرھویں شعبان کے متعلق یہ روایت پیش کی جاتی ہے۔

«قُوْمُوْا لَیْلَهَا وَ صُوْمُوْا نَهَارَهَا۔» ❶

''پندرھویں شعبان کی رات کا قیام کرو اور دن کا روزہ رکھو''

یہ روایت ضعیف ہے ثابت نہیں۔لہٰذا یہ روایت شعبان کی پندرھویں رات کے قیام کے لئے اور دن کے روزے کے لئے جو عمل ہیں ان اعمال کے اثبات کے لئے پیش نہیں ہو سکتی۔

لیکن آپ نے کئی لوگوں سے سنا ہو گا کہ یہ فضائل اعمال ہے اور فضائل اعمال میں ضعیف روایت پیش کی جا سکتی ہے۔وہ اس کو فضائل اعمال سمجھے بیٹھے ہیں۔اس لئے اس فرق کو خوب ذہن نشین کر لو۔کہ جنہوں نے یہ کہا ہے کہ ضعیف روایت قبول کر لی جائے گی انہوں نے فضائل اعمال میں کہا ہے اعمال میں نہیں کہا۔اگر کوئی آدمی ضعیف روایت کو اعمال میں پیش کر دے تو کیا یہ انصاف ہے؟اور کیا یہ عدل ہے؟ ایسے لوگ یا تو بات کو سمجھے نہیں اور اگر سمجھے ہیں تو پھر عوام کا ذہن خراب کرنا زیادہ ظلم ہے۔لہٰذا اس چیز سے بچنا چاہیے۔

کیا ضعیف روایات کو فضائل اعمال میں قبول کیا جائے گا؟

البتہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ ضعیف روایت کو فضائل اعمال میں قبول کیا جائے گا یا نہیں۔کچھ علماء کا خیال ہے کہ فضائل اعمال میں ضعیف روایت کو چند شرائط کے ساتھ لیا جائے گا علی الاطلاق نہیں۔لیکن یہ شرائط عوام الناس کو نہیں سنائی جاتیں۔بس فضائل اعمال فضائل اعمال ہی کا شور سنایا جاتا ہے۔یعنی فضائل اعمال میں ضعیف روایت پیش کی جا سکتی ہے۔لیکن وہ شرائط نہیں سنائی جاتیں جو فضائل

❶ سنن ابن ماجہ کتاب اقامۃ الصلاۃ والسنۃ فیھا باب ما جآء فی لیلۃ النصف من شعبان ۔ اس کی سند میں ابن ابی سبرۃ ضعیف راوی ہے۔

اعمال میں ضعیف روایت کو قبول کرنے کے لئے ان علماء نے لگائیں ہیں۔ان شاء اللہ العزیز اس فرصت میں وہ بیان کی جائیں گی۔

اس سے پہلے کچھ علماء کا اس بارے میں اختلاف سماعت فرمالیں۔اہل تحقیق علماء کا مسلک یہی ہے کہ ضعیف روایت قابل قبول نہیں۔نہ عقائد میں نہ اعمال میں نہ اقوال میں نہ مسائل میں نہ فضائل میں کسی موقع پر بھی ضعیف روایت قابل قبول نہیں۔ اگر اس کو قابل قبول بتانا ہے تو پھر اس کو ضعیف کیوں کہتے ہو؟اس پر غور کرو۔یہ بھی کہنا کہ یہ ضعیف ہے اور پھر اس کو مقبول بھی بتانا۔ضعیف کا مطلب تو یہ ہے کہ یہ مردود ہے پھر یہ مقبول کیسے بن گئی؟

ہاں البتہ وہ ضعیف نہ رہے تو پھر دوسری بات ہے۔جتنی دیر تک وہ ضعیف ہے وہ نا مقبول ہے۔

"لَا يقبل الضعيف مادام ضعيفا."

"جتنی دیر تک وہ ضعیف ہے۔قبول نہیں کی جائے گی"

علامہ جمال الدین قاسمی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر قاسمی والے بزرگ مصری عالم محمد احمد شاکر کے شیخ اور استاذ تھے اور بہت پایہ کے عالم بھی۔انہوں نے اصول حدیث میں قواعد التحدیث کتاب لکھی ہے۔اس میں یہ اختلاف نقل کرتے ہیں۔

اہل علم کا اختلاف ہے کہ فضائل اعمال میں ضعیف روایت قبول کی جائے گی یا نہیں کی جائے گی؟

یحییٰ بن معین، امام بخاری ،امام مسلم اور امام ابوبکر بن العربی رحمۃ اللہ علیہم۔ ابوبکر بن العربی اور ابوبکر بن عربی یہ دو ہیں ایک نہیں۔عام طور پر لوگوں میں یہ بھی غلط فہمی ہو جاتی ہے۔ایک ہے عربی الف لام کے بغیر۔ایک ہے ابو بکر بن العربی الف لام کے ساتھ۔یہ بزرگ محدث ہیں بہت بڑے عالم ہیں۔جامع ترمذی کی شرح عارضۃ الاحوذی انہوں نے لکھی ہے اور بھی بہت سی کتابیں انہوں نے تصنیف کی ہیں۔

جبکہ دوسرے بزرگ ابو بکر بن عربی الف لام کے بغیر یہ صوفی تھے۔انہوں نے فصوص الحکم اور فتوحات مکیہ تصنیف کی ہیں۔قرآن مجید کی ایک تفسیر بھی انہوں نے لکھی ہے یہ تصوف میں بہت آگے چلے گئے تھے۔

بہر حال ابو بکر بن العربی عارضۃ الاحوذی والے بزرگ، یحیی بن معین، امام بخاری اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہم کا مسلک یہ ہے کہ ضعیف روایت مطلقاً قابل قبول نہیں۔نہ اعمال میں، نہ فضائل اعمال میں اور نہ عقائد میں۔کسی بھی مقام میں ضعیف روایت قابل قبول نہیں۔

یہ تمام بزرگ پایہ کے محدث تھے۔یحیی بن معین رحمہ اللہ امام بخاری رحمہ اللہ تعالی کے شیخ تھے۔

حافظ ابن رجب رحمۃ اللہ علیہ نے ترمذی کی شرح میں لکھا ہے کہ امام مسلم نے صحیح مسلم کا جو مقدمہ لکھا ہے اس سے یہی پتہ چلتا ہے کہ ضعیف روایت ترغیب وترہیب میں بھی پیش نہیں ہو سکتی۔فضائل اور ترغیب وترہیب میں روایت کو قبول کرنے کی وہی شرائط ہیں جو احکام میں روایت کو قبول کرنے کی ہیں۔اور یہ بڑے پایہ کی بات ہے کہ صحیح مسلم کے مقدمہ سے بھی اسی بات کا پتہ چل رہا ہے۔

امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ **الفصل فی الأهواء والملل والنِحل** میں لکھتے ہیں کہ روایت میں سند کے اندر کوئی راوی غافل یا مجہول یا کاذب آجائے تو بعض اہل اسلام اس کی روایت کو قبول کر لیتے ہیں۔وہ فرماتے ہیں:

" **لا يحل الأخذ به ولا تائيده.** "

''ہمارے نزدیک ضعیف روایت کو قبول کرنا حلال نہیں اور نہ اس کی تائید کرنا حلال ہے''

امام ابن حزم بھی ضعیف روایت کو علی الاطلاق قابل قبول نہیں سمجھتے خواہ فضائل اعمال ہوں یا اثبات اعمال میں اہل تحقیق علماء ضعیف روایت کو کسی مقام میں بھی قابل قبول نہیں سمجھتے۔

"الأجوبة الفاضلة "والے بزرگوں رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ کو بہت اجاگر کیا ہے۔اور کوشش کی ہے کہ یہ بات ثابت ہو بھی جائے کہ فضائل اعمال میں ضعیف روایت قبول ہو ہی جائے۔چنانچہ انہوں نے اپنی کتاب میں مستقل یہ عنوان قائم کر کے اس مسئلہ کو بیان کیا ہے۔لیکن ان کے سارے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ تضاد کا شکار ہو گئے ہیں۔اور کسی عالم کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

"يَثْبُتُ الْإِسْتِحْبَابُ بِالْحَدِيْثِ الضَّعِيفِ غَيْرَ الْمَوْضُوْعِ۔"

''ضعیف حدیث موضوع نہ ہو تو اس سے استحباب اور فضیلت ثابت ہو جاتی ہے''

یہ قول انہوں نے کسی عالم کا نقل کیا ہے۔اور اسی باب اور عنوان میں محقق جلال الدین دوّانی کے حوالے سے یہ بات بھی نقل کر دی ہے۔

"اِتَّفَقُوْا عَلَى أَنَّ الْحَدِيْثَ الضَّعِيفَ لَا يُؤْخَذُ بِهِ الْأَحْكَامُ الشَّرْعِيَّةُ الْخَمْسَةُ وَمِنْهَا الْإِسْتِحْبَابُ۔"

''اہل علم کا اتفاق ہے کہ ضعیف روایت پانچ شرعی احکام میں ماخوذ نہیں''

وہ پانچ شرعی احکام یہ ہیں:

۱۔ وجوب۔
۲۔ ندب۔
۳۔ اباحت۔
۴۔ کراہت۔
۵۔ تحریم۔

ندب میں استحباب بھی آجاتا ہے۔انہوں نے اس کی وضاحت بھی کی ہے کہ پانچ شرعی احکام میں استحباب بھی شامل ہے۔

تو پتہ چلا کہ بالاتفاق استحباب ضعیف روایت سے ثابت نہیں ہوتا۔استحباب میں فضیلت ہی ہوتی ہے۔فضیلت ہی پھر ثابت نہ ہوئی تو فضائل اعمال بھی ثابت نہ

ہوئے۔ایک طرف تو اتفاق نقل کر رہے ہیں کہ استحباب کے اثبات میں بھی ضعیف روایت پیش نہیں ہوتی۔اور دوسری طرف کسی کا قول نقل کر رہے ہیں کہ استحباب کے اثبات میں موضوع کے علاوہ ضعیف روایت پیش ہو جاتی ہے۔کیا اس بحث کی کوئی قیمت رہ گئی ہے؟نہیں:

پھر غور کرو سوچو کہ اعمال اوراحکام میں ضعیف روایت قابل قبول نہیں۔اس کے کوئی دلائل ہیں نا؟علماء کے پاس اس کے کچھ دلائل ہیں نا؟ کہ احکام اور اعمال میں ضعیف روایت قبول نہیں۔ضعیف روایت سے یہ ثابت نہیں ہوں گے۔یہ بات دلائل کی بنیاد پر ہی کہہ رہے ہیں۔کوئی قرآن مجید کی آیت پیش کریں گے کوئی رسول اللہ ﷺ کی حدیث اور سنت پیش کریں گے جس سے یہ مسئلہ نکلے گا۔تو کیا ان دلائل سے فضائل کو مستثنیٰ کیا گیا ہے؟نہیں تو پھر ان کو کیسے حق حاصل ہو گیا ہے کہ یہ فضائل کو مستثنیٰ کریں۔

تو جن آیات اوراحادیث سے اعمال اوراحکام میں ضعیف روایت کا مسترد ہونا ثابت ہوتا ہے انہی دلائل سے فضائل اور استحباب میں ضعیف روایت کا مسترد ہونا ثابت ہو جائے گا۔یا پھر کوئی ایسی آیت اور حدیث پیش کی جائے جس میں فضائل کو مستثنیٰ کیا گیا ہو۔ایسی آیت اور حدیث تو ہے کوئی نہیں۔یہ تو تھے نقلی دلائل۔

فضائل اعمال میں ضعیف روایت کے مسترد ہونے کے عقلی دلائل:

عقلی بات یہ ہے کہ ضعیف روایت کے ثبوت میں شبہہ ہوتا ہے۔اس واسطے وہ مردود، مسترد اورقابل قبول نہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہونے میں شبہہ ہو گیا ہے کہ یہ ثابت ہے یا ثابت نہیں۔ صحیح اورحسن حدیث رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے کہ ثابت نہیں۔قرآن مجید میں آرہا ہے:

﴿ ولاتقف ما ليس لك به علم﴾ [1]

[1] سورۃ اسراء آیت:۳٦۔

''جس چیز کا آپ کو علم نہیں شبہہ پڑ گیا ہے اس کو چھوڑ دو''

اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان بھی ہے:

((فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ فَقَدِ اسْتَبْرَأَ لِدِيْنِهِ وَعِرْضِهِ۔)) ❶

''جو شخص شبہات سے بچ گیا اس نے اپنا دین اور اپنی عزت آبرو محفوظ رکھ لی''

چونکہ ضعیف روایت میں شبہہ آگیا اس لئے اس سے کوئی عمل اور کوئی حکم ثابت نہیں ہو سکتا۔ جب عمل اور حکم ثابت کرنے میں ضعیف روایت میں شبہہ ہے تو کیا فضائل میں ضعیف روایت سے شبہہ ختم ہو گیا ہے۔؟ اب بھی تو یہ شبہہ برقرار ہے۔ جس طرح کسی حکم اور کسی عمل کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف بغیر علم کے نہیں کر سکتے۔ اسی طرح فضیلت کی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت بغیر علم کے نہیں کر سکتے فضائل میں بغیر علم کے رسول اللہ ﷺ کی طرف نسبت کرنے کی کیا دلیل ہے؟

رسول اللہ ﷺ کا فرمان کہ جو شخص میرے ذمے بات لگا دے جو میں نے فرمائی نہیں وہ اپنا ٹھکانا جہنم اور دوزخ میں بنا لے۔ ❷

یہ حدیث حکم اور عمل کے اثبات میں لگتی ہے تو کیا فضیلت کے اثبات میں نہیں لگتی؟ وہ کونسی چیز ہے؟ جو اس کو فضیلت پر لگنے سے روک رہی ہے؟

﴿ وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴾ ❸

''جس چیز کا آپ کو علم نہیں اس کو اللہ تعالی کے ذمے لگانا حرام ہے''

اللہ تعالی نے یہ حرام کر دیا ہے کہ جس چیز کا علم نہیں اس کو اللہ تعالی کی طرف منسوب کرو۔

---

❶ صحیح مسلم باب اخذ الحلال وترک الشبہات حدیث: ۱۵۹۹۔

❷ صحیح بخاری کتاب العلم باب اثم من کذب علی النبی ﷺ حدیث: ۱۰۹۔

❸ سورة أعراف آیت: ۳۳۔

تو جو چیز رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کرو گے وہ اللہ تعالی کی طرف منسوب ہو ہی جاتی ہے۔کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالی کی ہی بات بتائی ہے۔۔

﴿اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾ ●

﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾ ●

وہ اللہ تعالی کی طرف ہی منسوب ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالی کی طرف ایسی بات منسوب کرنی جس کا علم نہیں یہ حرام ہے۔تو کیا رسول اللہ ﷺ کی طرف ایسی بات منسوب کرنی جس کا علم نہیں یہ حلال ہے؟ یہ بھی حرام ہے۔ضعیف روایت سے علم تو حاصل نہیں ہوتا۔کیونکہ اس میں شبہ آ گیا ہے۔ اب اگر ضعیف روایت کو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کرو گے تو حرام ہی ہو گی۔خواہ وہ عمل ہے،خواہ حکم ہے، خواہ فضیلت ہے اور خواہ عقیدہ ہے۔ان میں سے فضیلت کو مستثنیٰ تو نہیں کیا اور نہ ہی کسی عمل کو مستثنیٰ کیا ہے۔

الغرض قصہ مختصر:احکام ، اعمال اور عقائد میں ضعیف روایت کو قبول نہ کرنے کے جو دلائل ہیں وہ سب کے سب فضائل میں ضعیف روایت کو قبول نہ کرنے پر بھی لگتے ہیں۔اگر کوئی استثنائی صورت ہے تو اس کی دلیل پیش کی جائے ؟

قرآن مجید اور نبی کریم ﷺ کی سنت میں تو ایسی بات کوئی نہیں۔البتہ اہل علم میں اختلاف ہے۔کوئی کچھ کہتا ہے کوئی کچھ کہتا ہے۔ان کی بات تو دلیل بنتی ہی نہیں۔ اگر کسی کی بات دلیل بنے گی بھی تو ان کی بنے گی جن کی بات تحقیق سے دلائل کے زیادہ قریب ہے۔اہلحدیث کا تو مذہب ہی یہی ہے کہ کسی کا قول تو دلیل بنتا نہیں۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ ،امام مالک رحمہ اللہ ،امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کتنے بڑے عالم اور فقیہ بزرگ ہیں اور متقی نیک وپرہیز گار بھی ہیں۔زمانہ بھی ان کا رسول اللہ ﷺ سے قریب ہے۔تو کیا پھر ان کی بات

● سورۃ نجم آیت:٤۔

● سورۃ نساء آیت:٨٠۔

الحدیث چلنے دیتے ہیں؟ تو جب اپنی باری آئے تو قول پیش کرنے لگ جائے۔
﴿تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى﴾ ❶
یہ انصاف اور عدل نہیں۔انصاف اور عدل کرنا چاہیے۔

امام احمد بن حنبل اور امام عبد الرحمٰن بن مهدی اور امام عبد اللہ بن مبارک ؒ کا قول پیش کیا جاتا ہے۔

" اِذَا رَوَيْنَا فِي الْحَلَالِ وَالْحَرَامِ شَدَّدْنَا وَ اِذَا رَوَيْنَا فِي الْفَضَائِلِ تَسَاهَلْنَا " ❷

"کہ جب ہم حلال اور حرام کی روایتیں بیان کرتے ہیں تو سختی سے کام لیتے ہیں اور جب ہم فضائل کی روایتیں بیان کرتے ہیں تو تساہل سے کام لیتے ہیں"

یہ ہے وہ قول جس کو لے کر سارا مسئلہ کھڑا کیا گیا ہے۔حالانکہ اس قول کا مطلب سمجھا ہی نہیں جاتا کہ اس کا مطلب کیا ہے؟

اہل علم نے اس کے دو مطلب بیان کیے ہیں۔ایک مطلب یہ بیان کیا ہے کہ پہلے دور میں حدیث عام کی دو ہی قسمیں مشہور چلتی تھیں صحیح اور ضعیف۔بس صرف یہ دو ہی قسمیں چلتی تھیں۔حسن والی قسم شاذ و نادر ہی کوئی بیان کرتا تھا۔پوری تنقیح ہو کر اس کی صورت سامنے نہیں آئی تھی اس وقت کی یہ بات ہے۔

ان تینوں بزرگوں کا مقصد یہ ہے کہ جب ہم حلال اور حرام کی احادیث بیان کرتے ہیں۔تو صرف صحیح احادیث ہی بیان کرتے ہیں۔اور جب حلا ل حرام کی ترغیب وترہیب یا اعمال کے فضائل والی احادیث ہوتی ہیں تو پھر ہم روایت بیان کرنے میں کچھ نرمی کر لیتے ہیں یعنی حسن روایت کو لے آتے ہیں جس کو اس وقت ضعیف ہی سمجھا جاتا تھا۔یہ نرمی تھی۔ایک مطلب تو یہ بیان کیا گیا ہے لیکن یہ مطلب کوئی اتنا تسلی بخش نہیں جس سے عالم آدمی کی تسلی ہو جائے۔

---

❶ سورة نجم آیت:۲۲۔

❷ مقدمة جامع الصغير علامه الباني صفحه نمبر ٤٦ مطبوعه المكتب الاسلامي۔

ان کے اس قول کا دوسرا مطلب جو بیان کیا گیا ہے۔اور یہ ان کے اس قول کے زیادہ قریب بھی ہے۔یعنی وہ تین بزرگ جب حلال اور حرام کی روایتیں بیان کرتے ہیں تو سختی سے کام لیتے ہیں ضعیف کو بیان ہی نہیں کرتے۔اور لیکن جب فضائل کی بات ہوتی ہے تو ضعیف روایت کو باسند بیان کرتے ہیں۔کیونکہ وہ لفظ بول رہے ہیں "اِذَا رَوَیْنَا" وہ عمل کی بات نہیں کر رہے۔ہاں اس کو آپ عمل محدث کہہ سکتے ہیں، عمل مصنف کہہ سکتے ہیں کہ مصنف کا یا کسی محدث کا کسی حدیث کو روایت کرنا۔یعنی وہ بات روایت کرنے کی کرتے ہیں کہ یہ روایت کرتے ہیں اور یہ روایت نہیں کرتے۔اور اس وقت روایت باسند ہی ہوتی تھی۔بے سند تو روایت کوئی بیان کرتا ہی نہیں تھا۔جب سند انہوں نے بیان کر دی تو سمجھ لو کہ صحیح اور ضعیف انہوں نے ہم کو بتا دیا۔اب اگر کسی کو سند کا علم نہ ہو کہ وہ کیسی ہے تو بیان کرنے والا تو قصور وار نہیں۔وہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو گئے ہیں جب انہوں نے سند بیان کردی ہے۔اسی واسطے بعض محدثین فرماتے تھے:

"لَوْلَا الْاِسْنَادُ لَقَالَ مَنْ شَاءَ مَا شَاءَ۔"

''اگر یہ سند نہ ہوتی تو جس کا دل جو چاہتا وہ کہہ لیتا پوچھ کچھ ہونی نہیں تھی''

پتہ چلنا ہی نہیں تھا۔سند نے ایسے لوگوں کا ناطقہ بند کر دیا ہے۔اب سند اس کے پاس نہیں تو بیان کیسے کرے؟ اگر کرے تو لوگوں نے اس سے سند طلب کر لینی ہے سند ملنی کوئی نہیں۔یہاں ہی آپ دیکھ لیں کہ کوئی صاحب روایت بیان کرتے ہیں۔جب ان سے سند پوچھی جاتی ہے تو ناواقفیت ہوتی ہے۔پھر وہ بات ہی نہیں کرتا۔لہذا وہ بزرگ سند بیان کر دینے کو سمجھتے تھے۔کہ ہم ضعیف اور صحیح کے بتانے کی ذمہ داری سے سبکدوش ہو گئے ہیں۔کیونکہ سند اس وقت قریب تھی۔عام لوگوں کو بھی علم تھا کہ یہ راوی کیسا ہے اور یہ راوی کیسا ہے۔

خاص طور پر اہل علم تو خوب واقف ہی تھے۔اور جوں جوں زمانہ گزرتا گیا اصل احادیث ہی کا پتہ نہیں رہا۔راویوں کا کیا پتہ چلنا ہے؟ یعنی یہ تینوں بزرگ

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ ،امام عبد الرحمٰن بن مھدی رحمہ اللہ اور امام عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ روایت کی بات کر رہے ہیں عمل کی بات نہیں کر رہے۔یعنی اس پر عمل کرنا ہے اور اس پر عمل نہیں کرنا۔

ایسی بات انہوں نے نہیں کہی۔اسی سے قریب ترین یہ بات بھی یاد رکھ لو کہ امام ابو داؤد رحمہ اللہ کا فرمان ہے جو انہوں نے اہل مکہ کو مکتوب لکھا تھا اس میں ہے کہ سنن ابی داؤد میں جس حدیث پر سکوت اختیار کروں گا۔

"فَهُوَ صَالِحٌ لِلْعَمَلِ ."...... "وہ عمل کے قابل ہے"

اس عمل سے مراد وہ عمل نہیں جو قول کے مقابلے میں ہوتا ہے بلکہ عمل محدث مراد ہے۔یعنی میں نے اس کو اپنی کتاب میں درج کرنے کے قابل سمجھا ہے۔عمل محدث کا مطلب ہے روایت کرنا۔مطلب یہ ہے کہ روایت اس کو کر سکتے ہیں آگے اس پر عمل کرنا ہے کہ نہیں کرنا اس کی تحقیق کر لو۔وہ صحیح حسن بنے گی تو اس پر عمل کر لینا صحیح حسن نہیں بنے گی تو عمل نہ کرنا۔انہوں نے صالح للعمل جو فرمایا ہے اس کا یہی مذکورہ مطلب ہے۔لیکن اس کو عمل جو قول کے مقابلے میں ہے اس کو لے لیا جاتا ہے۔اور عمل محدث روایت کرنا باسند روایت بیان کرنا یہ عمل ہے۔اور یہی مطلب انہیں تین بزرگوں کے قول کا ہے۔

چنانچہ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے "القاعدة الجليلة" میں یہ بات لکھی ہے:

"حدیث جب تک صحیح یا حسن نہ ہو۔اس پر عمل نہیں ہو سکتا۔حسن ہو یا صحیح ہو اس پر عمل کیا جائے گا۔اگر اس سے کم درجے کی ہے ضعیف کے زمرے میں آتی ہے تو اس پر عمل نہیں کیا جائے گا۔"

حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ سب علماء کرام کا اس پر اجماع ہے اتفاق ہے۔اور پھر ساتھ ہی یہ بھی فرماتے ہیں کہ استحباب کے لئے بھی روایت کا حسن یا صحیح ہونا ضروری ہے۔ضعیف روایت سے استحباب بھی ثابت نہیں ہوگا۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ یہ بھی فرماتے ہیں: کہ امام احمد بن حنبل کا بھی یہی مسلک ہے۔جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ استحباب کے لئے ضعیف

روایت کو قبول کر لیتے ہیں وہ غلط بیانی کرتے ہیں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا یہ مسلک نہیں ہے۔لہذا محققین علماء کرام کا یہی مسلک ہے کہ ضعیف روایت قابل قبول نہیں نہ احکام میں ،نہ اعمال میں ،نہ فضائل اور نہ ہی مسائل میں۔

فضائل اعمال میں کچھ علماء کی رائے ہے کہ اس میں ضعیف روایت قبول کریں گے۔لیکن وہ ساتھ یہ بھی فرماتے ہیں ''بشروط'' چند شرطوں کے ساتھ۔وہ شرائط ہوں تو پھر قبول کریں گے ورنہ نہیں۔اس لئے یہ بات ثابت ہوگئی کہ شرائط کے بغیر ضعیف روایت پر عمل کرنے کا کوئی قائل ہی نہیں۔نہ اعمال میں نہ فضائل اعمال میں۔یعنی وہ شرائط ہوں تو پھر قبول کریں گے ورنہ نہیں۔

لیکن کچھ علماء یہ بھی کہتے ہیں :کہ ضعیف روایت کسی بھی موقع پر قبول نہیں ہوتی۔خواہ شرائط ہوں یا نہ ہوں۔کچھ کہتے ہیں شرائط ہوں تو فضائل میں قبول کر لی جائے گی اعمال میں نہیں۔

فضائل اعمال میں ضعیف روایت کو قبول کرنے کی شرائط :

اب آپ یہ شرائط ذہن نشین کر لیں تا کہ آپ کو پتہ چل جائے کہ شرائط لگانے والوں کا مسلک بھی یہی ہے کہ ضعیف روایت قابل قبول نہیں۔

شرائط کو بیان کرنے سے پہلے آپ غور کریں اور سوچیں کہ یہ شرائط کس چیز کی بیان کی جا رہی ہیں؟

ضعیف روایت کے قابل قبول ہونے کے لئے بیان کی جا رہی ہیں۔یعنی یہ شرائط ہوں تو پھر فضائل میں قابل قبول ہے۔اگر شرائط نہیں تو پھر قابل قبول نہیں۔تو ضعیف روایت بذات خود فی نفسہ شرائط سے قطع نظر قابل قبول نہ ہوئی۔وہ تو شرائط نے اسے قابل قبول بنایا ہے۔بذات خود تو وہ قابل قبول نہ ہوئی۔اگر ضعیف قابل قبول ہے تو پھر شرائط لگانے کی کیا ضرورت ہے؟وہ شرائط اس لئے ساتھ لگا رہے ہیں کہ فی نفسہ بذات خود اس میں تو اتنی صلاحیت نہیں کہ اس سے فضیلت بھی ثابت

ہو سکے۔وہ شرائط جب ساتھ لگ جائیں گی تو پھر اس میں صلاحیت پیدا ہو جائے گی ذاتی طور پر تو وہ کچھ بھی نہ ہوئی۔

وہ شرائط کیا ہیں ؟......تین شرائط ہیں :

حافظ سخاوی نے لکھا ہے کہ میں نے اپنے استاذ اور شیخ سے بہت دفعہ یہ بات سنی ہے اور میرے استاذ اور شیخ نے اپنے ہاتھ سے لکھ کر بھی مجھے یہ چیز دی ہے کہ فضائل اعمال میں ضعیف روایت کچھ شرائط سے قابل قبول ہو گی۔وہ شرائط تین ہیں (حافظ سخاوی کے استاذ اور شیخ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ عسقلانی ہیں)

پہلی شرط یہ ہے کہ

" أَنْ يَكُوْنَ الضُّعْفُ غَيْرَ شَدِيْدٍ ۔ "

''ضعیف روایت کا ضعف شدید نہ ہو''

اگر شدید ہو تو پھر وہ فضائل میں بھی قابل قبول نہیں۔یہ شرط انہوں نے لگائی ہے۔جو کہتے ہیں کہ فضائل میں ضعیف روایت قابل قبول ہے۔

ضعف شدید کی وضاحت:

شدید کی حافظ صاحب نے کچھ تفصیل کر دی ہے کہ روایت میں ضعف تب شدید بنتا ہے جب سند میں کوئی راوی کا ذب آجائے۔ سند میں کوئی راوی جھوٹا آجائے تو ضعف شدید ہو جاتا ہے۔

پھر فرماتے ہیں :متھم بالکذب آجائے جس پر جھوٹ کی تہمت ہے۔پھر بھی ضعف شدید ہو جاتا ہے اور فحش الغلط والا راوی سند میں آجائے تو پھر بھی ضعف شدید ہو جاتا ہے۔ضعف شدید کی اور بھی کئی صورتیں ہیں۔لیکن انہوں نے یہ تین لکھیں ہیں۔مثلاً:سند میں کوئی راوی دجال آجائے۔کوئی وضاع راوی آجائے۔پھر ضعف شدید بلکہ اشد ہوجاتا ہے۔یہ انہوں نے بطور نمونہ چند مثالیں پیش کیں ہیں۔

البتہ ضعیف روایت کا ضعف شدید ہو جائے تو وہ فضائل میں قبول نہیں۔یہ

بات تو فضائل اعمال میں ضعیف روایت کو تسلیم کرنے والے بھی کہہ رہے ہیں۔
اب یہاں تو روایت میں ضعف شدید بلکہ اشد ہوتا ہے پھر بھی وہ روایت کو پیش کیے جا رہے ہیں اور سہارا یہ لیتے ہیں کہ جی فضائل اعمال میں پیش ہو سکتی ہے۔تو پھر وہ شرطیں کدھر گئیں جو فضائل میں قبول کرنے کی انہوں نے لگائی تھیں؟ اس کو نظر انداز کر دیا۔اس کی مثال یہ سمجھ لو کہ نبی کریم ﷺ کی طرف یہ بات منسوب کی گئی ہے۔

((أَفْضَلُ الْأَيَّامِ يَوْمُ عَرَفَةَ إِذَا وَافَقَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَهُوَ أَفْضَلُ مِنْ سَبْعِينَ حَجَّةً ـ)) ❶

یہ روایت پیش کی جاتی ہے اور بڑے بڑے بزرگ عالم اور فاضل اس کو اپنی اپنی کتابوں میں لکھتے بھی ہیں۔اور پھر ساتھ یہ بھی لکھتے ہیں کہ کہا جاتا ہے کہ اس کی سند ضعیف ہے۔پھر فرماتے ہیں کہ چند منٹ کے لئے تسلیم کر لو کہ ضعیف ہی ہے (سند کا پتہ کوئی نہیں ہوتا ویسے ہی کہہ دیتے ہیں تسلیم کر لو) پھر بھی فضائل اعمال میں ضعیف روایت معتبر ہوتی ہے۔
لیکن جو فضائل اعمال میں قبول ہونے کی شرط انہوں نے لگائی ہوئی تھی کہ ضعف شدید نہ ہو تو پھر فضائل اعمال میں قبول ہے۔لیکن اس روایت کا ضعف تو شدید سے اشد ہوا ہے۔
حافظ ابن قیم رحمہ اللہ زاد المعاد میں فرماتے ہیں:
" لَا أَصْلَ لَهُ بَاطِلٌ۔ " ❶ ......"یہ روایت بے اصل ہے باطل ہے"
تو کیا اب یہ روایت فضائل اعمال میں پیش کی جا سکتی ہے؟
سوچو اور غور کرو: عدل وانصاف بھی کوئی چیز ہے۔عدل وانصاف کرو۔
﴿ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ ﴾ ❷

---

❶ رزین
❶ زاد المعاد
❷ سورۃ نحل آیت: ۹۰۔

اسی طرح ایک اور روایت نبی کریم ﷺ کے ذمے لگا کر پیش کی جاتی ہے:

«إِذَا كَتَبْتُمُ الْحَدِيثَ فَاكْتُبُوهُ بِالْإِسْنَادِ۔»

''جب بھی حدیث لکھا کرو تو باسند لکھا کرو''

باسند لکھو گے اگر حق ہے تو پھر آپ اجر میں شریک ہو جاؤ گے اور اگر باطل ہے تو گناہ اس کے ذمے ہوگا۔ آپ کے ذمے نہیں ہوگا۔ انا للہ

یہ موضوع روایت ہے سلسلہ ضعیفہ میں آپ دیکھ سکتے ہیں۔ لیکن دیکھ لو کہہ دیا جاتا ہے جی حدیث لکھنے کے فضائل میں بیان کر سکتے ہیں۔ حالانکہ وہاں یہ شرط تھی کہ ضعف شدید نہ ہو۔ لیکن یہ تو ضعف شدید ہونے کی بجائے موضوع ہے اس سے اب کیسے دلیل پکڑی جا سکتی ہے۔

بہر حال یہ جو قاعدہ تھا (ضعف شدید نہ ہو)

یہ تو اتفاقی نہیں بلکہ بعض علماء کا نظریہ اور خیال ہے کہ فضائل اعمال میں ضعیف روایت پیش ہو سکتی ہے چند شرائط کے ساتھ۔

ایک شرط یہ ہے۔ کہ ضعف شدید نہ ہو۔ لیکن لوگ اس کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ عام آدمی جو پڑھا لکھا نہیں اس کو کیسے پتہ چلے گا کہ یہ ضعف شدید ہے یا ضعف شدید نہیں۔ اچھے بھلے علماء کو پتہ نہیں لگ رہا عام آدمی کو کیسے پتہ چلے گا۔ تو جب تک ضعیف روایت کے ضعف کے غیر شدید ہونے کا علم نہیں اتنی دیر تک ضعیف روایت پر عمل نہیں کرنا۔ عام آدمی کو پتہ نہیں نا لگے گا۔ تو پھر یہ تو عمل نا نہ کرے۔ اور عالم صاحب جب کتابوں کی چھان بین کریں گے تو ان کو پتہ لگ جائے گا کہ ضعف شدید ہے یا غیر شدید۔

تو جب تک ان کو پتہ نہیں لگتا کہ یہ ضعف شدید نہیں اتنی دیر تک تو عمل نہ نا کریں اور نہ لوگوں سے کروائیں۔ کوئی دس دن، مہینہ، سال اس کی تحقیق پر لگائیں تا کہ یہ ضعف شدید ہے یا غیر شدید ہے اور جب غیر شدید کا پتہ لگ جائے تو پھر کہہ لیں کہ فضائل اعمال میں یہ پیش ہو سکتی ہے۔ اس سے پہلے تو وہ بھی مجاز نہیں اس کو فضائل اعمال

میں پیش کرنے کا۔لیکن اب کوئی تحقیق نہیں کرتا نہ عالم نہ فاضل اور غیر عالم نے تحقیق کس کی کرنی ہے؟بس اتنی بات لے کر ہی اڑ رہے ہیں کہ جی فضائل اعمال میں ضعیف روایت پیش ہو سکتی ہے۔لیکن شرط کو پورا کیا ہی نہیں جاتا ایک شرط تو یہ تھی۔

دوسری شرط:

دوسری شرط یہ ہے کہ

" أَنْ يَكُوْنَ مُنْدَرَجًا تَحْتَ أَصْلٍ عَامٍ ۔"

"ضعیف حدیث میں جس عمل کی فضیلت بیان کی جا رہی ہے وہ عمل کسی اصل عام کے تحت مندرج ہو"

قرآن مجید کی کسی آیت یا نبی کریم ﷺ کی صحیح یا حسن حدیث سے وہ عمل ثابت ہو۔اصل عام کے تحت وہ مندرج ہو تو پھر یہ فضیلت جو ضعیف روایت بیان کر رہی ہے آپ قبول کریں بشرطیکہ ضعف شدید نہ ہو۔(پہلی شرط یہاں بھی لگے گی)

آپ اسی بات پر غور کریں کہ وہ عمل کسی اصل عام آیت یا صحیح حدیث میں آیا ہو تو یہ عمل پھر کسی آیت یا صحیح حدیث سے ثابت۔اب آپ اس پر عمل کریں گے تو وہ آیت یا صحیح حدیث پر عمل ہوا ضعیف حدیث پر عمل ہوا ہی نہیں۔اگر یہ ضعیف حدیث نہ ہوتی تو پھر بھی اس آیت پر یا صحیح حدیث پر ہی عمل ہونا تھا۔اس شرط پر بھی غور کرنے سے آپ کو پتہ چل جائے گا کہ یہ شرط بھی پہلی شرط کی طرح ضعیف روایت کا دروازہ بند کر رہی ہے۔

وہ عمل جس کی فضیلت کسی ضعیف روایت میں بیان ہوئی ہے کسی آیت یا صحیح یا حسن حدیث کے تحت مندرج نہیں تو فضائل اعمال والے بھی یہ کہتے ہیں کہ اس پر عمل نہیں کرنا۔کیونکہ وہ کسی آیت یا صحیح یا حسن حدیث میں آیا نہیں۔کیا ضعیف روایت پر عمل ہوا؟نہ نا ہوا؟کیونکہ شرط ہی ایسی لگا دی ہے جس سے نتیجہ یہ نکلے کہ ضعیف روایت پر عمل فضیلت میں بھی نہیں۔

تیسری شرط:

ضعیف روایت پر عمل کرنے کی تیسری شرط جو انہوں نے لگائی ہے۔

" أَنْ يَّعْتَقِدَ عَدَمَ ثُبُوْتِهٖ."

''یہ پختہ عقیدہ رکھنا ہے کہ یہ فضیلت ثابت نہیں''

عمل تو آیت اور صحیح حدیث میں آیا ہے وہ کرنا ہی کرنا ہے۔لیکن جو ضعیف روایت میں فضیلت آئی تھی فضائل اعمال والے بزرگ کہتے ہیں کہ اس کا ضعف شدید نہ ہو اس کا عمل دوسرے دلائل سے ثابت ہو۔اور جب اس فضیلت والی ضعیف روایت پر عمل کرنا ہے عقیدہ یہ رکھنا ہے کہ یہ فضیلت ثابت نہیں۔

اس کی مثال یہ سمجھ لو: کہ سورۃ حشر کی آخری آیات کوئی تلاوت کرے تو ستر ہزار فرشتے اس کے لئے دعا کرتے ہیں یہ روایت ضعیف ہے۔

قرآن مجید کی تلاوت تو ثابت ہے۔سورۃ حشر کی آخری آیات ہوں یا کسی اور سورۃ کی آخری ،ابتدائی ،درمیانی آیات ہوں۔سارے قرآن مجید کی تلاوت ثابت ہی ثابت ہے اور اجر وثواب ہے۔لیکن جو یہ خاص فضیلت سورۃ حشر کی آخری آیات کے متعلق ستر ہزار فرشتوں والی آئی ہے آپ سمجھیں کہ ضعف شدید نہیں غیر شدید ہی ہے۔اب اس پر عمل کرنا ہے تو عقیدہ کیا رکھنا ہے کہ ستر ہزار فرشتوں کی دعاؤں والی فضیلت ثابت نہیں۔سورۃ حشر کی آخری آیات پڑھتے جائیں اور عقیدہ یہ رکھنا ہے کہ ستر ہزار فرشتوں کی دعاؤں والی فضیلت ثابت نہیں۔

اب آپ سوچیں اور غور کریں کہ کیا ضعیف روایت پر عمل ہوا ؟ جبکہ عمل کرتے وقت یہ عقیدہ رکھنا ہے کہ یہ فضیلت ثابت نہیں۔دراصل یہ جو علماء تھے بڑے دانا اور سمجھ دار تھے۔انہوں نے اپنی دانائی اور سمجھ داری کا ثبوت دیا ہے کہ اگر یہ کہا کہ ضعیف روایت قابل قبول نہیں تو لوگ پیچھے پڑ جائیں گے کس کس سے جھگڑیں گے ؟لہذا اس کے ساتھ ایسی شرائط لگا دو جن کا نتیجہ یہ نکلے کہ ضعیف روایت پر عمل کوئی نہیں۔

اس کہ دوسری مثال یہ سمجھ لو: کہ کچھ علماء کا نظریہ اور خیال ہے کہ فوت شدہ

کی طرف سے قربانی نہیں ہوتی۔ اگر وہ صاف یہی کہیں کہ فوت شدہ کی طرف سے قربانی نہیں ہوتی تو کئی لوگ سیخ پا ہو جاتے ہیں۔ تو پھر وہ ان کے سیخ پا ہونے سے بچنے کے لئے کہتے ہیں کہ میت کی طرف سے قربانی دو لیکن آپ اس سے ایک بوٹی بھی نہیں کھا سکتے۔ وہ سارے کا سارا گوشت غرباء اور مساکین پر تقسیم کرنا ہو گا۔ اب یہ شرط ساتھ لگا دیتے ہیں کہ ایک بوٹی بھی آپ نہیں کھا سکتے۔ مطلب یہ ہوا کہ وہ قربانی نہیں۔ قربانی تو اپنی بھی کھا سکتا ہے اور دوسرے کی بھی کھا سکتا ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ آپ نے قربانی کی ہے میت کی طرف سے تو کھا نہیں سکتے۔ انہوں نے دانائی سے کام لیا ہے کہ قربانی بھی نہ ہو اور لوگ پیچھے بھی نہ پڑیں۔ یہ بات ہے اس میں۔

اسی طرح یہ بات ہے۔ فضائل میں ضعیف روایت قبول ہے لیکن ''بشروط'' چند شرائط سے اور وہ تین شرائط لگا دیں جن کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ضعیف روایت فضائل میں بھی قابل قبول نہیں۔

آخری شرط پر بھی غور کر لو: کہ عقیدہ یہ رکھنا ہے کہ یہ فضیلت ثابت نہیں تو پھر اس نے ضعیف روایت پر کیا عمل کیا؟

وہ تو جو اصل آیات اور احادیث تھیں اس پر اس نے عمل کیا۔ آپ اس کی ایک اور مثال سمجھ لیں۔

کلام کے مسئلے میں کئی لوگوں کا خیال ہے کہ اللہ تعالی کلام نہیں کرتا ایسا کلام جو سنا جائے۔ حقیقت میں یہ اللہ تعالی کے کلام کی صفت کے منکر ہیں۔ اگر وہ صاف یہ کہیں کہ اللہ تعالی کلام نہیں کرتا ہے وصف کلام سے متصف نہیں تو لوگ تالو لال کرتے ہیں کہ اللہ کلام نہیں کرتا۔ جبکہ کلام اللہ قرآن مجید میں جگہ جگہ آ رہا ہے۔

﴿ وَ كَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ﴾[1] ...... ﴿ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى ﴾[2]

---

[1] سورۃ نساء آیت: ۱۶۴۔

[2] سورۃ طٰہٰ آیت: ۱۳۔

اللہ تعالی فرشتوں سے کلام کرتا ہے، پیغمبروں سے کلام کرتا ہے۔اب اگر یہ صریحاً کہہ دیں کہ اللہ تعالی کلام نہیں کرتا تو لوگ تالو لال کر دیں گے۔تو انہوں نے یہ کہا کہ اللہ تعالی کلام کرتا ہے۔اس سے لوگوں کے جوتوں سے بچ گیا۔لیکن ساتھ ہی یہ شرط لگا دی کہ وہ کلام سنا نہیں جاتا۔کلام تو کرتا ہے لیکن وہ کلام سنا نہیں جاتا ہے۔وہ کلام نفسی ہے۔کلام کی نفی کر دی۔وہ کلام کیسا ہے جو سنا نہ جائے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے ان هو الاحيلة النفي فرمایا ہے کہ وہ کلام سنا نہیں جاتا کلام نفسی ہے یہ اللہ تعالی کے کلام کا انکار کرنے کا ایک حیلہ ہے۔ انکار بھی کر جاؤ اور لوگوں کے طعن سے بھی بچ جاؤ۔

یہی کام فضائل اعمال میں ضعیف روایت کو قبول کہنے والے دانا علماء نے کیا۔یعنی اگر کہا کہ ضعیف روایت قابل قبول نہیں تو انہوں نے برا منانا ہے خواہ مخواہ ہمیں طعن و تشنیع کریں گے۔یہی کہہ دو کہ ضعیف روایت فضائل اعمال میں معتبر ہے اور ساتھ شرائط لگا دو جن کا نتیجہ یہ نکلے کہ فضائل اعمال میں بھی معتبر نہیں۔

ساری بات کا خلاصہ یہ نکلا۔کہ ضعیف روایت بالکل قابل قبول نہیں۔نہ اعمال میں نہ احکام میں نہ عقائد میں اور نہ ہی فضائل میں۔اور جن علماء نے کہا بھی ہے کہ فضائل میں قابل قبول ہیں انہوں نے ساتھ تین شرائط لگائی ہیں۔آدمی ان شرائط پر اگر غور کرے تو نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ ضعیف روایت فضائل میں بھی قابل قبول نہیں۔ [1]

اللہ تعالی ہر ایک کو نیکی کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

((......❀❀❀......))

[1] مقدمه جامع الصغير از علامه البانی صفحه نمبر ٤٨۔مطبوعه المكتب الاسلامی۔

خطبہ مسنونہ

إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَ نَسْتَعِينُهُ وَ نَسْتَغْفِرُهُ وَ نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوُ أَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَ مَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَ أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَ رَسُوْلُهُ:

﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ ءَامَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهِ وَ لَا تَمُوْتُنَّ إِلَّا وَ أَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴾ ❶

﴿ يَاأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَ نِسَاءً وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَاءَلُوْنَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ﴾ ❷

﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ ءَامَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوا قَوْلًا سَدِيْدًا يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴾ ❸

أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ وَ خَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ وَ شَرَّ الْأُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَ كُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَ كُلَّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ ❹

---

❶ آل عمران: ۳/ ۱۰۲۔ ❷ النساء: ۴/ ۱۔ ❸ الاحزاب: ۳۳/ ۷۰، ۷۱

❹ صحیح مسلم، کتاب الجمعة، باب خطبته ﷺ فی الجمعة: ۶/ ۱۵۳۔

قسطوں کی بیع

رزق حلال:

اللہ تبارک نے قرآن مجید اور فرقان حمید میں حلال کھانے کی تاکید فرمائی ہے۔

﴿ يَاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا وَ لَا تَتَّبِعُوا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴾

(البقرہ:١٦٨)

''اے لوگو جو کچھ زمین میں ہے اس میں سے حلال اور طیب کھاؤ۔ (مقصد یہ ہے کہ حرام اور خبیث نہ کھاؤ) اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو کیونکہ وہ تمھارا کھلا دشمن ہے۔''

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے عام لوگوں کو مخاطب کیا ہے جس میں مسلمان کافر یہودی، عیسائی، ہندو سب لوگ آ گئے ہیں اور ایک مقام میں خاص ایمان داروں کو خطاب کیا ہے۔

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَ اشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴾ (بقرہ:١٧٣)

''اے ایمان والو! جو ہم نے تم کو دیا ہے اس سے طیب کھاؤ۔ اور اللہ ہی کا شکر ادا کرو اگر تم اس ہی کی عبادت کرتے ہو۔''

ظاہر بات ہے کہ ایمان والے صرف اللہ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور کسی کی نہیں کرتے اگر کسی اور کی عبادت کرتے ہیں تو پھر وہ ایمان والے ہی نہیں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ اس بات کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ عبادت اگر

صرف اللہ ہی کی کرتے ہو تو پھر اس کا شکر ادا کرو اور رزق حلال کھاؤ۔ جو شخص اللہ کا شکر ادا نہیں کرتا اور حلال بھی نہیں کھاتا۔ ایسا شخص اپنی عبادت کے تقاضے بھی پورے نہیں کرتا۔

تیسرے مقام میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کو مخاطب کر کے یہی حکم دیا ہے:

﴿ يَاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَ اعْمَلُوْا صَالِحًا اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴾ (سورۃ المومنون: ۵۱)

''اے پیغمبرو! طیب کھاؤ اور نیک اعمال کرو۔''

پیغمبروں سے حرام کھانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا وہ تو خود لوگوں کو حلال کھانے کا حکم دیتے ہیں حرام کیسے کھا سکتے ہیں۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو حلال کھانے کا حکم دیا ہے جس سے حلال کھانے کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔

حرام کھانے سے نہ عزت محفوظ نہ دین محفوظ:

صحیح بخاری میں حدیث ہے، نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« اَلْحَلَالُ بَيِّنٌ وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ وَ بَيْنَهُمَا اُمُوْرٌ مُشْتَبِهَاتٌ » [1]

''حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور ان کے درمیان کچھ امور مشتبہات ہیں۔''

« لَا يَعْلَمُهَا كَثِيْرٌ مِنَ النَّاسِ اَمِنَ الْحَلَالِ هِيَ اَمْ مِنَ الْحَرَامِ »

''بہت سارے لوگ نہیں جانتے وہ چیزیں حلال ہیں یا حرام ہیں۔''

« فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ فَقَدِ اسْتَبْرَأَ لِدِيْنِهِ وَ عِرْضِهِ »

[1] صحیح بخاری کتاب الایمان باب فضل من استبراء لدینہ حدیث: ۵۲۔

"جو شخص مشتبہات والی چیزوں سے بچے گا اس نے اپنا دین بھی بچا لیا اور اپنی عزت بھی بچالی۔"

اور جس نے شبہے والی چیزوں سے اجتناب نہ کیا اس کی عزت بھی محفوظ نہیں اور دین بھی محفوظ نہیں اور جو صریح حرام چیزوں سے نہ بچے تو کیا اس کا دین محفوظ رہے گا اس کی عزت محفوظ رہے گی؟ ایسے شخص کی عزت اور دین بالکل محفوظ نہیں رہے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے پھر مثال دے کر اس کو واضح کیا۔ کوئی چرواہا اپنے ریوڑ کو سرکاری چراگاہ کے قریب چرواتا ہے جہاں چروانا ممنوع ہے تو بہت ہی قریب ہے کہ اس کا جانور اس ممنوع چراگاہ میں داخل ہو جائے کیونکہ یہ اس کے قریب قریب چروا رہا ہے۔ اسی طرح جو مشتبہات کو استعمال کر رہا ہے وہ بہت جلد حرام کا بھی ارتکاب کرے گا۔ اس مثال کو بیان کرنے سے مقصد یہ ہے کہ حرام کے بالکل قریب نہ آؤ۔ حتی کہ مشتبہات سے بھی بچو۔ جب مشتبہات سے بھی بچو گے تو پھر حرام کے بالکل ہی قریب نہیں آؤ گے۔ رسول اللہ ﷺ نے دو آیات کی تلاوت کے بعد فرمایا:

«ثُمَّ ذَكَرَ الرَّجُلَ يُطِيلُ السَّفَرَ أَشْعَثَ أَغْبَرَ يَمُدُّ يَدَيْهِ إِلَى السَّمَآءِ: يَا رَبِّ يَا رَبِّ! وَ مَطْعَمُهُ حَرَامٌ وَ مَشْرَبُهُ حَرَامٌ وَ مَلْبَسُهُ حَرَامٌ وَ غُذِيَ بِالْحَرَامِ فَأَنَّى يُسْتَجَابُ لِذٰلِكَ» ❶

"پھر آپ ﷺ نے ایک ایسے شخص کا تذکرہ کیا جو لمبا سفر کرتا ہے، بال بکھرے ہوئے ہیں، کپڑے میلے کچیلے ہیں، آسمان کی طرف ہاتھ پھیلاتا ہے اور کہتا ہے: اے میرے رب! اے میرے رب! جب کہ اس کا کھانا حرام، اس کا پینا حرام، اس کا لباس حرام اور اس کی

❶ صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب قبول الصدقۃ من الکسب الطیب، حدیث: ۱۰۱۵

پرورش (پہلے ہی سے) حرام سے ہوئی ہے، اب کہاں سے اس کی دعا
قبول ہو جائے گی؟''

قرآن مجید کی آیات اور رسول اللہ کی احادیث سے پتہ چلتا ہے حلال حرام کا خیال رکھنا مومن کی لیے ضروری ہے ورنہ اس کی عزت بھی محفوظ نہیں رہتی ہے اس کا دین بھی محفوظ نہیں رہتا۔ اس کی عبادت قبول نہیں ہوگی۔ اور نہ اس کی دعا قبول ہوگی۔

حلال و حرام چیزوں کی فہرست بڑی طویل ہے۔ اس وقت صرف قسطوں والی بیع کے متعلق گفتگو کرنا مقصود ہے کیا یہ حلال کے زمرے میں آتی ہے یا حرام کے زمرے میں آتی ہے اگر حرام کے زمرے میں آتی ہے تو اس سے بچا جائے۔ اگر حلال ہے تو اس کی پابندی کی جائے۔

قسطوں والی بیع:

قسطوں والی بیع کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کوئی چیز خریدے اور اس کی رقم بعد میں تھوڑی تھوڑی کر کے ادا کرے یعنی خریدنے والا چیز فی الفور قبضے میں کر لے اور رقم بعد میں ادا کرے۔ یہ ادھار بیع کے زمرے میں آتی ہے۔ اور ادھار بیعیں کچھ حلال اور کچھ حرام ہیں اسی طرح نقد بیعیں کچھ حلال ہیں اور کچھ حرام ہیں۔ نقد بیع حلال کے زمرے میں ہے تو ٹھیک ہے اگر حرام کے زمرے میں ہے تو ناجائز ہے۔

نقد حلال تجارت کی مثال:

عروہ بارقی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

« اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ أَعْطَاهُ دِيْنَارًا لِيَشْتَرِيَ بِهِ

أُضْحِيَّةً أَوْ شَاةً فَاشْتَرَى بِهِ شَاتَيْنِ فَبَاعَ إِحْدَاهُمَا بِدِينَارٍ فَأَتَاهُ بِشَاةٍ وَ دِينَارٍ فَدَعَا لَهُ بِالْبَرَكَةِ فِي بَيْعِهِ وَكَانَ لَوِ اشْتَرَى التُّرَابَ لَرَبِحَ فِيهِ » ❶

''کہ نبی ﷺ نے ان کو قربانی کا جانور یا بکری خریدنے کے لیے ایک دینار عطا فرمایا۔ اس نے ایک دینار کے عوض دو بکریاں خریدیں۔ پھر ان دو میں سے ایک کو ایک دینار کے عوض فروخت کر دیا اور ایک بکری اور ایک دینار لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے اس کے لیے اس کی تجارت میں برکت کی دعا فرمائی پھر اگر وہ مٹی بھی خرید لیتا تو اس میں بھی اسے ضرور منافع حاصل ہوتا۔''

مقصد یہ ہے کہ عروہ بارقی رضی اللہ عنہ نے نقد بیع کی ہے اور یہ حلال ہے ٹھیک ہے اس طرح کی اگر کوئی نقد بیع ہے تو ٹھیک ہے۔

ادھار تجارت کی مثال:

عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہے رسول اللہ ﷺ نے تیس صاع جو خریدے اور اپنی درہ اس کے بدلے گروی رکھی۔ آپ ﷺ فوت ہو گئے اور آپ کی درہ گروی ہی رہی اس سے پتہ چلتا ہے کہ ادھار خریدنا بھی جائز ہے۔

قسطوں والی جائز بیع:

البتہ ادھار بیع اگر حرام کے زمرے میں آئے تو پھر نہیں خرید سکتا۔ اسی طرح قسطوں کی بیع اگر حرام کے زمرے میں آئے تو وہی بھی نہیں خرید سکتا۔ اور اگر حلال کے زمرے میں آئے تو ٹھیک ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے دور میں بھی قسطوں والا سلسلہ موجود تھا۔

❶ صحیح بخاری کتاب المناقب حدیث ٣٦٤٢۔

عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

« جَاءَتْنِی بَرِیْرَۃُ ، فَقَالَتْ : إِنِّی کَاتَبْتُ أَهْلِی عَلٰی تِسْعِ أَوَاقٍ ، فِی کُلِّ عَامٍ أُوقِیَّةٌ ، فَأَعِیْنِیْنِی ! قُلْتُ : إِنْ أَحَبَّ أَهْلُكِ أَنْ أَعُدَّهَا لَهُمْ وَ یَکُوْنُ وِلَاؤُكِ لِی فَعَلْتُ ، فَذَهَبَتْ بَرِیْرَۃُ إِلٰی أَهْلِهَا ، فَقَالَتْ لَهُمْ ، فَأَبَوْا عَلَیْهَا ، فَجَاءَتْ مِنْ عِنْدِهِمْ ، وَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ جَالِسٌ ، فَقَالَتْ : إِنِّی قَدْ عَرَضْتُ ذٰلِكَ عَلَیْهِمْ فَأَبَوْا ، إِلَّا أَنْ یَکُوْنَ الْوَلَاءُ لَهُمْ ، فَسَمِعَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ ، فَأَخْبَرَتْ عَائِشَةُ النَّبِیَّ ﷺ فَقَالَ : " خُذِیْهَا وَاشْتَرِطِی لَهُمُ الْوَلَاءَ فَإِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ " فَفَعَلَتْ عَائِشَةُ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا ثُمَّ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِی النَّاسِ خَطِیْبًا ، فَحَمِدَ اللّٰهَ وَ أَثْنٰی عَلَیْهِ ، ثُمَّ قَالَ : " أَمَّا بَعْدُ فَمَا بَالُ رِجَالٍ یَشْتَرِطُوْنَ شُرُوْطًا لَیْسَتْ فِی کِتَابِ اللّٰهِ عَزَّ وَ جَلَّ ؟ مَا کَانَ مِنْ شَرْطٍ لَیْسَ فِی کِتَابِ اللّٰهِ فَهُوَ بَاطِلٌ ، وَ إِنْ کَانَ مِائَةَ شَرْطٍ ، قَضَاءُ اللّٰهِ أَحَقُّ ، وَ شَرْطُ اللّٰهِ أَوْثَقُ ، وَ إِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ » ❶

”بریرہ رضی اللہ عنہا (لونڈی) میرے پاس آئی اور کہنے لگی میں نے اپنے مالک سے نو اوقیہ چاندی پر مکاتبت کر لی ہے کہ ہر سال میں ایک اوقیہ ادا کرتی رہوں گی۔ لہٰذا میری (اس بارے میں) مدد کریں میں نے (اسے) کہا

---

❶ صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب اذا شترط فی البیوع ، حدیث:۲۱۶۸۔

کہ اگر تیرے مالک کو یہ پسند ہو کہ میں تیری مجموعی رقم یکمشت ادا کردوں اور تیری ولاء میری ہو جائے تو میں ایسا کرنے کو تیار ہوں۔ بریرہ رضی اللہ عنہا یہ تجویز لے کر اپنے مالک کے پاس گئی اور ان سے یہ کہا تو انھوں نے اسے تسلیم کرنے سے انکار کردیا۔ بریرہ رضی اللہ عنہا ان کے پاس سے واپس آئی، اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف فرما تھے۔ بریرہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میں نے اپنے مالکوں کے سامنے وہ تجویز پیش کی تھی، مگر انھوں نے اسے تسلیم کرنے سے انکار کردیا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ ولا ان کے لیے ہے۔ یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سنی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی اس واقعہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو باخبر کیا۔ یہ سن کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے لے لو اوران سے ولاء کی شرط کرلو کیونکہ ولاء کا حق دار وہی ہے جو اسے آزادی دے۔'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایسا ہی کیا۔اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں خطاب فرمانے کھڑے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کی پھر فرمایا: لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو کتاب اللہ میں نہیں۔(یاد رکھو! کہ) جو شرط کتاب اللہ میں نہیں وہ باطل ہے، خواہ سینکڑوں شرطیں ہی کیوں نہ ہوں۔ اللہ کا فیصلہ نہایت برحق ہے اور اللہ کی شرط نہایت ہی پختہ اور پکی ہے۔ ولاء اسی کا حق ہے جو آزاد کرے۔''

مسلم میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں:

« قال : اِشْتَرِیْھَا وَاعتِقِیْھَا وَاشْتَرِطِی لَھُمُ الْوَلَاءِ »

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے خریدلو اور آزاد کردو اوران سے ولاء کی شرط کرلو۔''

بریرۃ رضی اللہ عنہا نے ۹ نو اوقیہ دینے تھے۔ ۹ سالوں میں اور یہ ٹھیک تھا جائز تھا۔

البتہ قسطوں میں کچھ صورتیں ناجائز اور حرام ہیں اور کچھ حلال اور جائز ہیں۔

ایک چیز کی نقد قیمت لاکھ روپیہ ہے۔ اور ادھار بھی لاکھ روپیہ ہے تو یہ ٹھیک اور جائز ہے۔ لاکھ روپیہ بعد میں یکمشت وصول کرلے یا قسطوں میں وصول کرلے یہ ٹھیک ہے۔ جتنی قیمت نقد کی ہے اتنی ہی ادھار میں وصول کرلے۔ ادھار کی وجہ سے قیمت بڑھے نہ تو پھر ٹھیک ہے۔ اس میں مشتری خریدنے والے کے لیے سہولت ہے۔ اور ایک صورت یہ ہے کہ چیز کی قیمت لاکھ روپیہ ہے۔ بائع بیچنے والا مشتری کو کہتا ہے کہ آپ غریب آدمی ہے۔ آپ اس کی قیمت ۷۵۰۰۰ روپے ادا کردیں اگرچہ بعد میں ادا کردینا تو یہ صورت بھی ٹھیک ہے۔ غریب آدمی کے لیے تعاون ہے اس کو فائدہ دینا ہے۔ جس طرح آدمی اپنے رشتہ داروں کو یا دوست احباب کو بعض دفعہ ویسے ہی چیز دے دیتا ہے بالکل قیمت وصول ہی نہیں کرتا۔ اور بعض دفعہ آدھی قیمت پر دے دیتا ہے یہ صورت ٹھیک ہے جائز ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ چیز کی قیمت لاکھ روپیہ ہے۔ بائع بیچنے والا کہتا ہے کہ اس کی قیمت مجھے بعد میں اگر ادا کروں گے تو پھر آپ کو سوا لاکھ ادا کرنے پڑیں گے۔ خواہ مہینے کو دو یا سال کو دو۔ اس صورت میں اہل علم کے درمیان اختلاف ہے۔

قسطوں والی ناجائز بیع:

اس کا حل ہم نے کتاب وسنت میں تلاش کرنا ہے کون سی بات درست ہے اور کون سی غلط ہے۔ دلائل کی روشنی میں جو بات سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ ادھار کی وجہ سے جو قیمت بڑھائی جائے وہ ناجائز ہے۔ اور بیع کی یہ صورت حرام کے زمرے میں آتی ہے۔

کیونکہ یہ پیسے مہلت کی وجہ سے بڑھائے گئے ہیں۔ جو مہلت اس نے دی ہے

اس کے پیسے وصول کر رہا ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَ اِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ﴾

(البقرة: ۲۸۰)

''اگر مقروض تنگ دست ہے تو اس کو آسانی تک مہلت دو''

یہ نہیں فرمایا کہ مہلت کے پیسے وصول کر لو۔ ایک آدمی اگر لاکھ روپیہ قرض دیتا ہے اور ساتھ یہ کہتا ہے۔ سال بعد یا مہینہ بعد ادا کرو گے تو میں نے سوا لاکھ لینا ہے اس کو تمام علماء کرام اور ساری امت حرام کہتی ہے۔ اور اسے سود کے زمرے میں شامل کرتی ہے۔ کیونکہ وہ مہلت کے پیسے لے رہا ہے۔ بعینہٖ یہ صورت یہاں بھی پائی جاتی ہے کہ چیز لاکھ کی ہے اور مہلت کی وجہ سے سوا لاکھ وصول کر رہا ہے۔

کیا کاروبار میں بھی سود ہوسکتا ہے:

اگر کوئی آدمی یہ کہے کہ قرضہ میں پیسے کے عوض پیسے وصول کر رہا ہے پیسے کی وجہ سے پیسہ حاصل کرنا یہ تو سود ہے لیکن کاروبار میں چیز پر پیسے وصول کرنے یہ سود نہیں۔ کاروبار میں سود ہوتا ہی نہیں۔

جواب: ایسے لوگوں کی بات غلط ہے کاروبار میں بھی سود ہے۔ چیزوں کی خرید و فروخت میں بھی سود ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے۔

« اَلذَّهَبُ بِالذَّهَبِ رِبًا إِلَّا هَاءَ وَ هَاءَ وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ رِبًا إِلَّا هَاءَ وَ هَاءَ اَلتَّمْرُ بِالتَّمْرِ رِبًا اِلَّا هَاءَ وَ هَاءَ وَالشَّعِيْرُ بِالشَّعِيْرِ رِبًا اِلَّا هَاءَ وَ هَاءَ » ❶

''سونے کی سونے سے بیع سود ہے مگر برابر برابر اور نقد بنقد ، گندم کی

❶ صحیح بخاری کتاب البیوع باب ما یذکر فی الطعام ،حدیث: ۲۱۳٤۔

گندم سے بیع سود ہے مگر نقد بنقد اور برابر برابر، کھجور کی کھجور سے بیع سود ہے مگر برابر برابر اور نقد بنقد جو کی جو سے بیع سود ہے مگر برابر برابر اور نقد بنقد۔"

آپ غور کریں اگر ایک آدمی دو کلو کھجوریں دیتا ہے اور اس کے بدلے دو کلو کھجوریں ہی لیتا ہے لیکن دس دنوں کے بعد لیتا ہے تو رسول اللہ ﷺ اس کو بھی سود قرار دے رہے ہیں اور اگر دس دن کے بعد اڑھائی کلو لے پھر تو زیادہ سود بنے گا۔ مہلت کی وجہ سے کھجوریں پوری مکمل ہی لے پھر بھی یہ سود بنتا ہے اور اگر مہلت کی وجہ سے اڑھائی کلو لے لے تو پھر بالاولیٰ سود بنے گا۔ یہ دو طرح کا سود بنے گا تفاضل والا بھی اور نسیئۃ ادھار والا بھی۔

لہٰذا یہ خیال خام ہے کہ کاروبار میں سود نہیں بنتا ہے بلکہ بعض دفعہ صرف ادھار بھی سود بن جاتا ہے۔ کھجور کی کھجور سے بیع جو کی جو سے بیع۔ نمک کی نمک سے بیع، گندم کی گندم سے بیع سود ہے۔ نقد بنقد ہو برابر برابر ہو، پھر ٹھیک ہے اگر ایک آدمی گندم بیچتا ہے اور اس کے عوض اتنی ہی گندم دس دنوں کے بعد لیتا ہے تو یہ بھی سود ہے۔ لہٰذا کسی بھی چیز کی قیمت نقد کم ہے اور ادھار زیاد ہے تو یہ سود بنتا ہے یہ بیع حرام ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

« مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِيْ بَيْعَةٍ فَلَهُ أَوْ كَسُهُمَا أَوِ الرِّبَا » [1]

"جو کوئی ایک بیع میں دو بیعیں کرتا ہے تو اس کے لیے دونوں میں سے کم ہے یا اس کے لیے سود ہے۔"

بہت سارے علماء نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے۔ کہ ایک چیز کی قیمت نقد

---

[1] ابوداود، کتاب البیوع، حدیث: ٣٤٦١۔

دس روپے ہے اور ادھار پندرہ ہے۔

یہ ایک بیع میں دو بیعتیں ہیں۔ اب اس کے لیے دس والی بیع ٹھیک ہے کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا: «فَلَهٗ اَوْ كَسُهُمَا» اس کے لیے کم ہے۔ دس روپے نقد لے لے پھر بھی ٹھیک ہے اگر ادھار لیتا ہے پھر بھی ٹھیک ہے۔

اور اگر پندرہ لیتا ہے تو یہ سود ہے اور سود حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر تم مومن ہو تو سود چھوڑ دو اگر نہیں چھوڑتے پھر اللہ اور اللہ کے رسول سے اعلان جنگ کردو۔ (البقرۃ: ۲۷۹) رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

«دِرْهَمُ رِبًا يَاْكُلُهُ الرَّجُلُ وَ هُوَ يَعْلَمُ اَشَدُّ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ سِتٍّ وَ ثَلَاثِيْنَ زِنْيَةً»

''سود کا ایک درہم جو آدمی کھاتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ یہ سود ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک چھتیس زنا سے بھی زیادہ سنگین جرم ہے۔''

جو لوگ ہزاروں، اربوں، کھربوں سود کھاتے ہیں ان کا کیا حشر ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«الرِّبَا ثَلَاثَةٌ وَ سَبْعُوْنَ بَابًا اَيْسَرُهَا مِثْلَ اِنْ يَنْكِحَ الرَّجُلُ اُمَّهٗ وَ إِنَّ أَرْبَى الرِّبَا عِرْضُ الرَّجُلِ الْمُسْلِمِ»

''سود کے تہتر درجے ہیں سب سے کم تر درجہ اس گناہ کے مثل ہے کہ کوئی آدمی اپنی ماں کے ساتھ نکاح کرے اور سب سے بڑھ کر سود کسی مسلمان کی آبرو ریزی کرنا ہے۔'' والدہ کے ساتھ نکاح کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔

اعتراض: بعض علماء نے « فَلَهٗ اَوْكَسُهُمَا أَوِ الرِّبَا » کا مطلب یہ بیان کیا

ہے کہ کم قیمت بھی اس کے لیے ہے اور زیادہ قیمت بھی اس کے لیے ہے۔ دونوں اس کے لیے جائز ہیں۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے « فَلَهٗ » فرمایا ہے ''اس کے لیے ہے'' اب دونوں بیعیں اس کے لیے ہیں« فَلَهٗ » کا تعلق دونوں سے ہے:

جواب : علماء کا یہ نکتہ صحیح تب بن سکتا تھا اگر رسول اللہ ﷺ '' فَلَهٗ اَوْ کَسُهُمَا اَوْ أَزْيَدُهُمَا '' یا '' أَوْ زَائِدُهُمَا '' فرماتے اس کے لیے کم قیمت یا زیادہ قیمت ہے۔ پھر یہ بات بن سکتی تھی لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اَوِ الرِّبَا۔ اس کے لیے کم قیمت ہے یا سود۔ سود کا لفظ استعمال کر کے رسول اللہ ﷺ نے بتا دیا ہے کہ یہ حرام اور ناجائز ہے۔ سود ہے۔

اعتراض: اس حدیث پر دوسرا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اس کی سند میں محمد بن عمرو بن علقمہ بن وقاص لیثی ضعیف راوی ہے۔

جواب: یہ راوی ضعیف نہیں ثقہ ہے۔ امام ترمذی، یحییٰ بن معین نے اس کو ثقہ کہا ہے۔ ابن حبان نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔ یحییٰ بن معین کا ایک قول ہے کہ یہ ابن عقیل سے زیادہ ثقہ ہے اور ابن عقیل کے متعلق امام ترمذی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے میرے اساتذہ، امام حمیدی اور اسحاق بن راہویہ، ابن عقیل کی حدیث سے احتجاج کرتے تھے دلیل پکڑتے تھے۔ لہٰذا محمد بن عمرو بن علقمہ ثقہ ہوئے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تقریب میں اس کے متعلق بڑے احتیاط سے یہ فیصلہ کیا ہے: صَدُوْقٌ لَهٗ اَوْهَامٌ" اگر دوسرے محدثین کے الفاظ کو سامنے رکھیں تو پھر لَهٗ اَوْهَامٌ کے الفاظ محمد بن عمرو بن علقمہ کے متعلق نہیں بنتے اور ان کو صدوق کی بجائے ثقہ ہی کہنا چاہیے۔

اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے محمد بن عمرو بن علقمہ والی حدیث « نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰه صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَیْعَتَیْنِ فِیْ بَیْعَةٍ» کو حَسَنٌ صَحِیْحٌ کہا ہے اور امام حاکم رحمہ اللہ نے صحیحٌ عَلٰی شَرْطِ مُسْلِمٍ کہا ہے۔

شیخ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کی سند حسن ہے۔ شیخ عبد الحق الشبیلی نے بھی اس کو صحیح کہا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اس کو صحیح کہا۔ امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں اس کو درج کیا ہے اور سکوت اختیار کیا ہے۔ اہل علم جانتے ہیں جس حدیث کے متعلق امام ابوداؤد سکوت اختیار کریں وہ صالح ہوتی ہے۔ کیونکہ ابوداؤد کا فرمان ہے جس حدیث کے متعلق میں سکوت اختیار کروں وہ صالحٌ لِلعمل ہوتی ہے۔

اعتراض: اس حدیث پر یہ اعتراض بھی کیا جاتا ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہو چکی ہے۔

جواب: اس حدیث کو منسوخ کہنے والے اس کا ناسخ پیش نہیں کر سکے۔ جب کہ منسوخ کے لیے ناسخ کا ہونا ضروری ہے لہٰذا یہ حدیث صحیح بھی ہے محکم بھی ہے منسوخ نہیں۔

اعتراض: اس پر یہ اعتراض بھی کیا جاتا ہے کہ یہ حدیث نقد اور ادھار والی بیع کے متعلق نہیں۔ یہ حدیث صرف تین صورتوں کے متعلق ہے:

① یہ حدیث بیع عینہ کے متعلقہ ہے بیع عینہ کا مطلب یہ ہے کہ ایک سال کی مہلت تک کوئی چیز لاکھ روپے کی بیچ دی۔ کچھ وقت گزرنے کے بعد سال سے پہلے بیچنے والا مشتری سے وہی چیز ۷۵۰۰۰ کی خرید لیتا ہے۔ اب یہ چیز بھی اس کو واپس مل گئی اور ۲۵۰۰۰ روپے بھی ساتھ مل گئے۔ اس صورت سے رسول اللہ ﷺ نے منع کیا ہے۔ « فَلَهٗ أَوْكَسُهُمَا أَوِ الرِّبَا» میں یہ مذکورہ حدیث آتی ہے کیونکہ ایک چیز پہلے لاکھ کی فروخت ہوئی پھر دوبارہ ۷۵۰۰۰ کی فروخت

ہوئی۔ لہٰذا اب دونوں اگر ۷۵۰۰۰ پر راضی ہو جائیں تو ٹھیک ہے اور اگر لاکھ روپے کی بات کریں گے تو ۲۵۰۰۰ سود بن جائے گا۔

② دوسری صورت اس کی یہ ہے کہ بیچنے والا خریدنے والے پر کوئی شرط لگا دے کہ یہ چیز تجھے لاکھ کی تب فروخت کروں گا اگر تم مجھے اپنی فلاں چیز ۵۰۰۰۰ کی فروخت کرو گے یہ صورت منع ہے۔

③ ایک آدمی نے ایک چیز لاکھ کی فروخت کی ہے اور اس کی رقم مہینہ بعد وصول کرنی ہے یہاں تک یہ بیع ٹھیک ہے اب مہینہ کے بعد خریدنے والے کے پاس رقم نہیں بنتی تو وہ بیچنے والے کو کہتا ہے مجھے ایک ماہ کی اور مہلت دو تو بیچنے والا کہتا ہے اب میں لاکھ کی بجائے سوا لاکھ لوں گا۔

اعتراض کرنے والے کے لیے اس حدیث میں مذکورہ صرف تین صورتیں ہی آتی ہیں اس کے علاوہ کوئی بیع کی صورت اس حدیث میں نہیں آتی۔ نقد لاکھ کی اور ادھار سوا لاکھ کی یہ بیع مذکورہ حدیث سے منع نہیں ہوتی۔

جواب: رسول اللہ ﷺ کے الفاظ ہیں:

« مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ فَلَهُ أَوْ كَسُهُمَا أَوِ الرِّبَا »

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے تین صورتوں کی کوئی تحدید نہیں کی۔ حصر والی کوئی بات اس میں نہیں۔ ادوات، حصر میں سے اِنَّما۔ نفی اور استثناء والی صورت اس میں کوئی نہیں۔

اور جو تین صورتیں پیش کی گئی ہیں ان میں سے دو صورتیں اس حدیث کا مصداق نہیں بنتی۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:« مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ » جس سے پتہ چلتا ہے کہ بائع ایک ہے جبکہ بیع عینہ میں بائع دو بن جاتے ہیں پہلے ایک بائع بیچتا ہے

دوسرا خریدتا ہے پھر دوبارہ جو بائع تھا وہ مشتری بن گیا ہے اور جو مشتری تھا وہ بائع بن گیا۔

دوسری صورت میں بھی بائع بدل جاتا ہے بائع ایک نہیں رہتا کیونکہ بائع اس سے شرط لگاتا ہے تو نے مجھے اپنی چیز فروخت کرنی ہے پھر میں یہ چیز تجھے اتنے کی دوں گا اس میں دونوں بائع اور دونوں مشتری بنتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ ''مَنْ بَاعَ'' فرمارہے ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ بائع ایک ہی رہتا ہے۔

یہ دونوں صورتیں حرام اور ناجائز ہیں لیکن مذکورہ حدیث کے مصداق میں نہیں آتی۔

سماک بن حرب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: «مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِيْ بَيْعَةٍ» کا مطلب یہ ہے کہ نقد دس کی اور ادھار پندرہ کی یا بیس کی۔ عطاء بن ابی الرباح بھی اس صورت کو اس میں شامل کرتے ہیں۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس کی کئی صورتیں بیان کی ہیں ان میں نقد اور ادھار والی بیع کو شامل کیا ہے۔

قسطوں والی بیع کے حرام ہونے کی ایک آسان مثال:

کوئی آدمی ایک چیز لاکھ کی فروخت کرتا ہے ایک مہینہ کے ادھار پر۔ مہینے بعد خریدنے والا کہتا ہے مجھ سے پیسے نہیں بن سکے تو اب بائع کہتا ہے میں اگلے مہینے سوا لاکھ لوں گا اس کو سب حرام اور ناجائز کہتے ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہاں ۲۵۰۰۰ روپے آئندہ مہینے جو وہ لے گا وہ حرام اور ناجائز کیوں ہیں اس کا سبب کیا ہے؟ اسی وجہ سے حرام ہے کہ وہ اس سے ایک مہینہ مہلت کے پیسے لے رہا ہے اگر مہینہ بعد پیسے لے تو حرام اور اگر مہینہ پہلے مہلت کے پیسے لے تو پھر کیوں حرام نہیں۔ اس پر ہی غور کرلو۔ تب بھی یہ حرام اور ناجائز ہی بنتا ہے۔

حالانکہ مہینہ بعد جو اس سے رقم وصول کر رہا ہے وہاں اس کے پاس بہانہ بھی

موجود ہے کہ اب چیزوں کی رقم بڑھ چکی ہے لہٰذا میں ۲۵۰۰۰ زائد لوں گا اور شروع ہی سے جو یہ بات کہہ رہا ہے کہ نقد لاکھ کی اور ادھار سوا لاکھ کی اس کے پاس تو بہانہ بھی کوئی موجود نہیں۔ جب وہ حرام ہے اور ناجائز ہے تو یہ بالاولیٰ حرام اور ناجائز ہے۔

اعتراض: کئی علماء کہتے ہیں نقد دس کی اور ادھار پندرہ کی یہ بیع تب منع ہے جب اس میں جہالت ہو۔ یعنی پتہ نہ چلے کہ اس نے نقد خریدی ہے یا ادھار خریدی ہے اگر وہ متعین کرلے کہ میں نے یہ نقد دس کی خریدی ہے پھر ٹھیک ہے یا میں نے ادھار پندرہ کی خریدی ہے تب بھی ٹھیک ہے کیونکہ دو بیعیں نہیں ہوں گی بلکہ ایک ہی بیع ہوگی کیونکہ اب بات مبہم نہیں رہی۔

جواب: اگر رسول اللہ ﷺ کی حدیث پر غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ اس بیع کے حرام ہونے کا سبب سود ہے۔ قیمت کی جہالت یہاں سبب نہیں۔ اگرچہ یہ مسئلہ ٹھیک ہے کہ اگر قیمت مجہول ہو تو وہ بیع درست نہیں ہوتی۔ لیکن یہاں سبب قیمت کی جہالت نہیں بلکہ خود رسول اللہ ﷺ نے اس میں حرام ہونے کا سبب سود بیان کیا ہے۔(فَلَهُ أَوْكَسُهُمَا أَوِ الرِّبَاء)

قسطوں والی بیع کے متعلق چند شبہات کا ازالہ:

شبہ(۱) : اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے:

﴿ وَ أَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا ﴾

اللہ تعالیٰ نے بیع خرید و فروخت کو حلال قرار دیا ہے اور قید کوئی نہیں لگائی کہ فلاں بیع حرام ہے اور فلاں حلال ہے قسطوں والی بھی بیع ہے لہٰذا وہ حلال اور جائز ہے۔

جواب: مذکورہ آیت سے جس طرح مسئلہ نکالا گیا ہے یہ کوئی علم اور دین کی

خدمت نہیں۔ اگر کوئی آدمی خنزیر کی بیع کرے اور اس کے حلال ہونے کی دلیل یہ پیش کرے اللہ نے بیع حلال قرار دی ہے اور قید کوئی نہیں لگائی لہٰذا خنزیر کی بیع حلال ہے اسی طرح خمر وشراب کی بیع بھی حلال ہے۔ کیا اس کا استدلال صحیح ہوگا؟ اس کا استدلال غلط ہوگا اس طرح تو ہر چیز کی بیع درست ہوگی۔ مردار کی بیع، بتوں کی بیع، ہر چیز کی بیع حلال ہو جائے گی کوئی بیع بھی حرام نہیں ہوگی۔

جس جس بیع کو شریعت نے حرام قرار دیا ہے وہ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ کے زمرے میں نہیں آتی لہٰذا قسطوں والی بیع جس میں نقد اور ادھار کا فرق ہو کہ ادھار میں زیادہ لیا جائے وہ سود اور حرام ہوگی۔

سودی لوگ اسی قسم کے دلائل پیش کر کے اپنے آپ کو تسلیاں دیتے ہیں۔ کبھی کہیں گے، دوکاندار بھی تو دس کی چیز کے گیارہ روپے لیتا ہے اگر ہم نے لے لیے تو کیا ہو گیا یعنی بیع بھی سود کی طرح ہے۔ ایسے لوگوں سے پوچھنا چاہیے کہ اگر کوئی خنزیر کو حلال قرار دے اور دلیل یہ پیش کرے کہ خنزیر بھی گائے ہی کی طرح ہے۔ تو کیا خنزیر حلال ہو جائے گا۔ ایسے لوگوں کو اپنے دماغ اور حواس کا علاج کروانا چاہیے یہ مجوسیوں کا ذہن ہے وہ جو اباحی ذہن کے مالک ہے۔ بیوی بھی عورت ہے ماں بھی عورت ہے بہن بھی عورت ہے جس سے مرضی نکاح کر لو۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

شبہ(۲) : اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

﴿ وَلَا تَأْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ بَيْنَكُمْ ﴾

”اپنے مال حرام اور باطل طریقے سے نہ کھاؤ مگر یہ کہ تمہاری آپس کی رضامندی سے تجارت ہو تو ٹھیک“

قسطوں والی بیع بھی آپس آپ کی رضامندی سے ہوتی ہے۔لہٰذا یہ بھی جائز اور ٹھیک ہے۔

جواب: اگر رضامندی سے کوئی چیز حلال ہو جائے پھر تو برائی اور بے حیائی بھی حلال اور جائز ہو جائے گی۔کیونکہ بے حیائی کرنے والا اور کرنے والی آپس میں راضی ہوتے ہیں۔کیا خیال ہے پھر بدکاری بھی حلال ہے؟ خنزیر کی بیع خمر وشراب کی بیع اگر آپس کی رضامندی سے ہو تو کیا یہ حلال ہو جائے گی؟

اسلام نے جس کو حرام کیا ہے اس کو آپس کی رضامندی حلال نہیں کر سکتی۔رضامندی کی شرط حلال تجارت میں ہے۔کوئی چیز حلال ہو پھر اس کو فروخت کرتے وقت بائع اور مشتری کی رضامندی ہو تو تجارت صحیح ہوگی ورنہ نہیں۔

لہٰذا قسطوں والی بیع جس میں قسطوں کی وجہ سے مہلت کی وجہ سے پیسے بڑھائے جائیں وہ حرام ہے بائع اور مشتری کی آپس میں رضامندی ہو تب بھی حرام ہے۔رضامندی نہ ہو تب بھی حرام ہے۔

خنزیر کی بیع خمر وشراب کی بیع حرام ہے اس میں بائع اور مشتری راضی ہوں تب بھی حرام ہے راضی نہ ہو تب بھی حرام ہے۔

شبہ (۴): اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے۔

﴿مَا جَعَلَ لَكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ﴾

اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے دین میں کوئی حرج نہیں رکھا، دین میں کوئی تنگی نہیں۔لہٰذا جو آدمی مجبور ہو اس کے پاس نقد پیسے نہ ہو تو وہ قسطوں پر چیز خرید لے اگرچہ کچھ پیسے اسے زائد دینے پڑیں۔اس میں اس کے لیے آسانی ہے اور اللہ تعالیٰ نے تنگی پیدا نہیں کی۔

جواب: یہ بھی پہلے شبے کی طرح شبہ ہے اس طرح تو دین میں کوئی چیز بھی حرام نہیں رہے گی، جس مرضی چیز میں مجبوری کا حوالہ دے کر حلال کر لیا۔

شراب پی کر کہا میری مجبوری تھی مجھے اس کے بغیر سکون نہیں ملتا اسی طرح بدکاری کے متعلق کہہ دیا کہ عورت مجھے مجبور کرتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے دین میں تنگی نہیں رکھی اس کا مطلب یہ نہیں کہ اب حرام کو حلال کر دیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو احکام بیان کیے ہیں یہ مشقت ڈالنے کے لیے نہیں بلکہ آسانی پیدا کرنے کے لیے ہیں جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے ان میں تنگی ہے جس کو حلال قرار دیا ہے ان میں آسانی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دین میں کوئی تنگی رکھی ہی نہیں۔

شبہ (۴): قسطوں والی بیع سے آدمی سود سے بچ جاتا ہے اگر ہمیں قسطوں پر چیز نہ ملی تو پھر ہم سود لے کر اپنی ضروریات پوری کریں گے۔

جواب: آدمی کو سوچ کر بات کرنی چاہیے سود سے بچنے کے لیے قسطوں والی بیع کرنے سے کیا آدمی سود سے بچ جاتا ہے؟ جبکہ قسطوں والی بیع بذات خود سودی کاروباری ہے اور پھر یہ کوئی ضروری ہے کہ آدمی نقد چیز نہ لے سکتا ہو تو وہ سود ہی لے۔ سود کے علاوہ بھی اسے پیسے مل سکتے ہیں آدمی متقی بنے اللہ کئی اسباب مہیا کر دیتے ہیں۔ ﴿مَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَ يَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾

((...... ✿ ✿ ✿ ......))

خطبہ مسنونہ

إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَ نَسْتَعِينُهُ وَ نَسْتَغْفِرُهُ وَ نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَ مَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَ أَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَ رَسُوْلُهُ:

﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ ءَامَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَ لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴾ ❶

﴿ يٰاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّ نِسَآءً وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ﴾ ❷

﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ ءَامَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴾ ❸

أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ وَ خَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ وَ شَرَّ الْأُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَ كُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَ كُلَّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ ❹

---

❶ آل عمران:۳/۱۰۲، ❷ النساء:٤/١، ❸ الاحزاب:۳۳/۷۰، ۷۱

❹ صحیح مسلم، کتاب الجمعة، باب خطبته ﷺ فی الجمعة:٦/١٥٣۔

خِطبہ (منگنی)

اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ قَالَ اللّٰہُ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰی فِی الْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ وَالْفُرقَانِ الْحَمِیْدِ﴿ وَ لَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ فِیْمَا عَرَّضْتُمْ مِنْ خِطْبَۃِ النِّسَاءِ اَوْ اَکْنَنْتُمْ فِیْ اَنْفُسِکُمْ عَلِمَ اللّٰہُ اَنَّکُمْ سَتَذْکُرُوْنَھُنَّ وَ لٰکِنْ لَّا تُوَاعِدُوْھُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَۃَ النِّکَاحِ حَتّٰی یَبْلُغَ الْکِتٰبُ اَجَلَہٗ وَ اعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ مَا فِیْ اَنْفُسِکُمْ فَاحْذَرُوْہُ وَ اعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ ﴾(البقرۃ: ۲۳۵)

"اگر تم کنائے کی باتوں میں عورتوں کو نکاح کا پیغام بھیجو یا (نکاح کی خواہش کو) اپنے دلوں میں مخفی رکھو تو تم پر کچھ گناہ نہیں، خدا کو معلوم ہے کہ تم ان سے (نکاح کا) ذکر کرو گے مگر (ایام عدت میں) اس کے سوا کہ دستور کے مطابق کوئی بات کہہ دو پوشیدہ طور پر ان سے قول وقرار نہ کرنا اور جب تک عدت پوری نہ ہو لے نکاح کا پختہ ارادہ نہ کرنا اور جان رکھو کہ جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے خدا کو سب معلوم ہے تو اس سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ خدا بخشنے والا (اور) حلم والا ہے۔"

منگنی کے لیے استعمال ہونے والی عربی الفاظ:

موضوع ہے خِطبہ "خ" کے زیر سے منگنی۔ دوسرا لفظ ہے خُطبہ "خ" کے پیش سے۔ خطبہ معروف ومشہور لفظ ہے۔ جمعہ کے دن خطبہ ہوتا ہے۔ آگے پیچھے بھی خطابات ہوتے ہیں۔ ہمارا موضوع ہے۔ خِطبة ۔ خَطَبَ یَخْطُبُ کا مصدر ہے،

اس باب سے خِطبة اور خُطبة دونوں مصدر آتے ہیں۔ لیکن آج کی فرصت میں خُطبة زیر بحث نہیں، خِطبة زیر بحث ہے۔ خِطبة کے معنی میں دو مصدر اور آتے ہیں۔ خَطْبٌ اور خِطِّيبًا ۔ خَطَبَ يَخْطُبُ خَطْبًا وَ خِطْبَةً وَ خِطِّيبًا۔ ہماری زبان میں اس کا معنی ہے منگنی ۔ منگنی کرنا یا منگنی کا پیغام بھیجنا۔ منگنی کرنے والے کو ہماری زبان میں منگیتر کہا جاتا ہے۔ عربی زبان میں اس کے لیے پانچ الفاظ ہیں۔

① خاطب۔ خِطبہ کرنے والا۔

② خطیب۔ خِطبہ سے خُطبہ سے نہیں۔

③ خِطْب۔ ④ خُطُب۔ ⑤ خِطِّيبٌ

اور جس عورت کی منگنی ہوتی ہے اس کو بھی ہماری زبان میں منگیتر کہتے ہیں اور فرق ان میں میرا اور میری کا ہوتا ہے ۔ میرا منگیتر، میری منگیتر۔ جس عورت کی منگنی ہو رہی ہو اس کے لیے بھی عربی زبان میں پانچ الفاظ استعمال ہوتے ہیں:

❶ خِطْبٌ۔ ❷ خِطْبَةٌ

❸ خِطِّيبَى الف مقصوری ہے۔

❹ خِطِّيبَةٌ ❺ خَطِيبَةٌ

منگنی کا طریقہ اسلام سے پہلے بھی تھا:

قبل از اسلام اور بعد از اسلام آج تک منگنی کا طریقہ چلا آرہا ہے اور یہ بہترین طریقہ سمجھا جاتا ہے۔ صحیح بخاری میں ہے: ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جس آدمی نے کسی عورت سے نکاح کرنا ہوتا وہ آدمی خود یا اس کا کوئی قریبی رشتہ دار لڑکی کے ولی سے بات کرتا۔ (باپ، چچا، بھائی دادا، وغیرہ سے) پھر وہ ولی اس عورت سے صلاح مشورہ کرکے ہاں یا نہیں میں جواب

دیتا۔ہاں کہتا تو منگنی ہو جاتی اور اگر نہ کہتا تو اس کا ارادہ ختم ہو جاتا۔ پھر وہ اور کوئی رشتہ تلاش کرتا۔ یہ منگنی کا زبانی کلامی طریقہ تھا۔ اور جب منگنی ہو جاتی تو پھر وہ ولی جلدی ہی نکاح کر دیتا یا کسی وقت وہ لیٹ بھی کر دیتا یہ منگنی اور نکاح کا بہترین طریقہ تھا۔ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جب اسلام آ گیا تو اس کے سوا جتنے نکاح تھے سب ختم ہو گئے ۔ نکاح متعہ ۔ نکاح حلالہ ،نکاح شغار ،نکاح استبضاع، ولی کے بغیر جتنے نکاح ہیں۔ اسلام سب ختم ہو گئے ۔صرف ایک نکاح باقی رکھا وہ اب تک باقی ہے اور قیامت تک اس نے باقی رہنا ہے۔ ❶ یہ جائز اور حلال طریقہ ہے۔

عورت کا ولی پیش کش کرسکتا ہے:

یہ طریقہ بھی جائز اور درست ہے کہ عورت کا ولی خود پیش کش کر دے کئی لوگ اس کو حرام اور ناجائز سمجھتے ہیں بہت برا سمجھتے ہیں کیا میں اپنی لڑکی اور اپنی ہمشیرہ کی بات کروں۔ یہ تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا یہ ورقہ ہی پھاڑ دو۔ دراصل ان کے فہم کا ورقہ پھٹ گیا ہے۔اس لیے ایسی باتیں کرتے ہیں۔

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میری بیٹی حفصہ کا خاوند خنیس بن حذافہ السہمی غزوۂ احد میں شہید ہو گیا تھا۔ عدت گزرنے کے بعد میں نے عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میری بیٹی حفصہ رضی اللہ عنہا بیوہ ہو گئی ہے۔ چاہتے ہو تو آپ رضی اللہ عنہ سے نکاح کر دوں۔ عثمان نے اسی وقت فوراً جواب دیا۔ «لَا حَاجَةَ لِيَ الْيَوْمَ فِي النِّسَاءِ» آج کل مجھے عورت کی ضرورت نہیں۔ صاف جواب دے دیا۔عمر رضی اللہ عنہ

❶ صحیح بخاری کتاب النکاح باب من قال لا نکاح الا بولی۔ ابوداود ، باب وجوه النکاح۔

،ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ملے ان سے بات کی کہ آپ چاہیں تو میں اپنی بیٹی حفصہ کا نکاح آپ سے کردوں۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے نہ ہاں کی نہ انکار کیا۔ عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں مجھے دل میں بڑی رنجش ہوئی کہ نہ انکار کیا ہے اور نہ اقرار کیا ہے کوئی صاف جواب نہیں دیا۔ کچھ دن ہی گزرے تھے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا سے شادی کا پیغام آ گیا۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اور کیا چاہیے تھا۔ جو عثمان اور ابوبکر رضی اللہ عنہما کو داماد بنانے کے خواہشمند تھے ان کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم داماد مل گئے کیا ان سے بہتر کوئی داماد ہو سکتا ہے؟ عمر رضی اللہ عنہ نے بات قبول کر لی۔ پھر کچھ دنوں کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ ملے کہنے لگے اے عمر! آپ کو دل میں رنجش ضرور ہوگی کہ میں نے آپ کو جواب کوئی نہیں دیا تھا۔ عمر کہنے لگے ہاں مجھے دکھ تو بہت پہنچا تھا۔ وہ فرمانے لگے: میں خاموش اس وجہ سے رہا تھا کہ ایک دن میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا آپ حفصہ کا ذکر کر رہے تھے اور میں نے سمجھ لیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حفصہ سے نکاح کا ارادہ ہے۔ اس لیے میں نے آپ کو کوئی جواب نہیں دیا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش مقدم ہے۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حفصہ سے نکاح نہ کرتے پھر میں آپ کی بات تسلیم کر کے حفصہ سے نکاح کر لیتا۔ ❶

گزارش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ لڑکی کا ولی اپنی لڑکی کی بات چیت کسی سے کر سکتا ہے اس میں عار والی بات کوئی نہیں۔ اور اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ آدمی اپنے لیے لڑکی کے ولی کو پیغام بھیج سکتا ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے نکاح کا پیغام عمر بن خطاب کو بھیجا ہے۔ لڑکے کا اور کوئی رشتے دار بھی کر سکتا ہے اور لڑکا خود بھی کر

❶ صحیح بخاری کتاب البخاری، باب شهد الملائكة بدرًا، حدیث: ٤٥٥٥۔

سکتا ہے اس میں عیب والی کوئی بات نہیں۔

لڑکی خود بھی اپنے آپ کو پیش کر سکتی ہے:

لڑکی خود بھی اپنے آپ کو نکاح کے لیے پیش کر سکتی ہے اس میں عیب والی کوئی بات نہیں۔ لیکن ہمارے معاشرے میں اس کو بہت ہی معیوب سمجھا جاتا ہے۔ لڑکی کسی سے بے حیائی برائی، بدکاری کرتی ہے اس کو کوئی کچھ نہیں کہے گا۔ لیکن اگر کوئی لڑکی اپنے متعلق نکاح کی بات کرے تو شور برپا ہو جاتا ہے کہ یہ خود ہی بول پڑی ہے، خود بولنا کوئی عیب نہیں ہے۔ گھر والے ہی اگر اس کو کنویں میں پھینک رہے ہوں تو پھر وہ لڑکی کہاں جائے۔ کئی دفعہ حالات ہی ایسے پیدا ہو جاتے ہیں کہ لڑکی کو بولنا پڑتا ہے بولنے کے بغیر اس کا چارہ بھی نہیں ہوتا۔ جب وہ لڑکی دیکھتی ہے کہ مجھے ضائع کر رہے ہیں تو وہ بولے نہ تو اور کیا کرے۔ اور کچھ لڑکیاں اپنے کسی رشتہ دار کے ذریعے بات کہلوا دیتی ہیں۔ ٹھیک ہے یہ بھی بہترین طریقہ ہے اور اگر اس طرح بھی بات نہ بنے تو وہ اپنی بات پیش کر سکتی ہے اس میں عیب والی کوئی بات نہیں۔

انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک عورت آئی وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہنے لگی، میں اپنی ذات کو آپ کے لیے ہبہ کرتی ہوں۔ مقصد یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے نکاح کر لیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کوئی جواب نہ دیا خاموش رہے ایک اور آدمی پاس بیٹھا ہوا تھا کہنے لگا اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح کا پروگرام نہیں تو اس عورت کا مجھ سے نکاح کر دو۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو مہر کے لیے کوئی چیز لے آ۔ وہ کہنے لگا میرے پاس کوئی چیز نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوہے کی انگوٹھی ہی کہیں سے تلاش کر کے لے آ۔ وہ کہنے لگا میرے پاس لوہے کی انگوٹھی بھی نہیں۔ روپیہ پیسہ بھی میرے پاس نہیں کہاں سے لاؤں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تجھے قرآن مجید یاد ہے کہنے لگا جی ہاں مجھے فلاں فلاں سورۃ

یاد ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا پھر اس کو یہ سورتیں یاد کرا دینا اس کے عوض میں ہم تیرا اس سے نکاح کر دیتے ہیں۔ انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میری بیٹی کہنے لگی۔ دیکھو یہ عورت کتنی بے حیاء ہے کہ اپنے آپ کو خود ہی پیش کر رہی ہے۔ انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے اپنی بیٹی کو کہا کہ تجھ سے اچھی ہے اس نے اپنے آپ کو رسول کریم ﷺ پر پیش کیا ہے۔ ❶

نیک رشتہ تلاش کرنا:

آدمی کو دین مقدم رکھنا چاہیے خواہ عورت خود اپنے آپ کو پیش کر رہی ہو یا اس کا ولی کر رہا ہو۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے باب منعقد کیا ہے کہ جو آدمی جس عورت کا ولی ہے وہ نیک اور صالح آدمی کا انتخاب کرے خاوند تلاش کرنا ہے تو نیک، بیوی تلاش کرنی ہے تو نیک۔ منگنی نیک سے کرنی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« تُنْكَحُ الْمَرْاَءَةُ لِاَرْبَعٍ »

"عورت سے نکاح کرتے وقت چار چیزوں کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔

① « لِمَالِهَا » اس کے مال کی وجہ سے۔ کچھ لوگ تو مال سامنے رکھتے ہیں کہ جس عورت سے میری شادی ہونی ہے وہ مال دار ہو۔

② « وَ لِجَمَالِهَا » خوبصورتی کی وجہ سے۔ کچھ لوگ خوبصورتی سامنے رکھتے ہیں کہ جس عورت سے میرا نکاح ہو وہ خوبصورت ہو۔

③ « وَ لِحَسَبِهَا » خاندان کی وجہ سے کہ جس عورت سے میرا نکاح ہو وہ خاندانی، اونچے حسب نسب والی ہو۔ کسی کمین کی بیٹی نہ ہو۔ میراثی کی بیٹی نہ ہو اونچے خاندان کی صاحبزادی ہو۔

---

❶ صحیح بخاری کتاب النکاح، باب عرض المرأة نفسها علی الرجل الصالح، حدیث ۵۱۲۰۔۵۰۷۸۔

④ «وَلِدِيْنِهَا» دین کی وجہ سے۔ کچھ لوگ دین کو سامنے رکھتے ہیں کہ مالی حالت اس کی جیسی بھی ہو، بدنی حالت جیسی بھی ہو، حسب نسب جیسا بھی ہو بس دیندار ضروری ہو۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: «فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّيْنِ، تَرِبَتْ يَدَاكَ» تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں، دین والی عورت کے ساتھ نکاح کرنے میں کامیاب ہو۔ ❶

نیک عورت:

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: دنیا کے تمام سازوسامان سے بہتر نیک عورت ہے۔ ❷ نیک عورت کی خوبی اور صفت یہ ہے کہ جب خاوند اس کی طرف دیکھے تو اس کو خوش کردے اور جب اس کو کسی کام کا حکم دے، بشرطیکہ شرع کے خلاف نہ ہو تو وہ اس کی فوراً تابعداری کرے۔ ❸

﴿فَالصَّالِحَاتُ قَانِتَاتٌ حَافِظَاتٌ لِلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ﴾

(نساء: ٣٤)

نیک عورتیں کون ہیں؟ فرمانبرداری کرنے والیاں، اللہ کی فرمانبرداری، رسول کریم ﷺ کی فرمانبرداری، اور اپنے میاں کی فرمانبرداری کرنے والیاں، اور اپنی عزت کی حفاظت کرنے والیاں، خاوند کی عزت کی حفاظت کرنے والیاں۔ اپنے مال اور خاوند کے مال کی حفاظت کرنے والیاں۔ یہ نیک عورتیں ہیں اور جن کو اپنی عزت کی بھی کوئی پرواہ نہیں، خاوند کی عزت کی بھی کوئی پرواہ نہیں اور نہ مال کی حفاظت کی پرواہ ہے۔ یہ نیک عورتیں نہیں تو رسول اللہ ﷺ فرما رہے ہیں کہ « فَاظْفَرْ بِذَاتِ

❶ صحيح بخاري، كتاب النكاح، باب الأكفاء في الدين، حديث: ٥٠٩٠۔

❷ صحيح مسلم كتاب الرضاع، باب خير متاع الدنيا، حديث: ١٤٦٧۔

❸ ابن ماجة، كتاب النكاح، باب افضل النساء، حديث: ١٨٥٧۔

الدِّیْنَ » دین والی عورت سے نکاح کر کے کامیاب ہو جاؤ۔

شوہر بھی نیک ہو:

بی بی بھی نیک ہو اور آدمی بھی نیک ہو۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ عورت تو نیک ہو لیکن آدمی بد ہو۔ بعض دفعہ لڑکی کا باپ دنیا کا مال دیکھ کر نیک بیٹی کا رشتہ دنیا دار آدمی سے کر دیتا ہے ایسے باپ کو سوچنا چاہیے کہ بیٹی تو اس کی عالمہ فاضلہ ہے اور اس کو شوہر کیسا لا کر دے رہا ہے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ آدمی اس سے آہستہ آہستہ دین کے سب کام چھڑا دیتا ہے اور وہ ساری عمر پریشانی میں گزار دیتی ہے۔

ابوطلحہ ابھی کافر تھے کہ انھوں نے ام سلیم کو منگنی کا پیغام بھیجا ام سلیم نے کہا اللہ کی قسم! آپ جیسے آدمی کو انکار نہیں ہو سکتا لیکن تم کافر آدمی ہو میں آپ سے شادی نہیں کر سکتی اگر آپ مسلمان ہو جائیں تو وہی میرا حق مہر ہو گا ابوطلحہ مسلمان ہو گئے اور ان کا اسلام قبول کرنا ہی ام سلیم کا حق مہر ہوا۔ ❶

گزارش کرنے کا مقصد یہ تھا کہ لڑکے اور لڑکی کے خویش و اقارب نیک رشتہ تلاش کریں اگر ایسا نہ کریں گے تو پھر معاشرے میں فساد بپا ہو گا کیونکہ میاں بیوی معاشرے کی جڑ اور بنیاد کی حیثیت ہوتے ہیں ان سے پھر آگے سارا سلسلہ چلتا ہے۔ بچوں نے سب سے پہلے تربیت یہی سے حاصل کرنی ہے۔ سکول یا مدرسے بعد میں جائیں گے۔ اگر ماں باپ نیک ہوں گے تو ان کی تربیت اچھی ہوگی اور وہ معاشرے کے اچھے اور صالح ارکان بنیں گے۔ اور اگر ماں باپ ہی نیک نہ ہو تو پھر انہوں نے تربیت کیا کرنی ہے۔ اولاد کا جہاں دل چاہے گا جائے گی۔ جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے۔ بالخصوص لڑکی کے سرپرست حضرات کو چاہیے کہ اس کا رشتہ اچھی جگہ کریں کیونکہ

❶ نسائی، کتاب النکاح، باب التزویج علی الاسلام، حدیث: ۳۳۴۱۔

لڑکی خود اپنا نکاح نہیں کر سکتی۔ انتخاب تو کر سکتی ہے لیکن نکاح نہیں کر سکتی۔ ولی کے بغیر اس کا نکاح نہیں ہو سکتا۔ اور لڑکے کے سرپرست بھی اس کا اچھا اور نیک رشتہ تلاش کریں۔ لڑکا اگرچہ اپنا نکاح خود کر سکتا ہے لیکن ماں باپ کو خوش رکھنا اور ان کی اجازت حاصل کرنا ان کے جذبات کا خیال رکھنا ان کا حق ہے۔

کسی کی منگنی میں دخل اندازی کرنا:

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لَا يَبِيعُ الرَّجُلُ عَلٰى بَيْعِ اَخِيهِ وَ لَا يَخْطُبُ عَلٰى خِطْبَةِ أَخِيهِ» [1]

تم میں سے کوئی بھی اپنے بھائی کی بیع پر بیع نہ کرے۔ اگر کسی آدمی نے کوئی چیز فروخت کردی ہے تو دوسرا آدمی اس سودے کو خراب کرنے کی کوشش نہ کرے، ایسا کرنا حرام اور ناجائز ہے کیونکہ بات چیت مکمل ہو جائے مجلس ختم ہو جائے تو پھر کوئی آدمی اس میں دخل اندازی نہیں کر سکتا۔ مثلاً کسی آدمی نے کوئی چیز ہزار کی فروخت کردی۔ بعد میں کوئی آدمی اسے کہے مجھے یہ چیز دے دو میں آپ کو اس کے ڈیڑھ ہزار (۱۵۰۰) دیتا ہوں۔ ایسا کرنا ناجائز ہے اور فروخت کرنے والا اگر پہلے سے روک کر دوسرے کو دے گا تو وہ بھی حرام اور ناجائز لے گا۔ اور اگر وہ یہ سمجھے کہ شاید مجھے نقصان ہو رہا ہے تو اسے یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ اسے نقصان کوئی نہیں ہو رہا۔ کیونکہ اس نے پہلے آدمی کو نفع پر ہی چیز فروخت کی ہے لہٰذا اب اسے چاہیے کہ اپنی بات پر پکا رہے اور اسے کہے کہ تم مجھے ۱۵۰۰ کی بجائے ۱۵۰۰۰ بھی دو تو میں تب بھی آپ کو فروخت نہیں کر سکتا کیونکہ میں نے اسے فروخت کردی ہے۔

دوسرا فرمان آپ کا یہ ہے کہ کوئی آدمی اپنے بھائی کی منگنی پر منگنی نہ کرے۔ دونوں

---

[1] صحیح بخاری، کتاب البیوع، حدیث: ۲۱٤۵۔

گھروں کا معاملہ طے ہو جائے منگنی ہو جائے پھر کوئی آدمی اس میں دخل اندازی نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی تیسرا آدمی اس میں دخل اندازی کی کوشش کرے بھی تو ان دونوں گھر والوں کو چاہیے کہ اب پکے رہیں۔ اور تیسرے کی بات کی طرف کوئی توجہ نہ کریں۔ البتہ اگر اور کسی سبب سے منگنی ختم کرنے کی ضرورت پیش آجائے تو وہ الگ مسئلہ ہے صرف تیسرے آدمی کے دخل اندازی سے منگنی ختم نہیں کرنی چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

« حَتّٰى يَتْرُكَ الْخَاطِبُ أَوْ يَأْذَنَ لَهُ الْخَاطِبُ » ❶

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کس طرح آپ کی بات پر استقامت اختیار کی کہ آپ ﷺ نے حفصہ کا ابھی صرف ذکر ہی کیا تھا تو ابوبکر نے حفصہ سے شادی کرنے کا ارادہ ہی نہیں کیا کیونکہ ان کو نبی ﷺ کے رجحان کا علم ہو چکا تھا۔

حالت احرام میں منگنی کرنا:

« لَا يَنْكِحُ الْمُحْرِمُ وَلَا يُنْكِحُ وَلَا يَخْطُبُ » ❷

”محرم (جس نے عمرہ یا حج کا احرام باندھا ہے) وہ نہ اپنا نکاح کرے اور نہ نکاح کروائے۔ اور نہ اپنی منگنی کرے اور نہ منگنی کروائے۔“

یعنی نکاح والے مسئلے میں بالکل نہ آئے حتی کہ منگنی تک بھی نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمَاتٌ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ﴾ (البقرة:١٩٧)

”حج کے مہینے متعین ہیں جو شخص ان مہینوں میں حج فرض کر لے تو وہ نہ

---

❶ صحیح بخاری، کتاب النکاح، حدیث:٥١٤٢۔

❷ صحیح مسلم، کتاب النکاح، تحریم النکاح المحرم، حدیث:١٤٥٩۔

رفث کرے نہ فسوق کرے اور نہ لڑائی جھگڑا کرے۔"

رفث ، کا مطلب مفسرین نے یہ بیان کیا ہے کہ جو عورتوں کے متعلقہ امور ہیں ان میں بالکل نہ آئے۔

کچھ روایات میں ہے کہ میمونہ رضی اللہ عنہا کا نکاح نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حالت احرام میں ہوا تھا۔ یہ کسی راوی کو غلطی لگی ہے۔ میمونہ رضی اللہ عنہا خود فرماتی ہیں جب میرا نکاح ہوا تھا اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم محرم نہیں تھے۔ ابو رافع جو نکاح کرانے والے تھے ان کا بھی یہی بیان ہے کہ آپ کا نکاح جب میمونہ رضی اللہ عنہا سے ہوا ہے اس وقت آپ حالت احرام میں نہیں تھے۔

دوران عدت بیوہ سے منگنی کرنا:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُم بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْنَنتُمْ فِي أَنفُسِكُمْ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ سَتَذْكُرُونَهُنَّ ﴾

(البقرۃ: ۲۳۵)

"(جن عورتوں کے شوہر فوت ہو چکے ہیں) ایسی بیواؤں کو اگر تم اشارتاً پیغام نکاح دے دو یا یہ بات اپنے دل میں چھپائے رکھو دونوں صورتوں میں تم پر کوئی گناہ نہیں۔"

واضح الفاظ میں پیغام دینا جائز نہیں۔ مثلاً اسے یوں کہہ سکتے ہو کہ میرا بھی کہیں نکاح کرنے کا ارادہ ہے یا اسے یوں کہہ دے کہ ابھی تم جوان ہو۔ یعنی دوران عدت بیوہ کو واضح الفاظ میں منگنی کا پیغام نہیں دے سکتے۔

بیوہ کی عدت چار ماہ دس دن ہے اور اگر وہ حاملہ ہو تو پھر وضع حمل۔ آگے اللہ

تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَ لٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا ﴾ ''دورانِ عدت بیوہ سے کوئی خفیہ وعدہ بھی نہیں کر سکتے کہ عدت گزرنے کے بعد آپ مجھ سے نکاح کر لینا۔ ایسا ہرگز نہیں کرسکتا ﴿وَ لَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ﴾ عدت گزرنے تک ان سے نکاح کی گرہ نہیں لگا سکتے۔ حدیث شریف میں آتا ہے مسور بن مخرمہ بیان کرتے ہیں:

« أَنَّ سُبَيْعَةَ الْأَسْلَمِيَّةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا نُفِسَتْ بَعْدَ وَفَاةِ زَوْجِهَا بِلَيَالٍ، فَجَاءَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ فَاسْتَأْذَنَتْهُ أَنْ تَنْكِحَ ، فَأَذِنَ لَهَا، فَنَكَحَتْ۔ » [1]

''سبیعہ اسلمیہ رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر کی وفات کے چند روز بعد بچہ جنا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور نکاح کی اجازت طلب کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نکاح کی اجازت دے دی اور اس نے نکاح کر لیا۔''

اور ایک روایت میں ہے کہ:

« أَنَّهَا وَضَعَتْ بَعْدَ وَفَاةِ زَوْجِهَا بِأَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً۔»

''اس نے اپنے شوہر کی وفات کے چالیس روز بعد بچے کو جنم دیا۔''

" قَالَ الزُّهْرِيُّ وَ لَا أَرَى بَأْسًا أَنْ تَزَوَّجَ وَ هِيَ فِيْ دَمِهَا ، غَيْرَ أَنَّهُ لَا يَقْرَبُهَا زَوْجُهَا حَتّٰى تَطْهُرَ۔"

''امام زہری رحمہ اللہ نے کہا میں تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں سمجھتا کہ حالت نفاس میں ہی نکاح کر لے مگر اس کا شوہر اس کے قریب اس وقت تک

---

[1] صحیح بخاری ، کتاب الطلاق، حدیث: ۵۳۲۰

نہ جائے جب تک کہ وہ نفاس سے غسل کر کے پاک وصاف نہ ہو جائے۔“

منگنی کے رسم و رواج:

منگنی کا بالکل سادھا سا طریقہ دورِ جاہلیت میں تھا اور اسلام نے بھی اسے برقرار رکھا۔ لیکن اب تو منگنی پر بہت کچھ ہوتا ہے۔ امیر لوگ منگنی پر بہت زیادہ روپیہ صرف کرتے ہیں۔ غریب لوگ اتنے پیسوں سے کتنی شادیاں کر سکتے ہیں۔ پیسہ خرچ کرنے کے اور بھی بہت سارے مصارف ہیں وہاں خرچ کریں جہاں اللہ خوش ہو۔ اور ان امیر لوگوں کو چاہیے کہ وہ ان جیسے موقعوں پر بالکل سادگی سے کام سرانجام دیں۔ تاکہ غرباء بھی ان کو دیکھ کر اپنی خوشیوں کو سادگی سے کریں اور امراء کو بطور نمونہ سامنے رکھ کر یہ بات کہیں کہ فلاں شخص نے اپنی منگنی اور شادی بڑے سادھے انداز میں کی ہے ساری سہولیات کے ہونے کے باوجود اس نے کوئی فضول کام نہیں کیا لہٰذا ہمیں بالاولیٰ فضول رسومات سے اجتناب کرنا چاہیے۔

((...... ❀ ❀ ❀ ......))

خطبہ مسنونہ

إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَ مَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَ أَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ:

﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ ءَامَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَ لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴾ ❶

﴿ يٰاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّ نِسَآءً وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ﴾ ❷

﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ ءَامَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴾ ❸

أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ وَ خَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ وَ شَرَّ الْأُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَ كُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَ كُلَّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ ❹

---

❶ آل عمران: ۳/۱۰۲، ❷ النساء: ۴/۱، ❸ الاحزاب: ۳۳/۷۰، ۷۱

❹ صحیح مسلم، کتاب الجمعة، باب خطبته ﷺ فی الجمعة: ۶/۱۵۳۔

نکاح میں ولی کی حیثیت

کیا ولی کے بغیر نکاح ہو جائے گا یا نہیں ہو گا؟

ولی کا نکاح میں کیا مقام ہے؟

ان شاء اللہ العزیز کتاب وسنت کی روشنی میں اس موضوع کو بیان کیا جائے گا۔توجہ اور غور کے ساتھ بات کو سنو۔

نکاح میں ولی کی حیثیت کے سلسلہ میں اہل علم کے دوقول مدت دراز سے چلے آ رہے ہیں۔

نمبر ۱: ایک قول یہ ہے: کہ ولی اور ولی کی اجازت نکاح کے اندر شرط ہے۔ولی کی اجازت اور رضا نہ ہوتو پھر نکاح نہیں ہو گا۔اگر ولی کی اجازت ہو ولی کی رضا ہو، اور نکاح والی دوسری شرطیں بھی ہوں تو نکاح ہو جائے گا۔

نمبر ۲: دوسرا قول یہ ہے: کہ ولی نکاح کے اندر ہو،تو بہتر ہے ولی رضامند ہو،ولی اجازت دے دے تو بہتر ہے ''فبھا'' اگر ولی موجود نہیں یا ولی اجازت نہیں دیتا اورتو عورت خود اپنا نکاح کر لیتی ہے تو ولی والی بات کے علاوہ دوسری تمام نکاح کی شرطیں جو ضروری ہیں موجود ہوں تو پھر نکاح ہو جائے گا۔نکاح میں کوئی فرق نہیں ہو گا۔

دلائل کی روشنی میں جائزہ لینا ہے کہ ان دونوں قولوں میں کونسا قول درست ہے صحیح ہے کتاب وسنت کے ساتھ موافقت رکھتا ہے اور کون سا قول اس میں صحیح نہیں۔کتاب وسنت کے ساتھ اس کی موافقت نہیں۔دلائل دونوں طرف سے پیش کیے

جاتے ہیں،

پہلے قول کے دلائل:

جو اہل علم اس بات کے قائل ہیں کہ ولی کی اجازت اور ولی کی رضا کے بغیر نکاح ہو جاتا ہے۔ وہ قرآن مجید کی چند آیات پیش کرتے ہیں۔

ایک آیت یہ پیش کی جاتی ہے۔

﴿ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَّتَرَاجَعَا إِنْ ظَنَّا أَنْ يُّقِيمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ﴾ (البقرة: ٢٣٠)

اللہ تبارک وتعالی فرماتے ہیں:

''اگر خاوند اپنی بیوی کو تیسری طلاق دے دیتا ہے''

﴿ فَإِنْ طَلَّقَهَا ﴾ یہاں تیسری طلاق کا تذکرہ ہے۔ تیسری طلاق دے دیتا ہے تو اللہ تعالی فرماتے ہیں: ﴿ فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ ﴾ ''خاوند کی طلاق دیتے ہی معاً فوراً بعد وہ بیوی اس کے لئے حلال نہیں'' نہ عدت کے اندر بغیر نکاح کے رجوع کر سکتا ہے۔ اور نہ عدت ختم ہونے کے بعد اس بیوی کے ساتھ نیا نکاح کر سکتا ہے۔ وہ اس کے لئے حلال ہی نہیں ﴿ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ ﴾ ''حتی کہ وہ بیوی اس طلاق دینے والے خاوند کے علاوہ کسی اور خاوند کے ساتھ نکاح کرے'' اور وہ خاوند اپنی مرضی سے کسی موقع پر اس کو طلاق دے دے۔ تو پھر یہ پہلے خاوند کی طرف آ سکتی ہے۔ اور پھر بھی شرط ہے کہ وہ دونوں اللہ تعالی کی حدیں قائم رکھ سکیں۔ یعنی کہ آئندہ حدود اللہ کو قائم رکھیں گے جس طرح پہلے بدمزگی پیدا ہوئی تھی اب نہیں ہوگی۔ پھر وہ عورت پہلے خاوند کی طرف آ سکتی ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔

اس آیت سے دلیل پکڑی گئی ہے کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے: ﴿حَتّٰی تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ﴾ وہ عورت جس کو تیسری طلاق مل چکی ہے وہ کسی اور مرد سے نکاح کرے۔

تو یہاں نکاح کی نسبت اللہ تعالی نے عورت کی طرف کی ہے۔ کہ وہ عورت نکاح کرے۔ یہ نہیں فرمایا کہ اس کا ولی نکاح کروائے۔

نکاح کی نسبت عورت کی طرف ہوئی ہے ولی کی طرف نہیں ہوئی۔ عورت کی طرف نسبت کرنے سے پتہ چلا کہ وہ عورت اپنا نکاح کرنے میں اختیار رکھتی ہے۔ ولی راضی ہے تو ٹھیک اگر راضی نہیں تو پھر بھی وہ نکاح کر سکتی ہے۔ اگرچہ ولی کی اجازت نہ بھی ہو کیونکہ نکاح کی نسبت اس کی طرف ہو رہی ہے۔

دوسری آیت کریمہ اس سلسلے میں یہ پیش کی جاتی ہے اللہ تبارک وتعالی فرماتے ہیں:

﴿ وَ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضِلُوْهُنَّ أَنْ يَّنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ﴾

(البقرہ:۲۳۲)

جس وقت تم اپنی بیوی کو طلاق دے دو (یہ پہلی اور دوسری طلاق کی بات ہے)

﴿فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ﴾ وہ مطلقہ بیوی عدت کے ختم ہونے کو پہنچ گئی ہے۔ عدت اس کی ختم ہو گئی ہے۔

پہلی اور دوسری طلاق کے بعد عدت کے اندر اندر میاں بیوی رجوع کر سکتے تھے۔ لیکن اگر وہ عدت گزر گئی ہے۔ اب اللہ تعالی فرماتے ہیں:

﴿فَلَا تَعْضِلُوْهُنَّ أَنْ يَّنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ﴾

”وہ عورتیں اگر اپنے خاوندوں سے نکاح کرنا چاہیں تو تم ان کو منع نہ کرو

ان کو نکاح کر لینے دو“

جب وہ معروف طریقے سے اور باہمی رضا مندی سے نکاح کریں۔تو ان کو نکاح سے منع نہ کرو۔

اس آیت کریمہ میں بھی اللہ تعالی نے ﴿أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ﴾ فرمایا ہے۔ نکاح کی نسبت عورتوں کی طرف کی ہے۔ان عورتوں کو نکاح کرنے سے نہ روکو۔یعنی جن عورتوں کو پہلی یا دوسری طلاق ملی ہے مدت گزرنے کے بعد ان کو اپنے خاوندوں سے نکاح کرنے سے منع نہ کرو۔ان کو نکاح کرنے دو۔

عورتوں کی طرف نکاح کی نسبت کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ عورت اپنا نکاح کرنے میں اختیار رکھتی ہے۔ولی کی محتاج نہیں اگر چاہے تو ولی کے بغیر نکاح کر لے۔

جواب: یہ مسئلہ دونوں آیتوں سے نکاح کی نسبت عورت کی طرف کرنے سے اخذ کیا گیا ہے۔یعنی نکاح کی نسبت عورت کی طرف ہوئی ہے لہٰذا اس کو اختیار حاصل ہے۔ ہم نے غور یہ کرنا ہے کہ کیا کسی فعل اور کام کی نسبت اگر کسی طرف ہو جائے تو کیا نسبت کرنے سے وہ خود مختار ہو جاتا ہے؟

قرآن مجید کی دوسری آیات اور دوسرے اعمال کو سامنے رکھنے سے یہی پتہ چلتا ہے کہ نسبت کرنے سے اختیار حاصل نہیں ہوتا۔

مثلاً: اللہ تعالی نے موت کی نسبت انسان کی طرف کی ہے

﴿وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ مُتُّمْ﴾ (آل عمران: ۱۵۸)

”اگر آپ اللہ کے راستہ میں قتل کر دیے جائیں یا آپ فوت ہو جائیں“

یہاں ”مُتُّمْ“ کی نسبت اللہ تعالی نے انسانوں کی طرف کی ہے۔ایک اور

مقام پر فرمایا ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْا أَوْ مَاتُوْا ﴾

(الحج :۵۸)

''وہ لوگ جنہوں نے اللہ کے راستے میں ہجرت کی۔ پھر وہ قتل کر دیئے گئے یا وہ فوت ہو گئے''

﴿ أَوْ مَاتُوْا ﴾ یہاں بھی موت کی نسبت انسانوں کی طرف کی گئی ہے۔

قرآن مجید میں اور بھی کئی مقامات میں موت کی نسبت اللہ تعالی نے انسان کی طرف کی ہے۔مریم علیہا السلام کا واقعہ اللہ نے بیان کیا ہے۔جب ان کو تکلیف ہوئی،تو کہنے لگی:

﴿ قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَ كُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ﴾

(مریم :۲۳)

''اے کاش کہ میں اس سے پہلے فوت ہو چکی ہوتی''

یہاں موت کی نسبت اللہ تعالی نے مریم رضی اللہ عنہا کی طرف کی ہے۔

اور بھی بہت آیتوں میں موت کی نسبت اللہ تعالی نے انسان کی طرف کی ہے۔

تو کیا ان آیات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ موت انسان کے اختیار میں ہے؟ جب اس کی مرضی ہو تو مر جائے۔جب مرضی نہ ہو تو نہ مرے؟ بلکہ بسا اوقات کئی انسانوں کا دل بھی چاہتا ہے کہ مر ہی جاؤں۔اور کئی زہر بھی کھا لیتے ہیں۔لیکن مرتے پھر بھی نہیں۔اللہ تعالی ان کو بچا لیتے ہیں۔اگر نسبت سے اختیار ثابت ہوتا ہے۔تو پھر یہاں بھی اختیار ہونا چاہیے؟ لیکن یہاں انسان کا کوئی اختیار نہیں۔اللہ تعالی نے قرآن مجید میں فرمایا ہے۔

﴿ لَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّ لَا حَيٰوةً وَّ لَا نُشُوْرًا ﴾

(سورۃ الفرقان :۳)

”یہ نہ موت کے مالک ہیں اور نہ حیات کے مالک ہیں“

موت اور حیات اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔

﴿ وَ أَنَّهُ هُوَ أَمَاتَ وَ أَحْيَا ﴾ (سورة النجم : ٤٤)

”اللہ ہی مارتا ہے اور اللہ ہی زندہ کرتا ہے“

ایک مقام میں فرمایا:

﴿ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهُ ۝ ثُمَّ اَمَاتَهُ فَأَقْبَرَهُ ۝﴾ (عبس : ٢٠، ٢١)

”پیدا بھی اللہ کرتا ہے اور موت بھی اللہ دیتا ہے۔موت اور حیات اللہ کے اختیار میں ہے۔“

﴿ اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا﴾ (الملك : ٢)

”موت کو بھی اللہ نے پیدا کیا ہے،حیات کو بھی اللہ نے پیدا کیا ہے“

ایک مقام میں فرمایا:

﴿ وَاللّٰهُ يُحْيِيْ وَ يُمِيْتُ ﴾ (آل عمران : ١٥٦)

”اللہ زندہ کرتا ہے اور اللہ ہی مارتا ہے“

ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا تعارف کروایا۔تو فرمایا:

﴿ رَبِّيَ الَّذِيْ يُحْيِيْ وَ يُمِيْتُ﴾ (البقره : ٢٥٨)

”میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے“

زندہ کرنا اور مارنا اللہ کے اختیار میں ہے۔جن کی طرف موت کی نسبت ہو رہی ہے کہ فلاں فوت ہو گیا اور فلاں مر گیا ان کے اختیار میں موت نہیں۔لیکن نسبت ان کی طرف ہو رہی ہے۔

تو پتہ چلا کہ نسبت کرنے سے اس منسوب فعل میں بااختیار ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ ورنہ یہاں بھی ثابت ہوتا۔ایک اور مثال سماعت فرماؤ:

مرض اور بیماری کی نسبت بھی انسان کی طرف کی جاتی ہے۔کہ فلاں انسان بیمار ہو گیا اور فلاں بیمار ہو گئی۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

﴿ وَ إِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ ﴾ (الشعراء: ۸۰)

''جب میں بیمار ہو جاتا ہوں۔تو اللہ تعالیٰ شفا عطا کرتا ہے''

یہاں مرض کی نسبت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی طرف کی ہے۔

پوری لغت عرب میں بلکہ لغت عجم میں بھی مرض کی نسبت مریضوں کی طرف ہی ہوتی ہے۔کہ فلاں بیمار ہو گیا ہے اور فلاں تندرست ہو گیا۔تو کیا تندرستی اور بیماری کی نسبت جن کی طرف ہو رہی ہے یہ ان کے اختیار اور قدرت میں ہے۔کہ جس وقت وہ چاہیں بیمار ہو جائیں اور جس وقت چاہیں تندرست ہو جائیں نہیں بلکہ یہ بھی اللہ کے اختیار میں ہے۔لہٰذا بسا اوقات ایک فعل کی نسبت ایک انسان کی طرف ہو جاتی ہے۔لیکن وہ فعل اس کے اختیار میں ہوتا نہیں۔صرف تعلق کی وجہ سے نسبت اس کی طرف ہو جاتی ہے۔مرض مریض کے اندر ہے ،موت میت کے اندر ہے۔تو نسبت اس کی طرف ہو گئی۔اس کے اختیار میں نہیں۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَ إِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ﴾ (البقرہ: ۷۴)

''کئی پتھر اللہ تعالیٰ کی خشیت سے گر جاتے ہیں''

آپ کو بھی کبھی پہاڑی علاقے میں جانے کا اتفاق ہوا ہو۔تو آپ نے دیکھا ہو گا کہ پتھر پہاڑ کے اوپر سے نیچے گر جاتے ہیں۔تو کیا پتھروں میں گرنے کی قدرت اور اختیار ہے؟ یا ان کو کوئی پھینکنے والا پھینکے گا۔ظاہر ہے اس کو کوئی ہلائے گا وہ ہلے گا اپنے

آپ تو وہ حرکت نہیں کرتا۔

موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ آپ نے سنا ہی ہوگا کہ ایک دفعہ نہا رہے تھے اور انھوں نے اپنے کپڑے ایک پتھر پر رکھے تھے۔ اور وہ پتھر دوڑ گیا۔ موسیٰ علیہ السلام اس کے پیچھے پیچھے گئے اور کہنے لگے: ثوبي يا حجر ''اے پتھر! میرے کپڑے''❶

تو کیا پتھر میں دوڑنے کا اختیار ہے؟ ظاہر ہے اس کو حرکت دینے والا حرکت دے گا۔ تو حرکت کرے گا۔ اس کے اپنے اختیار میں حرکت کرنا تو ہے ہی نہیں

سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ والی مشہور ومعروف حدیث ہے۔ آپ نے بھی سنی ہو گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

> دو فرشتے مجھے اٹھا کر ارض مقدسہ کی طرف لے گئے۔ کئی چیزیں انہوں نے مجھے دکھائیں۔ ایک یہ تھی کہ ایک آدمی بیٹھا ہوا ہے اور ایک آدمی اس کے پاس کھڑا ہے۔ جو آدمی کھڑا ہے اس کے پاس ایک پتھر ہے وہ آدمی بیٹھے ہوئے آدمی کے سر پر زور سے مارتا ہے۔ تو اس کا سر ٹوٹ جاتا ہے اور پتھر لڑھک جاتا ہے۔ اور وہ آدمی پھر اس کو پکڑنے جاتا ہے۔ اور پھر اس کے سر پر زور سے مارتا ہے۔ پھر لڑھک جاتا ہے۔ اس حدیث کے الفاظ ہیں:
>
> "تَدهَدَهَ الْحَجَرُ"❷

یہاں بھی لڑھکنے کی نسبت پتھر کی طرف ہو رہی ہے۔ تو کیا لڑھکنے کا اختیار پتھر میں ہے؟ اگر لڑھکنے کا اختیار پتھر میں ہو تو پھر تو کسی جگہ ٹھہرے ہی نہ بلکہ لڑھکتا ہی جائے۔ لیکن وہ ایک حد تک لڑھکتا ہے جتنی اس نے طاقت صرف کی ہے۔ جس وقت

---

❶ صحیح بخاری کتاب الغسل باب من اغتسل عریاناً وحدہ حدیث:۲۷۸

❷ صحیح البخاری کتاب الجنائز باب ما قیل فی اولاد المشرکین حدیث:۱۳۸۶

قوت محرکہ اثر انداز ہونا چھوڑ دے گی وہیں پتھر بھی ٹھہر جائے گا۔ پتھر کے اپنے اختیار میں حرکت کرنا نہیں۔ لیکن دوڑنے، چلنے، گرنے کی نسبت پتھر کی طرف ہو رہی ہے۔

تو کیا اگر کوئی یہاں سے یہ مسئلہ نکالنا شروع کر دے کہ پتھر میں بھی چلنے، پھرنے حرکت کرنے کی قدرت اور اختیار ہے۔ جب چاہے چلنا شروع کر دے۔ اور جب چاہے ٹھہر جائے یا جب چاہے گر جائے۔ تو کیا اس کا یہ استدلال صحیح ہو گا؟ نہیں صحیح ہو گا۔ کیونکہ صرف نسبت سے اختیار ثابت نہیں ہوتا۔ نسبت تو صرف تعلق کی بنا پر ہی ہو جاتی ہے۔ لہذا نکاح کا تعلق مرد کے ساتھ بھی ہے۔ اور عورت کے ساتھ بھی ہے تو نکاح کی نسبت عورت کی طرف ہونے سے کلی اختیار ثابت نہیں ہوتا کہ وہ عورت جس سے چاہے نکاح کر لے۔ کیونکہ نسبت سے اختیار ثابت نہیں ہوتا۔

علامہ ابن رشد کی کتاب ہے بداية المجتهد بہت بہترین کتاب ہے اس میں وہ فقہاء کے مسائل اقوال نقل کرتے ہیں۔ اور پھر ان کے دلائل نقل کرتے ہیں اور کسی مقام میں دلائل پر تبصرہ بھی کرتے ہیں۔ اس مقام میں بھی انہوں نے دلائل نقل کیے ہیں۔

لیکن کوئی ایسی نص پیش نہیں کی جس سے اختیار ثابت ہوتا ہو۔ جس طرح آپ نے نسبت والی کئی چیزیں سماعت فرمائی ہیں لیکن ان سے اختیار نہیں نکلتا۔ لہذا یہ کوئی ایسی چیز نہیں جو عورت کے خود مختار اور ولی کے بغیر نکاح کرنے پر دلالت کرتی ہو۔ کیونکہ دلالت میں لزوم ہوتا ہے۔ یعنی جو چیز دلالت کرنے والی ہے اور جس چیز پر دلالت کر رہی ہے۔ یہ دونوں آپس میں لازم ملزوم ہوں۔ اور یہاں یہ دونوں چیزیں لازم ملزوم بنتی ہی نہیں۔ کیونکہ نسبت کو اختیار لازم نہیں اگر لازم ہو تو پھر جہاں جہاں فعل کی نسبت ہو وہاں اختیار بھی ہونا چاہیے لیکن ایسا نہیں ہے۔ اس لیے وہ فرماتے

ہیں کہ یہ استدلال درست نہیں ہے۔

نکاح کروانے کا حکم مردوں کو ہے:

پھر اگر یہ مسئلہ نسبت سے ہی نکالنا ہے یعنی اللہ تعالی نے نکاح کی نسبت عورتوں کی طرف کی ہے۔تو اللہ تعالی نے نکاح کی نسبت مردوں کی طرف بھی کی ہے عورتوں کوتو فرمایا ہے کہ نکاح کر لیں لیکن مردوں کو فرمایا ہے وہ ان کا نکاح کروا دیں یا ان کا نکاح نہ کروائیں۔ یہ نسبت بھی قرآن مجید میں موجود ہے۔اگر نسبت سے ہی کوئی چیز ثابت ہوتی ہے۔تو پھر بھی عورت کا نکاح بھی مرد کے اختیار میں ہے۔ اللہ تعالی قرآن مجید میں فرماتے ہیں:

﴿ وَأَنْكِحُوا الْأَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصَّالِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَ إِمَائِكُمْ ﴾ (النور:۳۲)

(ایم اس مرد یا عورت کو کہتے ہیں۔جس کا دوسرا ساتھی تھا پھر بعد میں نہ رہے)

اللہ تعالی فرماتے ہیں:

''جو تم میں ایم ہیں خواہ مرد ہیں یا عورتیں ہیں۔ان کا نکاح کرو''

اللہ تعالی نکاح کرنے کا حکم مردوں کو دے رہے ہیں

﴿ وَ أَنْكِحُوا الْأَيَامٰى ﴾

''ایامیٰ کا نکاح کرو''

﴿ وَالصَّالِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَ إِمَائِكُمْ ﴾

''اور جو نیک غلام اور نیک لونڈیاں ہیں ان کا بھی نکاح کرو''

یہاں انکاح کی نسبت اللہ تعالی نے مردوں کی طرف کی ہے۔نکاح کی نہیں کی۔نکاح کا مطلب ہوتا ہے نکاح کرنا اور انکاح کا مطلب ہوتا ہے کسی کا نکاح کروانا۔تو

پتہ چلا کہ عورت اپنے آپ نکاح نہیں کر سکتی۔ پھر ایک مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَ لَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا وَ لَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّ لَوْ اَعْجَبَكُمْ ﴾ (البقرہ: ۲۲۱)

"فرمایا کہ تم اپنی عورتوں کا نکاح کسی مشرک مرد سے نہ کرو"

﴿ وَ لَا تُنْكِحُوا ﴾ فرمایا ہے۔ یہاں بھی نکاح کی نسبت مردوں کی طرف کی گئی ہے نکاح نہ کرنے کی صورت میں۔

یہاں سے بھی پتہ چلا کہ نکاح کرنے اور کروانے کا اختیار مردوں کو ہے کیونکہ نسبت مردوں کی طرف ہو رہی ہے۔ لیکن یہ نسبت والی دلیل کوئی مضبوط نہیں پکی ہے۔ جیسا کہ آپ پہلے سن چکے ہیں۔ علامہ ابن رشد نے بدایۃ میں دونوں دلائل پر تبصرہ فرمایا ہے کہ یہ دلائل مضبوط نہیں ہیں۔ نسبت سے جو چیز دونوں فریق ثابت کرنا چاہتے ہیں وہ ثابت نہیں ہوتی۔

ولی اور عورت دونوں کی رضا ضروری ہے:

بہر حال یہ تو نسبت والے دلائل تھے۔ البتہ دوسرے مضبوط اور ٹھوس دلائل بھی موجود ہیں۔ جن سے پتہ چلتا ہے کہ نکاح کا اختیار مردوں کو ہے، ولی کو ہے۔ اور عورتوں کو بھی اختیار ہے۔ دونوں کی رضا اور اجازت ہو گی تو نکاح ہو گا۔ ورنہ نہیں ہو گا۔ اگر ولی کی رضا اور اجازت نہیں۔ تو نکاح نہیں ہو گا۔ اور اگر عورت کی رضا نہیں تو نکاح پھر بھی نہیں ہو گا۔ آدمی یہاں ہی سے سمجھ جائے کہ نکاح کی نسبت اللہ تعالیٰ نے دونوں کی طرف کی ہے۔ تو دونوں کی رضا اور اجازت ضروری ہے۔

چنانچہ اسی آیت ﴿ وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ﴾ (البقرہ: ۲۳۲) کے

شان نزول میں حدیث کی کتابوں میں واقعہ موجود ہے۔صحیح بخاری میں بھی ہے۔اور دوسری کتابوں میں بھی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے صحابی معقل بن یسار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔میں نے اپنی ہمشیرہ کا ایک آدمی سے نکاح کیا۔کچھ دن گزرنے کے بعد میرے بہنوئی نے میری ہمشیرہ کو طلاق دے دی۔ہمشیرہ میرے گھر آگئی۔میں نے پروگرام بنا لیا کہ اس کا نکاح کسی اور آدمی سے کر دیتا ہوں یہاں نبا نہیں ہوا۔تو کوئی بات نہیں لوگ میرے پاس میری ہمشیرہ کے نکاح کے لئے آنے لگے۔ان لوگوں میں میرا وہ بہنوئی بھی آگیا جس نے میری ہمشیرہ کو طلاق دی تھی وہ کہنے لگا کہ میرے ساتھ ہی دوبارہ پھر اس کا نکاح کر دو۔

معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، میں نے کہا: میں نے تو تیرا نکاح اپنی ہمشیرہ سے کر دیا تھا۔لیکن تو نے خود ہی اس کو طلاق دے دی ہے۔اب میں نے تیرے ساتھ کسی صورت میں اس کا نکاح نہیں کرتا۔

معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی بہن کا رجحان بھی پہلے خاوند کی طرف ہی تھا کہ اس سے ہی صلح ہو جائے تو بہتر ہے اللہ تعالی نے آیت اتار دی۔

﴿ وَ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ (البقرہ: ۲۳۲)

”اگر عورتوں کو طلاق مل گئی ہے اور عدت گزر گئی ہے تو تم عورتوں کو پہلے خاوندوں سے نکاح کرنے سے منع نہ کرو۔“

رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کو سنائی۔معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے اپنا پہلا ارادہ ترک کر دیا اور اپنی بہن کا نکاح اسی پہلے خاوند سے کر دیا۔ ❶

اس واقعہ سے بہت سارے اہل علم امام ترمذی وغیرہ نے استدلال کیا ہے کہ ولی

---

❶ صحیح البخاری کتاب النکاح باب من قال لا نکاح الا بولی حدیث: ۵۱۳۰۔

کے بغیر نکاح نہیں ہوتا اگر ولی کے بغیر نکاح ہو جاتا تو معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی بہن کو معقل سے اجازت لینے کی کیا ضرورت تھی؟ جب کہ وہ خود پہلے خاوند سے نکاح کی خواہشمند تھی اور کیا معقل کو بھی روکنے کا حق حاصل تھا؟ اگر ولی کے بغیر نکاح ہو جاتا تو پھر معقل کا اپنی ہمشیرہ کو روکنا اور اپنے بہنوئی کو واپس بھیج دینا اور معقل کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانا یہ سب باتیں خواہ مخواہ ہی بن جائیں گی۔

اس واقعہ سے اور اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ ولی کی اجازت ضروری ہے اس کی رضا اور اجازت کے بغیر عورت نکاح نہیں کر سکتی۔ پھر اس واقعہ سے یہ بھی پتہ چلا کہ عورت مطلقہ ہو، بیوہ ہو ولی کی اجازت اور رضا کے بغیر نکاح نہیں کر سکتی۔ اس واقعہ میں بھی نکاح کی نسبت اللہ تعالیٰ نے عورت کی طرف کی ہے:

﴿أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ﴾

اگر نسبت سے عورت خود مختار ہوتی تو پھر پہلے ﴿فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ﴾ اللہ تعالیٰ کیوں فرماتے؟ اللہ تعالیٰ کو تو اپنے کلام کے نشیب و فراز کا پورا پورا علم ہے کہ آیت کے شروع میں کیا آرہا ہے آخر میں کیا بیان ہو رہا ہے درمیان میں کیا آرہا ہے مجھے اور آپ کو سمجھ نہ آئے تو الگ بات ہے اللہ تعالیٰ کو تو سارا علم ہے کہ میں کیا نازل کر رہا ہوں۔ اگر ﴿أَنْ يَنْكِحْنَ﴾ سے بات نکلتی ہوتی۔ تو پھر ﴿فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ﴾ کیوں پہلے فرماتے۔ یہ تو بات بنتی ہی نہیں۔

احادیث سے ولی کی اجازت کا ثبوت:

نکاح میں ولی کی اجازت کے متعلق احادیث تو بہت زیادہ ہیں۔ لیکن اس فرصت میں صرف پانچ بیان کی جائیں گی۔

پہلی حدیث:

صحیح بخاری میں ہے ❶ ابوداؤد میں بھی ہے۔ ❷ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ جاہلیت کے زمانہ میں چار نکاح عام چلتے تھے اور بھی نکاح تھے لیکن اس روایت میں عائشہ رضی اللہ عنہا نے چار بیان کیے ہیں۔اس حدیث سے یہ نہ سمجھ لینا کہ شاید جاہلیت میں چار ہی نکاح تھے۔ بلکہ جاہلیت میں بہت زیادہ نکاح تھے اسلام نے آکر ان کی اصلاح کر دی۔

عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ایک نکاح یہ ہوتا تھا کہ عورت کا ولی پہلے اس کی منگنی کرتا تھا جس طرح عام طریقہ چلتا ہے۔پھر ولی اس عورت کی اور اپنی رضا مندی سے اس کا نکاح کر دیتا جس طرح اب اسلامی نکاح ہوتا ہے۔گواہ بنا کر ،مہر رکھ کر،اور نکاح کے لئے جو چیزیں ضروری ہیں۔عورت کا نکاح کر دیا جاتا ہے۔

یہ اسلامی نکاح جاہلیت میں بھی رائج تھا۔شریف لوگ یہی نکاح کرتے تھے البتہ باقی آوارہ اوباش قسم کے لوگوں میں اور بھی بہت قسم کے نکاح تھے۔

عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جاہلیت میں دوسرا نکاح نکاح استبضاع تھا نکاح استبضاع کا مطلب یہ ہے کہ میاں بیوی آپس میں صلاح مشورہ کرتے۔کہ ہماری اولاد اتنی خوبصورت اور نجابت والی نہیں ہے۔میاں اپنی بیوی سے کہتا کہ فلاح آدمی بہت نجیب اور خوبصورت ہے۔تو اس کے پاس ایک دو رات بسر کر آ۔مقصد یہ ہوتا کہ ہماری اولاد بھی خوبصورت اور نجابت والی ہو جائے۔پھر وہ عورت اپنے خاوند کے کہنے سے اس آدمی کے پاس چلی جاتی۔

---

❶ صحیح البخاری کتاب النکاح باب من قال لا نکاح الا بولی حدیث : ۵۱۲۷۔
❷ سنن ابی داؤد کتاب النکاح باب وجوہ النکاح التی ینکاح بھا اھل الجاھلیة حدیث :۲۲۷۲۔

یہ بھی ایک جاہلیت کے نکاح کی صورت تھی اس کو وہ جائز سمجھتے تھے اس کو بھی وہ نکاح کہتے تھے۔ ویسے اس میں نکاح والی بات کوئی نہیں۔

عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: تیسرا نکاح نکاح صفا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ عورت نے اپنے گھر پر ایک جھنڈا لگایا ہوتا تھا مطلب یہ ہوتا کہ جس کا دل چاہتا ہے مجھ سے آ کر منہ کالا کر لے۔ لوگ اس کے پاس جا کر بدفعلی کرتے وہ عورت اپنے پاس آنے والے لوگوں کی فہرست تیار کر لیتی اور جب بچہ یا بچی کو جنم دیتی تو اپنے پاس آنے والے تمام حضرات کو بلا لیتی۔ ان میں سے کسی کی طرف اشارہ کر کے کہتی کہ یہ بچہ تیرا ہے۔

بعض روایتوں میں ہے کہ کسی قیافہ شناس کو بلا لیتی تو اس نے جس کو کہہ دینا یہ تیرا بچہ ہے اس کو مل جاتا اور باقی سر نیچے کر کے واپس لوٹ جاتے۔ اس کو بھی وہ نکاح کہتے تھے۔ حالانکہ نکاح نام کی اس میں کوئی چیز نہیں تھی۔

عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: چوتھا نکاح نکاح خدق تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ عورت اپنا معاملہ زیادہ وسیع تو نہیں رکھتی تھی۔ دس تک آدمیوں سے اس نے بری حرکت کرنی جب بچہ یا بچی پیدا ہوتی تو اس نے ان تمام آدمیوں کو جو دس یا دس سے کم ہوتے۔ ان کو بلا لینا اور قیافہ لگانے والے کو بھی بلا لینا۔ قیافہ شناس ان مردوں کی شکلیں دیکھ کر قیافہ لگاتے کہ یہ بچہ فلاں کا ہے اس کو بچہ دے دیا جاتا اور اس مرد سے نکاح کر لیا جاتا۔ باقی دوسرے خالی ہاتھ واپس پلٹ جاتے اس کو بھی وہ نکاح سمجھتے تھے۔

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

" فَلَمَّا جَاءَ الإِسْلَامُ هَدَمَ كُلَّ نِكَاحٍ فِي الْجَاهِلِيَّةِ إِلَّا نِكَاحَ النَّاسِ الْيَوْمَ "

''جب اسلام آیا تو اس نے جاہلیت کے تمام نکاح ختم کر دیئے ماسوائے اس نکاح کے جو آج مسلمانوں میں رائج ہے''

یعنی ولی پہلے منگنی کرتا ہے پھر نکاح کی شرائط کے مطابق اسلام کی حدود میں رہ کر اس کا نکاح کرتا ہے۔ یہ نکاح اسلام نے برقرار رکھا ہے۔ باقی تمام نکاح اسلام نے باطل کر دیئے۔ یعنی صرف ولی والا نکاح ہی باقی رہ گیا ہے۔ باقی جن میں عورت ہی خود مختار بنی ہوئی تھی وہ ختم کر دیے گئے۔

نکاح استبضاع میں بھی عورت کا ولی نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ عورت اور اس کا خاوند صلاح مشورہ کر کے عورت کو کسی کی طرف بھیج دیتا تھا۔ اسلام نے تمام نکاح ختم کر دیئے صرف ولی والا نکاح برقرار رکھا۔

امام بخاری رحمہ اللہ الباری اس مذکورہ حدیث کو اپنی صحیح میں باسند بیان کیا ہے اور اس کے اوپر باب منعقد کیا ہے۔

" بَابٌ لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ "

''یعنی ولی کے بغیر نکاح نہیں ہوتا''

اور مسئلہ اس حدیث سے نکالا ہے یعنی ولی کے بغیر جو نکاح تھے صفا، استبضاع، خدق وغیرہ کو اسلام نے ختم کر دیا۔ اور ولی والا نکاح باقی رکھا ہے تو اب صرف نکاح ولی والا ہی ہے؟ دوسرے نکاح جن میں ولی نہیں وہ نکاح ہی نہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے یہ مسئلہ نکالا ہے۔ آپ نے بھی یہ حدیث سماعت فرمائی ہے آپ کا بھی دل اس بات کی گواہی دے گا کہ یہ مسئلہ اس حدیث سے واقعتاً نکلتا ہے۔

اب ویسے کوئی سینہ زوری سے کہتا رہے کہ نہیں نکلتا نہیں نکلتا۔ تو کسی کی زبان تو نہیں

پکڑی جا سکتی کہتا ہے تو کہتا رہے۔ بہر حال مسئلہ اس حدیث سے ثابت ہو رہا ہے

دوسری حدیث:

رسول اللہ ﷺ کے صحابی ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

« لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ » ❶

"نہیں کوئی نکاح مگر ولی کے ساتھ"

جتنے بھی نکاح ہیں تمام کی رسول اللہ ﷺ نے نفی کر دی ہے کیونکہ نکاح نکرہ ہے اور یہ اصول ہے کہ نکرہ نفی کے حیز میں آ جائے تو عموم کا فائدہ دیتا ہے۔ یعنی لائے نفی جنس نکرہ پر آ جائے تو یہ عموم میں نص ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جتنے نکاح ہیں تمام کے تمام کی نفی ہو گی۔ کوئی نکاح نہیں "مگر ولی کے ساتھ" ولی کے ساتھ نکاح ہو گا ولی کے بغیر نکاح نہیں ہو گا۔

رسول اللہ ﷺ کی خبر واقعہ کے خلاف نہیں ہو سکتی:

مذکورہ حدیث رسول اللہ ﷺ واقعہ کی خبر دے رہے ہیں۔ تو کیا رسول اللہ ﷺ کی خبر واقعہ کے خلاف ہو سکتی ہے؟ اس کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔ رسول اللہ ﷺ تو اللہ کے پیغمبر ہیں جب آپ کو نبوت نہیں ملی تھی مکہ کے کافر تو اس وقت بھی آپ کو صادق اور امین سمجھتے تھے۔ اور وہ کہتے تھے ہم نے ان ﷺ سے کبھی غلط بیانی نہیں سنی ان کی زبان سے کبھی جھوٹ نکلا ہی نہیں اب تو آپ اللہ کے پیغمبر بن چکے

---

❶ مسند احمد عن ابی موسی الأشعری حدیث: ۱۹۲۴۷۔ وأبو داود، حدیث ۲۰۸۵ والترمذی حدیث: ۱۱۰۱ وابن ماجة حدیث: ۱۸۸۱۔ مسند احمد میں ابو اسحاق راوی نہیں ھے۔

ہیں اب تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور پھر رسول اللہ ﷺ نے جو بات کرنی ہے وہ کرنی بھی وحی کے ساتھ ہے۔وحی کے متعلق تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ واقعہ کے خلاف ہو۔

واقعہ کے خلاف ہونے کے کئی اسباب ہوتے ہیں۔کبھی نسیان سبب ہوتا ہے کبھی علم کی کمی ہوتی ہے،کبھی بیان کی کمی ہوتی ہے۔لیکن اللہ تعالی ان تینوں چیزوں سے پاک ہے۔وحی میں یہ تینوں چیزیں نہیں۔نہ تو یہاں نسیان ہے۔

﴿وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا﴾ (مریم :٦٤)

اور نہ ہی علم کی کمی ہے۔

﴿وَقَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا﴾ (الطلاق :١٢)

﴿إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ (التوبة :١١٥)

اور پھر بیان جس طرح اللہ تعالی کا ہے اس طرح کا بیان دنیا میں کوئی ہے ہی نہیں دنیا آج تک زور لگا کر تھک چکی ہے۔کہ اس طرح کا کلام بنا سکے لیکن نہیں بنا سکی۔جس نے کوشش کی ہے اس نے منہ کی ہی کھائی ہے۔لہٰذا جن اسباب کی وجہ سے بات واقعہ کے خلاف ہوتی ہے۔وہ اسباب ہی یہاں کوئی نہیں تو واقعہ کے خلاف بات کس طرح ہو سکتی ہے؟

﴿وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ حَدِيثًا﴾ (النسآء :٨٧)

﴿وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ قِيلًا﴾ (النسآء :١٢٢)

رسول اللہ ﷺ خبر دے رہے کہ ولی کے بغیر کوئی نکاح نہیں۔اگر ولی کے بغیر کوئی نکاح ہو جائے تو پھر رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کی کیا حیثیت رہتی ہے؟غور فرماؤ:ولی کے بغیر نکاح والا عقیدہ کتنا خطرناک ہے؟اور ملک میں چل رہا ہے۔رسول

اللہ ﷺ جو کہ صادق المصدوق ہیں ان کی خبر پر آنچ آ رہی ہے کیونکہ آپ فرما رہے ہیں: کہ کوئی نکاح ولی کے بغیر ہے ہی نہیں۔اور ہم کہتے ہیں ایک نہیں دو نہیں بلکہ سینکڑوں نکاح ولی کے بغیر۔تو پھر رسول اللہ ﷺ کی خبر کدھر گئی؟

رسول اللہ ﷺ کی ایک اور خبر سن لو: تاکہ آپ کو بات کی اچھی طرح سمجھ آ جائے۔آپ ﷺ فرماتے ہیں:

«لَا تُقْبَلُ بِصَلَاةٌ بِغَيْرِ طَهُوْرٍ » ❶

''اگر کوئی آدمی بے وضو ہو تو اس کی نماز اللہ تعالیٰ کے ہاں قابل قبول نہیں''

یہ آپ کی خبر ہے تو اگر ہم کہیں کہ وضو کے بغیر نماز ہو جاتی ہے۔فلاں کی بھی ہو گئی، فلاں کی بھی ہو گئی۔اور پھر رسول اللہ ﷺ کی خبر کا کیا بنے گا؟ کچھ سوچو اور غور کرو: آپ ﷺ فرما رہے ہیں کہ وضو کے بغیر نماز قبول نہیں۔اور یہاں قبول ہو رہی ہے رسول اللہ ﷺ کی خبر واقعہ کے مطابق نہ نا ہوئی؟

تو دراصل یہ واقعہ ہی غلط ہے واقعہ واقعہ ہی نہیں جس میں وضو کے بغیر نماز ہو جائے۔

اسی طرح نکاح میں بھی ولی کے بغیر نکاح والا واقعہ ہے ہی نہیں۔کہ جس میں نکاح ہو جائے۔بلکہ نکاح ہوتا ہی نہیں۔رسول اللہ ﷺ فرما رہے ہیں: «لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ»

مذکورہ حدیث کی سند پر اعتراض:

اس حدیث پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس کی سند میں ابو اسحاق سبیعی راوی ہے۔اس میں تدلیس والا نقص ہے اور وہ اس حدیث کو ''عن'' سے بیان کر رہا ہے

❶ صحيح مسلم كتاب الطهارة باب وجوب الطهارة، حديث: ٢٢٤

"عن ابی بردۃ "اہل علم جانتے ہیں کہ مدلس راوی عن سے روایت بیان کرے تو وہ قابل قبول نہیں ہوئی۔ جب تک وہ سماع کی تصریح نہ کرے۔ یا اور کہیں سے سماع کی دلیل مل جائے۔ تو یہاں نہ سماع کی تصریح ہے اور نہ کوئی سماع کی دلیل ہے۔

دوسرا اعتراض

دوسرا اعتراض یہ کیا جاتا ہے۔ کہ ابو اسحاق کو آخر عمر میں اختلاط ہو گیا تھا۔ اس کے حواس قائم نہیں رہے تھے۔ ان کو پتہ نہیں چلتا تھا کہ کونسی بات کرنی ہے اور کونسی بات نہیں کرنی اور یہ معلوم نہیں کہ یہ روایت اختلاط سے پہلے کی ہے یا اختلاط کے بعد کی ہے اور جس کا پتہ نہ چلے وہ بھی قابل قبول نہیں ہوتی۔

جواب: ان دو اعتراضات کی بنا پر یہ روایت پایہ ءثبوت کو نہیں پہنچتی۔ لیکن جو سند میں اس وقت پیش کر رہا ہوں۔ اس میں ابو اسحاق نامی راوی ہے ہی نہیں۔ اور جب راوی اس میں ہے ہی نہیں تو پھر اعتراض کس بات کا؟ تدلیس والا اعتراض بھی ختم اور اختلاط والا اعتراض بھی ختم۔ اس کی سند بھی آپ سماعت فرمالیں:

" حدثنا عبد الواحد الحداد قال حدیثنا یونس بن أبی اسحاق عن ابی بردۃ "

یونس ابی اسحاق کا بیٹا ہے۔ خود ابو اسحاق نہیں۔ بات کو اچھی طرح سمجھ لو۔ کہیں یہ نہ سمجھ لینا کہ ابو اسحاق اس میں آ گیا ہے بلکہ وہ ولدیت کے اعتبار سے آیا ہے یونس کی ولدیت کی حیثیت سے آیا ہے۔ راوی کی حیثیت سے نہیں آیا۔

یونس بن ابی اسحاق بیان کرتے ہیں ابو بردہ سے ابو بردہ ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں۔ اور وہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں: «لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ» "ولی کے بغیر کوئی نکاح نہیں"

یہ سند مسند امام احمد (۴/ ۴۱۳اور ۴۱۸) میں موجود ہے، حدیث نمبر: ۱۹۲۴۷۔ اس میں ابو اسحاق راوی کوئی نہیں۔ یونس ابو بردہ سے بیان کرتے ہیں۔ اور ابو بردہ ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ سے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے۔

یونس بن ابو اسحاق نہ مدلس تھا اور نہ ہی اس کو اختلاط ہوا تھا۔ ثقہ راوی ہے۔ یہی سند یونس عن ابی بردہ عن ابی موسیٰ ''منتقی ابن الجارود'' میں بھی موجود ہے۔ ❶

اس میں بھی ابو اسحاق راوی کوئی نہیں۔ ''منتقی ابن جارود'' میں تمام حدیثیں صحیح ہیں۔ جس طرح صحیح بخاری، صحیح مسلم، صحیح ابن حبان اور صحیح ابن خزیمہ ہیں۔ منتقی ابن جارود کو بھی صحیح ابن جارود سمجھو۔

مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ بہت پایہ کے محدث ہوئے ہیں۔ دار العلوم دیو بند میں شیخ الحدیث تھے۔ وہ فیض الباری کے ایک مقام میں لکھتے ہیں:

''منتقی ابن جارود کتاب کلها صحیح''

''یہ تمام کی تمام کتاب صحیح ہے''

صحیح احادیث کا مجموعہ ہے۔ اس میں بھی یہ سند موجود ہے۔ یونس عن ابی بردہ عن ابی موسیٰ۔ لہٰذا ابو اسحاق والا اعتراض ختم ہو گیا ہے۔

کیا یہ روایت مرسل ہے:

ایک اور اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ روایت مرسل ہے ابو بردۃ تابعی اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں۔ صحابی کا واسطہ اس میں ذکر نہیں کرتے۔

جواب: اس کے ارسال والے اعتراض پر دو جواب ہیں۔ یہ بات درست ہے کہ کچھ راویوں نے اس کو مرسل بیان کیا ہے۔ ابو بردہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابو

❶ منتقی ابن الجارود حدیث نمبر ۷۰۱۔

بردہ تابعی رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں۔کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ((لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ))

کچھ ثقہ راویوں نے اس کو موصول بھی بیان کیا ہے۔ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ کا واسطہ درمیان میں ذکر کیا ہے۔اور وہ ہیں بھی وہ ثقہ

اب ابو بردہ رحمہ اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان جو راوی رہ گیا تھا موصول بیان کرنے والوں کے بیان سے اس کا علم ہو گیا ہے۔وہ کون ہے۔وہ صحابی ابو موسی رضی اللہ عنہ ہیں۔ جب موصول روایت آگئی تو اس بات کا علم ہو گیا۔کہ ابو بردہ اور نبی کریم ﷺ کے درمیان جونسا واسطہ رہ گیا تھا جو راوی کچھ سندوں میں رہ گیا تھا اس کا علم ہو گیا۔کہ وہ راوی ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ تھے۔اس موصول حدیث سے راوی کا علم ہو گیا۔ جب راوی کا علم ہو گیا تو حدیث ثابت ہو گئی۔جب پتہ نہ چلے کہ تابعی اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان کون ہے۔وہ صحابی کا واسطہ ہے یا تابعی کا پھر تابعی ایک یا دو ہیں یا تین ہیں یا چار ہیں یا پانچ ہیں۔بعض دفعہ چھ تک تابعی آجاتے ہیں۔اگر پتہ نہ چلے تو پھر روایت ناقابل اعتبار ہوگی۔اور اب تو علم ہو گیا کہ ابو بردہ اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان بعض سندوں میں جونسا راوی رہ گیا تھا وہ صحابی ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ ہیں۔لہٰذا اب حدیث پایۂ ثبوت تک پہنچ گئی۔اس وجہ سے یہ اعتراض ختم ہے۔

دوسرا جواب:

یہ اعتراض کرنے والوں کا اپنا مسلک یہ ہے کہ مرسل روایت بھی حجت ہوتی ہے مرسل روایت بھی دلیل ہے۔ارسال سند کے اندر کوئی نقص نہیں ،کوئی عیب نہیں کہ

جس کی وجہ سے حدیث کمزور ہو۔

چنانچہ اصول فقہ کی کتابوں میں یہ بات لکھی ہوئی ہے۔کہ مرسل روایت بھی حجت ہوتی ہے،دلیل ہوتی ہے۔بلکہ بعض نے یہاں تک لکھ دیا کہ

"والمرسل فوق المسند عندنا" ❶

"مرسل ہمارے نزدیک مسند سے بھی اوپر اور اعلیٰ ہے"

کیونکہ جو راوی روایت کو مسند بیان کرتا ہے اس نے تمام راوی ہماری سامنے رکھ دیئے کہ جاؤ تحقیق کرتے رہو۔

تو جس نے راوی درمیان سے حذف کر دیا اس نے بتا دیا۔کہ حدیث بالکل ٹھیک ہے۔راوی چاہے میں ذکر کروں یا نہ کروں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

بہرحال اس سے کوئی اپنے آپ کو تو تسلی دے سکتا ہے۔لیکن دوسرے کی تسلی اس سے نہیں ہوتی۔جب اعتراض کرنے والے خود مانتے ہیں کہ ارسال سے روایت کمزور نہیں ہوتی،یہ عیب نہیں۔مرسل حدیث حجت ہوتی ہے تو جب یہ حدیث مرسل ہے۔تو پھر اس کو تسلیم کرو۔موصول ہے تو پھر بھی حجت ہے،مرسل ہے تو پھر بھی حجت ہے۔پھر بھی دلیل بن جائے گی۔اس لئے اس کو تسلیم کرنے سے مفر نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے۔

تیسری حدیث:

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« لَا نِكَاحَ إِلَّا بِإِذْنِ وَلِيٍّ مُرْشِدٍ أَوْ سُلْطَانٍ » ❷

"کوئی نکاح نہیں مگر رشد والے ولی کی اجازت کے ساتھ یا بادشاہ کی

---

❶

❷ المعجم الأوسط للطبراني حديث :٥٢١عن ابن عباس رضي الله عنه ومصنف عبد الرزاق باب النكاح بغير ولي حديث :١٠٤٧٢ومنتقى ابن الجارود وسنن دار قطني كتاب النكاح حديث :١٠۔

اجازت کے ساتھ“

کئی ولی اس طرح کے بھی ہوتے ہیں کہ وہ نہایت ہی بیوقوف ہوتے ہیں۔ان کو اپنی لڑکی یا اپنی ہمشیرہ کی خیر خواہی مقصود نہیں ہوتی۔ بلکہ اپنا کوئی ذاتی یا مالی مفاد مقصود ہوتا ہے خیر خواہی مقصود نہیں ہوتی خواہ ان کی لڑکی یا بہن کو نقصان ہی ہو رہا ہو۔ان کو کوئی پرواہ نہیں ہوتی بس انہیں اپنا ذاتی مفاد ہی سامنے ہوتا ہے۔

ایسے ولی مرشد نہیں ہوتے یا صاحب رشد نہیں یا بھلائی والے نہیں ،دانائی والے نہیں۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”صاحب رشد ،بھلائی والا ولی اجازت دے گا تو نکاح ہوگا اگر بھلائی والا ولی رشد والا ولی اجازت نہیں دے گا۔تو نکاح نہیں ہوگا“

رسول اللہ ﷺ فرمار ہے ہیں:

اگر کسی کا ولی مرشد نہیں تو پھر حاکم وقت سلطان قاضی یا پنچائیت فیصلہ کریں گے۔تو پھر نکاح ہوگا ورنہ نکاح نہیں ہوگا۔

اس حدیث کو امام طبرانی نے معجم اوسط میں ذکر کیا ہے۔

مذکورہ حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں:

اس پر بھی اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس کی سند میں فلاں راوی کمزور ہے ،فلاں راوی کمزور ہے۔لیکن اللہ کے فضل وکرم سے جو روایت میں ذکر کر رہا ہوں۔اس کے اندر کوئی راوی بھی کمزور نہیں۔سارے کے سارے راوی ثقہ ہیں۔

امام طبرانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ہم کو احمد بن قاسم نے حدیث سنائی۔یہ راوی بھی ثقہ ہیں۔تاریخ بغداد میں اس کی توثیق موجود ہے۔

قاسم فرماتے ہیں،ہم کو حدیث سنائی عبد اللہ بن داؤد ،بشر بن مفضل اور عبد

الرحمٰن بن مہدی نے ان تینوں نے ہم کو حدیث سنائی۔ بشر بن مفضل اور عبد الرحمٰن بن مہدی یہ تو بخاری، مسلم کے راوی ہیں۔ اور جو راوی بخاری، مسلم کا ہو۔ اور جن کو وہ بطور احتجاج لائے ہوں۔ ان کے متعلق اہل علم کا مقولہ ہے۔

" قد جاوز القنطرة "

کہ وہ آزمائش کا پل عبور کر چکے ہیں۔

ان کی ثقاہت مسلمہ ہے۔

یہ سب بیان کرتے ہیں سفیان سے۔ یہ بھی بخاری، ومسلم کے راوی ہیں ثقہ ہیں۔

سفیان بیان کرتے ہیں عبد اللہ بن عثمان بن خثیم سے وہ بیان کرتے ہیں سعید بن جبیر سے یہ بھی ثقہ ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے۔ یہ تو رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہیں۔ اس کے بعد نبی اکرم ﷺ کا بیان ہے۔ اس میں کوئی راوی بھی اللہ کے فضل وکرم سے ضعیف نہیں۔ معجم اوسط طبرانی کی یہ حدیث ہے

چوتھی حدیث:

تین احادیث آپ پہلے سماعت فرما چکے ہیں۔ جن سے پتہ چلتا ہے کہ ولی کے بغیر نکاح نہیں۔ چوتھی حدیث ہے ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَيُّمَا امْرَأَةٍ نَكَحَتْ بِغَيْرِ إِذْنِ وَلِيِّهَا فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ فَإِنْ دَخَلَ بِهَا فَلَهَا الْمَهْرُ بِمَا اسْتَحَلَّ مِنْ فَرْجِهَا وَ إِنِ اشْتَجَرُوا فَالسُّلْطَانُ وَلِيُّ مَنْ لَا وَلِيَّ لَهَا» ❶

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

---

❶ مسند احمد عن عائشة حدیث :۲٤٤١٧ وأبوداود حدیث :۲۰۸۳ والترمذی حدیث :۱۱۰۲ وارواء الغلیل حدیث :۱۸۳۹۔

« أَيُّمَا امْرَأَةٍ » جونسی بھی عورت أَيُّمَا لفظ رسول اللہ ﷺ نے امرأۃ کے ساتھ ملا دیا ہے۔ جو کہ عموم کا فائدہ دے رہے ہیں۔ یعنی کوئی بھی عورت ہے، چاہے وہ عورت عربی ہے یا وہ عورت عجمی ہے۔ وہ چینی ہے، پاکستانی ہے، ایرانی ہے، جاپانی ہے افغانی ہے کوئی بھی عورت ہے۔ وہ خواہ بچی ہے، بوڑھی ہے یا جوان ہے۔ اس کی پہلی شادی ہوئی تھی یا نہیں ہوئی تھی۔ « أَيُّمَا امْرَأَةٍ » فرمایا ہے آپ نے یعنی جونسی بھی عورت ہے۔ وہ اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرتی ہے۔

یہاں بھی رسول اللہ ﷺ نے لفظ ''نکحت'' بولا ہے۔ جس میں نسبت عورت کی طرف ہو رہی ہے۔ کہ عورت نکاح کرتی ہے۔ نکاح کی نسبت رسول اللہ ﷺ خود عورت کی طرف کر رہے ہیں۔ اور جو قرآن مجید میں نکاح کی نسبت عورتوں کی طرف ہوئی ہے۔ اس کا بھی علم رسول اللہ ﷺ کو تھا۔ اس کے باوجود خود رسول اللہ ﷺ عورت کی طرف نسبت کر رہے ہیں ''نکحت''

اگر یہاں سے یہ نکلتا ہو کہ ولی کے بغیر عورت نکاح کر سکتی ہے۔ تو پھر رسول اللہ ﷺ یہ کیوں فرماتے؟

« بِغَيْرِ إِذْنِ وَلِيِّهَا فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ »

''ولی کی اجازت کے بغیر جو بھی عورت نکاح کرے۔ اس کا نکاح باطل ہے''

رسول اللہ ﷺ نے لفظ ہی کتنے واضح فرما دیئے۔ کہ نکاح اس کا باطل ہے پھر ایک مرتبہ نہیں دو مرتبہ نہیں تین مرتبہ یہ جملہ دوہرایا ''کہ اس کا نکاح باطل ہے اس کا نکاح باطل ہے اس کا نکاح باطل ہے'' تین مرتبہ یہ لفظ بولے۔ اس کے بعد پھر کوئی شخص کہے کہ اس کا نکاح ہو جائے گا: تو وہ اپنے ایمان کی خیر منائے۔ ابا جان اور بھائی گھر پر رو رہے ہیں ان کو افسوس ہو رہا ہے۔ اور ادھر عورت کا نکاح ہو گیا ہے۔

اگر نکاح ہو جاتا ہے تو پھر رسول اللہ ﷺ اس کو باطل کیوں کہہ رہے ہیں؟ اگر ولی کے بغیر ہی نکاح ہو جاتا تو پھر کیا رسول اللہ ﷺ کو اس اصول اور ضابطے کا علم نہیں تھا؟ بلکہ آپ نے فرمایا ''اس کا نکاح باطل ہے۔''

''اگر ولی کے بغیر نکاح ہو گیا۔ خاوند بیوی کے پاس چلا گیا۔ تو پھر خاوند کو حق مہر دینا پڑے گا نکاح اس کا باطل ہے مگر حق مہر اس کو دینا پڑے گا۔''

اس سے یہ معلوم ہوا اگر خاوند ابھی تک بیوی کے پاس نہیں گیا تو نکاح کے باطل ہونے کی وجہ سے مہر اس کے ذمہ نہیں ہو گا کیونکہ نکاح تو ہوا ہی نہیں۔

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: ''اگر ولی کا جھگڑا پڑ جائے''

ایک کہتا ہے نکاح فلاح جگہ ہونا چاہیے دوسرا کہتا ہے نکاح فلاں جگہ ہونا چاہیے۔ اس طرح جھگڑا بن جاتا ہے اور بات کہیں بھی نہیں بنتی۔ اور عورت کی زندگی خراب ہوتی رہتی ہے۔ اور ولی اپنے جھگڑے میں پڑے ہوتے ہیں۔

خاص طور پر مشکل اس وقت پیش آتی ہے جب عورت کے اپنے والد صاحب فوت ہو چکے ہوں اس کے بعد اس کے اپنے بھائی بہن ہوں اب عورت کا ولی اس کے بھائیوں نے بننا ہے۔ تو ایک بھائی فلاں جگہ کی طرف کھینچتا ہے۔ اور دوسرا کہتا ہے کہ نکاح فلاں جگہ پر ہو ایسی صورت بسا اوقات پیدا ہو جاتی ہے۔

یا یہ ہے کہ باپ فوت ہو چکا ہو اور بعد میں چچا ہیں اور چچا بھی دو تین چار ہیں ایک کہتا ہے فلاں جگہ نکاح ہونا چاہیے دوسرا کہتا ہے نکاح فلاں جگہ ہونا چاہیے اس طرح ولیوں میں بعض دفعہ جھگڑا ہو جاتا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے جھگڑا بھی ختم کر دیا کہ اگر ولیوں کا جھگڑا پڑ جائے تو پھر سلطان اور حاکم وقت ان کا ولی ہے جن کا ولی کوئی نہ ہو۔

غور کیجیے: آپ فرما رہے ہیں اگر جھگڑا ہو جائے تو پھر حاکم وقت ان کا ولی ہے جن کا ولی کوئی نہ ہو۔قاضی اور اور پنچائیت اس وقت ولی بن جائیں گے۔ان کے سامنے یہ مسئلہ رکھا جائے گا اور یہ سارے ولی ختم اور کئی لوگوں کا ولی بالکل ہی نہیں ہوتا۔نہ باپ ہے نہ بھائی ہے نہ چچا ہے ،نہ دادا ہے۔اور نہ کوئی بالکل ہی دور سے یا نزدیک سے کوئی رشتہ دار ہوتا ہے۔

یہ مسئلہ بھی رسول اللہ ﷺ نے حل کر دیا کہ حکومت اور پنچائیت ولی بن جائے گی اور وہ اس کا نکاح کر دیں گے۔عورت اپنے آپ پھر بھی نکاح نہیں کر سکتی۔

کئی کہتے ہیں ولی نہ ہو تو پھر عورت کدھر جائے۔اس کا حل بھی رسول اللہ ﷺ نے کر دیا ہے۔یہ نہیں کہ عورت میرے یا تمہارے گھر آ جائے۔بلکہ قاضی اور حاکم وقت ذمہ دار ہیں وہ اس کا نکاح کریں گے یا کسی آدمی کو مقرر کر دیں گے۔ہر حکومت ذمہ دار ہے وہ حکومت ہی اس کا نکاح کروائے گی۔

سند پر اعتراض اور اس کے جوابات:

اس حدیث پر بھی بہت سارے اعتراض کئے جاتے ہیں۔کہ اس میں بھی بہت سارے راوی ضعیف ہیں۔لیکن اس میں بھی اللہ کے فضل وکرم سے کوئی راوی بھی ضعیف نہیں ہے۔ابن جریج ،مسلم اور بخاری کے راوی ہیں۔وہ بیان کرتے ہیں سلیمان بن موسی سے۔یہ راوی بھی ثقہ ہے ،صدوق ہے۔بعض نے لکھا ہے کہ بسا اوقات ان سے غلطی ہو جاتی ہے۔بسا اوقات تو ہر ایک سے غلطی ہو جاتی ہے۔بڑے سے بڑے ثقہ راویوں سے غلطی ہو جاتی ہے اس طرح تو پھر ثقہ رہتا ہی کوئی نہیں۔لہذا یہ کوئی ایسی چیز نہیں جس سے اس کی صداقت مخدوش ہو۔

ابن جریج ابن ہشام زہری سے بیان کرتے ہیں۔اور وہ بخاری ،مسلم کے راوی ہیں ثقہ ہیں اور وہ عروہ بن زبیر سے۔یہ بھی بخاری ،مسلم کے راوی ہیں۔اور وہ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں۔یہ تو ویسی ہی صحابیہ ہیں لہذا اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

اس پر ایک اور اعتراض یہ کیا جاتا ہے۔کہ ابن جریج تدلیس کا عادی تھا۔اور تدلیس والا راوی جب روایت ''عن'' سے بیان کرے تو قابل اعتبار نہیں ہوتی۔یہ اصول ٹھیک ہے اس میں کوئی شک نہیں اور یہ بات بھی ٹھیک ہے کہ ابن جریج تدلیس بھی کرتے تھے۔لیکن یہاں اس مقام میں وہ سماع کی تصریح بھی کر رہے ہیں ''عن'' سے بیان نہیں کر رہے بلکہ اخبرنی کا لفظ استعمال کر رہے ہیں۔ابن جریج قال اخبرنی سلیمان بن موسیٰ'' کہ مجھے سلیمان بن موسیٰ نے خبر سنائی''

اس واسطے یہ اعتراض کافور ہو گیا ہے۔

یہ حدیث مصنف عبد الرزاق ،مسند امام احمد اور منتقی ابن جارود میں ہے۔جس کے متعلق آپ سماعت فرما چکے ہیں کہ ساری کتاب ہی صحیح ہے۔اور سنن دارقطنی میں یہ سند متن کے ساتھ موجود ہے۔

اس حدیث پر ایک اور اعتراض کیا جاتا ہے کہ ابن جریج متعہ کے قائل تھے اور نکاح متعہ حرام ہے۔اب اس جیسے آدمی کی روایت کیسے قابل قبول ہو سکتی ہے؟

یہ اعتراض بنتا نہیں کیونکہ نکاح متعہ پہلے کچھ عرصہ حلال بھی رہا ہے۔بعد میں رسول اللہ ﷺ نے اس کو حرام قرار دے دیا تھا۔صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ قیامت تک حرام ہے۔البتہ کچھ لوگوں کو اس کے حرام ہونے کا پتہ نہیں چلا وہ پہلے حلال ہونے کو ہی صحیح سمجھتے رہے ہیں۔اس سے آدمی کی ثقاہت مخدوش نہیں ہوتی

یعنی ایک چیز پہلے شریعت میں حلال تھی بعد میں حرام ہوگئی اور کسی کو اس کی حرمت کا پتہ نہیں چلا پہلے کے مطابق اس کو حلال سمجھتا رہا ہے تو اس سے اس کی ثقاہت مخدوش نہیں ہوتی۔

اس کی مثال اس طرح سمجھ لو، صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

«كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ» ❶

''ہر نشہ آور چیز حرام ہے''

اور کچھ علماء ایسے ہیں جو فرماتے ہیں:

« لَمْ يَحْرُمْ كُلُّ مُسْكِرٍ »

''ہر نشہ آور چیز حرام نہیں''

کیونکہ پہلے حرام نہیں تھی بعد میں حرام ہوئی ہے تو اگر کسی کو اس کی حرمت کی خبر نہیں پہنچی تو وہ پہلے فرمان کی بنیاد پر اس کو حلال کہہ سکتا ہے تو کیا ایسے علماء جو « لَمْ يَحْرُمْ كُلُّ مُسْكِرٍ » کہتے ہیں وہ ضعیف ہو جائیں گے، ثقہ نہیں رہیں گے کیا اس کا کوئی قائل ہے؟ نہیں اس کا کوئی قائل نہیں۔ لہٰذا اس چیز کو بنیاد بنا کر یہ کہنا کہ یہ ثقہ نہیں رہا۔ یہ بات درست نہیں۔

پھر یہ بات بھی ہے کہ ابن جریج کو جب متعہ کی حرمت کا پتہ نہیں تھا اس وقت تو کرتے رہے۔ لیکن جب اس کی حرمت کا علم ہوا تو توبہ کر لی رجوع کر لیا۔

چنانچہ سیر اعلام النبلاء میں لکھا ہوا ہے کہ ابن جریج نے متعہ کے جواز والے فتوی سے رجوع کر لیا تھا۔ تو کیا جب اس نے رجوع کر لیا ہے تو اب بھی اس کا قصور

❶ صحيح البخاري ، كتاب المغازي حديث،٤٣٤٥

معاف نہیں ہوا۔

پھر صحیح بخاری میں ابن جریج کی ایک دو روایتیں نہیں بلکہ سینکڑوں روایات موجود ہیں اس واسطے یہ اعتراض خوامخواہ ہے۔اس اعتراض کی بنیاد پر اس روایت کو کمزور قرار نہیں دیا جا سکتا۔

اس روایت پر ایک اور اعتراض بڑے شدومد سے کیا جاتا ہے کہ ابن جریج فرماتے ہیں۔میں ابن شہاب زہری کو ملا تو میں نے کہا کہ آپ کا نام لے کر سلیمان بن موسی نے مجھے حدیث سنائی ہے ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی:

« أَيُّمَا امْرَأَةٍ نَكَحَتْ بِغَيْرِ إِذْنِ وَلِيِّهَا فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ »

(ابن شہاب زہری اس روایت کو بھول گئے ہوئے تھے) کہنے لگے مجھے یاد نہیں۔اعتراض یہ کیا جاتا ہے اگر ابن شہاب زہری نے یہ حدیث بیان کی ہوتی تو پھر کہتے کہ میں نے بیان کی ہوئی ہے اور سلیمان بن موسی کو سنائی بھی ہے۔لیکن ابن شہاب زہری فرماتے ہیں مجھے یاد ہی نہیں۔

جواب: لیکن یہ اعتراض بھی ناقابل التفات ہے کیونکہ یہ حکایت ابن جریج سے بیان کرنے والے ابن علیہ ہیں اسماعیل بن ابراہیم بن علیہ۔

امام ترمذی نے اپنی جامع ترمذی میں یحیی بن معین سے یہ بات نقل کی ہے کہ ابن علیہ کا ابن جریج سے سماع ہی کوئی نہیں۔یعنی یحییٰ بن معین اس روایت کو ضعیف قرار دیتے ہیں کہ یہ روایت پایۂ ثبوت تک پہنچتی ہی نہیں۔اور جب ابن جریج کا ابن شہاب زہری سے یہ کہنا کہ سلیمان بن موسی نے آپ سے یہ روایت بیان کی ہے ثابت ہی نہیں تو اعتراض کس بات کا ہوا؟

اور بھی بہت سے محدثین نے اس بات کا رد فرمایا ہے۔جن میں امام احمد بن

حنبل بھی ہیں۔ابن جریج کا ابن شہاب زہری سے بیان کرنا اور امام زہری کا بھول جانا ثابت نہیں۔کیونکہ اس کی سند یہی ہے۔

قابل غور بات:

آپ غور کریں کہ جب ابن جریج ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہاوالی روایت بیان کرتے ہیں۔پھر تو ان کی تدلیس بھی یاد آ جاتی ہے۔اور متعہ بھی یاد آ جاتا ہے لیکن جب یہ زہری کے نسیان والی حکایت بیان کرتے ہیں تو پھر تدلیس بھی بالائے طاق اور متعہ بھی بالائے طاق۔کیا خیال ہے پھر؟ کیا یہ انصاف ہے؟ یہ کوئی انصاف نہیں اس لئے غور کرواور سوچو:

چند منٹ کے لئے آدمی تسلیم بھی کر لے کہ ابن شہاب زہری بھول گئے تھے تو پھر بھی کوئی بات نہیں آدمی بھول بھی تو جاتا ہے۔سلیمان بن موسیٰ ثقہ راوی ہیں اور وہ یہ فرما رہے ہیں کہ مجھے ابن شہاب زہری نے حدیث سنائی ہے تو پھر ٹھیک ہے۔یا پھر امام زہری فرماتے کہ میں نے حدیث نہیں سنائی۔پھر اعتراض ہوتا لیکن وہ یہ فرماتے ہی نہیں وہ فرماتے ہیں مجھے یاد نہیں۔اور سلیمان بن موسیٰ کی ابن جریج بھی تعریف کرتے ہیں اور امام زہری بھی تعریف کرتے ہیں کہ نیک صالح اور اچھا آدمی ہے۔تعریف کرنے کا مقصد بھی یہی ہے کہ وہ مجھ سے بیان کرتے ہیں اور مجھے بھول گئی ہے۔یہ کوئی اعتراض اور نقص والی بات نہیں۔اول تو یہ کہ نسیان والی بات پایہ ثبوت تک پہنچتی ہی نہیں۔

پانچویں حدیث:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چار حدیثیں آپ سماعت فرما چکے ہیں۔اب پانچویں حدیث سنو:

رسول اللہ ﷺ کے صحابی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« لَا تُزَوِّجِ الْمَرْأَةُ الْمَرْأَةَ وَ لَا تُزَوِّجِ الْمَرْأَةُ نَفْسَهَا » ❶

''ایک عورت دوسری عورت کا نکاح نہ کرے''

دوسرے لفظوں میں یہ سمجھو کہ مرد ولی بنیں گے۔ عورتیں ولی نہیں بن سکتی کیونکہ آپ نے فرمایا: « لَا تُزَوِّجُ الْمَرْأَةُ الْمَرْأَةَ » ''کوئی عورت کسی عورت کا نکاح نہ کرے۔ خواہ وہ عورت والدہ ہی کیوں نہ ہو، خالہ اور پھوپھی ہی کیوں نہ ہو، دادی اور نانی ہی کیوں نہ ہو وہ ولی نہیں بن سکتی۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ منع فرما رہے ہیں۔ کہ کوئی عورت کسی عورت کا نکاح نہ کرے مطلب یہ ہے کہ ولی نہ بنے۔ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں:

« وَ لَا تُزَوِّجِ الْمَرْأَةُ نَفْسَهَا »

''کوئی عورت اپنی ذات کا بھی نکاح نہ کرے''

معلوم یہ ہوا کہ عورت خود مختار نہیں اس کو یہ بھی اختیار نہیں کہ وہ اپنا نکاح ہی کسی دوسرے سے کر سکے وہ ولی کے بغیر نکاح نہیں کر سکتی۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یہ حدیث (کہ کوئی عورت کسی عورت کا نکاح نہ کرے اور نہ اپنے نفس کا نکاح کرے) بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

« كُنَّا نَعُدُّ الَّتِيْ تَنْكِحُ نَفْسَهَا هِيَ الزَّانِيَةُ » ❷

''جو عورت اپنا نکاح خود کرتی ہے ہم اس کو زانیہ بدکارہ سمجھتے تھے''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا نظریہ اور عقیدہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کر رہے ہیں کیونکہ وہ '' كُنَّا '' (ہم سمجھتے تھے) فرما رہے ہیں '' كُنْتُ '' یعنی اپنے اکیلے کا نظریہ بیان

---

❶ سنن دار قطني كتاب النكاح حديث، ٢٥، وسنن الكبرى للبيهقي حديث: ١٣٤١٠

❷ ايضا

نہیں کر رہے ہیں۔ بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا نظریہ اور عقیدہ بیان کر رہے ہیں۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع ترمذی میں فرمایا ہے: عمر بن خطاب، علی بن ابی طالب، ابو ہریرہ، عبد اللہ بن عباس اور کئی صحابہ (رضی اللہ عنہم) فرماتے ہیں کہ ولی کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔

کئی مسئلوں میں خلفائے راشدین کا بڑا تذکرہ کیا جاتا ہے کہ یہاں خلفائے راشدین کا مسلک ہے۔ تو پھر یہاں بھی تو خلفائے راشدین ہیں۔ عمر بن خطاب اور علی بن ابی طالب یہ خلفائے راشدین ہی ہیں۔ اور وہ فرما رہے ہیں کہ ولی کے بغیر نکاح نہیں ہوگا۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ بہت سارے تابعین بھی یہی فرماتے ہیں کہ ولی کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔ مثلاً: سعید بن میتب، حسن بن، ابراہیم نخعی، قاضی شریح، عمر بن عبد العزیز رحمہم اللہ وغیرہم۔

اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے بہت سارے آئمہ کرام کے نام بھی شمار کیے ہیں۔ سفیان ثوری، امام اوزاعی، امام اسحاق بن راہویہ، عبد اللہ بن مبارک، امام مالک، امام احمد بن حنبل امام شافعی، امام اسحاق (رحمہم اللہ) یہ سب فرماتے ہیں کہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں ہوگا۔ ❷

پانچ روایتیں آپ نے سماعت فرمائیں ہیں۔ اس پانچویں روایت پر بھی بہت سارے اعتراضات کیے جاتے ہیں کہ اس کی سند صحیح نہیں۔ اس میں فلاں راوی کمزور ہے، فلاں راوی کمزور ہے۔ اس لئے آپ اس حدیث کی بھی سند سماعت فرمالیں۔ انشآء اللہ تعالی کے فضل وکرم سے اس میں بھی کوئی راوی

❶ جامع الترمذی کتاب النکاح، باب ماجاء لا نکاح إلّا بِوَلِیّ: ۱۱۰۲

❷ جامع الترمذیکتاب النکاح، باب ماجاء لا نکاح إلّا بِوَلِیّ: ۱۱۰۲

کمزور نہیں ہے۔

عبدالرحمٰن بن محمد محاربی فرماتے ہیں ہمیں حدیث سنائی ہے عبدالسلام بن حرب نے وہ بیان کرتے ہیں ہشام بن حسان سے، وہ بیان کرتے ہیں محمد بن سیرین سے وہ بیان کرتے ہیں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے۔

یہ ہے اس کی سند۔ایک راوی بھی کمزور نہیں۔تمام راوی ثقہ ہیں۔ادنی درجے کے ثقہ نہیں بلکہ اعلی درجے کے ثقہ ہیں۔یہ سند سنن دارقطنی اور سنن کبری بیہقی میں موجود ہے۔شیخ البانی رحمہ اللہ نے اپنی مایہ ناز کتاب ''ارواء الغلیل'' میں اس سند کو بیان کرنے کے بعد فرمایا ہے:

"وَ إِسْنَادُهُ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ"

''یہ سند صحیح ہے اور شیخین کی شرط پر ہے''

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں شیخین نے ان کی احادیث کو موضوع کتاب اور مقاصد کتاب میں درج کیا ہے اس واسطے اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔لہذا ان احادیث سے ثابت ہوا کہ ولی کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔جو کوئی کر رہا ہے وہ باطل ہی ہے۔اور اگر وہ اس طرح کے نکاح کا سلسلہ جاری رکھیں گے تو حرام کاری اور بدکاری کا ارتکاب کریں گے۔نکاح تو اس طرح ہوتا ہی نہیں۔

عورت کی رضا بھی ضروری ہے:

یہ بھی ساتھ یاد رکھو کہ ولی کی اجازت اور رضا کے ساتھ اس عورت کی رضا بھی ضروری ہے جس کا نکاح ہو رہا ہے خواہ وہ بیوہ ہے، مطلقہ ہے یا اس کی شادی ابھی

نہیں ہوئی دلیل اس کی یہ ہے کہ صحیح بخاری میں موجود ہے:

« عن خنساء بنت خدام الانصارية أَنَّ أَبَاهَا زَوَّجَهَا وَ هِيَ ثَيِّبٌ فَكَرِهَتْ ذَالِكَ فَرَدَّ نِكَاحَهُ »

خنساء بنت خدام رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی (ان کی ایک مرتبہ شادی ہو چکی تھی) فرمانے لگیں۔ کہ میرے ابا جی نے میرا نکاح ایک جگہ پر کر دیا ہے اور میں اس نکاح پر راضی نہیں ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نکاح کو مسترد قرار دے دیا۔

« فَرَدَّ نِكَاحَهُ » ❶

باپ نے نکاح کیا تھا لیکن بیٹی راضی نہیں اور ہے بھی ثیبہ، باکرہ نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح مسترد کر دیا ہے۔

پتہ چلا کہ عورت کی رضا کے بغیر باپ نکاح کر دے تو وہ مسترد ہے۔ اگر دوسرے ولیوں سے کوئی نکاح کر دے تو وہ بطریق اولی مسترد ہوگا۔ کیونکہ جتنا مضبوط ولی باپ ہے دوسرے اتنے مضبوط نہیں۔

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک حدیث ہے ابو داؤد میں ہے۔ فرماتے ہیں ایک باکرہ لڑکی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی۔ کہنے لگی: میرے باپ نے ایک مقام پر میرا نکاح کر دیا ہے میں وہاں راضی نہیں ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لڑکی کو اختیار دے دیا اگر تو وہاں راضی ہے تو ٹھیک ہے تو وہاں چلی جا اور اگر تو راضی نہیں تو ہم تیرا نکاح توڑ دیتے ہیں اور تو دوسرا نکاح کر لے۔ ❷

---

❶ صحیح البخاری کتاب النکاح ، باب اذا زوج ابنته و هی کارهة، حدیث: ۵۱۳۸

❷ سنن أبي داؤد

ایک اور واقعہ اس طرح کا ہے کہ ایک عورت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ کہنے لگی اے اللہ کے رسول: میرے باپ نے میرا نکاح ایک مقام پر کر دیا ہے۔اور میں وہاں راضی نہیں۔رسول اللہ ﷺ نے اس کو اختیار دے دیا۔ پھر وہ عورت رسول اللہ ﷺ سے کہنے لگی۔میرے والد صاحب نے نکاح کر دیا ہے میں راضی اور خوش ہوں وہاں ہی ٹھہروں گی۔اور مسئلہ میں نے اس لئے پوچھا تا کہ عورتوں کو پتہ چل جائے کہ ہمارے ولیوں کو یہ حق حاصل نہیں کہ جہاں چاہیں ہمیں بیاہ چھوڑیں ہماری رضا کا بھی اعتبار ہے۔ ❶

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

« لَا تُنْكَحُ الْأَيِّمُ حَتَّى تُسْتَأْمَرَ وَ لَا تُنْكَحُ الْبِكْرُ حَتَّى تُسْتَأْذَنَ قَالُوا يَا رَسُولَ اللّٰهِ (ﷺ) ! كَيْفَ إِذْنُهَا قَالَ أَنْ تَسْكُتَ » ❷

"جس عورت کا آپ نے نکاح کرنا ہے اگر وہ ثیبہ ہے تو اس سے پوچھو اگر وہ اپنی رضا بول کر بتائے تو اس کا نکاح کرو۔ورنہ اس کا نکاح تم نہیں کر سکتے۔رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اگر وہ عورت ثیبہ نہیں باکرہ ہے تو اس سے بھی اجازت لو۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا اگر وہ نہ بولے خاموش رہے تو پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

❶ سنن ابی داود، کتاب النکاح ،باب فی البکر یزوجها ابوها ، حدیث: ۲۰۹۶۔ ابن ماجة :۱۸۷۵۔

❷ صحیح بخاری کتاب النکاح باب لا ینکح الأب وغیرہ البکر راہ لرضاها حدیث:۵۱۳۶۔ مسلم:۱۴۱۹۔ ابوداؤد:۲۰۹۲۔ ترمذی:۱۱۰۷۔

اس کی خاموشی کو ہی اجازت سمجھ لیا جائے گا۔“

اور اگر وہ بول کر یہ کہہ دے کہ میں نے یہاں نکاح نہیں کرنا تو پھر اس کا نکاح ولی بھی نہیں کر سکتا۔لہٰذا نکاح میں ولی کی اجازت بھی ضروری ہے اور عورت کی رضا بھی ضروری ہے۔دونوں میں سے ایک راضی نہ ہو،اجازت نہ دے تو نکاح نہیں ہوگا۔اور تیسرا وہ مرد جس نے عورت کا خاوند بننا ہے اس کی رضا بھی ضروری ہے،اس کا قبول کرنا بھی ضروری ہے۔اگر وہ قبول ہی نہ کرے یہ دونوں اگرچہ راضی ہوں پھر بھی نکاح نہیں ہوگا۔اس لئے ان چیزوں کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔

آج کل کی لڑکیاں:

اب عورتوں میں کیبل،ڈش،انٹرنیٹ اور کئی بد بلاؤں کی وجہ سے بغاوت پیدا ہو چکی ہے وہ اپنی مرضی کی شادی کرواتی ہیں۔والدین ،بھائی جب اس نکاح میں رکاوٹ بن کر کھڑے ہو جاتے ہیں تو وہ پھر عدالت میں جا کر اپنا نکاح کروالیتی ہیں لہٰذا عدالت کو بھی چاہیے کہ فوراً نکاح نہ کرے بلکہ تحقیق کر لے کہ قصور کس کا ہے۔اور تاکید کرے کہ ولی کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔

بیوہ اور مطلقہ کی اجازت:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلْأَیِّمُ أَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا» ❶

”بیوہ اور مطلقہ کا حق اپنی ذات کے متعلق ولی سے زیادہ ہے“

❶ صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب استئذان الثیب، حدیث:۱٤۲۱۔

ولی کا بھی حق ہے لیکن بیوہ کا اپنی ذات کے متعلق ولی سے زیادہ حق ہے۔
زیادہ کا مطلب یہ نہیں کہ وہ آزاد ہو چکی ہے۔ جہاں چاہے نکاح کرتی پھرے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بول کر کہے کہ فلاں جگہ میں نے نکاح کرنا ہے، فلاں جگہ نہیں کرنا۔ اور اگر وہ کنواری ہے تو وہ باحیا ہوتی ہے بول نہیں سکتی جبکہ ثیبہ بول سکتی ہے۔ اس واسطے فرمایا ہے کہ یہ زیادہ حق رکھتی ہے۔ اب زیادہ حق سے یہ کوئی نکالنا شروع کر دے کہ ولی کی اب ضرورت نہیں رہی تو یہ استدلال خواہ مخواہ ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرما دیا ہے کہ ولی کے بغیر نکاح نہیں۔ اور ولی کے بغیر کے جو نکاح ہو گا وہ باطل ہے۔

((......۞۞۞......))

خطبہ مسنونہ

إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَ مَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَ أَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ:

﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ ءَامَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَ لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴾ ❶

﴿ يٰاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّ نِسَآءً وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ﴾ ❷

﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ ءَامَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴾ ❸

أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ وَ خَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ وَ شَرَّ الْأُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَ كُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَ كُلَّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ ❹

---

❶ آل عمران:۳/۱۰۲، ❷ النساء:۴/۱، ❸ الاحزاب:۳۳/۷۰، ۷۱

❹ صحیح مسلم، کتاب الجمعة، باب خطبته ﷺ فی الجمعة:۶/۱۵۳۔

شادی

اما بعد: اے ارباب نادی۔ خواہ ہو ساکن بلدہ خواہ ہو ساکن بادی۔ رحم کرے تم پر رب ہادی۔ آج کے درس کا موضوع ہے شادی۔ جو ہوتی ہے خانہ آبادی۔ نہ وہ جو ہوتی ہے خانہ بربادی۔

عربی زبان میں شادی کے معانی:

''شادی'' یہ شدا یشدو شدوًا سے اسم فاعل ہے۔

عربی زبان میں اس کے کئی معانی ارباب لغت نے بیان فرمائے ہیں۔ جو کہ دس سے بھی زیادہ ہیں۔ وہ تمام اس وقت بیان کرنے مقصود نہیں اور نہ ہی ان کا موضوع کے ساتھ کوئی ربط اور تعلق ہے۔ البتہ معلومات کے لیے دو تین معانی عربی زبان میں بیان کیے دیتا ہوں۔

۱۔ شدیٰ کا ایک معنی ہوتا ہے۔ اونٹوں کو ہانکنا۔ بلوچ اونٹوں والے اونٹوں کی قطار بنا کر ایک آدی کو پیچھے لگا دیتے ہیں۔ وہ ان کو ہانکتا ہے اور ساتھ اشعار پڑھتا ہے۔اس وقت لفظ بولا جاتا ہے۔ '' شَدَ الابِلَ'' فلاں نے اونٹوں ہانکا۔ تو شادی کا معنی ہوگا ،اونٹوں کو ہانکنے والا۔

۲۔ شدا کا دوسرا معنی ہے، چہچہانا، پرندوں کا نغمے کہنا، کہا جاتا ہے: ''شدا الطیرُ'' پرندے چہچہائے۔ انہوں نے طرح طرح کے نغمے کہے۔ اس معنی کے مطابق شادی کا معنی ہوگا ،چہچہانے والے پرندے۔

۳۔ شدا کا تیسرا معنی ہے شعر پڑھنا ، کہا جاتا ہے: '' شَدَا الشِعرَ'' کہ فلاں نے

شعروں کو خوب آواز لگا کر پڑھا۔ پھر یہ بھی کہا جاتا ہے: " شَدَا بَيْتًا أَوْ بَيْتَيْنِ" کہ اس نے راگ الاپ کر ایک یا دو شعر پڑھے اس معنی کے مطابق شادی کا معنی بنے گا راگ لگا کر شعر پڑھنے والا۔

یہ تو عربی زبان میں شادی کے معانی ہیں ان کے علاوہ بھی عربی میں شادی کے کئی معانی ہیں۔

اردو زبان میں شادی کا معانی:

ہمارے عرف میں جب شادی کا لفظ بولا جاتا ہے۔ تو یہ معانی مراد نہیں لیے جاتے۔ ہمارا عرف اس لفظ کے متعلق الگ ہے۔ شادی کا ایک معنی ہمارے عرف میں خوشی پر غمی کے مقابلے میں بولا جاتا ہے کہ فلاں شخص کے ہاں غمی ہے اور فلاں کے ہاں شادی ہے غمی کے مقابلے میں فرح مسرت اور خوشی ہوتی ہے ہمارے عرف میں شادی کا لفظ خوشی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

اصل خوشی آخرت کی ہے:

شادی اور غمی کے کچھ خود ساختہ پیمانے ہم لوگوں نے بنائے ہوئے ہیں، کچھ شادی اور غمی کے وہ اصول اور ضوابط ہیں جو کتاب وسنت میں ہے۔

جن کے پابندی کرنے سے دنیا اور آخرت کی سعادت حاصل ہوتی ہے اور ساتھ دنیا اور آخرت کی مسرت اور فرح حاصل ہوتی ہے۔

پہلے یہ چیز سمجھ لو کہ اصل مسرت اور خوشی آخرت کی خوشی اور آخرت کی مسرت ہے، دنیا کی جتنی بھی خوشیاں ہیں شادیاں ہیں یہ آخرت کی خوشیاں اور شادیوں کے مقابلے میں ہیچ ہیں۔ آخرت کی مسرت اور خوشی جس کو حاصل ہو گی سمجھ لو کہ وہ کامیاب ہے اور کامران ہے۔ دنیا کی غمیاں اور دکھ اس کو بھول جائیں گے۔ اللہ تعالی

نے قرآن مجید میں دنیا میں خوش رہنے والوں کا بھی تذکرہ کیا ہے اور آخرت میں خوش رہنے والوں کا بھی تذکرہ کیا ہے اور دنیا میں پریشان رہنے والے اور آخرت میں پریشان رہنے والوں کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

﴿ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیْرًا ۙ وَّیَنْقَلِبُ اِلٰۤی اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ؕ ﴾ (الانشقاق: ۹، ۱۰)

جس کو اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دے دیا گیا اس کا حساب آسان ہو جائے گا دنیا میں تو انسان مشقت اور تکلیف میں ہے فرمایا جب اس کی رب تعالیٰ سے ملاقات ہوگی اور اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں پکڑایا گیا اس کا حساب آسان ہوگا اور آخرت میں اپنے گھر والوں کے پاس ہشاش بشاش مسرور اور خوش ہوگا۔ مسرت اور فرحت سے سرفراز اپنے گھر والوں کے پاس جائے گا۔ اس کے برعکس:

﴿ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ ۙ فَسَوْفَ یَدْعُوْا ثُبُوْرًا ۙ وَّیَصْلٰی سَعِیْرًا ؕ اِنَّهٗ كَانَ فِیْۤ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ؕ اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ یَّحُوْرَ ۚۛ بَلٰۤی ۚۛ اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِیْرًا ؕ ﴾

(سورۃ الانشقاق: ۱۰۔۱۵)

فرمایا جس کو اعمال نامہ پشت کے پیچھے سے ملا۔

ایک تعارض اور اس کا حل:

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ اعمال نامہ یا تو دائیں ہاتھ میں ملنا ہے یا کچھ لوگوں کو بائیں ہاتھ میں ملنا ہے۔ تو پشت کے پیچھے سے ملنے کا کیا مطلب ہوا۔ یہ تو بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے۔ آدمی غور کرے تو تعارض کوئی نہیں اعمال نامہ تو بائیں ہاتھ میں ملے گا۔ ایک انداز یہ ہے کہ بائیں ہاتھ میں سامنے سے ملے اور ایک انداز یہ ہے کہ بائیں ہاتھ

میں پیچھے سے ملے۔ پیچھے سے ملنے اور بائیں ہاتھ میں ملنے میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ یہ دونوں جمع ہو سکتے ہیں۔ بائیں ہاتھ میں اعمال نامہ ملے گا اور پس پشت ملے گا۔ پھر یہ ہلاکت کو آواز دے گا۔ ہائے میں مارا گیا۔ تباہ برباد ہو گیا پھر اس کو حکم ہو گا:

﴿لَا تَدْعُوا ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا﴾

(الفرقان: ۱۴)

ایک ہلاکت کو دعوت نہ دو بہت ساری ہلاکتوں کو دعوت دو۔ فرمایا ﴿وَ يَصْلٰى سَعِيْرًا﴾ اور بھڑکتی ہوئی تیز آگ میں داخل ہوگا اور جلے گا یہ اس کو غمی حاصل ہوئی ہے۔

﴿اِنَّهٗ كَانَ فِیْۤ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا﴾ دنیا میں یہ بہت خوش تھا خوشی سے زندگی بسر کرتا رہا ہے لیکن خوشی اپنی من مانی کی۔ اللہ اور اللہ کے رسول کے احکام کے مطابق نہیں۔ اور کہتا ہے۔ یہ خوشی کا موقعہ ہے مولوی جی مجھے کیوں روکتے ہو، شراب کے گلاس اور شراب کی بوتلیں چل رہی ہے اگر کہا جائے بھائی یہ حرام ہے کہتا ہے میری خوشی ہے کیا میں خوشی نہ مناؤں۔ اور کہیں کنجر اور کنجریاں نچائی جا رہی ہیں، یہ کیا ہے۔ یہ خوشی منائی جا رہی ہے اور کہیں اخلاق باختہ فلمیں بنائی جا رہی ہے آڈیو اور ویڈیو پتہ نہیں کیا کچھ نکل آیا ہے سب کچھ کر کے کہا جاتا ہے یہ میری خوشی ہے۔ وہ خوشی کے نام ہی سے سب کچھ کر رہا ہے اور پھر سینمے اور کلبوں میں جا کر موج اڑا رہا ہے پوچھا جائے تو کہتا ہے کیا میں خوشی نہ کروں، یہ خوشی کر رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّهٗ كَانَ فِیْۤ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا﴾ یہ دنیا میں بڑا خوش تھا اپنے گھر والوں میں اور آج جہنم رسید ہو رہا ہے اور ہلاکتوں کو دعوت دے رہا ہے فرمایا: ﴿اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ يَّحُوْرَ﴾ اور اس کا یہ گمان تھا اس دنیا میں ہی رہنا ہے اور اللہ کے پاس کہاں جانا ہے۔

یہ مولوی لوگوں نے باتیں بنائی ہے۔فوت ہو جاؤ گے پھر دفن ہو جاؤ گے پھر قبروں سے اٹھائے جاؤ گے اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوں گے حساب کتاب ہوگا یہ تو قصے کہانیاں مولوی لوگ دن رات سناتے رہتے ہیں (یہ جگ میٹھا اگلا کس ڈٹھا)-یہیں موج کرلو یہ اس کا ذہن ہے: ﴿إِنَّهُ ظَنَّ أَنْ لَّنْ يَحُوْرًا﴾ فرمایا: ﴿بَلٰى إِنَّ رَبَّهُ كَانَ بِهِ بَصِيْرًا﴾ یہ خیال اس کا خام ہے اللہ تعالیٰ کے پاس تم پیش ہوں گے اپنے کیے کا حساب چکاؤ گے قیامت برحق ہے اور لوگوں کا حساب کتاب بھی برحق ہے اور ہے بھی قریب ﴿اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ﴾ (الانبیاء:۱)

ایک مقام پر فرمایا: ﴿وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ آخرت سے غافل ہیں، دنیا میں عیش کر رہے ہیں کتاب وسنت اور آخرت کی کوئی پرواہ ہی نہیں یہ دنیا میں خوش ہیں اور آخرت کو ناخوش ہوں گے جہنم رسید ہوں گے اور جو دنیا میں اپنی زندگی اسلام کے مطابق کتاب وسنت کے مطابق گزارتے رہے ہیں خواہ حالات ان کے کیسے ہیں آخرت میں یہ خوش ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں:

﴿وَيَنْقَلِبُ إِلٰى أَهْلِهِ مَسْرُوْرًا﴾

ایک مقام میں فرمایا:

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ (البقرۃ:۲۷۷)

”فرمایا جو ایمان لائے اور نیک اعمال کی پابندی کرتے رہے۔نمازیں قائم کیں اور زکواتیں ادا کرتے رہے۔ان کے لیے ان کا اجر رب تعالیٰ

کے ہاں محفوظ ہیں اور ان پر کسی قسم کا کوئی خوف نہیں ہو گا اور نہ یہ غم کھائیں گے خوش ہی خوش ہوں گے۔''

﴿ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ وَ تَتَلَقّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِىْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴾ (الأنبیاء: ۱۰۳)

''بڑی گھبراہٹ جو بڑے بڑے لوگوں کو گھبراہٹ میں ڈال دے گی۔ ان ایمان والوں کو گھبراہٹ میں نہیں ڈالے گی حزن اور غم میں مبتلا نہیں کرے گی۔''

ایک مقام میں فرمایا:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ اَنْ لَّا تَخَافُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا وَأَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِىْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴾ (فصلت: ۳۰)

فرمایا جنہوں نے یہ بات کہہ دی کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر قائم رہے۔ اللہ تعالیٰ کے حکموں سے انحراف نہیں کیا۔ پوری زندگی، دین پر استقامت میں گزار دی۔ ان پر آخری وقت میں فرشتے نازل ہوتے ہیں اور کہتے ہیں۔ خوف نہ کھاؤ، کوئی غم نہ کھاؤ اور خوش ہو جاؤ اس جنت پر جس کا تم سے وعدہ کیا تھا یہ ہے اصل خوشی۔ جو انسان کو حاصل ہو جائے تو کامیاب ہے کسی نے کہا ہے:

وَلَدَتْكَ اُمُّكَ يَا ابْنَ اٰدَمَ بَاكِيًا
وَالنَّاسُ حَوْلَكَ يَضْحَكُوْنَ سُرُوْرًا
فَاجْهَدْ لِنَفْسِكَ أَنْ تَكُوْنَ اِذَا مَا بَكَوْا
فِىْ يَوْمِ مَوْتِكَ ضَاحِكًا وَّ مَسْرُوْرًا

''اے ابن آدم جب تجھے تیری والدہ نے جنا تھا تو رو رہا تھا۔''

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں جو بھی بچہ پیدا ہوتا ہے شیطان اس کو چوکا مارتا ہے جس وجہ سے بچہ رونے لگ جاتا ہے آپ ﷺ نے فرمایا: عیسیٰ اور عیسیٰ کی والدہ ماجدہ کو شیطان نے چوکا نہیں مارا۔ اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھا ہے۔ کیونکہ ان کی والدہ کی دعا تھی۔

﴿ اِنِّیْ اُعِیْذُكَ وَ ذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ﴾

(آل عمران: ۳٦)

مریم کی والدہ ماجدہ عیسیٰ کی نانی صاحبہ نے رب تعالیٰ سے دعا کی یا اللہ اس بچے کو جو میرے ہاں پیدا ہوتا ہے اس کو تیری پناہ میں دیتی ہوں اور اس کی اولاد کو بھی تیری پناہ میں دیتی ہوں شیطان مردود سے کہ شیطان مردود ان کے قریب تک نہ پھٹکے۔

بچہ جب دنیا میں آتا ہے تو روتا ہے اور لوگ وَالنَّاسُ حَولَكَ يَضْحَكُونَ سَرُوْرًا لوگ خوشیوں سے ہنس رہے ہوتے ہیں بچے کی دادی ہنس رہی ہے بچے کی نانی ہنس رہی ہے بچے کی خالہ ہنس رہی ہے بچے کی پھوپھی ہنس رہی ہے بچے کا باپ ہنس رہا ہے بچے کا دادا ہنس رہا ہے بچے کا نانا، ماموں اور چچے اور بہن بھائی وہ ہنس رہے ہیں۔اور وہ والدہ جو بچے کی پیدائش سے تکلیف میں ہوتی ہے بھی ایک گنا ہنس رہی ہوتی ہے وہ بھی خوشی اور مسرت محسوس کرتی ہے تو شاعر کہتا ہے لوگ ہنس رہے تھے اور تو رو رہا تھا۔

اب لطف یہ ہے کہ "فَاجْهَدْ لِنَفْسِكَ اَنْ تَكُوْنَ اِذَا مَا بَكُوْا " اس دنیا میں آ گیا ہے تو اب ایسی محنت کر کوشش کر کہ جس دن تم فوت ہو اس دنیا سے جاؤ۔" فِیْ یَوْمِ مَوْتِكَ ضَاحِكًا وَ مَسْرُوْرًا " لوگ رو رہے ہوں، باپ رو رہا ہے ،

ماں رو رہی ہے قریبی رشتہ دار رو رہے ہیں۔ پوری دنیا رو رہی ہے اور تم ہنس رہے ہو۔ یہ لطف ہے۔ رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں جب بد آدمی فوت ہو جاتا ہے لوگ اسے لے کر جا رہے ہوتے ہیں تو وہ کہتا ہے: أَيْنَ تَذْهَبُوْنَ بِيْ مجھے کہاں لے کر جا رہے ہو۔ کیوں کہ انجام نظر آ رہا ہوتا ہے کہ اب غمی ہی غمی۔ اور خوف ہی خوف۔ اس کے برعکس رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اگر فوت ہونے والا آدمی نیک ہے صالح ہے اور اس نے آخرت کی خوشی اور مسرت کے لیے محنت کی ہے تو پھر جب اس کو لے کر جا رہے ہوتے ہیں وہ کہتا ہے: قَدِّمُوْنِيْ قَدِّمُوْنِيْ مجھے جلدی لے چلو۔ کیونکہ انجام اس کو نظر آ رہا ہوتا ہے۔ کہ آگے اب خوشیاں ہی خوشیاں ہیں۔

ہمارا ایک چچا تھا فوت ہو گیا ہے اللہ اس کے درجات بلند کرے جنت الفردوس میں اس کو جگہ دے وہ نور پور کے ایک بزرگ کا واقعہ سنایا کرتے تھے وہ بڑا نیک اور صالح آدمی تھا کہ جب اس بزرگ کا آخری وقت تھا ،فوت ہونے لگا بیماری شدت اختیار کر گئی تو اس بزرگ کا بیٹا کہیں سے انگور لے آیا کہ میں اپنے باپ کو انگور کھلاتا ہوں پتہ نہیں انھوں نے بچنا ہے کہ نہیں بچنا۔ جب اس نے انگور پیش کیے کہ یہ کھالو۔ چچا بیان کرتے ہیں کہ وہ بزرگ کہنے لگے میرے پوتوں کو جو تیرے بچے ہیں ان کو انگور کھلا دو میرے لیے انگور آسمان سے آ رہے ہیں میں وہ انگور کھالوں گا۔ آدمی جب جانے لگتا ہے تو کچھ ہلکا سا نقشہ اللہ تعالیٰ اسے دکھا دیتا ہے نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں جب نیک آدمی جانے لگتا ہے تو وہ کہتا ہے: ''قَدِّمُوْنِيْ قَدِّمُوْنِيْ'' اس کو پتہ ہے کہ مجھے مسرت اور خوشیاں ہی حاصل ہونی ہیں۔ دنیا کے غم اور دکھ میرے سارے ختم ہو گئے ہیں۔ اصل مسرت اور خوشی آخرت کی ہے لہٰذا اس کے لیے محنت اور کوشش کرو۔ کہ جس وقت آپ دنیا سے جائیں تو آپ خوشی سے ہنس رہے ہوں اور لوگ رو

رہے ہوں اور یہ کیا زندگی ہے کہ پیدا بھی ہوا تو روتا ہوا اور فوت ہوا تو روتا ہوا۔ اور لوگوں نے بھی کہا کہ اچھا ہوا ہے جان چھوٹی ہے اس نے تو ہمارا قافیہ تنگ کیا ہوا تھا اس جیسی زندگی کا کیا فائدہ۔

شادی کا معنی ہے خوشی اور اصل خوشی آخرت کی ہے آخرت کی خوشی اور مسرت اللہ تعالیٰ اور رسول کریم ﷺ کی اطاعت اور فرمانبرداری سے حاصل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ اور نبی کریم ﷺ کی نافرمانی کرے تو پھر آخرت کی اصل خوشی نصیب نہیں ہو سکتی۔ دنیا کی عارضی اور کھوکھلی خوشی شاید اسے حاصل ہو بھی جائے۔ لیکن آخرت والی خوشی نافرمانوں کو حاصل نہیں ہو گی نافرمانوں کا تو انجام اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے:

﴿وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا﴾ (الجن : ٣٠)

ایک مقام میں فرمایا: ﴿وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا وَ لَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ﴾ (الانبیاء : ١٤)

فرمایا: جو اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ﷺ کی نافرمانی کرتے ہیں اور اللہ کی حدود سے تجاوز کرتے ہیں ان کے لیے نار جہنم ہے دوزخ کا عذاب اور رسوا کرنے والا عذاب ہے۔ اب ان کے لیے خوشی کب ہے؟ ان کے لیے تو غمی ہی غمی ہے۔ فرمایا جب بھی جہنمی اس جہنم سے نکلنے کا ارادہ کریں گے ان کو پھر جہنم میں دھکیل دیا جائے گا نکلنے نہیں دیا جائے گا۔ ﴿وَ مَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ﴾ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں جلتے رہیں گے۔

لہٰذا کوشش کرو کہ زندگی میں جو بھی موڑ آئے خواہ خوشی کا ہو یا غمی کا اس کو کتاب و سنت کے مطابق موافق بناؤ۔ کوئی خوش ہوتا ہے ٹھیک ہے ہو نہیں خوش ہوتا نہ سہی۔

اپنی ابدی اور ہمیشہ کی خوشی چند لوگوں کے پیچھے قربان کر دیتے ہو؟ کیا یہ کوئی ایمان ہے کوئی دین ہے کہ جی فلاں خوش ہو جائے گا۔ فلاں خوش ہو جائے گا اور حقیقت میں نافرمانی پر خوش ہونے والا شیطان ہوتا ہے شیطان کو خوش کرتے کرتے رحمان کو ناراض کرلیا۔ اپنی عاقبت خراب کر لی یہ کیا خوشی ہے اس واسطے آپ کا وقت جتنا باقی رہ گیا ہے وہ کتاب و سنت کے موافق گزارو۔ آدمی خوش ہوتا ہے کہ میں بڑا ہو رہا ہوں میری عمر بڑھ رہی ہے لیکن حقیقت میں اس کی عمر کم ہو رہی ہے۔ یہ بھی غور کر لو۔

يَسُرُّ الْمَرْءُ مَعَ مَا ذَهَبَ اللَّيَالِي

وَ كَانَ ذِهَابُهُنَّ لَهُ ذِهَابَا

جوں جوں دن راتیں مہینے اور سال گزرتے ہیں یہ خوش ہوتا ہے کہ میں بڑا ہو رہا ہوں لیکن نادان کو یہ سمجھ نہیں کہ اس کی عمر کم ہو رہی۔ مثال کے طور پر ایک شخص ساٹھ سال کا ہو گیا ہے اور اس کی عمر ستر سال لکھی ہوئی۔ اب کتنے سال اس کے باقی رہ گئے؟ دس سال اور سمجھ رہا ہے کہ میں ساٹھ سال برا ہو رہا ہوں اور حقیقت میں وہ دس سال کا رہ گیا ہے اور اگر تریسٹھ سال ہے تو تین سال کا رہ گیا ہے اور اگر ساٹھ سال ہے تو پھر چند دن کا یا چند مہینے ہی رہ گئی ہے اور یہ مرنے والا ہے لیکن سمجھتا ہے میری عمر ابھی بہت ہے میں فرمانبرداری کر لوں گا ابھی بچہ ہوں اور ابھی جوان ہوں لیکن اس کو کیا پتہ ہے اللہ جوانی ہی میں لے جائے یا بچپن ہی میں اللہ تعالیٰ لے جائے یا بڑھاپے کے آغاز ہی میں اللہ تعالیٰ لے جائے یہ اس کا فعل ہے وہ جس طرح چاہے کاٹ لے وہ چھوٹی چھوٹی کاٹ لے درمیانی کاٹ لے بڑی کاٹ لے اس کو کوئی پوچھنے والا نہیں۔ ﴿لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَ هُمْ يُسْئَلُوْنَ﴾ اس لیے خیال کرنا چاہیے۔ اگر کتاب و سنت کے مطابق زندگی گزارو گے تو پھر خوشی ہے

ورنہ نہیں۔ خوشی کے موڑ انسان کی زندگی میں کئی آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی کو بیٹا عطا کرتے ہیں اس کو خوشی ہوتی ہے لیکن خوشی کیسے منانی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کا حکم ہے عقیقہ کرو۔ بچہ ہے تو دو چھترے یا دو بکرے۔ اگر بچی ہے تو پھر ایک۔ یہ خوشی کا طریقہ ہے بکرے چھترے کرو خود بھی کھاؤ، رشتے داروں کو کھلاؤ۔ خویش و اقارب دوست و احباب کو کھلاؤ یہ خوشی سنت کے مطابق، رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مطابق خوشی ہے اور اگر بچے کی پیدائش کے وقت خوشی کسی اور طریقے سے مناؤ۔ جیسا کہ لوگ کرتے ہیں پہلے تو، شریں کے درخت کی ٹہنیاں لا کر باندھ دی۔ شاید وہ شریں کے درخت کو خوش کر رہا ہے کوئی ہے بات کرنے کی؟ پھر چھڑے لے کر چار پائی پر رکھ دیے اور کسی نے تالا لا کر لگا دیا۔

اپنی مرضی اور من مانی کے مطابق خوشی منانی شروع کر دی ہے ایسے آدمی کو اصل خوشی کبھی حاصل نہیں ہوگی۔ اس کو غمی ہی حاصل ہو گی۔

بچے اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے، اور نام دوسروں کا لگا دیا کہ فلاں نے دیا ہے۔ استغفر اللہ یہ خوشیاں منائیں جا رہی ہیں اور ایسے ایسے بدبخت لوگ بھی ہیں جو کہتے ہیں ہمیں نمازوں کی ضرورت نہیں ایک آدمی مجھے کہنے لگا میں نے آپ کا دل نہیں دکھانا میں نے کہا ٹھیک ہے میرا دل نہ دکھا۔ ٹھیک ہے لیکن اگر تو مجھے تنگ کر بھی لے گا یا دل دکھا لے گا تو میں کیا کر سکتا ہوں اللہ کا عاجز بندہ ہوں اللہ کی مخلوق ہوں۔ لیکن اگر تو نے اللہ تعالیٰ کو تکلیف دے دی اللہ کے پیغمبر کو اذیت پہنچا دی تو پھر سوچ تیرا کیا بنے گا۔ غور کر۔ اتنا تو اچھا ہے کہ دل نہیں دکھانا تو پھر اس بات پر غور کر۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کی پابند کر اور سگریٹ چھوڑ دے۔ تو وہ کہتا ہے ہمیں نمازوں کی ضرورت نہیں۔ نعوذ باللہ استغفر اللہ ابھی میں استغفر اللہ ہی کہہ رہا تھا کہ وہ جاتے جاتے کہنے

لگا خود ہی رب اور خود ہی شیطان۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ دیکھو یہ لوگوں کا ذہن ہے۔ انھوں نے خوشیاں کس قسم کی منانی ہے اور جو رب تعالیٰ کو شیطان بنا رہے ہیں جی خود ہی رب اور خود ہی شیطان۔ آپے ماں پے آپے کرے سیاپے ہو۔ لو یہ ہے ''ھو'' والے یہ خود ماں باپ ہیں اور خود ہی اولاد ہیں اور خود خاوند ہے اور خود بیوی ہے اور خود ہی سارے سیاپے کر رہا ہے۔ اپے اپی کرے سیاپے ہو۔ اور ان کو سمجھایا جاتا ہے کہ یہ لوگ بڑے کرنی والے ہیں اس قسم کے لوگوں نے خوشیاں کس قسم کی منانی ہیں؟ اسی قسم کے لوگ سرنگی اور طبلے بجا بجا کر لوگوں کو مسلمان کرتے تھے اور اب وہ مسلمان سرنگی اور طبلے ہی بجا رہے ہیں اگر لوگوں کو کتاب و سنت پڑھ کر مسلمان کرتے تو اب بھی لوگ کتاب و سنت تلاوت کرتے۔ کتاب و سنت کے مطابق زندگی بناتے۔ یہ بات ضمناً آ گئی عرض میں کر رہا تھا کہ خوشی کے موقع پر کتاب ، سنت کے مطابق خوشی کرنا ہی اصل خوشی ہے۔

بڑی عید خوشی ہے چھوٹی عید خوشی ہے اور جو طریقہ شریعت نے خوشی کا بتایا ہے اس طرح مناؤ کیا طریقہ ہے؟ اللہ کا ذکر کرو، تسبیحیں، تکبیریں، ذکرو اذکار کرو۔ نبی ﷺ کا معمول تھا اور آپ ﷺ کا حکم بھی ہے کہ میدان میں جا کر دو رکعتیں ادا کرو جس راستے سے گئے ہو وہ رستہ بدل کر آؤ۔ آپ ﷺ نے طریقہ بتایا ہے کہ اس طریقہ سے خوشی مناؤ بڑی عید ہے قربانیاں کرو، خود گوشت کھاؤ، خویش و اقارب کو کھلاؤ، دوست احباب کو کھلاؤ، غریب اور مساکین کو کھلاؤ۔ آپ نے یہ خوشی کا طریقہ بتایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور اللہ کے پیغمبر کی فرمانبرداری، جمعہ کا دن بھی ایک قسم کی خوشی کا دن ہے مسلمانوں کو وہ بھی بتا دیا کہ اس طرح مناؤ۔ خطبہ جمعہ پہلے آؤ گے

تو اونٹ کی قربانی کا ثواب ملے گا جمعہ پڑھو۔ نہ پڑھو گے تو یہ حشر ہو گا۔ آپ کے دل پر مہر لگا دی جائے گی۔ حدیث میں ذکر ہے نبی کریم ﷺ کے پاس اگر کوئی خبر یا امر آتا جس سے نبی کریم ﷺ کو خوشی ملتی آپ ﷺ خوش ہوتے آپ ﷺ فوراً سجدہ میں گر جاتے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے، سجدہ شکر بجا لاتے۔ اللہ تعالیٰ کی تعریف اور حمد کرتے۔ یہ خوشی منانے کا طریقہ ہے۔

یہ کیا طریقہ ہوا کہ خوشی حاصل ہو تو ڈھول ڈھمکا شروع کر دے اور ناچنا شروع کر دے اور ہمسائیوں کو بھی تنگ کرنا شروع کر دے۔

شادی پر ڈھولکی:

شادی سے پہلے منگنی ہوتی ہے منگنی پر ڈھولکی چار چار دن بجتی ہے ہمسائے اور دوسرے لوگوں کا قافیہ تنگ کر دیا جاتا ہے اور کئی تو اونچی آواز سے سپیکر لگا کر ڈانس کرتے ہیں اور پھر سارے رشتہ دار اکٹھے ہو کر بھنگڑا ڈالنا شروع کر دیں گے۔ باجے شروع ہو جائیں گے پھر بچے اور بچی کو سلامیاں دینی شروع کر دیں گے کوئی ایک کام یہاں پر شروع کیے ہیں۔ بڑے کام ہیں کیا ہے جی؟ یہ منگنی ہو رہی ہے۔ ساری شریعت کی مخالفت ہو رہی ہے۔

سونے کی انگوٹھی:

لڑکے کو سونے کا زیور اور سونے کی انگوٹھی پہنائی جاتی ہے اور وہ بڑے فخر سے کہتا ہے مجھے منگنی پر ملی ہے میں نے تو یہ اتارنی ہی نہیں۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ نبی کریم ﷺ نے تو مردوں کے لیے سونا حرام قرار دیا ہے ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے سونے کی انگوٹھی پہن لی ہے۔ پتہ نہیں تھا کہ یہ حرام ہے۔ آپ ﷺ نے وہ انگوٹھی پکڑ کر

پھینک دی اور چلے گئے دوسرے صحابہ کہنے لگے پکڑ کر فروخت کر دو یا عورتوں کو دے دینا۔ مردوں کے لیے پہننا حرام ہے ویسے تو حرام نہیں۔ لیکن اس صحابی نے کہا نبی کریم ﷺ نے میری انگلی سے اتار کر انگوٹھی پھینک دی ہے تو اس کو پکڑنا ہی نہیں۔ اور یہاں حالت کیا ہے جب کسی کو سمجھایا جاتا ہے تو کہتا ہے یہ میری منگنی کی انگوٹھی ہے یہ تو میں نہیں اتار سکتا۔ اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے پیغمبر بے شک ناراض ہی ہو رہے ہوں لیکن وہ انگوٹھی دینے والوں کو۔ حرام کام کرنے والوں کو خوش کر رہا ہے کہ اگر میں نے اتار دی تو وہ مجھے کیا کہیں گے یہ نہیں سوچتا کہ اللہ تعالیٰ کیا کہیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کیا کہیں گے

فضول خرچی:

پھر منگنی میں بڑی بڑی دعوتیں چلتی ہیں جتنا نکاح پر خرچ ہونا تھا اس سے زیادہ منگنی پر خرچ ہو گیا اور پھر جب پیسہ ختم ہو جاتا ہے مقروض ہو کر بیٹھ جاتا ہے۔ ادھر سے وہ دن مانگنے کے لیے آجاتے ہیں پھر ان سے مہلت مانگنا شروع کر دیتے ہیں ہمیں ذرا کچھ پیسہ کر لینے دو۔ دن ابھی کچھ آگے کر لو۔ دن آگے کرتے کرتے لڑائی جھگڑا پڑ جاتا ہے۔ ویسے ہی جواب ہو جاتا ہے کئی جگہ پر ایسا ہو رہا ہے اور کئی بچیاں اس خرچے کی وجہ سے بوڑھی ہو رہی ہے اور کئی بچے بھی اسی طرح بیٹھے ہیں بال ان کے سفید ہو رہے ہیں حالانکہ اسلام میں شادی پر لاکھوں کروڑوں خرچ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اگر اسلام پر چلنا ہو تو لیکن ہم نے دوسرے رسم و رواجوں کو اسلام پر مقدم سمجھا ہوا ہے۔

دف بجانا:

کئی تو یہ کہتے ہیں جی دف بجانا تو ٹھیک ہے نا۔

سن لو یہ بھی ٹھیک نہیں ہے رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں۔ آخری زمانے میں کچھ لوگ آئیں گے جو شراب کو جائز سمجھیں گے ریشم کو حلال سمجھیں گے زنا کو حلال سمجھیں گے اور باجے گاجے کو حلال سمجھیں گے معازف کو حلال سمجھیں گے۔ صحیح بخاری کی حدیث ہے ❶ جس طرح زنا حرام ہے شراب حرام ہے، ریشم مردوں کے لیے حرام ہے اسی طرح گاجے باجے بھی حرام ہیں۔ اس لیے تو آپ ﷺ فرماتے ہیں حلال سمجھیں گے اور اگر یہ حلال ہی ہو اور حلال ان کو سمجھیں پھر خرابی کیسی ہے؟ یہ معازف باجا گاجا حرام ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرما رہے ہیں۔

اس لیے یہ خوشی کا باعث نہیں یہ غمی کا باعث ہے کیونکہ شریعت میں حرام ہے۔

گانا بجانا:

ہمارے معاشرے میں کئی لوگ شرط لگاتے ہیں کہ ہمارے گھر باجے لے کر آؤ گے تو آنا ورنہ نہ آنا۔ بچی والے بھی اور بچے والے بھی کہہ رہے ہیں اگر نہیں لے کر آنا تو جواب ہے۔ یہ تو حال یہاں بنا ہوا ہے جہالت اتنی آگے نکل چکی ہے کہ ہندوؤں اور سکھوں اور مجوسیوں، غیر مسلموں کے رواج اپنائے بیٹھے ہیں اور ویسے ہم سمجھتے ہیں ہم اہلحدیث ہیں، کیا اہلحدیث اور اہل سنت اس قسم کے جوٹھوں کو کہا جاتا ہے غور کرو اور سوچو کیا یہ اہلحدیث اور اہل سنت ہیں اب تو ویسے ہی باجا گاجا عام ہو گیا ہے۔ ہر گھر میں ٹی وی، ڈش، کیبل اور پتہ نہیں کیا کچھ ناچ رہا ہے پہلے تو خاص خاص موقعوں پر ہوتا تھا اب ہر وقت ہی ہو رہا ہے۔ دن کو بھی اور رات کو بھی اسی کام میں اٹھتے ہیں اور اسی کام میں سوتے ہیں یہ حال ہے ہمارا۔ شادی اور خوشی کے موقعہ پر اسلام نے کچھ نا کچھ ہدایات کیں ہیں۔ انسان ان کو اپنائے تو یہی اصل خوشی ہے جس سے آخرت کی

---

❶ صحيح بخاري كتاب الأشربة ، باب ما جاء في من يستحل الخمر

خوشی حاصل ہوتی ہے۔

شادی کا دوسرا معنیٰ:

شادی کا لفظ ہمارے عرف میں بیاہ اور نکاح پر بولا جاتا ہے۔کہ فلاں لڑکے کی شادی ہے فلاں لڑکی کی شادی ہے مطلب یہ کہ نکاح ہے۔لیکن یہ ہمارا عرف ہے۔عربی زبان میں شادی کا یہ معنیٰ نہیں آتا۔جیسا کہ پہلے آپ ساعت فرما چکے ہیں چونکہ یہ موضوع اپنی زبان میں رکھا گیا ہے۔اس کا مطلب بیاہ اور نکاح ہے۔اس کے مسائل تو بہت سارے ہیں اور اس کا ایک ایک شعبہ مستقل موضوع کا متقاضی ہے۔اختصار سے کچھ آج عرض کروں گا اور کچھ دوسری فرصت میں بیان کروں گا۔

شادی کے رسم و رواج:

شادی کے موقع پر کچھ رسم و رواج آپ نے سن ہی لیے ہیں ان رسم و رواج کا کتاب و سنت میں کوئی ثبوت ہی نہیں ہے۔ جب منگنی ہوتی ہے تو لڑکے کے بھائی اور باپ سمجھتے ہیں کہ اب یہ لڑکی ہماری ہے اس کا ہم سے پردہ نہیں ہے، پردہ یہیں پر ختم۔ خاص طور پر جو لڑکی کا سسر ہوتا ہے وہ اس کو پیار دے رہا ہے اور ہاتھ پر پیسے رکھتا ہے اس کو سوٹ دیتا ہے اور اس پر ہاتھ پھیرتا ہے اور بڑے غور اور توجہ سے اس کی طرف دیکھتا ہے حالانکہ ابھی نکاح ہوا نہیں بہو وہ بنی نہیں کیا پتہ منگنی نے مکمل ہونا ہے یا راہ میں ہی ٹوٹ جانا ہے یہ پہلے ہی اس کو اپنی بہو اور محرم بنا بیٹھا ہے اور لڑکا لڑکی بھی سمجھتے ہیں کہ اب ہم میاں بیوی ہو گئے ہیں لہٰذا اب ہم جو مرضی کریں سارا معاملہ بوس و کنار اور بے پردگی والا چلنا شروع ہو جاتا ہے۔ ان کا خلوت میں بیٹھنا اور دوسرے سب کام حرام اور ناجائز

ہیں جب تک نکاح نہیں ہوا اور وہ بیوی نہیں بنی۔ صرف زبانی کلامی بات سے نہ وہ اس کی بیوی ہی ہے اور نہ اس کے باپ کی بہو بنی ہے۔ اور یہاں پہلے ہی سب کچھ کرنے لگ جاتے ہیں یہ زیادتی ہے۔

عید دینا:

پھر سلسلہ اسی طرح چلتا رہتا ہے عید کے موقعہ پر ایک دوسرے کو کھانے بھیجتے ہیں کہ ہم عید کے موقعہ پر عید دے آئیں۔ لڑکے والے لڑکی کے ہاں عید لے کر جا رہے ہیں اور لڑکی والے لڑکے کے ہاں۔ عیدیں تو ایک طرف رہیں شب براتیں اور معراج بھی دی جاتی ہیں اور پتہ نہیں لوگوں نے کیا کچھ بنایا ہوا ہے۔ یہ سب رسم و رواج ہیں۔ غیر مسلموں کے طور طریقے مسلمانوں نے اپنا لیے ہیں۔ عیدوں کے موقع پر لڑکی کو کچھ نہ کچھ دینا۔ یہ کتاب وسنت میں کہیں نہیں آیا۔ ہاں ویسے دلجوئی کے لیے تحفہ وغیرہ دینا ٹھیک ہے لیکن یہ رسمیں اور رواج جو چل نکلے ہیں یہ تو کتاب وسنت میں کہیں نہیں آئے۔

بارات:

پھر آہستہ آہستہ جب دن گزر جاتے ہیں، بیاہ کا موقعہ قریب آتا ہے تو بارات کا مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ لڑکے والا کہتے ہیں ہم تو دوسو آدمی آئیں گے۔ لڑکی کا باپ کہتا ہے میں کمزور آدمی ہوں آپ بیس پچیس آدمی لے آنا لڑکے والے کہتے ہیں ہمارا سر نہیں رہتا جن کی باراتوں پہ ہم گئے ہوئے ہیں وہ ہمیں نکلنے نہیں دیتے۔ ہم تو کم از کم سو لے آئیں گے۔ اس طرح لوگ خراب ہو رہے ہیں حالانکہ کتاب وسنت میں کہیں براءت کا کوئی ذکر نہیں۔ صحابہ کرام کی شادیاں ہوئیں، نکاح ہوئے لیکن یہ کہیں نہیں آیا کہ وہ براءت پر رسول اللہ کو ساتھ لے کر

گئے ہوں۔ براءت پر لے کر جانا تو ایک طرف رہ گیا۔ نبی کریم ﷺ کو بلا کر نکاح بھی نہیں پڑھاتے تھے۔ یہاں کسی کا نکاح نہ پڑھائیں۔ بے شک کوئی معقول وجہ ہی کیوں نہ ہو۔ وہ ناراض ہو جاتا ہے جی اس نے ہمارا نکاح نہیں پڑھایا تھا۔ ہمارے محلے میں ایک بزرگ تھے وہ مجھے کہنے لگے لڑکے کی شادی ہے نکاح آپ سے پڑھانا ہے میں نے کہا اس لڑکے نے داڑھی رکھی ہوئی ہے وہ کہنے لگے نہیں۔ میں نے کہا نماز پڑھتا ہے کہنے لگے نہیں میں نے کہا پھر میں اس قسم کے آدمی کا نکاح نہیں پڑھاتا۔ کسی اور سے پڑھا لینا اتنی بات سے وہ پکا نمازی بزرگ مسجد میں آنا چھوڑ گیا۔ یہ بالکل وہی کام ہے جس طرح ہندوؤں میں بہمن کو سمجھا جاتا ہے اور سکھوں میں گوروں کو سمجھا جاتا ہے۔ ان مسلمانوں نے وہ مقام مولوی کو دے دیا ہے۔ آپ نے دیہاتوں میں دیکھا ہوگا کہ کچھ لوگ کچھ لوگوں کے سیپی ہوتے ہیں اسی طرح یہ لوگ ان مولویوں کو سیپی سمجھتے ہیں اگر کام نہ کرے تو ناراض۔

حافظ عبد السلام صاحب ﷾ ان دنوں ہمارے محلے میں ہی رہتے تھے۔ ان کو پتہ چلا کہ وہ بزرگ مسجد میں نہیں آرہے وہ چار ساتھی ساتھ لے کر اس کے گھر چلے گئے۔ پوچھا بزرگو! کیا بات ہے بزرگو! آپ مسجد میں نہیں آرہے۔ وہ بزرگ فرمانے لگے مسجد میں کیا جانا ہے اس کو کہا تھا نکاح پڑھا دے اس نے نکاح ہی نہیں پڑھایا۔ انھوں نے پوچھا اس نے نکاح کیوں نہیں پڑھایا۔ کیا اس نے کوئی وجہ بھی بتائی ہے وہ بزرگ کہنے لگے اس نے پوچھا تھا بچے نے داڑھی رکھی ہوئی ہے میں نے کہا نہیں۔ اس نے داڑھی منڈوائی ہوئی ہے اس نے پوچھا کیا نماز پڑھتا ہے میں نے کہا نہیں تو اس نے کہا میں ایسے لوگوں کا نکاح نہیں پڑھاتا۔ حافظ عبد

السلام ﷺ نے کہا کہ اس میں قصور آپ کے لڑکے کا ہے یا اس کا جس نے نکاح نہیں پڑھایا۔قصور تو آپ کے لڑکے کا اس نے تو آپ کو متنبہ کیا ہے کہ لڑکے پر داڑھی رکھنا فرض ہے ،نماز پڑھنا فرض ہے۔ جس نے داڑھی نہ رکھی ہوئی ہو اور نماز بھی نہ پڑھتا ہو تو پھر وہ نکاح نہ پڑھائیں۔ تو اس میں کیا حرج ہے ۔نکاح پڑھانا اس پر کوئی فرض ہے وہ بزرگ کہنے لگے نہیں۔ انھوں نے کہا پھر کیا آپ نے اس کو یہی سمجھا ہوا ہے بزرگ کہتے ہیں نہیں۔ تو پھر حافظ عبد السلام صاحب کہنے لگے پھر مسجد میں آیا کرو۔

دیکھو اس بات پر ناراض ہو رہے ہیں یہاں ایسے لوگ بھی ہیں جن کو ایسی باتوں سے متنبہ کیا جائے تو وہ خوش ہوتے ہیں ایک بزرگ تھے۔ باؤ عبد الرحیم صاحب فوت ہو چکے ہیں۔ وہ جمعہ اکثر سرفراز کالونی ہماری مسجد میں پڑھا کرتے تھے۔ ان کی بچی کی شادی تھی۔ انھوں نے ایک آدمی کو موٹر سائیکل پر بھیجا کہ اس کو (حافظ عبد المنان) بلا کر لاؤ۔ اس سے نکاح پڑھانا ہے۔ وہ مجھے لینے آ گیا میں اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔ مولانا عبد اللہ صاحب سے میں نے مدرسہ سے چھٹی لی انھوں نے مجھے چھٹی دے دی میں چلا گیا۔ رستے میں میں نے اس موٹر سائیکل والے سے پوچھا کہ اس لڑکے نے داڑھی رکھی ہے وہ کہنے لگا نہیں بلکہ اس نے استرے سے خوب داڑھی منڈوائی ہوئی ہے۔ میں نے کہا اور کیا کرتا ہے کہنے لگا وہ بینک میں ملازم ہے اس کا کام ہی سارا سودی تھا۔ میں نے اور معلومات حاصل کیں وہ بتاتا گیا میں نے اس کو کہا ہم چل تو پڑے ہیں لیکن میں اس قسم کے لوگوں کا نکاح نہیں پڑھاتا۔ اور پڑھانا میں نے یہ بھی نہیں۔ لیکن آپ نے ان کو بتانا نہیں۔ وہاں اور کئی مولوی بیٹھے ہوں گے کسی کو میں کہوں گا وہ نکاح پڑھا دے گا

کیونکہ ان کے نکاح کا موقعہ ہے۔ اس لیے ان کو بتانا نہ وہ سمجھیں گے ہماری خوشی کا موقعہ ہے اور یہ ہماری خوشی کو خراب کر رہا ہے۔ رنگ میں بھنگ ڈال رہا ہے اور میں اس موٹر سائیکل والے کو پکا کرتا گیا کہ تم نے نہیں بتانا۔ میں خود اس سے بات کرلوں گا جتنا اس کو پکا کیا اتنا ہی وہ کچا نکلا اس نے جاتے ہی بتادیا (حافظ عبد المنان) کہتا ہے میں نے نکاح نہیں پڑھانا۔ انھوں نے مجھے بیٹھک میں بٹھا دیا۔ باؤ صاحب آئے انھوں نے مجھے پانی وغیرہ پلایا۔ اور کہنے لگے حافظ صاحب آپ پریشان نہ ہونا۔ ہم آپ کی اس بات پر بہت خوش ہوئے ہیں کہ قصور ہمارا ہے اور آپ نے ہمیں ہماری غلطی بتائی ہے آپ فکر مند کیوں ہوتے ہیں فکر مند تو ہمیں ہونا چاہیے کیونکہ ہم کام غلط کر رہے ہیں اور آپ نے ہمیں غلط کام پر متنبہ کیا ہے وہ باؤ صاحب بڑے خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ بارات ہماری لیٹ ہوگئی ہے اور نکاح آپ نے پڑھانا نہیں۔ آپ جا سکتے ہیں آپ کو ہماری طرف سے اجازت ہے آپ طالب علموں کو جا کر پڑھائیں اور اگر ہم نے آپ کو کوئی کھانا بھیجا تو آپ نے رد نہیں کرنا۔

اس کو سمجھ آگئی کہ جو یہاں ہمارا نکاح نہیں پڑھا رہا اس نے ہمارا کھانا بھی قبول کوئی نہیں کرنا خیر میں واپس آگیا۔ تو گزارش کرنے کا مقصد ہے کہ ایسے لوگ بھی ہیں جن کو ایسے موقعہ پر متنبہ کیا جائے تو وہ خوش ہوتے ہیں لیکن اکثریت کا حال یہی ہے وہ یہی کہتے ہیں کہ رنگ میں بھنگ ڈالنے آگیا تھا۔

گزارش میں یہ کر رہا تھا کہ شادی کے موقعہ پر بارات بلانے کا ثبوت کہیں بھی نہیں آیا۔ رسول کریم ﷺ نے اپنی بیٹیوں کی بھی شادیاں کیں ہیں کہیں کوئی بارات کی بات نہیں ہے اور نبی کریم ﷺ کی اپنی بھی شادیاں ہوئیں ہیں کہیں کوئی بارات

کا ذکر نہیں۔ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنی شادی کا واقعہ خود بیان کرتی ہیں دیکھو کتنا سادہ ہے۔ نکاح دو سال پہلے ہی ہوا تھا۔ابوبکر صدیق نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح پڑھا دیا۔ دو سال کے بعد رخصتی ہوئی فرماتی ہیں میں بچیوں کے ساتھ کھیل رہی تھی۔ دو تین عورتیں آئیں انھوں نے مجھے بچیوں سے اٹھا لیا۔ نہلایا، کپڑے، پہنائے مجھے تیار کیا کیا دیکھتی ہوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔ ان عورتوں نے مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے لے کر اپنے گھر آ گئے۔ کیا کسی بارات کا کوئی تذکرہ آیا ہے کوئی دو چار آدمی ہی ہوں؟ بالکل سادہ معاملہ ہے اسی طرح رخصتی ہوئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹیوں کے نکاح میں کوئی دعوت کی ہو؟ کہ فلاں کو بلاؤ اور فلاں کو بلاؤ۔

اور یہاں کارڈ چھپوا کر پورے ملک کو بھیج دیتے ہیں پھر قرضہ لے کر کھانے پکوا رہے ہیں کھانے والے جاتے وقت کوئی نہ کوئی نکتہ پھر رکھ جاتے ہیں کہ جی کھانا ایسا تھا چاول ایسے تھے۔ بوٹیاں ایسی تھیں فلانی چیز ایسی تھی یہاں پر سلاد ہی کوئی نہیں تھی۔ ساری چیزیں تھیں لیکن دہی کے وقت ان سے پیسے ختم ہو گئے تھے۔ کوئی نہ کوئی بات بنا کر جاتے ہیں یہ سارا رسم و رواج کا فساد اور بگاڑ ہے ان رسم و رواج سے آدمی بچے اور کنارہ کشی کرے۔

مائیاں:

شادی بیاہ کے موقعہ پر ایک رسم مائیاں بھی ہے۔ پوچھا جائے یہ کیا ہو رہا ہے کہتے ہیں، جی آج مائیوں کی رسم ہے آج تیل چونا ہے وہ چوکھٹوں پر خواہ مخواہ تیل پھینک رہا ہے کوئی ایک رسم ہے کہیں لڑکا نہا کر دو تین چڑیوں پر کھڑا

ہوتا ہے اور ان کو توڑ دیتا ہے جی اس نے چڑیاں توڑ دی ہے۔ پتہ نہیں کون کون سی رسمیں انھوں نے نکال لی ہیں۔ پھر سہرا پھر گانا اور پھر اس کے ساتھ ایک سربالا بنایا جاتا ہے کوئی ایک رسم ہے گنتی شروع کردو ختم ہی نہیں ہوتیں۔ یہ سب رسومات ہیں۔ غیر مسلموں کے طور طریقے ہیں ان مسلمانوں نے ان میں رہ رہ کر اپنا لیے ہیں۔

مادر پدر آزادی:

اور اب مادر پدر آزادی انگریز کی طرف سے آ رہی ہے۔ وہ تو بالکل آزاد ہو چکے ہیں وہاں تو بالکل حلال اور حرام کا امتیاز ختم ہو چکا ہے۔ چند معدودے لوگ ہیں جو اپنی شریعت کا پاس کرتے ہیں ورنہ وہاں تو صورتحال یہ ہے کہ قانونی طور پر عورت عورت سے نکاح کر رہی ہے اور مرد مرد سے نکاح کر رہا ہے یہ تو صورتحال بنی ہوئی ہے اور بچی نکاح ہونے سے پہلے ہی دو چار بچوں کی ماں بنی ہوئی ہے اور پھر کوئی جھجک اور شرم محسوس نہیں کرتے۔ اعلانیہ بیان کر رہے ہیں بڑے بڑے عہدے دار لوگوں کی بیگمات اور بیٹیوں کا یہ حال ہے۔

جن لوگوں نے جا کر مشاہدہ کیا ہے وہ بیان کر رہے ہیں کہ سڑکوں پر لڑکیاں کھڑی ہیں آپ جس سے چاہیں جو مرضی کریں وہ برائی کی دعوت دے رہی ہے۔ کتے بلیوں والا حساب ہو رہا ہے۔ اور یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ کئی عورتوں نے کتے رکھے ہوئے ہیں ان سے مردوں والا کام لے رہی ہیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ کوئی انسانیت ہے؟ مادر پدر آزادی نے ان لوگوں کو حیوان ہی بنا دیا ہے یہاں بھی ان کا ذہن رکھنے والے تعلیم یافتہ جن کو بڑا مہذب سمجھا جاتا ہے۔ اور یہ سکول اور کالج والے کچھ اندرون ملک پڑھے ہوئے ہیں اور کچھ بیرون ملک پڑھے

ہوئے جو ہم پر مسلط ہو چکے ہیں۔ وہ کہتے ہیں ہم نے یہاں بھی وہی معاشرہ قائم کرنا ہے۔اس پر ایڑی چوٹی کا زور لگ رہا ہے۔سوچو! کیا یہ لوگ مسلمان ہیں۔ اسلام سے ان کا تعلق کیا ہے؟ آپ عملی طور پر جتنی دین کی پابندی کریں گے اتنا ہی ان لوگوں کا علاج ہوگا۔اللہ کے فضل وکرم سے اب زبانی کلامی جمع خرچ نہ کرو۔صحیح معنی میں اسلامی طور پر زندگی بسر کرو بالخصوص شادی بیاہ کے موقع پر عمل کرو۔رسول اللہ ﷺ کے طریقے اپناؤ۔

﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾

ہمارے لئے رسول اللہ ﷺ بہترین نمونہ ہیں۔یہ تو نہیں فرمایا کہ بش تمہارے لئے بہترین نمونہ ہے اور کلنٹن تمہارے لئے نمونہ ہے۔اور ٹونی بلیئر تمہارے لئے نمونہ ہے اور فلاں نمونہ ہیں۔یہ نمونہ نہیں ہیں یہ لوگ ان کو نمونہ سمجھے بیٹھے ہوئے ہیں،جن لوگوں نے ان کو نمونہ بنایا ہے ان کے لیے بے حیائی اور برائی کا نمونہ ہوتے ہیں۔

مہندی:

اس قسم کی بے حیائی اور برائی والی حیا سوختہ رسمیں شادی کے موقعہ پر بھی آ چکی ہیں ننگے منہ جتھے کے جتھے عورتیں باہر نکل رہی ہیں اور ساتھ شمع ہاتھ میں اٹھائی ہوتی ہے یہ مہندی ہو رہی ہے مہندی عورتوں کے لیے لگانی درست ہے لیکن گھر بیٹھ کر لگائیں کوئی نہیں منع کرتا ان کو لیکن اس طرح جواب رواج پکڑ گئی ہے ہزاروں روپیہ اس مہندی پر لگا دیا جاتا ہے اور پھر کھانا پینا فضولیات پر پیسہ اڑا دینا یہ سب رسم و رواج ہیں یہ غیر مسلموں کے طور طریقے ہیں اسلام والوں کا طریقہ نہیں اور ساتھ شمع پر مجوسیوں کا طریقہ بنا لیا ہوا ہے۔ پھر افسوس یہ کہ نبی کریم ﷺ

کی ولادت کی خوشی منانے والوں نے بھی اس قسم کی شمع برداری رچانا شروع کر دی ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مجوسیوں کا طریقہ ہے کچھ سوچو اہلحدیث ہو، اہل سنت ہو۔ سنت اور حدیث پر عمل کرو۔ قرآن مجید اور نبی کریم ﷺ کے طریقے پر عمل کرو۔

دودھ پلائی:

پھر اور بڑے رواج ہیں یہ کیا ہے؟ یہ جی دودھ پلائی ہے یہ گود بھرائی ہے پھر وہاں پر چار پائی بچھا دیں گیں اور چار پائی بھی وہ جو بالکل خالی ہوتی ہے دھوکہ دینے کے لیے اوپر چادر بچھا دیں گے جب داماد بیٹھے گا تو نیچے گر جائے گا پھر ہنسنا شروع کر دیں گی کیا ہے یہ کوئی دانائی کی بات۔ وہ داماد بنا ہے عزت کی جگہ ہے اس کی بے عزتی کرنی شروع کر دی ہے۔ اور کوئی چاول منہ میں رکھ کر اس کے منہ پر مارے گی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ اہلحدیث اور اہل سنت ہیں؟ جی یہ خوشی ہے پھر دیور آ جائیں گے وہ اس کی گود میں بیٹھیں گے جی یہ گھونگھٹ اڑائی ہے۔ یہ ہے کوئی بات کرنے والی۔ شریعت میں تو پردے کا حکم ہے خاوند سے پردہ نہیں۔ محرم سے پردہ نہیں۔ باقی سب سے پردہ ہے۔ یہ اب گھونگھٹ اڑائی ہو رہا ہے وہ پیسے دے رہی ہے یہ گھونگھٹ اتار رہے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اور کئی گھرانے ایسے ہیں کہ وہ آنے والی نئی بہو سسر سے پردہ کرے گی خاوند سے پردہ کرے گی لیکن دیور اور جیٹھ سے کوئی پردہ نہیں۔ عجیب ہی طریقہ ہے یہ کسی ہندو، سکھ کا ہے اگر آپ ان میں ہے تو وہ طریقہ اپنائیں۔ خاوند تو خاوند ہے اور سسر کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرما دیا ہے

ان سے پردہ نہ کرو اور یہ خاوند اور سسر سے پردہ کر کے بیٹھ گئی ہے اور دوسروں سے پردہ اتار دیا الٹ ہی معاملہ ہے اپنی ہی کوئی شریعت انھوں نے بنا لی ہے کتاب وسنت پر عمل کوئی کرتا ہی نہیں۔ کوئی ایک رسم نہیں بلکہ بے شمار رسم و رواج نکل چکے ہیں یہ تو میں نے تھوڑے سے بیان کیے ہیں اور آپ خوب جانتے ہیں کہ ان موقعوں پر لوگ کیا کیا کچھ کرتے ہیں۔ رسول کریم ﷺ کے طریقے کو اپناؤ۔

((...... ❁ ❁ ❁ ......))

خطبہ مسنونہ

إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَ مَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَ أَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَ لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴾ ❶

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَ نِسَآءً وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ﴾ ❷

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۙ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴾ ❸

أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ وَ خَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ وَ شَرَّ الْأُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَ كُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَ كُلَّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ ❹

---

❶ آل عمران:۳/۱۰۲، ❷ النساء:۴/۱، ❸ الاحزاب:۳۳/۷۰، ۷۱

❹ صحیح مسلم، کتاب الجمعة، باب خطبته ﷺ في الجمعة:۶/۱۵۳۔

ازدواجی زندگی

ازدواجی زندگی کا مطلب یہ ہے کہ انسان نکاح کر کے اپنی زندگی بسر کرے۔ اس کو ازدواجی اس لیے کہا جاتا ہے کہ نکاح کرنے کے بعد مرد خاوند بن جائے گا اور عورت بیوی بن جائے گی۔ عربی زبان میں خاوند کو زوج اور بیوی کو زوجہ کہا جاتا ہے۔ اور ازدواج زوج سے مشتق ہے۔ ازدواج کے آخر میں "ی" نسبت کی ہے۔ زوج والی زندگی۔

ازدواجی زندگی میں سکون ہے:

کچھ لوگ تجرد والی زندگی پسند کرتے ہیں یعنی تنہا رہنا پسند کرتے ہیں۔ ازدواجی زندگی پسند نہیں کرتے۔ حالانکہ ازدواجی زندگی میں سکون ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور پھر آدم ہی سے ان کی بیوی سب انسانوں کی ماں حوا علیہا السلام کو پیدا کیا:

﴿ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِیَسْكُنَ اِلَیْهَا ﴾ (سورۃ الاعراف: ۱۸۹)

"اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے تمھیں ایک جان سے پیدا کیا۔ اور اس سے اس کی بیوی بنائی تاکہ وہ اس کی طرف سکون حاصل کرے۔"

تجرد اور وحدت کی زندگی میں سکون نہیں۔ سکون ازدواجی زندگی میں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان کر دیا ہے: ﴿لِیَسْكُنَ اِلَیْهَا﴾

ایک مقام میں فرمایا:

﴿ وَ مِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا

اِلَیْهَا وَ جَعَلَ بَیْنَکُمْ مَّوَدَّةً وَّ رَحْمَةً اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ﴾ (الروم:۲۱)

''اللہ کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری جانوں سے بیگمیں پیدا کیں تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور رحمت رکھ دی۔ بے شک اس میں نشانیاں ہیں غور وفکر کرنے والی قوم کے لئے۔''

اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی جنس سے ہی اس کا جوڑا بنایا ہے۔ تاکہ وہ اس سے سکون حاصل کرے۔ اور ایک دوسرے کو آپس میں محبت مودّت اور رحمت کرنے کا ذریعہ بنایا ہے۔خاوند بیوی پر رحمدل ہے اور بیوی خاوند پر رحمدل ہے۔خاوند بیوی سے محبت کرتا ہے، بیوی خاوند سے محبت کرتی ہے۔

ازدواجی رشتہ نسل انسانی کی بقاء ہے:

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی تخلیق کا ذریعہ ماں باپ کو بنایا۔ اور ان کے آپس کے رشتے کو انسانوں کی بقا اور کنبے قبیلے کی حفاظت کا ذریعہ بنایا ہے۔

﴿ یٰاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّ نِسَآءً ﴾ (النساء:۱)

''اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک ماں سے پیدا کیا اور اس سے اس کی بیگم کو پیدا کیا۔ ان دونوں سے اللہ تعالیٰ نے بہت سارے مرد اور عورتیں پھیلا دیے ہیں۔''

ایک مقام میں فرمایا:

﴿يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ﴾ (حجرات: ۱۳)

''اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرو۔ (اور) اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔ بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا اور سب سے خبردار ہے۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے سب انسانوں کو مخاطب کیا ہے۔ خواہ وہ کافر ہیں یا مسلم، یہودی، عیسائی ہیں یا مجوسی اور بدھ مت ہیں سب کو مخاطب کر کے فرمایا ہم نے تمہیں ایک مذکر اور مؤنث سے پیدا کیا ہے۔

اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ خاندان اور قبیلے، خاندانی نظام یہ بھی فطرت ہے تاکہ ایک دوسرے کی پہچان ہو۔ جہاں لوگ مادر پدر آزاد ہیں۔ ازدواجی زندگی کو پسند نہیں کرتے۔ وہاں کسی کو پتہ ہی نہیں کہ میرا باپ کون ہے اور میری ماں کون ہے۔ وہاں ایک دوسرے کو کیسے پہچان سکتے ہیں۔ جانوروں اور حیوانوں والی زندگی بسر کر رہے ہیں اور ایک دوسرے کا تعارف بھی کتوں کے ساتھ کرواتے ہیں۔ یہ فلاں صاحب ہیں اور ان کا اس قسم کا کتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہترین خاندانی نظام عطا کیا ہے۔ اس کو بیگم عطا کی اور بیگموں سے بیٹے اور پوتے عطا کیے تاکہ اس کی زندگی ایک مضبوط اور مربوط نظام کے تحت بسر ہو۔

﴿وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَ حَفَدَةً وَّ رَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ﴾ (النحل: ۷۲)

''اللہ تعالیٰ نے تمہارے نفسوں ہی سے تمہاری بیویاں بنائی اور تمہاری بیویوں سے بیٹے اور پوتے بنائے اور تمہیں پاکیزہ رزق عطا کیا۔ کیا بس باطل پر وہ ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کی نعمت کا کفر کرتے ہیں۔''

انبیاء علیہم السلام کی ازواج:

تمام پیغمبر فطرت پر تھے۔ کسی انسان کے متعلق کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ فطرت پر نہیں رہا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کے متعلق کوئی بھی نہیں کہہ سکتا کہ یہ فطرت پر نہیں تھے۔ تمام پیغمبر فطرت پر تھے۔ ان کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَ جَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ﴾ (الرعد:۳۸)

''آپ سے پہلے کتنے ہی پیغمبر ہم نے بھیجے، ہم نے ان کی بیگمیں بھی بنائی اور اولادیں بھی۔''

تمام پیغمبر فطرت پر تھے اور ان کے تمام کام بھی فطرت پر تھے ان کی شادیاں کرنا بھی فطرت ہی تھا۔

ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے:

رسول اللہ کا فرمان ہے:

«كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ اَوْ يُنَصِّرَانِهِ» [1]

''ہر بچہ فطرۃ پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی بنا دیتے ہیں یا عیسائی بنا دیتے ہیں۔''

رسول اللہ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ اس کے ماں باپ اس کو مسلم بنا لیتے ہیں۔

[1] صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب ما قیل فی اولاد المشرکین، حدیث: ۱۳۸۵

حالانکہ جو الفاظ آپ ﷺ استعمال کر رہے ہیں ان کا تقاضا یہی تھا کہ آپ یہ الفاظ بھی استعمال فرماتے کہ اس کے ماں باپ اس کو مسلم بنا لیتے ہیں لیکن آپ ﷺ نے یہ الفاظ استعمال نہیں کیے کیونکہ بچہ پیدا ہی فطرت پر ہوا ہے اور فطرت اسلام ہی ہے۔ اگر کسی بچے کو کسی ماحول سے متاثر کیے بغیر چھوڑ دیا جائے تو وہ عین اسلام پر ہی ہوگا کیونکہ اسلام فطرت ہے اور اسلام کے قوانین بھی فطرت پر ہیں خواہ وہ اصولی ہیں یا فروعی ہیں یا جزوی ہیں:

﴿ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا ؕ لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ ۙ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴾

(سورۃ روم : ۳۰)

''اللہ کی فطرت کو جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے (اختیار کیے رہو) اللہ کی بنائی ہوئی (فطرت) میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔ یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔''

اس آیت سے پتہ چلتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ فطرت کہہ رہے ہیں وہ دین قیم ہے۔ ازدواجی زندگی دین اسلام کا ایک رکن اور حکم ہے۔ لہٰذا یہ بھی فطرت ہے۔

ازدواجی زندگی فطرت میں داخل ہے اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے:

﴿ وَاَنْكِحُوا الْاَیَامٰی مِنْكُمْ ﴾ (النور: ۳۲)

اسلام نے نکاح کو آسان بنایا اور بدکاری کو مشکل بنایا ہے لیکن آزاد خیال کے لوگوں نے نکاح کو مشکل بنایا دیا ہے اور بدکاری بے حیائی کو آسان کر دیا ہے۔

شادی سے انکار کرنے والے:

دو قسم کے لوگ ہیں جو ازدواجی زندگی سے کنارہ کش ہوتے ہیں:

① **راھب:** ایک راہبوں کا گروہ ہے جو رہبانیت اختیار کرتے ہیں۔ چلّے کاٹتے

ہیں اور دنیا سے الگ تھلگ ہو کر اپنی عبادت میں مشغول رہتے ہیں اور شادی نکاح نہیں کرتے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ شادی کرنے سے اللہ کا قرب حاصل نہیں ہوتا۔ ان کا خیال خام ہے، بے بنیاد ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رہبانیت نازل ہی نہیں کی کہ انسان بالکل دنیا سے الگ تھلگ ہو کر بیٹھ جائے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

"لَا رُهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ"

''اسلام میں رہبانیت نہیں''

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَرَهْبَانِيَّةَ ۨابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ﴾(الحدید: ۲۷)

''رہبانیت ان لوگوں نے از خود ایجاد کر لی تھی ہم نے ان پر اسے واجب نہیں کیا تھا۔''

رہبانیت لوگوں نے خود ایجاد کی تھی تاکہ اللہ ان پر راضی ہو جائے لیکن ایسے لوگوں کا حال دگرگوں ہی ہوتا ہے۔ کوئی کسی کو قتل کر کے بھاگا ہوتا ہے کوئی کسی کی لڑکی نکال کر بھاگا ہوتا ہے دور جا کر بھیس بدل کر بیٹھ جاتے ہیں جو لوگ ان سے واقف نہیں ہوتے وہ ان کو پیر اور مرشد سمجھنے لگتے ہیں۔ پہلی شریعتوں کے راہب بھی ایسا ہی کرتے تھے۔ بناتے تو وہ حجرے تھے لیکن کرتے ان میں مجرے تھے۔ ایسے لوگوں کے حالات آپ اخبارات میں روزانہ پڑھتے ہی ہیں۔ کچھ عورتوں نے بھی یہ کام شروع کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رہبانیت نازل نہیں کی۔ لوگوں نے خود ایجاد کی ہے لہٰذا یہ فطرت نہیں۔

عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ بہت نیک اور صالح آدمی تھے۔ ان کے متعلق لکھا ہے کہ ایک دفعہ باہر نکلے تو ٹھنڈے میٹھے پانی کا ایک چشمہ دیکھا اس کے پاس سبزہ بھی بہت زیادہ تھا۔ یہ چیز دیکھ کر دل میں خیال آ گیا کہ آبادی میں رہنے کا کیا فائدہ ہے۔

یہیں پر ڈیرہ لگا لیتا ہوں۔ بکریاں رکھ لیتا ہوں اور اللہ کی عبادت کرتا ہوں۔ پھر یہ بھی دل میں خیال آ گیا کہ رسول اللہ ﷺ سے پہلے پوچھ لوں کہ اس کی اجازت بھی ہے کہ نہیں۔ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے خیال سے آگاہ کر کے پوچھا کیا ایسا کرنا جائز ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آپ یہ کام نہیں کر سکتے۔ معاشرہ میں رہ کر اللہ کی عبادت کرو اور دوسروں کے حق بھی ادا کرو۔

نبی ﷺ کے دو صحابی عبد اللہ بن عمرو بن عاص اور ابو الدرداء یہ بھی نیکی میں بہت آگے گزر چکے تھے اور اپنی مرضی سے بڑی لمبی لمبی عبادتیں کرنی شروع کر دیں تھیں۔

ابودرداء رضی اللہ عنہ کی کیفیت:

ابو جحیفہ وہب بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

« آخَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ ﷺ بَيْنَ سَلْمَانَ وَ أَبِي الدَّرْدَاءِ ، فَزَارَ سَلْمَانُ أَبَا الدَّرْدَاءِ فَرَأَى أُمَّ الدَّرْدَاءِ مُتَبَذِّلَةً فَقَالَ مَا شَأْنُكِ ؟ قَالَتْ : أَخُوكَ أَبُو الدَّرْدَاءِ لَيْسَ لَهُ حَاجَةٌ فِي الدُّنْيَا فَجَاءَ أَبُو الدَّرْدَاءِ فَصَنَعَ لَهُ طَعَامًا ، فَقَالَ لَهُ : كُلْ فَإِنِّي صَائِمٌ، قَالَ: مَا أَنَا بِآكِلٍ حَتَّى تَأْكُلَ فَأَكَلَ، فَلَمَّا كَانَ اللَّيْلُ ذَهَبَ أَبُو الدَّرْدَاءِ يَقُومُ فَقَالَ لَهُ: نَمْ فَنَامَ، ثُمَّ ذَهَبَ يَقُومُ فَقَالَ لَهُ: نَمْ، فَلَمَّا كَانَ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ قَالَ سَلْمَانُ: قُمِ الْآنَ فَصَلَّيَا جَمِيعًا ، فَقَالَ لَهُ سَلْمَانُ : إِنَّ لِرَبِّكَ عَلَيْكَ حَقًّا ، وَ إِنَّ لِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا ، وَ لِأَهْلِكَ عَلَيْكَ حَقًّا فَأَعْطِ كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ فَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ فَذَكَرَ ذٰلِكَ

لَهُ،فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ : "صَدَقَ سَلْمَانُ"» ❶

"نبی ﷺ نے حضرت سلمان اور حضرت ابوالدرداء کے درمیان بھائی چارہ قائم فرما دیا تھا (یعنی ہجرت کے بعد) پس سلمان رضی اللہ عنہ (ایک روز اپنے اسلامی بھائی) ابوالدرداء کی ملاقات کے لیے (ان کے گھر) گئے تو انھوں نے دیکھا کہ (ان کی اہلیہ) ام درداء رضی اللہ عنہا میلے کچیلے کپڑے پہنی ہوئی ہیں۔ انھوں نے پوچھا (یہ) تمھارا کیا حال ہے؟ انھوں نے جواب دیا، تمھارے بھائی ابو الدرداء کو دنیا کی کوئی حاجت ہی نہیں ہے۔ (اتنے میں) ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بھی تشریف لے آئے اور انھوں نے اپنے بھائی سلمان کے لیے کھانا تیار کیا اور ان سے کہا، تم کھاؤ، میرا تو روزہ ہے۔ انھوں نے فرمایا: میں تو اس وقت تک نہیں کھاؤں گا جب تک تم بھی (میرے ساتھ) نہیں کھاؤ گے۔ چنانچہ انھوں نے بھی (نفلی روزہ روڑ کر ان کے ساتھ) کھایا۔ پھر جب رات ہوئی تو وہ نوافل پڑھنے لگے۔ سلمان نے ان سے کہا (ابھی) سو جاؤ، چنانچہ وہ سو گئے، پھر تھوڑی دیر بعد وہ اٹھ کر نوافل پڑھنے لگے۔ سلمان نے انھیں (پھر روک دیا اور) کہا، سو جاؤ، جب رات کا آخری پہر ہوا تو سلمان نے ان سے کہا، اب اٹھ کر قیام کرو۔ چنانچہ دونوں نے اکٹھے نوافل پڑھے، پھر سلمان نے ابو الدرداء سے خطاب کرکے کہا، یقیناً تمھارے رب کا تم پر حق ہے۔ (لیکن) تمھارے اپنے نفس کا (بھی) تم پر حق ہے، اس لیے ہر صاحب حق کو اس کا حق دو، پھر سلمان، نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر

---

❶ رواہ البخاری، کتاب الصوم، باب من اقسم علی اخیہ لیفطر فی التطوع ،حدیث: ۱۹۶۸۔ و کتاب الادب ، باب صنع الطعام و التکلف للضیف

ہوئے اور یہ سارا واقعہ آپ کو سنایا، نبی ﷺ نے فرمایا، سلمان نے سچ کہا۔"

عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی کیفیت:

عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

«أُخْبِرَ النَّبِيُّ ﷺ أَنِّي أَقُوْلُ: وَاللّٰهِ لَأَصُوْمَنَّ النَّهَارَ ، وَلَأَقُوْمَنَّ اللَّيْلَ مَا عِشْتُ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ " أَنْتَ الَّذِيْ تَقُوْلُ ذٰلِكَ؟ " فَقُلْتُ لَهُ: قَدْ قُلْتُهُ بِأَبِيْ أَنْتَ وَ أُمِّيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ : " فَإِنَّكَ لَا تَسْتَطِيْعُ ذَالِكَ ؟ فَصُمْ وَ أَفْطِرْ وَ نَمْ وَ قُمْ، وَ صُمْ مِنَ الشَّهْرِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فَإِنَّ الْحَسَنَةَ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا وَ ذٰلِكَ مِثْلُ صِيَامِ الدَّهْرِ ، قُلْتُ فَإِنِّيْ أُطِيْقُ أَفْضَلَ مِنْ ذٰلِكَ ، قَالَ: فَصُمْ يَوْمًا وَ أَفْطِرْ يَوْمَيْنِ، قُلْتُ فَإِنِّيْ أُطِيْقُ أَفْضَلَ مِنْ ذٰلِكَ ، قَالَ: فَصُمْ يَوْمًا وَ أَفْطِرْ يَوْمًا، فَذٰلِكَ صِيَامُ دَاوٗدَ ﷺ وَ هُوَ أَعْدَلُ الصِّيَامِ " وَفِيْ رِوَايَةٍ: "هُوَ اَفْضَلُ الصِّيَامِ" فَقُلْتُ أُطِيْقُ أَفْضَلَ مِنْ ذٰلِكَ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ :" لَا أَفْضَلَ مِنْ ذٰلِكَ" وَ لَأَنْ اَكُوْنَ قَبِلْتُ الثَّلَاثَةَ الْأَيَّامِ الَّتِيْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَهْلِيْ وَ مَالِيْ»

"نبی ﷺ کو میری بابت بتلایا گیا کہ میں کہتا ہوں کہ اللہ کی قسم ! میں دن کو روزہ رکھوں گا اور جب تک زندہ رہوں گا ، رات کو قیام کروں گا ، رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا، تم نے یہ باتیں کی ہیں؟ میں نے

آپ ﷺ سے کہا، میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، یقیناً یہ باتیں میں نے کی ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا، تم ان کی طاقت نہیں رکھو گے، اس لیے تم روزہ رکھو (بھی) اور (کبھی) چھوڑ بھی دو۔ اسی طرح (رات کا کچھ حصہ) سو جاؤ اور (کچھ حصہ) قیام کرو اور مہینے میں تین روزے رکھ لیا کرو، اس لیے کہ ہر نیکی کا اجر دس گنا ہے، تمھارا یہ عمل ہمیشہ روزہ رکھنے کی مثل ہو جائے گا، میں نے کہا میں اس سے زیادہ کرنے کی طاقت رکھتا ہوں، آپ نے فرمایا، تم ایک دن روزہ رکھا کرو اور دو دن روزے کا ناغہ کیا کرو، میں نے کہا، میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں، آپ نے فرمایا، ایک دن روزہ رکھو، ایک دن چھوڑ دو، یہ حضرت داؤد (علیہ السلام) کا روزہ ہے اور یہ روزوں میں سب سے معتدل اور مناسب طریقہ ہے۔" ایک اور روایت میں ہے یہ سب سے افضل روزہ ہے، میں نے کہا، میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اس سے زیادہ فضیلت والا کوئی طریقہ نہیں ہے۔ (حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ راوی حدیث بیان فرماتے ہیں کہ بڑھاپے میں مجھے احساس ہوا کہ) اگر میں (ہر مہینے) وہ تین روزے رکھنے قبول کر لیتا جن کی بابت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا تو یہ مجھے اپنے اہل وعیال اور مال سے زیادہ محبوب ہوتا۔"

انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ تین آدمی رسول اللہ ﷺ کے گھر آئے، آپ کی عبادت کے متعلق پوچھا، جب انھیں بتایا گیا تو گویا انھوں نے اسے کم سمجھا اور کہنے لگے ہماری رسول اللہ ﷺ سے کیا نسبت......! آپ کے تو اللہ تعالیٰ نے اگلے اور پچھلے سب گناہ معاف فرما دیے ہیں تو ان میں سے ایک نے کہا، میں ہمیشہ رات کو

نماز پڑھوں گا۔ دوسرے نے کہا، میں ہمیشہ دن کو روزہ رکھوں گا۔ تیسرے نے کہا، میں عورتوں سے علیحدہ رہوں گا کبھی نکاح نہیں کروں۔ آپ کو اطلاع ہوئی تو ان سے فرمایا: تم لوگوں نے یہ یہ باتیں کی ہیں۔

« أَمَا وَاللّٰهِ إِنِّيْ لَأَخْشَاكُمْ لِلّٰهِ وَ أَتْقَاكُمْ لَهُ لَكِنِّيْ أَصُوْمُ وَأُفْطِرُ وَ أُصَلِّيْ وَ أَرْقُدُ وَ أَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ » ❶

''یاد رکھو! اللہ کی قسم، میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور تم سب سے زیادہ اس کا تقویٰ رکھنے والا ہوں لیکن میں روزہ رکھتا ہوں اور روزہ افطار کرتا ہوں، نماز پڑھتا ہوں اور سوتا ہوں اور میں عورتوں سے نکاح کرتا ہوں تو جو شخص میرے طریقے سے بے رغبتی کرے وہ مجھ سے نہیں۔''

جس نے شادی نہ کی وہ مجھ سے ہی نہیں، بلکہ تمام پیغمبروں میں سے نہیں۔ کیونکہ تمام پیغمبروں نے شادی کی تھی۔

جو شخص شادی نہیں کرتا یہ ہدایت پر بھی نہیں اور فطرت پر بھی نہیں کیونکہ جو نبی ﷺ سے نہیں وہ ہدایت یافتہ کس طرح ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَ إِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ﴾ (النور: ٥٤)

''اگر تم اس نبی کی اطاعت کرو گے تو ہدایت یافتہ بنو گے۔''

ایک مقام میں فرمایا:

---

❶ صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح، حدیث: ٥٠٩٣، صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب استحباب النکاح لمن تانت نفسه إلیه ووجد مؤنة، ص٩/١٧٥، مسند احمد: ٣/٢٤١۔

﴿وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ﴾

"نبی ﷺ کی اتباع کرو تا کہ تم ہدایت پاؤ۔"

جو نبی ﷺ کی اتباع نہ کرے وہ ہدایت یافتہ نہیں بلکہ گمراہ ہے۔

﴿وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا﴾

(الاحزاب:۳۶)

"جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے وہ بہت زیادہ گمراہ ہے۔"

یہ راہب جو نکاح شادی کو پسند نہیں کرتے یہ اللہ کے ولی کیسے ہو سکتے ہیں یہ تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کر رہے ہیں۔ ایسے لوگوں نے کہاں پہنچنا ہے۔ یہ اپنی طرف سے پتہ نہیں کہاں پہنچے ہوئے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے بھی ان کو پہنچایا ہے۔

﴿وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا﴾ (الجن:۲۳)

"جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اس کے لیے جہنم کی آگ ہے"

ایسے لوگ جہنم میں پہنچے ہوئے ہیں اور ایک مقام میں فرمایا ہے:

﴿وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا وَ لَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝﴾ (النساء:۱۴)

"جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے اور اس کی حدود سے تجاوز کرے گا اللہ اس کو آگ میں داخل کریں گے وہ اس میں ہمیشہ رہے گا اور اس کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے۔"

سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی ﷺ اگر عثمان بن مظعون کو تبتل کی یعنی شادی نہ کرنے کی اجازت دے دیتے " فَاخْتَصَيْنَا " ہم سب خصی ہو جاتے صحابہ کرام نے رہبانیت اختیار نہیں کی بلکہ شادیاں کیں اور خاندانی نظام چلایا۔

شادی نہ کرنے والوں کی دلیل:

جو لوگ شادیاں نہیں کرتے تبتل اختیار کرتے ہیں وہ دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سورہ مزمل میں فرماتے ہیں۔﴿ وَ تَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ﴾ (المزمل:۸)

جواب: ایسے لوگ یہ آیت پڑھ کر دھوکہ دیتے ہیں اور تبتل کا معنی مخلوق سے منقطع ہونا کرتے ہیں جس کا مطلب ہے کہ شادیاں نہ کیں جائیں۔ اگر اس آیت کا یہ مطلب ہے تو اس کے اوّل مخاطب نبی اکرم ﷺ ہیں پھر تو آپ ﷺ شادی کرتے ہی نہ۔ لیکن آپ ﷺ نے گیارہ شادیاں کیں تھیں۔ بیک وقت نو بیویاں آپ کے نکاح میں رہی ہیں۔ ﴿ وَ تَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ﴾ کا یہ مطلب نہیں کہ شادیاں نہ کرو۔ بلکہ اس کا مطلب ہے اللہ کی طرف رجوع کرو اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی ہے۔ لوگوں کی پرواہ کیے بغیر اللہ کے احکام آپ ان کو سنائیں اللہ پر توکل اور اعتماد کریں اسی کی طرف رجوع کریں۔

اس قسم کی آیتوں سے اپنی مرضی کا مفہوم نکالنا یہ کوئی دین کی خدمت نہیں بلکہ قرآن کی تحریف ہے۔ ایسے لوگ پہلے غلط کام کر لیتے ہیں پھر اس پر دلیلیں تلاش کرنی شروع کر دیتے ہیں۔ قرآن و حدیث سے دلیل ان کو نہیں ملتی تو پھر قرآن کو ہی بدلنا شروع کر دیتے ہیں۔ گناہ در گناہ میں ملوث ہو جاتے ہیں۔

نکاح سے پاکدامنی حاصل ہوتی ہے:

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ» ❶

''اے نوجوانو! تم میں سے جو شخص نکاح کی استطاعت رکھتا ہو اسے چاہیے کہ نکاح کر لے کیونکہ نکاح غض بصر اور شرمگاہ کی حفاظت کا باعث ہے۔''

شرمگاہ کی حفاظت:

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں:

﴿ وَ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَ يَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۚ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝ وَ قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَ يَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَ لَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ لْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ۪ وَ لَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْۤ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْۤ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۪ وَ لَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ؕ وَ تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ

---

❶ بخاری، کتاب الصوم، باب الصوم لِمَنْ خاف علی نفسه العزبة، حدیث: ۱۹۰۵

الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴾ (النور: ۳۰، ۳۱)

"مومن مردوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کیا کریں یہ ان کے لیے بڑی پاکیزگی کی بات ہے (اور) جو کام یہ کرتے ہیں اللہ ان سے خبردار ہے۔ اور مومن عورتوں سے بھی کہہ دو کہ وہ بھی اپنی نگاہوں کو نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کیا کریں اور اپنی آرائش (یعنی زیور کے مقامات) کو ظاہر نہ ہونے دیا کریں مگر جو اس میں سے کھلا رہتا ہو۔ اور اپنے سینوں پر اوڑھنیاں اوڑھے رہا کریں اور اپنے خاوند اور باپ اور خسر اور بیٹوں اور خاوند کے بیٹوں اور بھائیوں اور بھتیجوں، اور بھانجوں اور اپنی (ہی قسم کی) عورتوں اور لونڈی غلاموں کے سوا نیز ان خدام کے جو عورتوں کی خواہش نہ رکھیں یا ایسے لڑکوں کے جو عورتوں کے پردے کی چیزوں سے واقف نہ ہوں (غرض ان لوگوں کے سوا) کسی پر اپنی زینت (اور سنگار کے مقامات) کو ظاہر نہ ہونے دیں۔ اور اپنے پاؤں (ایسے طور سے زمین پر) نہ ماریں کہ (جھنکار کانوں میں پہنچے اور) ان کا پوشیدہ زیور معلوم ہو جائے اور مومنو سب خدا کے آگے توبہ کرو تاکہ فلاح پاؤ۔"

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰۤى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝ ﴾ (مومنون: ۵، ۶)

"اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ مگر اپنی بیویوں یا لونڈیوں سے کہ (ان کے پاس جانے پر) انھیں کچھ ملامت نہیں۔"

ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ وَالْحَافِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحَافِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴾
(احزاب:۳۵)

''اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ کا کثرت سے ذکر کرنے والے مرد اور عورتیں اللہ تعالی نے ان کے لیے بخشش اور اجر عظیم تیار کیا ہے۔''

شرمگاہوں کی حفاظت نہ کرنے والوں کی سزا:

جو شرمگاہ کی حفاظت نہیں کرتے ان کے متعلق قرآن مجید نے فرمایا ہے:

﴿ اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۖ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾ (النور:۲)

''بدکاری کرنے والی عورت اور بدکاری کرنے والا مرد (جب ان کی بدکاری ثابت ہو جائے تو) دونوں میں سے ہر ایک کو سو درے مارو۔ اور اگر تم خدا اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو شرع خدا (کے حکم) میں تمھیں ان پر ہرگز ترس نہ آئے۔ اور چاہیے کہ ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت بھی موجود ہو۔''

اور جو شادی شدہ شرمگاہ کی حفاظت نہ کرے اس کے متعلق شریعت کا حکم یہ ہے:

﴿ اَلشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ اِذَا زَنَيَا فَارْجِمُوْهُمَا الْبَتَّةَ نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴾ ❶

❶ ابن ماجة، كتاب الحدود، باب الرجم، حديث:۲۵۵۳۔

''شادی شدہ مرد اور شادی شدہ عورت جب زنا کریں تو انہیں رجم کردو یہ اللہ کی طرف سے سزا ہے اور اللہ تعالیٰ زبردست ہے حکمت والا ہے۔''

یہ آیت اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نازل کی تھی اب اس کی تلاوت منسوخ ہے اور حکم موجود ہے۔

جو لوگ مجرد رہتے ہیں اور رہبانیت کا لبادہ اوڑھ کر گٹیا نشین ہو کر بیٹھے ہوئے ہیں۔ اسلامی حکومت ہو تو ایسے لوگوں سیدھا کردے۔

۲ **مادر پدر آزاد**: دوسری قسم کے لوگ وہ ہیں جو مادر پدر آزاد ہیں ہر قسم کی برائی بدکاری کریں گے لیکن شادی نہیں کریں گے ان کا خیال ہوتا ہے اگر ہم نے بیوی کر لی تو پھر قید ہو جائیں گے، اسلام تو پابندی لگاتا ہے اور ہم تو آزاد ہیں۔ لہٰذا ہم شادی کرتے ہی نہیں۔

دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ انسان دراصل حیوان ہے اس کی ابتداء بندر سے ہوئی ہے۔ لہٰذا یہ آزاد ہے شادی کر کے پابند ہونا اس کی فطرت نہیں۔

جواب: ایسے لوگ واقعتاً بندر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو انسان بنایا ہے اور یہ اپنے آپ کو بندر کہلا رہے ہیں۔ حیوان تو اور بھی بہت سے ہیں حلال جانور بھی ہیں لیکن ان کو بندر ہی ملا ہے حالانکہ ان سے تو بندر اچھا ہے یہ لوگ تو بدکاری اور زنا کو اچھا سمجھتے ہیں لیکن بندر بدکاری اور زنا کو برا سمجھتے ہیں۔ عمرو بن میمون فرماتے ہیں:

''میں یمن میں تھا، اپنے لوگوں کی بکریوں میں ایک اونچی جگہ پر میں نے دیکھا ایک بندر بندریا کو لے کر آیا اور اس کا ہاتھ اپنے سر کے نیچے رکھ کر سو گیا اتنے میں ایک چھوٹا بندر آیا اور بندریا کو اشارہ کیا اس نے آہستہ سے اپنا ہاتھ بندر کے سر کے نیچے سے کھینچ لیا اور چھوٹے بندر کے ساتھ چلی گئی اس نے اس سے صحبت کی میں دیکھ رہا تھا پھر بندریا لوٹی اور آہستہ سے پھر اپنا ہاتھ پہلے بندر کے سر کے نیچے ڈالنے لگی

لیکن وہ جاگ اٹھا اور ایک چیخ ماری تو سب بندر جمع ہو گئے۔ یہ اس بندریا کی طرف اشارہ کرتا اور چیختا جاتا تھا۔ آخر دوسرے بندر ادھر ادھر گئے اور اس چھوٹے بندر کو پکڑ لائے۔ میں اسے پہچانتا تھا پھر انھوں نے ان کے لیے گڑھا کھودا اور دونوں کو سنگسار کر ڈالا تو میں نے یہ رجم کا عمل جانوروں میں بھی دیکھا۔ ❶

انسان حیوانوں سے زیادہ بے غیرت ہو چکے ہیں۔ بدکاریاں ان میں عام ہو گئی ہیں۔ سرعام برائی اور بدکاری شروع ہو چکی ہے ایسے لوگوں کو اپنے گھر کا پتہ نہیں ہوتا۔ ان کی بیٹی بیوی، ماں، بہن جو مرضی کرے ان کو کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ان کا حق ہے۔ یہ ان کا حق نہیں بلکہ ایسا شخص بے غیرت اور دیوث ہو چکا ہے اور نام اس کا آزادی رکھا ہے۔

اسلام میں نکاح کرنا آسان ہے:

دین اسلام میں لڑکی والوں کا کوئی خرچ نہیں روٹی بھی ان کے ذمہ نہیں۔

حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں:

« قَالَ: جَاءَتِ امْرَأَةٌ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَتْ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! جِئْتُ أَهَبُ لَكَ نَفْسِيْ، فَنَظَرَ إِلَيْهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَصَعَّدَ النَّظَرَ فِيْهَا وَ صَوَّبَهُ، ثُمَّ طَأْطَأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ رَأْسَهُ، فَلَمَّا رَأَتِ الْمَرْأَةُ أَنَّهُ لَمْ يَقْضِ فِيْهَا شَيْئًا جَلَسَتْ، فَقَامَ رَجُلٌ مِّنْ أَصْحَابِهِ، فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنْ لَّمْ تَكُنْ لَّكَ بِهَا حَاجَةٌ فَزَوِّجْنِيْهَا، قَالَ: فَهَلْ عِنْدَكَ مِنْ شَيْءٍ؟ فَقَالَ: لَا، وَاللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! فَقَالَ: اذْهَبْ إِلٰى أَهْلِكَ فَانْظُرْ هَلْ تَجِدُ

❶ صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب القسامة فی الجاهلیة، حدیث: ۳۸۴۹

شَيْئًا؟ فَذَهَبَ ، ثُمَّ رَجَعَ ، فَقَالَ : لَا وَاللّٰهِ ، مَا وَجَدْتُ شَيْئًا۔ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : انْظُرْ وَلَوْ خَاتَمًا مِنْ حَدِيْدٍ، فَذَهَبَ ثُمَّ رَجَعَ ، فَقَالَ : لَا وَاللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! وَ لَا خَاتَمًا مِنْ حَدِيْدٍ، وَلٰكِنْ هٰذَا إِزَارِیْ، (قَالَ سَهْلٌ: مَالَهٗ رِدَآءٌ) فَلَهَا نِصْفُهٗ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : مَا تَصْنَعُ بِإِزَارِكَ؟ إِنْ لَبِسْتَهٗ لَمْ يَكُنْ عَلَيْهَا مِنْهُ شَيْءٌ ، وَ إِنْ لَبِسَتْهُ لَمْ يَكُنْ عَلَيْكَ مِنْهُ شَيْءٌ، فَجَلَسَ الرَّجُلُ، حَتّٰى إِذَا طَالَ مَجْلِسُهٗ قَامَ، فَرَآهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مُوَلِّيًا فَأَمَرَ بِهٖ فَدُعِيَ بِهٖ ، فَلَمَّا جَآءَ ، قَالَ: مَا ذَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْاٰنِ؟ قَالَ مَعِيَ سُوْرَةُ كَذَا، وَ سُوْرَةُ كَذَا، عَدَّدَهَا ، فَقَالَ : تَقْرَؤُهُنَّ عَنْ ظَهْرِ قَلْبِكَ ؟ قَالَ: نَعَمْ ، قَالَ: اذْهَبْ فَقَدْ مَلَّكْتُكَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْاٰنِ » ❶

’’ ایک عورت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا‘ اے اللہ کے رسول اللہ (ﷺ)! میں اپنے آپ کو آپ ﷺ کے لئے ہبہ کرنے آئی ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے ایک نظر دیکھا پھر نظر اوپر نیچے کر کے ذرا غور سے دیکھا اور اپنا سر نیچا کر لیا۔ جب اس عورت نے دیکھا کہ آپ نے اس بارے میں کوئی فیصلہ نہیں فرمایا تو وہ نیچے بیٹھ گئی۔ اتنے میں ایک صحابی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ (ﷺ)! اگر اس عورت کی آپ ﷺ کو ضرورت نہیں تو اس سے میرا نکاح کر دیں۔ آپ ﷺ نے اس سے دریافت فرمایا کہ’’ تمہارے پاس کوئی چیز

❶ صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب تزویج المعسر، حدیث:۵۰۸۷۔

ہے؟'' اس نے کہا: نہیں' اے اللہ کے رسول (ﷺ)! اللہ کی قسم کچھ بھی نہیں۔ آپ نے فرمایا'' گھر جاؤ اور تلاش کرو آیا کوئی چیز تجھے ملتی ہے؟'' وہ چلا گیا اور پھر واپس آ کر کہنے لگا' اللہ کی قسم مجھے کوئی چیز نہیں ملی۔ رسول اللہ (ﷺ)! نے پھر فرمایا'' تلاش کرو خواہ لوہے کی انگشتری ہی ہو۔'' وہ آدمی پھر گیا اور واپس آ کر عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ)! اللہ کی قسم لوہے کی انگوٹھی تک بھی میسر نہیں۔ لیکن میرا یہ ایک تہ بند ہے۔ (سہل رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس کے اوپر کی چادر نہ تھی) آدھا حصہ میں اسے دے دوں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس پیشکش کو نامنظور کرتے ہوئے فرمایا: وہ خاتون تیرے اس تہ بند کو کیا کرے گی۔ اگر تو اسے زیب تن کرے گا تو اس کے لیے کیا بچے گا اور اگر وہ اسے پہنے گی تو پھر تیرے لیے اس میں سے کچھ بھی نہیں ہوگا۔'' یہ سن کر وہ آدمی نیچے بیٹھ گیا اور کافی دیر تک بیٹھا رہا بالآخر وہ اٹھ کھڑا ہوا اور پیٹھ پھیر کر جاتے ہوئے اسے رسول اللہ ﷺ نے دیکھ لیا۔ آپ ﷺ نے اسے واپس بلانے کا حکم دیا۔ جب وہ واپس آ گیا تو آپ ﷺ نے اس سے دریافت فرمایا: تجھے کتنا قرآن یاد ہے؟'' اس نے اسے گن کر بتایا کہ فلاں فلاں سورت یاد ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: تم ان کو زبانی پڑھ سکتے ہو؟'' وہ بولا جی ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا: جا میں نے تجھے اس کا مالک بنا دیا۔ اس قرآن کے بدلہ جو تجھے یاد ہے۔''

« انْطَلِقْ فَقَدْ زَوَّجْتُكَهَا فَعَلِّمْهَا مِنَ الْقُرْآنِ »

''جا میں نے اسے تیری زوجیت میں دے دیا۔ پس تو اسے کچھ قرآن سکھا دو۔''

«أَمْلَكْنَاكَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ» ❶

"ہم نے تجھے اس کا مالک بنا دیا اس قرآن کے عوض جو تجھے یاد ہے۔"

«قَالَ: مَا تَحْفَظُ ؟ قَالَ: سُورَةَ الْبَقَرَةِ، وَالَّتِي تَلِيهَا قَالَ: فَقُمْ، فَعَلِّمْهَا عِشْرِينَ آيَةً وَ هِيَ امْرَأَتُكَ» ❷

"آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: کتنا کچھ قرآن حفظ ہے؟ وہ بولا سورۃ البقرۃ اور اس کے ساتھ والی سورۃ (آل عمران) آپ ﷺ نے فرمایا: "اٹھو اور اسے بیں آیات سکھا دو اور یہ تیری بیوی ہے۔"

کتنا آسان نکاح ہے۔ لیکن ہم لوگ خود مشکل میں پڑ چکے ہیں دو تین دن کھانے ہی کھاتے رہتے ہیں اور دوسری رسومات اس کے علاوہ ہیں۔

اکیلا رہنا منع ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ:

«قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَأْمُرُ بِالْبَاءَةِ، وَ يَنْهَى عَنِ التَّبَتُّلِ نَهْيًا شَدِيدًا ، وَ يَقُولُ : تَزَوَّجُوا الْوَدُودَ الْوَلُودَ، فَإِنِّي مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْأَنْبِيَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ» ❸

"رسول اللہ ﷺ ہمیشہ نکاح کرنے کا حکم ارشاد فرماتے اور تجرد کی زندگی سے سختی سے منع فرماتے اور حکم دیتے کہ بہت محبت کرنے اور چاہنے والی، بہت بچے جننے والی خواتین سے نکاح کرو۔ اس لیے کہ میں تمہاری کثرت کی بدولت قیامت کے روز دوسرے انبیاء پر فخر کرنے والا ہوں۔"

---

❶ بخاری، حدیث: ٥١٢١

❷ سنن ابی داود ، کتاب النکاح، باب فی التزویج علی العمل یعمل ، حدیث: ٢١١١

❸ مسند احمد، حدیث: ١٢٢٠٢

یعنی جس سے آپ شادی کریں وہ عورت بانجھ نہ ہو۔ اور اگر آپ راہب بن جائے یا مادر پدر آزاد ہو جائے گئے تو پھر امت کیسے بڑھے گی۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

﴿ فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً ﴾ (النساء:۳)

''جو عورتیں تمہیں اچھی لگتی ہیں ان سے نکاح کر لو دو دو، تین تین، چار چار سے لیکن اگر تمھیں برابری نہ کر سکنے کا خوف ہو تو ایک ہی کافی ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا، اگر ایک عورت سے انصاف نہ کر سکو تو پھر نکاح نہ کرو حالانکہ بعض اوقات ایک بیوی سے بھی انصاف نہیں ہوتا۔ میاں بیوی کے درمیان لڑائی جھگڑے کی نوبت آ جاتی ہے۔

نکاح کرنا فرض ہے:

آپ نے نکاح کے متعلق آیات اور احادیث سماعت فرماتی ہیں اب یہاں علماء کے مابین ایک مسئلہ ہے کہ نکاح کرنا فرض واجب ہے یا مستحب ہے؟

۱۔ کچھ علماء اس کو فرض قرار دیتے ہیں جو آدمی نکاح نہیں کرتا وہ گناہ گار ہے، اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کا نافرمان ہے۔

۲۔ کچھ علماء کہتے ہیں نکاح کرنا مستحب ہے اگر کرے تو ٹھیک ہے بہتر ہے نہ کرے تو بھی کوئی حرج نہیں۔

۳۔ کچھ علماء کہتے ہیں مصلحت کا خیال کیا جائے گا۔

اگر کوئی آدمی نکاح کے بغیر پاکدامن رہ سکتا ہے تو پھر اس کیلئے نکاح ضروری نہیں اگر نکاح کے بغیر پاکدامن نہیں رہ سکتا تو پھر اس کیلئے نکاح ضروری ہے۔

ان میں سے صحیح بات پہلے گروہ کے علماء کی ہے کیونکہ جو دلائل آپ نے سماعت فرمائیں وہ اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ نکاح فرض واجب ہے۔

سوال: کیا بارات کا ثبوت قرآن و حدیث میں ہے؟

جواب: نکاح کے موقع پر بارات کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنی شادی کا واقعہ خود بیان کرتی ہیں دیکھو کتنا سادہ ہے۔ نکاح رخصتی سے دو سال پہلے ہی ہو چکا تھا۔ابوبکر صدیق نے نبی کریم ﷺ سے نکاح پڑھا دیا۔ دو سال کے بعد رخصتی ہوئی۔فرماتی ہیں، میں بچیوں کے ساتھ کھیل رہی تھی۔ دو تین عورتیں آئیں انھوں نے مجھے بچیوں سے اٹھا لیا۔ نہلایا، کپڑے، پہنائے مجھے تیار کیا۔کیا دیکھتی ہوں کہ نبی کریم ﷺ تشریف لے آئے۔ ان عورتوں نے مجھے نبی کریم ﷺ کے حوالے کر دیا۔ آپ ﷺ مجھے لے کر اپنے گھر آ گئے۔کیا کسی بارات کا کوئی تذکرہ آیا ہے کوئی دو چار آدمی ہی ہوں؟ بالکل سادہ معاملہ ہے اسی طرح رخصتی ہوئی کتنی سہولت اور آسانی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے بیٹیوں کے نکاح میں کوئی دعوت کی ہو؟ کہ فلاں کو بلاؤ اور فلاں کو بلاؤ۔

((...... ❀ ❀ ❀ ......))

خطبہ مسنونہ

إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَ مَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَ أَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ ءَامَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَ لَا تَمُوْتُنَّ إِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴾ ❶

﴿ يَاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَ نِسَاءً وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَاءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ﴾ ❷

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ ءَامَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝ يُصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴾ ❸

أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ وَ خَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ وَ شَرَّ الْأُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَ كُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَ كُلَّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ ❹

---

❶ آل عمران: ۱۰۲/۳، ❷ النساء: ۱/۴، ❸ الاحزاب: ۷۰/۳۳، ۷۱

❹ صحیح مسلم، کتاب الجمعة، باب خطبته ﷺ فی الجمعة: ۱۵۳/۶۔

عقیقہ

عقیقہ کا لغوی معنی:

یہ لفظ ''ع'' اور دو ''ق'' سے بنا ہے۔ ''عق'' کا معنی عربی لغت میں ''شق'' کیا جاتا ہے۔ کسی چیز کو پھاڑنا، چیرنا، شق کرنا، چاک کر دینا۔ اس کا مصدر ''عقوق'' بھی آتا ہے۔ ''عقوق'' کا لفظ بھی ''ع'' اور دو ''ق'' سے بنا ہے۔ ''عقوق'' یہ ''بِرٌّ'' کی ضد ہے بر کا معنی ہے احسان کرنا، نیکی کرنا، اور عقوق کا معنی ہے: اذیت پہنچانا۔

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

« اَلْكَبَائِرُ الْإِشْرَاكُ بِاللّٰهِ وَ عُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ وَ قَتْلُ النَّفْسِ وَالْيَمِينُ الْغَمُوسُ » ❶

''کبیرہ گناہ یہ ہیں: اللہ تعالیٰ کا کسی کو شریک بنانا، ماں باپ کی نافرمانی کرنا، یعنی ''بر'' والا معاملہ نہ کرنا، ان کو اذیت پہنچانا یہ بھی کبیرہ گناہ ہے۔''

یہاں آپ ﷺ نے ''عقوق'' لفظ استعمال کیا ہے۔ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عُقُوقَ الْأُمَّهَاتِ وَ وَأْدَ الْبَنَاتِ وَ مَنْعًا وَ هَاتِ وَ كَرِهَ لَكُمْ قِيلَ وَ قَالَ وَ كَثْرَةَ السُّؤَالِ وَ إِضَاعَةَ الْمَالِ » ❷

''اللہ تعالیٰ نے تم پر ''عقوق الامھات'' ماؤں کی نافرمانی، ماؤں سے بدسلوکی کرنا حرام کردیا ہے۔''

---

❶ صحيح بخاری، كتاب الايمان والنذور، باب اليمين الغموس، رقم: ٦٦٧٥

❷ صحيح البخاری، كتاب الادب، باب عقوق الوالدين من الكبائر، حديث: ٥٩٧٥

رسول اللہ ﷺ نے ''عقوق الامھات'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔

عاق نامہ:

ہماری زبان میں ایک لفظ بولا جاتا ہے، اخبارات میں بھی آپ پڑھتے رہتے ہیں کہ فلاں نے فلاں کو عاق کر دیا ہے۔ مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس نے اس کو اپنی جائداد اور میراث سے بے دخل کر دیا ہے۔ وہ اس کا وارث نہیں بن سکتا۔ اسلام کا اصول تو یہ ہے کہ اگر باپ مسلمان ہے اور بیٹا بھی مسلمان ہے تو وارث بنے گا۔ پھر وہ جتنا مرضی ایڑی چوٹی کا زور لگا کر عاق کرے وہ عاق نہیں ہوتا وہ وارث ضرور بنے گا۔ اور اگر باپ مسلمان ہے اولاد مسلمان نہیں یا اولاد مسلمان ہے باپ مسلمان نہیں، پھر وہ عاق کرے یا نہ کرے وہ وارث نہیں بن سکتا۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لَا يَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ وَ لَا الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ» ❶

''مسلمان کافر کا وارث نہیں اور کافر مسلم کا وارث نہیں۔''

گزارش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ عاق نامے اور عاق کرنے کے پروگرام بے سمجھی پر مبنی ہیں۔

''عقوق اور عاق'' یہ بھی ''عق'' سے بنے ہوئے ہیں۔ ''ع'' اور دو ''ق'' اس سے عقیقہ بھی بنا ہے۔ نومولود بچے کے بالوں کو عقیقہ کہا جاتا ہے۔ جو بال اس کے منڈوا دیئے جاتے ہیں کیونکہ بچے کے بال بھی کاٹ دیئے جاتے ہیں، شق کر دیئے جاتے ہیں۔ اس لئے ان پر بھی عقیقہ کا لفظ بولا جاتا ہے۔ عقیقہ کا لفظ ان جانوروں پر بھی بولا جاتا ہے جو بچے کے عقیقہ میں ذبح کئے جاتے ہیں۔

❶ صحیح البخاری، کتاب الفرائض باب لا یرث المسلم الکافر و لا الکافر المسلم، و اذا اسلم قبل ان یقسم المیراث فلا میراث له، حدیث: ٦٧٦٤

کیونکہ وہ جانور ذبح کیے جاتے ہیں، شق کیے جاتے ہیں، اس لیے یہ لفظ ان جانوروں پر بول لیتے ہیں ۔عقیق پتھر کی ایک قسم ہے، پتھر کی اس جنس کے ایک فرد پر بھی بولا جاتا ہے۔ان شاء اللہ عقیقہ کے احکام تفصیل سے بیان کیئے جائیں گے۔آپ سماعت فرمائیں۔

گھٹی دینے کا طریقہ:

بچہ جس وقت پیدا ہوتا تھا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جاتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لیے برکت کی دعا کرتے کہ اللہ تعالیٰ اس بچے کو بابرکت بنائے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس بچے کو گھٹی دیتے۔

اس کا طریقہ یہ ہوتا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھجور کو اپنے منہ میں چبا کر بچے کے حلق میں داخل کردیتے۔ اس کو عربی زبان میں " تحنیك" کہا جاتا ہے۔اور ہماری زبان میں گھٹی دینا کہتے ہیں۔

اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ہم نے مکہ معظمہ سے ہجرت کی اور قباء پہنچے۔تو اللہ تعالیٰ نے مجھے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما بیٹا عطا کردیا۔ میں اس کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ اس بچے کو مبارک اور بابرکت بنائے"

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو گھٹی دی۔ اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے منہ میں کھجور نرم کر کے بچے کے منہ میں ڈال دی۔ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

«وَ كَانَ اَوَّلُ مَوْلُوْدٍ وُلِدَ فِي الْاِسْلَامِ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ الزُّبَيْرِ» ❶

❶ صحيح البخارى، كتاب المناقب ، باب هجرة النبى ﷺ و اصحابه الى المدينة رقم: ٣٩٠٩

''ہجرت کے بعد مہاجرین کے گھر جو بچے پیدا ہوئے ان میں سے سب سے پہلے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما تھے۔''

ابھی قباء میں ہی تھے کہ یہ پیدا ہوئے مہاجرین بڑے خوش ہوئے کیونکہ مخالفین نے یہ خبر مشہور کر دی تھی کہ یہ گھر بار چھوڑ کر نکل گئے ہیں ان کی نسل ہی ختم ہو گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ خیال خاک میں ملا دیا۔

بچے کو نیک آدمی سے گھٹی دلوانا:

بچہ جب پیدا ہو تو اس کو کسی نیک اور صالح آدمی کے پاس لے جانا صحیح ہے۔ اور وہ نیک اور صالح آدمی اس کو گھٹی دے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تھا۔

باقی رہی یہ بات کہ نیک آدمی کی گھٹی دینے سے اس بچے کی کایاپلٹ جائے گی اور بڑا نیک ہوگا۔ اس کی کوئی ضمانت نہیں۔ یہ تو ایک تفاؤل ہے، نیک فال ہے۔ ورنہ مشاہدے میں یہ بات آئی ہے کہ نیکوں کا اپنا بچہ، لخت جگر نیک نہیں ہوتا۔ باپ اعلیٰ درجہ کا نیک ہے اور بیٹا انتہائی بد ہے۔

نوح علیہ السلام کا بیٹا دیکھ لو، یافث، سام یہ بھی تو نوح علیہ السلام کے بیٹے تھے یہ نیک اور صالح ہیں اور ایک بیٹا کنعان بدبن گیا۔ اور کافروں کے ساتھ طوفان میں غرق ہو گیا۔ نوح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں اور بیٹا ان کا کافر ہے۔

لہٰذا کسی کو نیک آدمی کی گھٹی دینے کا یہ مطلب نہیں کہ یہ لامحالہ ضرور بالضرور نیک ہو گا، یہ کوئی ضمانت نہیں۔ ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو نیک بنادے اور ہوسکتا وہ نہ بنے۔

ہمارے ہاں تو گھٹی ملامت کا سبب بن گئی ہے۔ بچہ کوئی کام خراب کر دے فوراً کہہ دیا جاتا ہے اس کو فلاں نے کی گھٹی دی تھی۔ یہ کوئی دینداری نہیں

ہے۔ بہر حال رسول اللہ ﷺ بچوں کو گھٹی دیتے تھے۔ یہ ایک تفاول ہے۔ نیک فالی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے محبوب ترین نام:

رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

« إِنَّ اَحَبَّ اَسْمَائِكُمْ اِلَى اللّٰهِ عَبْدُ اللّٰهِ وَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ » ❶

''اللہ تعالیٰ کے ہاں سب ناموں سے محبوب ترین نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بہت سارے ایسے تھے جن کے نام عبداللہ تھے۔ اور کئی ایسے تھے ان کا نام بھی عبداللہ اور باپ کا نام عبداللہ اور دادا کا نام بھی عبداللہ تھا۔ ہمارے ہاں تو عبداللہ نام کو ویسے ہی اتنا پسند نہیں کیا جاتا۔ اگر کوئی مشورہ دے دے تو فوراً کہہ دیا جاتا ہے ہمارے خاندان میں پہلے ایک عبداللہ ہے۔ بہانے بنائے جاتے ہیں۔ لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں عبداللہ نام کے صحابہ بہت تھے۔ عبدالرحمٰن نام کے صحابی بھی بہت تھے۔

انبیاء کرام علیہم السلام والے نام رکھنا:

انبیاء کرام علیہم السلام کے ناموں پر بھی آدمی اپنے بچوں کے نام رکھ سکتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے اپنے صاحبزادے کا نام ابراہیم علیہ السلام رکھا تھا۔ اپنے پردادا ابراہیم کے نام پر، اگر کوئی انبیاء والے نام رکھ لے تو یہ بھی اچھے ہیں۔ لیکن بہت زیادہ محبوب نام اللہ تعالیٰ کے ہاں عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں۔

---

❶ صحیح مسلم، کتاب الادب، باب النهی عن التکنی بابی القاسم و بیان ما یستحب من الاسماء، حدیث: ۳۱۳۲

امام بخاری رحمہ اللہ الباری کے والد صاحب کا نام اسماعیل اور ان کے والد کا نام ابراہیم۔ یہ دونوں نام پیغمبروں کے نام ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے کا نام اسماعیل تھا ان کی اولاد سے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو پیدا کیا اور آپ ﷺ کا نام محمد، احمد ﷺ تھا۔ امام بخاری کا نام محمد بن اسماعیل بن ابراہیم تھا۔ اپنا نام بھی نبی والا باپ کا نام بھی نبی والا دادا کا نام بھی نبی والا۔

پیغمبروں کے ناموں پر نام رکھنا بھی ٹھیک ہے پسندیدہ ہے۔ ہمارے ہاں نہ عبداللہ اور عبدالرحمٰن پسند ہیں۔ اور نہ ہی انبیاء اللہ والے نام پسند ہیں۔ ہمارے ہاں تو ہندوؤں، سکھوں اور انگریزوں والے نام پسند کئے جاتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

ویسے پوچھو آپ کون ہوتے ہیں؟ تو کہتے ہیں ہم اہلحدیث ہیں۔ ہم اہلسنت ہیں۔ کیا اہلحدیث ایسے لوگ ہوتے ہیں۔ جو نام ہی انگریزوں والا رکھ دیں۔ ماں باپ نے اچھا بھلا نام رکھا ہوتا ہے عبدالقادر اور ہم عبدالقادر کی بجائے (C-A قادر) کہیں گے۔ انگریزی طرز پر اس کو بناتے ہیں۔ ہمارا طرز زندگی انگریزی بن چکا ہے۔ ہمارے ہاں ذہنی پستی آ گئی ہے۔ اچھا بھلا نام ہے اس کو انگریزی نام میں ڈھال دیا ہے۔ بچے کا اچھا نام رکھنا چاہیے۔

بچے کے بالوں کے برابر چاندی صدقہ کرنا:

فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر حسین رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تو کہنے لگی میرا ارادہ بنتا ہے کہ میں اس بچے کا عقیقہ کروں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَحْلِقِي رَأْسَهُ وَ تَصَدَّقِي بِوَزْنِ شَعْرِهِ فِضَّةً عَلَى الْمَسَاكِيْنِ» ❶

اس کا سر منڈوا دیں اور ان کے بالوں کے برابر چاندی صدقہ کر دیں جتنا بالوں

❶ سنن بیہقی

کا وزن ہو اتنی چاندی صدقہ کردیں۔ آپ ﷺ کا مقصد یہ تھا کہ عقیقہ میں کروں گا۔

اس حدیث سے پتہ چلا کہ بچے کے بالوں کے برابر آدمی کو صدقہ کرنا چاہیئے۔

چنانچہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کے بالوں کے برابر چاندی صدقہ کی۔ ہمارے ہاں سب کچھ کریں گے، مٹھائی تقسیم کریں گے۔ لیکن صدقہ خال خال ہی کوئی کرتا ہے۔ بہت سے لوگوں کو تو ویسے ہی پتہ نہیں کہ صدقہ بھی کرنا ہے یا نہیں اور عقیقہ کی کیا اہمیت ہے۔ حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کا عقیقہ خود رسول اللہ ﷺ نے کیا تھا۔

بچے کے کان میں اذان کہنا:

بچے کے پیدا ہوتے وقت اس کے کان میں اذان کہنا بھی رسول اللہ ﷺ کا طریقہ ہے ابو رافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَذَّنَ فِي أُذُنِ الْحَسَنِ حِيْنَ وَلَدَتْهُ فَاطِمَةُ بِالصَّلَاةِ» ❶

”میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا جب فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر حسن رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے آپ ﷺ نے حسن رضی اللہ عنہ کے کان میں نماز والی اذان کہی۔“

امام ترمذی رحمہ اللہ اس حدیث کو اپنی کتاب میں بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

” هٰذا حديث حسن صحيح“

”یہ حدیث حسن صحیح ہے۔“

اذان آدمی خود بھی کہہ سکتا ہے۔ لیکن ہمارے ہاں یہ رواج بن چکا ہے کہ اذان مولوی صاحب ہی کہیں گے۔ دوسرا اگر اذان کہہ لے تو پھر مولوی صاحب ناراض ہو جاتے ہیں۔ یہ ایک سیپ والا معاملہ چل چکا ہے۔ جس طرح ہندوؤں

---

❶ [جامع ترمذی، کتاب الاضاحی عن رسول اللہ ﷺ باب الاذان فی اذن المولود، رقم:١٥١٤۔ ابو داود:٥١٠٥]

میں ''برہمن'' پر سارا معاملہ ہوتا ہے۔ اسی طرح ہم نے بھی یہ سلسلہ چلا لیا ہے۔ بچے کے کان میں اذان کے موقع پر بھی اور جنازہ کے موقع پر بھی اور نکاح کے موقع پر بھی۔

نبی ﷺ کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بڑی عقیدت تھی اور برکت بھی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بہت زیادہ تھی۔ اس کے باوجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم ﷺ کو شادی وغیرہ کے موقع پر بلاتے ہی نہیں۔

جابر رضی اللہ عنہ کی شادی ہوئی تو رسول اللہ ﷺ کو علم ہی نہیں تھا۔ عبدالرحمٰن ابن عوف رضی اللہ عنہ کی شادی ہوئی رسول اللہ ﷺ کو علم ہی نہیں تھا۔ اور جب رسول اللہ ﷺ کو علم ہوا تو آپ ﷺ نے یہ نہیں کہا کہ مجھے کیوں نہیں بلایا؟ خود بخود ہی نکاح کر لیا ہے۔

جیسا کہ ہمارے ہاں مولوی صاحب طرح طرح کی باتیں بتاتے ہیں۔ دراصل ہندوؤں اور سکھوں سے یہ طریقہ مسلمانوں میں آ گیا ہے۔ ''برہمن'' کی جگہ مولوی صاحب کو بٹھا دیا گیا ہے۔ ہم مسلم ہیں اسلام کو اپنانا چاہیے۔

بچے کے کان میں اذان یا اقامت:

اذان کہنے کے متعلق ہمارے ہاں عام رواج چلتا ہے کہ دائیں کان میں اذان کہی جاتی ہے اور بائیں میں اقامت اور اس سلسلہ میں ایک روایت بھی پیش کی جاتی ہے۔ کہ اگر بچے کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں تکبیر کہی جائے تو ام الصبیان (یہ ایک بیماری ہے) بچے پر طاری نہیں ہوتی۔ یہ روایت موضوع ہے۔ ایک روایت ضعیف ہوتی ہے لیکن یہ روایت اس سے بھی آگے بڑھی ہوئی ہے۔ اس کی سند میں ایک راوی یحیٰی بن علاء ہے امام احمد بن

حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

" كَذَّابٌ يَضَعُ الْحَدِيثَ " ❶

"یہ کذاب ہے اور حدیثیں خود گھڑتا ہے اور نبی کریم ﷺ کے ذمے لگا دیتا ہے۔"

اور اس کے استاذ مروان بن خالد کے متعلق محدثین فرماتے ہیں یہ یحییٰ بن علاء سے بھی زیادہ کذاب ہے۔[تہذیب]

اس سے آپ خود اندازہ لگائیں کہ یہ روایت کتنی کمزور ہے۔ بچے کے کان میں اذان کہنے والی روایت صحیح ہے۔ اقامۃ تکبیر کہنے والی روایت صحیح نہیں۔اس لئے بچے کے کان میں صرف اذان ہی کہنا چاہئے یہ مسنون طریقہ ہے۔

لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ اس مسنون طریقے کو کوئی اپنائے یا نہ اپنائے خود ساختہ رسوم ورواج ضرور پورے کرے گا۔کوئی دروازے پر شرھیں باندھ رہا ہے اور چارپائی کو تالا لگا رہا ہے، کوئی چھریاں چاقو وغیرہ پاس رکھ رہا ہے۔ عجیب سلسلہ چل نکلا ہے۔ ہم مسلم ہیں ہمیں اصل اسلامی طریقہ اپنانا چاہئے۔ یہ بھی ایک بڑا مسئلہ نکل پڑا ہے کہ فلاں گھر سودک والا ہے وہاں نہیں جانا۔ بہر حال مسنون طریقہ اپنانا چاہئے۔

بچے کا نام کب رکھا جائے:

بچے کا نام آدمی ساتویں دن رکھے یہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

« تُذْبَحُ عَنْهُ يَوْمَ السَّابِعِ وَ يُحَلَّقُ رَأْسُهُ وَ يُسَمّٰى » ❷

"ساتویں دن بچے کا نام رکھا جائے اور ساتویں دن ہی اس کے بال منڈوائے جائیں۔"

اگر ساتویں دن سے پہلے نام رکھنا چاہے تو رکھ سکتا ہے۔ اسی طرح ساتویں دن

❶ میزان الاعتدال

❷ جامع ترمذی، کتاب الاضاحی، باب العقیقة بشاة، حدیث:۱۵۲۲

کے بعد بھی رکھ سکتا ہے۔ رکھا ہوا نام تبدیل بھی کر سکتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں مسئلہ بیان کیا ہے۔ اگر ولادت سے پہلے نام تجویز کر لے تو ٹھیک ہے۔ دلیل میں انہوں نے قرآن مجید کی آیت پیش کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ يَا زَكَرِيَّا إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ اسْمُهُ يَحْيَىٰ لَمْ نَجْعَل لَّهُ مِن قَبْلُ سَمِيًّا ﴾ [سورۃ مریم: ۷]

"اے زکریا ہم آپ کو ایک بچے کی بشارت سناتے ہیں۔ اس کا نام یحییٰ ہے۔"

بچہ ابھی پیدا نہیں ہوا نام پہلے رکھ دیا اور فرمایا:

﴿ لَمْ نَجْعَل لَّهُ مِن قَبْلُ سَمِيًّا ﴾

ہم نے اس سے پہلے اس کا کوئی ہم نام نہیں بنایا۔"

آدم علیہ السلام سے لے کر یحییٰ علیہ السلام تک یحییٰ نام کا کوئی آدمی نہیں تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی بڑی عمر والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام تبدیل کیے ہیں۔ عورتوں کے نام بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبدیل کر دیتے تھے۔ بہتر اور افضل یہ ہے کہ ساتویں دن نام رکھا جائے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ساتویں دن کے متعلق حکم دے رہے ہیں کہ ساتویں دن نام رکھا جائے۔ اس طرح آدمی کو سوچنے کا موقع مل جاتا ہے۔

عقیقہ فرض ہے:

عقیقہ کرنا لازمی، ضروری اور فرض ہے۔ صحیح بخاری میں حدیث ہے سلمان بن عامر رضی فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« مَعَ الْغُلَامِ عَقِيقَةٌ » ❶

"بچے کے ساتھ عقیقہ ہے۔"

---

❶ صحیح البخاری، کتاب العقیقة، باب اماطة الاذی عن الصبی فی العقیقة، رقم: ۵٤٧١۔

یہ الفاظ عقیقہ کے واجب اور فرض ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس میں گنجائش نہیں چھوڑی۔ اس کے بعد والے الفاظ اس سے بھی زیادہ واضح ہیں:

«فَأَهْرِيقُوا عَنْهُ دَمًا وَ أَمِيطُوا عَنْهُ الْأَذَى»

"بچے کی طرف سے خون بہاؤ، عقیقہ کرو اور اس سے اذی کو مٹاؤ۔"

رسول اللہ ﷺ حکم دے رہے ہیں کہ بچے کی طرف سے خون بہاؤ اور اذیت والی چیز بال منڈوا دو۔ یہ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے۔ اور اصول فقہ کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور رسول کریم ﷺ اگر کسی کام کا حکم دے دیں اور ان میں گنجائش نہ رہنے دیں تو وہ چیز فرض، واجب ہو جاتی ہے۔

﴿وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا﴾ (سورۃ الاحزاب:٣٦)

ایک مقام پر فرمایا:

﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ [سورۃ النور:٦٣]

اس مضمون کی بہت سی آیات اہل علم نے درج کر کے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور رسول اللہ ﷺ کے حکم میں اگر گنجائش نہ ہو تو وہ چیز فرض اور واجب ہو جاتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے عقیقہ کرنے کا حکم دے دیا ہے۔ اور اس میں گنجائش نہیں آئی۔ لہٰذا عقیقہ کرنا لازمی اور ضروری ہے۔

عقیقہ کا جانور؟

رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے:

« عَنِ الْغُلَامِ شَاتَانِ مُكَافِئَتَانِ وَ عَنِ الْجَارِيَةِ شَاةٌ » ❶

''لڑکا ہوتو اس کی طرف سے دو بکریاں ایک جیسی ان کی عمر ایک ہی ہو۔ اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری۔''

''شاۃ'' کا لفظ دو جنسوں پر بولا جاتا ہے:

۱۔ معز ۲۔ ضان

بھیڑ اور بکری پر ''شاۃ'' کا لفظ یا ''غنم'' کا لفظ بولا جاتا ہے۔

ام کرز رضی اللہ عنہا کی حدیث میں یہ الفاظ آئے ہیں:

« لَا يَضُرُّكُمْ اَذُكْرَانًا كَانُوْا اَمْ اِنَاثًا » ❷

''تمھیں کسی قسم کا کوئی ضرر نہیں وہ دو مادہ ہوں یا دو نر ہوں۔''

دو بکرے یا دو بکریاں ہوں دو چھترے یا دو چھتریاں ہوں۔ یا ایک بکری اور ایک چھتری ہو یا ایک بکرا اور ایک چھترا ہو، یا ایک بکری اور ایک چھترا ہو یا ایک چھتری اور ایک بکرا ہو۔ اس جنس میں سے دو کرنے ہیں جس طرح طبع ہو کرلو۔

عقیقہ میں اونٹ یا گائے ذبح کرنا؟

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بھائی عبدالرحمن بن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہما کے ہاں بیٹا ہوا۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کا بھتیجا ہوا۔ کسی نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا:

« عَقِّي عَنْهُ جُزُوْرًا »

''آپ اپنے بھتیجے کی طرف سے اونٹوں کا عقیقہ کریں۔''

---

❶ سنن ترمذی، كتاب الاضاحي، باب ما جاء في العقيقة، رقم: ١٥١٣

❷ سنن ترمذی، كتاب الاضاحي، باب ما جاء في العقيقة، رقم: ١٥١٦

عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

«مَعَاذَ اللّٰهِ مَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ»

''اللہ کی پناہ میں تو وہی کام کروں گی جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔ آپ ﷺ نے ''شاتان'' فرمایا ہے۔اونٹوں کا عقیقہ نہیں کروں گی۔ آپ ﷺ نے ''شاتان'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔ یہ لفظ اونٹ اور گائے پر استعمال نہیں ہوتا۔ اونٹوں اور گائے کے عقیقے میں عائشہ رضی اللہ عنہا نے معاذ اللہ پڑھا۔ ہم کو بھی معاذ اللہ کہنا چاہئے۔ لیکن ہم حساب لگانا شروع کر دیتے ہیں کہ گائے سات بکریوں کے قائم مقام ہے۔ لہٰذا تین بچے اور ایک بچی کی طرف سے ایک گائے عقیقہ میں ہو جائے گی۔ یاد رکھو اونٹ اور گائے کا عقیقہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں۔''

ایک روایت پیش کی جاتی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا گائے کا عقیقہ کرلو۔ اونٹ کا عقیقہ کرلو بھیڑ بکری کا عقیقہ کرلو۔ قربانی والی چاروں جنسیں یہاں بھی آ گئیں۔

یہ بات نبی کریم ﷺ کے ذمہ لگائی جاتی ہے۔ لیکن یہ روایت انتہائی کمزور ہے۔ اس میں ایک راوی مسعدۃ بن الیسع ہے یہ کذاب تھا۔

کذاب راوی کی روایت میں گائے اور اونٹ کے عقیقے کا ذکر آیا ہے۔ جبکہ صحیح روایات جو سنن اربعہ میں مسند امام احمد، بیہقی، دارمی، دارقطنی، طحاوی وغیرہ میں موجود ہیں۔ ان میں ''شاۃ'' کا لفظ آیا ہے۔ یعنی لڑکا ہو تو ''شاتان'' لڑکی ہو تو ''شاۃ''۔ لہٰذا اونٹ اور گائے کا عقیقہ ثابت نہیں۔

اب یہ حساب لگانا کہ گائے تین بچوں اور ایک بچی کی طرف سے اور اونٹ پانچ بچوں کے میں ہو سکتا ہے۔ یہ جائز اور درست نہیں۔

آپ پہلے بھی سماعت فرما چکے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حسن رضی اللہ عنہ اور

حسین رضی اللہ عنہما کا عقیقہ کیا۔ بعض روایات میں یہ الفاظ آئے ہیں۔

« إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَقَّ عَنِ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ كَبْشًا كَبْشًا » ❶

''رسول اللہ ﷺ نے حسن رضی اللہ عنہما اور حسین رضی اللہ عنہما کی طرف سے ایک ایک مینڈھا عقیقہ کیا۔''

اس سے بعض علماء نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ بچے کی طرف سے ایک مینڈھا بھی کر لے تو ٹھیک ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کا ایک ایک مینڈھا عقیقہ کیا تھا۔ لیکن نسائی شریف میں صحیح حدیث موجود ہے:

« عَقَّ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ عَنِ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ كَبْشَيْنِ كَبْشَيْنِ » ❷

''رسول اللہ ﷺ حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کا عقیقہ دو دو مینڈھے کیے۔''

دو چھترے حسن رضی اللہ عنہ کے دو چھترے حسین رضی اللہ عنہ کے کئے یہ حدیث بالکل صحیح ہے۔

محدثین نے اپنی کتابوں میں یہ اصول بیان کیا ہے:

'' وَ زِيَادَةُ الثِّقَةِ مَقْبُوْلَةٌ مَا لَمْ تَقَعْ مُنَافِيَةً لِمَا هُوَ اَوْثَقُ '' ❸

'' ثقہ راوی اگر ایک چیز زائد بیان کرتا ہے جو دوسرے بیان نہیں کرتے اور وہ ان کو بیان کے منافی بھی نہیں تو وہ زائد چیز مقبول ہوگی۔''

اس واسطے دو دو چھترے والی بات ٹھیک ہے۔ آپ ﷺ نے حسن اور حسین رضی اللہ عنہ کے دو دو چھترے عقیقہ کئے تھے ایک ایک نہیں کیا تھا۔ جس روای نے ایک ایک بیان کیا ہے وہ اصل میں جنس بیان کر رہا ہے کہ عقیقہ چھترے کی جنس سے تھا لفظ صحیح بن

❶ ابوداود کتاب الضحایا باب في العقیقة حدیث: ۲۸٤۱

❷ سنن نسائي، کتاب العقیقة، باب کم یعق عن الجاریة، رقم: ٤١٤٧

❸ نخبة الفکر

نہیں سکے جس سے ایک ایک کا شبہ ہو گیا ہے۔ صحیح بات یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دودو جانور ذبح کیے تھے جانور کے لفظ سے بات یاد آ گئی کہ لوگ کہتے ہیں جانور دو ہونے چاہئیں دو بکرے کر لو۔ دو گائیں کرلو، دو اونٹ کرلو۔ جب کہ جانور کا لفظ کسی حدیث میں نہیں آیا۔ حدیث میں لفظ ''شاتان'' کا آیا ہے۔

لہٰذا جانور والی بات بے بنیاد ہے۔ لوگ اپنی طرف سے بات بنا کر استخراج اور استنباط کا سلسلہ شروع کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے لکھا:

''تَخْرِیجٌ عَلٰی کَلَامِ الْأَئِمَّةِ''

''یہاں تو ''تخریج علی کلام الائمۃ'' سے بات دور نکل گئی ہے یہاں تو ''تخریج علی کلام العوام'' بن گیا ہے۔ عوام نے جو بات بنائی ہے اس سے تخریج کی ہے۔'' انا للہ انا الیہ راجعون

سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« اَلْغُلَامُ مُرْتَهَنٌ بِعَقِيقَتِهِ » ❶

''بچہ گروی ہے اپنے عقیقے کے ساتھ۔''

جب اس کا عقیقہ کیا جائے گا تو اس کا گہنہ اور گروی اترے گا۔ عقیقہ اگر نہ کیا جائے تو پھر سمجھو کہ بچہ ابھی گروی ہے۔

کتنے دن بعد عقیقہ؟

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

« تُذْبَحُ عَنْهُ يَوْمَ السَّابِعِ وَ يُحَلَّقُ رَأْسُهُ وَ يُسَمّٰى »

'' ساتویں دن بچے کا عقیقہ کیا جائے اور ساتویں دن اس کے بال بھی

❶ سنن الترمذی، کتاب الاضاحی، باب العقیقة، رقم: ۱۵۲۲۔

اتروائے جائیں اور اس کا نام بھی رکھا جائے۔" ❶

بعض روایات میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں کہ ساتویں دن بچے کو خون آلود بھی کیا جائے۔ ''یُدمی'' کا لفظ آتا ہے۔ امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ ''یُدمی'' کا لفظ صحیح نہیں۔ صحیح اور اصح "یسمی" ہے۔ "یدمی" ثابت نہیں۔ یہ کسی راوی کو وہم ہو گیا ہے۔ ویسے بھی صحیح احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ "یدمی" والی بات کو اسلام نے ختم کر دیا ہے۔

بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جاہلیت میں یہ رواج تھا کہ عقیقے کے جانور کے خون سے اون کو رنگ کر بچے کے سر پر بہا دیا جاتا۔ بچے کے سر کو جانور کے خون سے خون آلود کیا جاتا تھا۔ جب اسلام آ گیا تو اس رسم کو ختم کر دیا گیا۔ بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں پھر ہم بچے کے سر پر خون نہیں لگاتے تھے۔ بلکہ خوشبو لگاتے تھے۔ ❷

اس حدیث سے بھی پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر خون کو آلود کرنے والی رسم ختم کر دی۔ اس حدیث سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ " یُدمی" والے لفظ کسی روای سے استعمال ہوئے ہیں۔ اصل میں یہ لفظ "یسمی" ہی ہے اسلام نے بچے کے سر خون آلود کرنے والی رسم کو ختم کیا ہے، عقیقہ ختم نہیں کیا۔

کیا عقیقہ جاہلیت کی رسم ہے:

کئی اہل علم کی تحقیق کتابوں میں لکھی ہے کہ عقیقہ جاہلیت کی رسم تھی اسلام نے آ کر ختم کر دی ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو فرما رہے ہیں:

---

❶ ابوداؤد، کتاب الضحایا، باب فی العقیقة، رقم: ۲۸۳۷، قال ابوداؤد، و هذا وهم من همام و یُدمی۔

❷ سنن ابی داؤد، کتاب الضحایا باب فی العقیقة، رقم: ۲۸٤۳۔

« مَعَ الْغُلَامِ عَقِيقَةٌ أَهْرِيقُوا عَنْهُ دَمًا »

''ختم کیسے کی؟ اصل میں کچھ اہل علم غلط فہمی کا شکار ہو گئے ہیں۔ انہوں نے سمجھ لیا جاہلیت کی رسم ہے۔ اس کو اسلام نے ختم کر دیا ہے۔ اب بھی بہت سے لوگ ایسے ہیں جو عقیقہ نہیں کریں گے ویسے بے شمار لاکھوں اور ہزاروں روپیہ بچے کی ولادت پر خرچ کر دیں۔ ذہن میں یہ بات ہے کہ جاہلیت کی رسم تھی ختم ہو چکی ہے۔''

یہ جاہلیت کی رسم نہیں نبی کریم ﷺ کا حکم ہے۔ اور آپ ﷺ نے حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ کا عقیقہ کیا بھی ہے۔

عقیقہ کب کیا جائے؟

عقیقہ ساتویں دن کرنا ہے۔ اور اگر ساتویں دن نہیں کر سکا تو پھر بعد میں عقیقہ کر لے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

« اَلْغُلَامُ مُرْتَهَنٌ بِعَقِيقَتِهِ » ❶

''بچہ عقیقہ کے ساتھ گروی ہے۔''

جس طرح کسی شخص نے کسی سے پیسے لئے ہوں اور اس کے پاس زیور وغیرہ گروی رکھ دیا ہو کہ مہینے تک میں اپنی چیز لے جاؤں گا اور پیسے دے دوں گا۔ مہینہ گزرنے پر اس کے پاس پیسے نہیں بنے تو اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ اب اس کو پیسے نہیں دینے اور گروی چیز کو واپس نہیں لینا۔ وہ ڈیڑھ مہینہ دو مہینے یا سال تک جب بھی پیسے دے گا اپنی چیز واپس لے گا۔ اب یہ بہانا بنا لے کہ تاریخ گزر گئی ہے۔ اب میں نے گروی چیز واپس نہیں لینی اور نہ پیسے دینے ہیں۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ گروی چیز رقم سے تھوڑی ہو تو یہ پھر بھاگ جائے، ورنہ اگر زیادہ ہو تو پھر یہ ضرور پیسے دے گا اور

❶ سنن الترمذي، كتاب الاضاحي، باب العقيقة، رقم: ١٥٢٢۔

اپنی شیٔ واپس لے گا۔

لہٰذا آپ ﷺ فرمار ہے ہیں بچہ عقیقے کے ساتھ گروی رکھا گیا ہے۔ بچہ تو پیسوں سے زیادہ قیمتی ہے یہ تو قیمت سے بھی نہیں ملتا۔ دو چھترے بچے سے زیادہ مہنگے نہیں۔ ساتویں دن نہیں کر سکا تو بعد میں کر لے گروی تو چھڑا لے۔ ساتویں دن کے بعد دن مقرر نہیں۔ جس دن اس کو فرصت ہو توفیق ہو اس دن کر لے۔ دسویں دن کر لے پندرہ دن کے بعد کر لے جب اس کو توفیق ہو وہ دو بکرے بچے کا عقیقہ کرے۔ اور گروی چھڑائے۔

چودھویں اور اکیسویں دن عقیقہ کرنا:

کئی علماء کا قول ہے اگر ساتویں دن نہیں کر سکا تو پھر چودھویں دن کر لے اور اگر چودھویں دن بھی نہیں کر سکا تو پھر اکیسویں دن کر لے اس سلسلے میں ایک روایت بھی پیش کی جاتی ہے کہ:

"ساتویں دن عقیقہ کرو، چودھویں دن کرلو، اکیسویں دن کرو۔" ❶

لیکن یہ روایت پایہ ثبوت تک نہیں پہنچتی۔ کیونکہ اس کی سند میں ایک راوی اسماعیل بن مسلم مکی کثیر الغلط ہے اور ضعیف ہے۔ اور صحیح حدیث:

« اَلْغُلَامُ مُرْتَهَنٌ بِعَقِيقَتِهِ » ❷

اس سے پتہ چلتا ہے کہ، ساتویں دن عقیقہ کر لے اگر نہیں کر سکا تو پھر بعد میں کوئی تاریخ مقرر نہیں۔

« اَلْغُلَامُ مُرْتَهَنٌ بِعَقِيقَتِهِ » پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ روایت پایہ ثبوت

❶ صحيح الجامع مع الصغير: ٤١٣٢- سنن البيهقي

❷ سنن الترمذي، كتاب الاضاحي، باب العقيقة، رقم:١٥٢٢، نسائي: ٤١٤٩، ابوداؤد:٢٨٣٧، ابن ماجة: ٣١٦٥-

تک نہیں پہنچتی۔ کیونکہ اس کی سند میں حسن بصری رحمہ اللہ، سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے بیان کر رہے ہیں۔ جب کہ حسن بصری کا سمرہ سے سماع ثابت نہیں۔ لہٰذا بوجہ انقطاع یہ روایت قابل احتجاج نہیں۔ لیکن یہ اعتراض بے بنیاد ہے کیونکہ صحیح بخاری میں ہے کہ حسن بصری سے حبیب بن الشہید نے پوچھا:

« مِمَّنْ سَمِعْتَ حَدِيثَ الْعَقِيقَةِ ؟ » ❶

''آپ نے عقیقہ کی حدیث کس سے سنی ہے؟ حسن رحمہ اللہ نے فرمایا کہ سمرہ ابن جندب رضی اللہ عنہ سے۔ اب اس کے بعد انقطاع ختم ہو گیا ہے۔ نسائی شریف میں امام نسائی نے یہ روایت نقل کرنے کے بعد حسن رحمہ اللہ کا یہ واقعہ بھی ذکر کیا ہے۔ لہٰذا حسن بصری نے سمرہ سے اور کوئی حدیث سنی ہو یا نہ سنی ہو عقیقہ والی حدیث ضرور سنی ہے۔''

((...... ❀ ❀ ❀ ......))

❶ صحيح بخاری، كتاب العقيقة، باب اماطة الاذى عن الصبي في العقيقة، حديث:٥٤٧٢

خطبہ مسنونہ

إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَ نَسْتَعِينُهُ وَ نَسْتَغْفِرُهُ وَ نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا مَنْ يَهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَ مَنْ يُضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَ أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَ رَسُولُهُ:

﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَ لَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ﴾ ❶

﴿ يَاأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَ نِسَاءً وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ﴾ ❷

﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ۝ يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَ مَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ﴾ ❸

أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللّٰهِ وَ خَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ وَ شَرَّ الْأُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا وَ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَ كُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَ كُلَّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ ❹

---

❶ آل عمران:۳/۱۰۲۔ ❷ النساء:۴/۱۔ ❸ الاحزاب:۳۳/۷۰،۷۱۔

❹ صحیح مسلم، کتاب الجمعة، باب خطبته ﷺ فی الجمعة:۶/۱۵۳۔

منکرین حدیث کے شبہات کا رد

انکار حدیث کے سلسلے میں کئی ایک شبہات پیش کیے جاتے ہیں ۔اس مختصر فرصت میں تمام شبہات کا ذکر اوران کا رد تو پیش نہیں کیا جاسکتا ،تا ہم چند ایک شبہات کا رد پیش ہوگا:

شبہ نمبر 1:

پہلا شبہ یہ پیش کیا جاتا ہے:

نبی ﷺ کی سنت وحدیث وحی نہیں ،وحی صرف اور صرف قرآن مجید ہے۔

منکرین حدیث کا دعویٰ ہے کہ نبی کریم ﷺ پر قرآن کے علاوہ کوئی چیز نازل نہیں کی گئی۔ان کی دلیل یہ ہے:

﴿وَأُوحِيَ إِلَيَّ هَٰذَا الْقُرْآنُ﴾ (الانعام: ۱۹)

''اور میرے پاس یہ قرآن وحی کیا گیا ہے۔''

اس قسم کی دیگر آیات جن میں قرآن کے وحی ہونے کا ذکر ہے۔پڑھ کر وہ لوگوں کو مغالطہ اور دھوکا دیتے ہیں کہ دیکھو!اس میں تو صرف قرآن مجید کے وحی ہونے کا ذکر ہے۔

مغالطے کا ازالہ:

اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ واقعی قرآن مجید نبی اکرم ﷺ کی طرف وحی کیا گیا اس کو تو سب تسلیم کرتے ہیں۔لیکن ان کا اصل دعویٰ یہ تھا کہ قرآن مجید فرقان حمید کے علاوہ رسول کریم ﷺ پر کوئی وحی نازل نہیں ہوئی۔ان کے پاس اس دعوے

پر دلالت کرنے والی کوئی آیت کریمہ ہے ہی نہیں ۔نہ کوئی نبی ﷺ کی سنت اور حدیث ہے۔قرآن مجید میں تو صرف اتنا آیا ہے:

﴿ وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْآنُ ﴾

”میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہے۔“

اس آیت سے ان کے دعویٰ پر استدلال نہیں ہوسکتا ،کیونکہ ان کا دعویٰ یہ ہے کہ صرف اور صرف قرآن مجید وحی کیا گیا ، اس کے علاوہ اور کوئی چیز وحی نہیں کی گئی ۔ اور یہ کسی آیت میں ہے ہی نہیں ۔

اگر اس طرح کی کوئی آیت ہوتی تو پھر ان کا دعویٰ صحیح ہوسکتا تھا۔لیکن یہ الفاظ تو قرآن مجید میں آئے ہی نہیں ۔ یہ محض ایک مغالطہ اور صریح دھوکا ہے ۔

عامۃ الناس کی علمی استعداد اس قدر نہیں ہوتی ، وہ بات کو سمجھتے نہیں ،تو اس قسم کی آیات پڑھ کر منکرین حدیث ان کو دھوکا دیتے ہیں۔ حالانکہ قرآن مجید سے ہی ثابت ہوتا ہے کہ قرآن مجید کے علاوہ نبی کریم ﷺ پر کوئی اور چیز بھی وحی کی گئی ہے، قرآن مجید بھی وحی ہے۔ اور قرآن مجید کے علاوہ بھی وحی ہے ۔ یہ قرآن مجید سے ثابت ہے ۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ﴾ (النساء)

”اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر کتاب وحکمت اتاری ہے۔“

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿ وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ ﴾ (البقرۃ: ۲۳۱)

”اور اللہ کا احسان جو تم پر ہے یاد کرو اور جو کچھ کتاب وحکمت اس نے نازل فرمائی ہے ۔“ اللہ تبارک وتعالیٰ نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے

فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر کتاب و حکمت کو نازل فرمایا۔ کتاب بھی نازل فرمائی اور ساتھ حکمت بھی نازل فرمائی۔"

تو دو چیزیں نازل فرمائی ہیں: ① کتاب ② حکمت

اب یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے صرف کتاب نازل فرمائی ہے۔ یعنی قرآن مجید ہی نازل فرمایا ہے اور قرآن مجید ہی صرف وحی ہے۔ یہ بات تو بے بنیاد ٹھہری کیونکہ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں:

﴿وَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾ (النساء: ۱۱۳)

"اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر کتاب و حکمت اتاری ہے۔"

حکمت بھی کتاب ہی کی طرح نازل ہوئی ہے:

اور حکمت کا عطف، اللہ تعالیٰ نے کتاب پر ڈالا ہے۔ جس سے پتا چلتا ہے کہ حکمت کا انزال و نزول اسی طرح ہے جس طرح کتاب کا انزال و نزول ہے۔ حدید والا انزال اور حدید والا نزول نہیں۔ کیوں کہ حکم کا عطف کتاب پر ہے۔

حکمت کی غلط تفسیر:

پھر یہ بات بنائی جاتی ہے کہ حکمت تو ایسی چیز ہے جو انسان کے دماغ، انسان کے دل اور انسان کی فراست کے ساتھ قائم ہوتی ہے۔ تو اس کا انزال اس کا نزول، نازل کرنا ایسا ہوگا جو اس کی شایان شان ہے کتاب والا تو نہیں یہ بات بھی بے بنیاد ہے۔

حکمت کی صحیح تفسیر:

کیونکہ قرآن مجید فرقان حمید سے ثابت ہوتا ہے، حکمت بھی ایک ایسی چیز ہے جس کی تلاوت کی جاتی ہے جس کو پڑھا جاتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَ الْحِكْمَةِ﴾
(الاحزاب: ۳۴)

''امہات المومنین رضی اللہ عنہن کو اللہ تعالیٰ مخاطب فرما رہے ہیں، یاد کرو ﴿مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ﴾ ''جو تمہارے گھروں میں تلاوت کیا جاتا ہے۔'' پڑھا جاتا ہے۔ ﴿مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ﴾ اور خود ہی اللہ تعالیٰ نے ﴿مَا يُتْلٰى﴾ کی وضاحت فرما دی ﴿مِنْ﴾ بیانیہ لا کر ﴿مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ﴾ ''یعنی اللہ کی کتاب اور حکمت''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں جس چیز کو پڑھا جاتا تھا وہ کیا ہیں؟

دو چیزیں ہیں:

① اللہ تعالیٰ کی آیات کریمات۔

② حکمت

جو چیز دل ودماغ کے ساتھ قائم ہے، اس کو پڑھا نہیں جاتا اس کی تو تلاوت نہیں کی جا سکتی، بلکہ قرآن سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ حکمت ایسی چیز ہے جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں پڑھا جاتا ہے۔تو وہ کیا چیز تھی جس کی تلاوت ہوتی تھی؟ جسے پڑھا جاتا تھا؟ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث تھی، اور یہی حکمت ہے۔''اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کتاب نازل فرمائی ہے اور حکمت بھی نازل فرمائی ہے۔''

امام شافعی رحمہ اللہ نے ''الرسالہ'' نامی ایک کتاب تحریر فرمائی ہے۔ اصول فقہ پر بہترین اور اولین کتاب ہے، اس کتاب میں وہ اہل علم سے نقل فرماتے ہیں:

''حکمت سے مراد سنت ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کتاب نازل فرمائی حکمت، سنت اور حدیث بھی نازل فرمائی ہے۔قرآن مجید سے ثابت ہو گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ نے قرآن

مجید کے علاوہ حکمت نازل فرمائی ۔ یہ کہنا کہ صرف قرآن مجید نازل فرمایا ۔ اس کے علاوہ آپ ﷺ پر کوئی چیز نازل نہیں ہوئی ۔ یہ بات بے بنیاد ہے، عقل اور نقل کے خلاف ہے ۔

پھر قرآن مجید میں آتا ہے :

نبی ﷺ کا ہر عمل وحی الٰہی کے مطابق تھا :

﴿قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ﴾ (الاعراف : ۲۰۳)

'' کہہ دو کہ میں بس اس کا اتباع کرتا ہوں جو مجھ پر میرے رب کی طرف سے وحی کی جاتی ہے ۔''

دوسرے مقام پر ہے :

﴿اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ﴾ (الانعام : ۵۰)

'' جو کچھ میرے پاس وحی آتی ہے میں تو صرف اس کا اتباع کرتا ہوں ۔''

رسول اللہ ﷺ فرما رہے ہیں کہ میں صرف اور صرف وحی کا اتباع کرتا ہوں ، وحی کے علاوہ کسی چیز کا اتباع نہیں کرتا ۔ پہلی آیت میں ﴿اِنَّمَا﴾ آیا ہے جب کہ دوسری آیت میں ''ان'' نافیہ اور ''الا'' استثنائیہ آیا ہے ۔ دونوں ادوات قصر اور حصر ہیں ۔ اہل علم جانتے ہیں کہ جہاں حصر اور قصر ہو وہاں جملے کے دو جزو ہوتے ہیں ۔ ایک جزو ایجابی اور ایک سلبی ۔

''وحی کا اتباع کرتا ہوں ۔'' یہ تو اثبات ہو گیا ، ''وحی کے علاوہ کسی چیز کا اتباع نہیں کرتا ۔'' یہ نفی والا حصہ ہو گیا ، اب بات ظاہر بلکہ اظہر من الشمس ہے کہ رسول اللہ ﷺ قرآن مجید کا اتباع کرتے تھے اور یہ بات بھی واضح اور روشن ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی سنت و حدیث کا بھی اتباع کرتے تھے ، دونوں چیزوں کا اتباع کرتے تھے ۔ اور آپ ﷺ جس جس چیز کا اتباع کرتے تھے ، اسے محصور اور مقصور

کیا جا رہا ہے وحی میں:

﴿ إِنَّمَا أَتَّبِعُ مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ مِن رَّبِّي ﴾

﴿ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ ﴾

جس جس چیز کا آپ ﷺ اتباع کرتے تھے وہ وحی ہے۔ قرآن مجید کا اتباع کرتے تھے، سنت و حدیث کا اتباع کرتے یہ بھی وحی ہے۔ چنانچہ ان دونوں آیتوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جس طرح قرآن مجید وحی ہے، رسول اللہ ﷺ کی سنت و حدیث بھی وحی ہے۔ آپ دونوں کا اتباع کرتے تھے۔ اور دونوں کی تعلیم بھی دیتے تھے:

﴿ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ﴾ (التوبہ: ۱۲۰)

"وہ (رسول کریم ﷺ) کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔"

رسول اللہ ﷺ امت کے لئے دو چیزیں ہی چھوڑ کر گئے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا

«تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا كِتَابُ اللّٰهِ وَ سُنَّةُ نَبِيِّهِ»

اور رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا:

«أَلَا إِنِّي أُوتِيتُ الْقُرْآنَ وَ مِثْلَهُ مَعَهُ» ❶

"مجھے قرآن مجید دیا گیا ہے۔ اور اس کے ساتھ ایک چیز ہے اسی طرح وہ بھی مجھے دی گئی ہے۔"

وہ کیا دیا گیا ہے؟ "سنت اور حدیث"

تو دونوں چیزیں من جانب اللہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ہیں۔

---

❶ رواہ ابو داؤد والدارمی وابن ماجہ۔ مشکوۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ

پھر قرآن مجید کے اندر ہی اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ فرمان موجود ہے:

﴿وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ۝ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَ مَا غَوٰى ۝ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝﴾

(النجم: ۱۔۴)

''قسم ہے ستارے کی جب وہ گرے، کہ تمہارے ساتھی نے نہ راہ گم کی ہے نہ وہ ٹیڑھی راہ پر ہے، اور وہ اپنی خواہش سے کوئی بات نہیں کہتے، وہ تو صرف وحی ہے جو اتاری جاتی ہے۔''

رسول کریم ﷺ اپنی خواہش سے نہیں بولتے۔ بلکہ وحی الٰہی سے بولتے تھے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے رسول کریم ﷺ کے نطق کو قرآن مجید کے ساتھ مقید نہیں کیا۔ مطلق الفاظ بولے ہیں:

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى﴾ فرمایا ہے۔

یہ نہیں فرمایا:

''وَمَا يَنْطِقُ بِالْقُرآنِ عَنِ الْهَوٰى''

یہ بھی نہیں فرمایا:

''وَمَا يَنْطِقُ بِالْكِتَابِ عَنِ الْهَوٰى''

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کا نطق، آپ کا بولنا عام رکھا ہے۔ یعنی دین کے سلسلے میں قرآن مجید کے ساتھ آپ کلام فرمائیں، قرآن مجید کے علاوہ دینی امور میں کسی چیز کے ساتھ آپ کلام فرمائیں وہ وحی ہی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے لفظ عام ہی استعمال فرمائے ہیں:

﴿اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾ (النجم: ۴)

وہ صرف اور صرف وحی ہے، تو اس آیت کریمہ سے بھی یہ بات ثابت ہو رہی

ہے کہ قرآن مجید بھی وحی ہے اور سنت و حدیث بھی وحی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عام لفظ استعمال کئے ہیں، تخصیص نہیں فرمائی:

﴿ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ﴾

قرآن مجید کی متعدد آیات کریمات سے یہ بات نکلتی ہے کہ چار کتابیں جو انبیاء علیہم السلام کو دی گئی ہیں، قرآن مجید، انجیل، زبور، تورات اور کچھ صحیفے، صحف موسیٰ، صحف ابراہیم، یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیائے کرام علیہم السلام پر نازل ہوئیں۔

جتنے انبیائے کرام علیہم السلام آئے ہیں سب کو تو یہ چیزیں نہیں ملیں۔ موسیٰ، ابراہیم، عیسیٰ، داؤد علیہم السلام محمد رسول اللہ ﷺ پر یہ چیزیں نازل ہوئیں۔ باقی انبیاء علیہم السلام پر جو وحی نازل ہوتی رہی وہ کیا تھی؟ وہ کتب سماویہ اور صحف کے علاوہ وحی تھی، تو انبیاء کرام علیہم السلام پر اللہ تعالیٰ نے آسمانی کتابوں کے علاوہ بھی وحی نازل کی۔ یہ کہنا کہ کتابوں کے علاوہ وحی ہے ہی کوئی نہیں، یہ تو ساری وحی کا انکار ہو گیا ہو۔ کتابوں کے علاوہ انبیائے کرام علیہم السلام پر نازل ہوتی رہی۔

سورہ اعراف کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو تورات تو فرعون اور آل فرعون کے غرق ہونے کے بعد ملی، موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے ساتھ صحرائے سینا میں رہے، وادی تیہ میں تھے تو وہاں انہیں یہ تورات ملی۔ فرعون، آل فرعون پہلے غرق ہو چکے تھے۔ موسیٰ، ہارون علیہما السلام فرعون اور اس کی قوم کے پاس جو اللہ تعالیٰ کا پیغام پیش کرتے رہے، وحی پیش کرتے رہے، وہ کتاب تورات کے علاوہ تھی۔ فرعون نے کتاب تورات کے علاوہ وحی کا انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے غرق کر دیا۔

کتاب کے علاوہ انبیائے کرام علیہم السلام پر جو وحی اللہ تعالیٰ نازل فرماتا رہا، وہ بھی حجت اور دلیل ہے۔ اس پر بھی ایمان لانا ضروری ہے۔ اگر انسان ایمان نہ لائے تو کافر ہے، باغی ہے، طاغی ہے، فرعون کی طرح وہ اس قابل نہیں کہ صفحہ ہستی پر دندناتا

پھرے، پس انبیاء کرام علیہم السلام پر کتابوں کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی قرآن مجید کے علاوہ وحی نازل فرمائی۔

امام بخاری رحمہ اللہ الباری اپنی جامع الصحیح کے پہلے باب میں "کیف کان بدء الوحی" میں آیت درج کی ہے:

﴿اِنَّا اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ كَمَا اَوْحَيْنَا اِلٰى نُوْحٍ وَّ النَّبِيّٖنَ مِنْ بَعْدِهٖ﴾ (النساء: ٦٢)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "ہم نے آپ کی طرف وحی کی جیسے ہم نے نوح علیہ السلام کی طرف وحی کی اور نوح علیہ السلام کے بعد انبیائے کرام علیہم السلام کی طرف وحی کی۔"

نوح علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ نے نام نامی، اسم گرامی ذکر کیا ہے تو کیا نوح علیہ السلام پر تورات نازل ہوئی ہے؟ انجیل نازل ہوئی ہے، زبور، صحف ابراہیم، صحف موسیٰ، نوح علیہ السلام پر نازل ہوئے ہیں؟

نہیں! تو نوح علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے جو وحی نازل فرمائی، جو ان کی طرف وحی ہوتی رہی وہ وحی کیا ہے؟ کتاب تو نہیں تھی!

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ فرما رہا ہے کہ نوح علیہ السلام اور بعد والے نبیوں کی طرف ہم نے جیسے وحی کی ویسے ہی آپ کی طرف کی، تو اس کے اندر کتابیں بھی آ گئیں، کتابوں کے علاوہ وحی بھی آ گئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کتاب بھی اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی، قرآن مجید فرقان حمید اور قرآن مجید کے علاوہ بھی وحی نازل کی: ﴿كَمَآ اَوْحَيْنَآ﴾

امام بخاری رحمہ اللہ الباری سنت وحدیث کا مجموعہ لکھ رہے ہیں، یہ آیت پیش کر کے اشارہ فرما رہے ہیں کہ سنت و حدیث بھی وحی ہے۔ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی نازل فرمایا۔ اس لئے یہ شبہ خواہ مخواہ ہے، بے بنیاد ہے کہ رسول

اللہ ﷺ پر قرآن مجید کے علاوہ کچھ نازل نہیں ہوا۔ رسول اللہ ﷺ پر قرآن مجید بھی نازل ہوا ہے، قرآن مجید کے علاوہ حکمت اور سنت و حدیث بھی نازل ہوئی ہیں ۔ یہ بات قرآن مجید سے ثابت ہو رہی ہے ۔ اب جو شخص قرآن مجید کے وحی ہونے کا انکار کرتا ہے تو آپ کو معلوم ہونا چاہئے وہ صرف سنت و حدیث کا منکر نہیں بلکہ قرآن مجید کا بھی منکر ہے ۔

کیونکہ قرآن مجید سے حکمت ، سنت اور حدیث کا وحی ہونا ثابت ہو رہا ہے ۔ اور یہ شخص انکار کر رہا ہے ۔ لہٰذا قرآن مجید کا بھی منکر ہو گیا ۔

کچھ لوگ اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ ہم قرآن مجید کے تو قائل ہیں ۔ لیکن آپ یاد رکھیں جو کوئی بھی سنت و حدیث کے منکر ہیں وہ سب قرآن مجید کے بھی منکر ہیں ۔ وہ لاکھ ، ارب ، کھرب مرتبہ دعویٰ کرتے رہیں کہ ہم قرآن مجید کے قائل ہیں ، مگر جو سنت کا منکر ہے وہ قرآن مجید کا بھی منکر ہے ۔ وہ قرآن مجید کا قائل نہیں ۔ نام بے شک اہل قرآن رکھ لے، حقیقت یہی ہے کہ وہ سنت کا بھی منکر ہے اور قرآن مجید کا بھی منکر ہے ۔

اس حکمت کی نبی کریم ﷺ کے گھروں میں تلاوت ہوتی تھی ، اس کو پڑھا جاتا تھا۔ نبی کریم ﷺ خود پڑھتے تھے ۔ امہات المومنین رضی اللہ عنہن اس کی تلاوت کرتی تھیں ، وہ اس حدیث اور سنت کو پڑھتی تھیں ۔

شبہ 2:

ایک بات یہ بھی بنائی جاتی ہے کہ نماز کے اندر قرآن مجید کی تلاوت ہوتی ہے ۔ اور کسی چیز کی تلاوت نہیں ہوتی ۔

رد:

یہ بھی ناخواندہ اور سادہ قسم کے لوگوں کو ایک مغالطہ اور دھوکا دیا جاتا ہے ۔ نماز

کے اندر قرآن مجید کی تلاوت بھی ہوتی ہے۔اور رسول اللہ ﷺ کی سنت اور حدیث کی بھی تلاوت ہوتی ہے۔

دیکھئے! آپ تو ماشاء اللہ باقاعدگی سے روز نماز پڑھتے ہیں، نماز کا افتتاح کس سے ہوتا ہے؟

تکبیر تحریمہ یعنی ''اللہ اکبر'' سے ،رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

﴿تَحْرِيْمُهَا التَّكْبِيْرُ وَتَحْلِيْلُهَا التَّسْلِيْمُ﴾

طبرانی میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے ،اللہ تعالیٰ تو اتنی دیر کسی کی نماز قبول نہیں فرماتا جتنی دیر تک وہ اللہ اکبر نہ کہے ،نماز شروع کرتے وقت اللہ اکبر کے لفظ نہ بولے۔

اب فرمایئے کیا اللہ اکبر جملہ قرآن مجید کا ہے؟

سورۃ الفاتحہ سے لے کر سورۃ الناس تک غور کرتے جاؤ، کسی سورۃ کے اندر کسی پارے کے اندر اللہ اکبر کے لفظ ہیں؟

پورا قرآن پڑھ جائیں،آپ کو ''اَللّٰهُ اَكْبَرُ '' کا جملہ قرآن مجید میں نہیں ملے گا۔ تو یہ جملہ پھر سنت اور حدیث میں ہوا ناں ،لہٰذا نماز شروع کرتے وقت ہی انسان حدیث پڑھنا شروع کر دیتا ہے، اللہ اکبر کے بعد نمازی نے کیا پڑھنا ہے۔

''سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ ....اَلخ'' یا ''اَللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِي وَبَيْنَ خَطَايَايَ......اَلخ'' یا پھر ''اِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ ......اَلخ'' یا اس قسم کی اور دعا استفتاح پڑھ لے گا۔ یہ ادعیہ استفتاح قرآن مجید کے اندر کہیں موجود ہیں؟

نہیں ہیں! بلکہ سنت و حدیث میں ہیں ،تو پہلی تکبیر اور اس کے بعد دعائے استفتاح بھی حدیث و سنت میں ہے ،نمازی سنت و حدیث تو پہلے پڑھتا ہے۔ قرآن مجید کی تلاوت بعد میں کرتا ہے۔ پھر تعوذ پڑھتا ہے:

«اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ» «اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ مِنْ هَمْزِهٖ وَ نَفْخِهٖ وَ نَفْثِهٖ» ❶

یہ تعوذ کے الفاظ وکلمات ہیں، کیا یہ قرآن مجید میں ہیں؟ کہاں ہیں؟ یہ بھی تو سنت و حدیث میں ہے جو نمازی نماز میں پڑھے گا، اس کے بعد وہ سورۃ فاتحہ پڑھے گا پھر اس کے بعد رکوع میں جائے گا، رکوع جاتے وقت «اَللّٰهُ اَكْبَرُ» پڑھتا ہے۔ پھر سنت و حدیث آ گئی۔ پھر رکوع کے اندر جو ذکر و اذکار دعائیں اس نے کرنی ہیں وہ پھر سنت ہیں۔

رکوع سے اٹھے گا «سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ» کہے گا یہ قرآن مجید میں ہے؟ یہ بھی سنت اور حدیث میں ہے، سنت و حدیث ہی پڑھ رہا ہے۔ پھر آگے پڑھے گا: «رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُّبَارَكًا فِيْهِ» یہ قرآن مجید میں کہاں ہے؟ یہ بھی سنت و حدیث ہی ہے۔ اس کے بعد پھر وہ سجدے کے اندر جو کچھ پڑھے گا وہ بھی سنت و حدیث ہی ہے۔

پھر اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ پڑھے گا، درود شریف پڑھے گا، دعائیں پڑھے گا۔ یہ پھر سنت و حدیث آ گئی۔ اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَ الصَّلَوَاتُ قرآن مجید میں تو نہیں۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ ...... قرآن مجید میں تو نہیں، سنت و حدیث ہی ہے۔ پھر آخر میں سلام پھیرے گا۔ «اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ» کے لفظ بولے گا، یہ پھر سنت و حدیث ہے۔

تو نماز کے اندر نمازی قرآن مجید کی بہ نسبت، سنت اور حدیث کو زیادہ پڑھتا ہے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ نماز میں قرآن مجید کی تلاوت ہوتی ہے، قرآن پڑھا جاتا ہے۔

❶ ابو داؤد، رقم ٧٦٤۔ ابن ماجه، رقم ٨٠٧۔ احمد ٨٥/٤

سنت و حدیث نماز کے اندر نہیں پڑھی جاتی ۔ یہ بھی ایک مغالطہ ہے، دھوکا ہے، کئی لوگ اس مغالطے اور دھوکے میں آجاتے ہیں۔

تو نماز کے اندر قرآن مجید کی تلاوت بھی ہوتی ہے، اسی طرح سنت و حدیث کی بھی نماز کے اندر تلاوت ہوتی ہے۔

شبہ نمبر 3:

تیسرا شبہ اس سلسلے میں یہ پیش کیا جاتا ہے کہ رسول کریم ﷺ کی سنت و حدیث لکھی ہوئی نہیں تھی ۔ ۲۰۰ سال بعد لکھی گئی ۔ اس لئے یہ حجت اور دلیل نہیں ۔ کیونکہ (ان کے نزدیک) جو چیز لکھی ہوئی نہ ہو وہ حجت و دلیل نہیں بنتی ۔

ردّ:

اس شبہ کی بنیاد دو مقدموں پر ہے:

ایک مقدمہ اور جملہ ہے:

”حدیث لکھی نہیں تھی، دوسو سال بعد لکھی گئی۔“

دوسرا جملہ اور مقدمہ یہ ہے:

”جو چیز لکھی ہوئی نہ ہو وہ حجت نہیں۔“

یہ دونوں جملے بے بنیاد اور غلط ہیں، عقل کے خلاف اور نقل کے منافی ہیں۔

پہلے جملے کا رد:

صحیح بخاری، صحیح مسلم، ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اس قسم کی کتابیں لے کر یہ شبہ بنا لیا کہ ان کے مصنفین دوسو سال بعد پیدا ہوئے ہیں۔تو پیدا ہونے کے بعد ہی انہوں نے لکھا ہے۔لہٰذا یہ کتابیں سو سال بعد لکھی گئی ہیں۔

یہ ایک دھوکا ہے، مغالطہ ہے۔ اس مغالطے کو اس طرح سمجھیں۔ یہ جو تاج کمپنی

والا قرآن مجید تمام لوگ پڑھتے ہیں لازم ہے کہ کمپنی والوں نے کسی کاتب سے لکھوایا پھر اسے چھپوایا تو اب کمپنی والے قرآن مجید کو پکڑ کر کوئی شخص کہنا شروع کر دے:

"یہ قرآن مجید چودہ، پندرہ سو سال بعد میں لکھا گیا ہے۔ اس وقت لکھا ہوا نہیں تھا۔"

اس کی دلیل کو کیا نام دیا جائے گا؟ کیا اس کی بات دلیل اور حجت بنے گی؟ نہیں! جس طرح اس کی یہ دلیل قابل حجت نہیں۔ اس طرح اس کی یہ بات بھی قابل حجت نہیں کہ حدیثیں دو سو سال بعد لکھی گئیں۔ بالکل بودی اور بے اصل دلیل ہے، نرا مغالطہ ہے، دھوکا ہے۔

دراصل اس قسم کے مغالطے پیش کرنے والے بازی گر ہیں۔ لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں۔ جس طرح تاج کمپنی والے قرآن مجید کو دیکھ کر یہ نہیں کہہ سکتے کہ چودہ، پندرہ سو سال بعد میں لکھا گیا۔ صحیح بخاری، صحیح مسلم، ابو داؤد وغیرہ کتابوں کو دیکھ کر بھی یہ نہیں کہہ سکتے کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت و حدیث دو سو سال بعد لکھی گئی تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں سنت و حدیث بھی لکھی جاتی تھی۔ قرآن مجید بھی لکھا جاتا تھا۔ اسی دور سے ان دونوں کا لکھنا شروع ہو گیا ہے۔ اہل اسلام آج تک دونوں کو لکھ رہے ہیں، قیامت تک دونوں کو لکھتے رہیں گے۔ انشاء اللہ العزیز

حدیث بھی رسول اللہ ﷺ کے دور میں لکھی جاتی تھی:

① ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

"فَإِنَّهُ كَانَ يَكْتُبُ وَلَا أَكْتُبُ"

عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی سنت و حدیث لکھتے تھے۔ میں لکھتا نہیں تھا حفظ کرتا تھا۔ اس سے ثابت ہوا کہ عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما

رسول اللہ ﷺ کے دور میں نبی کریم ﷺ کی حدیث لکھا کرتے تھے۔

② مسند امام احمد اور سنن ابی داؤد میں ہے: عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

میں نبی ﷺ کی ہر بات لکھ لیا کرتا تھا۔

"فَانْتَهَنِی قُرَيْشٌ"

"قریش نے مجھے منع کیا"

رسول اللہ ﷺ کبھی کسی حالت میں ہوتے ہیں کبھی کسی حالت میں ہوتے ہیں، کبھی آپ غضب میں ہوتے ہیں تو تم رسول اللہ ﷺ کی ہر بات لکھ لیتے ہو۔ دیکھا کرو کون سی بات لکھنے والی ہے، کون سی بات لکھنے والی نہیں۔ عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کچھ لوگ اس طرح کہتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"لکھا کرو میری زبان سے جو نکلتا ہے وہ حق ہی ہوتا ہے۔ حق کے علاوہ میری زبان سے کچھ نہیں نکلتا، اس لئے لکھ لیا کرو۔"

تو رسول اللہ ﷺ نے لکھنے کی اجازت دے دی۔ یہ منع والی بات تو نہیں۔ بلکہ رسول اللہ ﷺ تو فرماتے ہیں لکھ لیا کرو۔

③ عبداللہ بن عمرو بن العاص نے کتاب لکھی جس کا نام "الصحیفة الصادقه" رکھا۔ وہ کہتے تھے نبی اکرم ﷺ کے بعد اس دنیا میں رہنے کو جی نہیں چاہتا صرف دو چیزوں کی وجہ سے جی رہا ہوں۔ یتیموں کی جاگیر کی حفاظت اور دوسرا "الصحیفة الصادقه" اسے سامنے رکھتا ہوں تو جینے کو دل کرتا ہے۔

متعدد کتابوں میں اس صحیفہ صادقہ کا اکثر حصہ موجود ہے۔ مسند احمد میں ہے، کہتے ہیں: آج کل یہ صحیفہ الگ بھی طبع ہو گیا ہے۔ اہل الحدیث نے وہ حدیثیں من و عن بیان کیں۔

منکر حدیث کے ساتھ مناظرہ:

میرے ایک ساتھی تھے وہ کہنے لگے جی ہمارے علاقے میں ایک آدمی ہے منکر حدیث۔ ہمیں تو بات نہیں کرنے دیتا۔ آپ لوگ اہل حدیث ہیں آپ کی نظر حدیث پر ذرا بہتر ہوتی ہے تو میرے ساتھ چلیں اس کے ساتھ بات کریں۔ میں نے کہا ٹھیک ہے وہ مجھے لے گیا اور اس منکر حدیث کو بھی بلا لیا وہ بھی آ گیا۔

میں نے کہا جی کیا بات ہے؟

کہنے لگا حدیث حجت نہیں، یہ تو لکھی ہوئی نہیں تھی۔ دو سو سال بعد میں لکھی گئی ہے۔ حجت کیسے بن گئی؟

میں نے کہا:

آپ کے ہاں یہ اصول وضابطہ ہے کہ جو چیز لکھی ہوئی ہو وہ حجت ہے۔ جو لکھی ہوئی نہ ہو وہ حجت نہیں؟

کہنے لگا: آپ بالکل ٹھیک سمجھے ہیں۔ یہی ہمارا موقف ہے۔

میں نے کہا: ٹھیک ہے پھر قرآن مجید کے علاوہ تو کوئی چیز آپ تسلیم نہیں کرتے۔ چنانچہ یہ اصول اور ضابطہ قرآن مجید سے نکالو کہ جو چیز لکھی ہوئی ہو حجت ہے، جو لکھی ہوئی نہ ہو وہ حجت نہیں، قرآن مجید کی آیت پیش کرو، ادھر ادھر نہیں جانا۔

اب وہ دیکھنے لگا، کبھی ادھر دیکھے کبھی ادھر دیکھے۔ کوئی آیت ہو تو پڑھے؟ جی! فلاں حدیث میں فلاں چیز آتی ہے۔ میں نے کہا وہ بات بعد میں کرنا پہلے یہ اصولی چیز ثابت کرو۔

کوئی آیت ہوتی تو پیش کرتا، اٹھ کر چلا گیا۔ میرے ساتھی فرمانے لگے اس نے تو دو منٹ بھی نہیں نکالے۔ میں نے کہا: ان کے ساتھ طریقے سے بات کرو تو فوراً اللہ

کے فضل وکرم سے ان کا ناطقہ بند ہو جائے گا۔

دونوں مقدمے غلط ہیں:

① ''حدیث لکھی ہوئی نہ تھی۔''

یہ بات بھی بے بنیاد ہے حدیث تو لکھی ہوئی تھی۔

② ''جو چیز لکھی ہوئی نہ ہو وہ حجت نہیں ہوتی۔''

یہ بات بھی غلط ہے۔

انبیاء ﷺ کی طرف وحی کی گئی وہ لکھی ہوئی نہیں تھی وہ حجت ہے۔ اگر کہا جائے کہ وہ حجت نہیں تو انبیاء کرام ﷺ کے مقابلے میں آنے والے کافر کیوں قرار دیئے گئے؟ انہیں نیست و نابود کیوں کیا گیا؟

جو لکھی ہوئی ہو وہ بھی حجت ہے جو لکھی ہوئی نہ ہو وہ بھی حجت ہے۔ بلکہ بسا اوقات ایک چیز لکھی ہوئی ہوتی ہے مگر اس کی سند اور ثبوت کوئی نہیں ہوتا۔ کیا وہ بھی حجت ہوتی ہے؟ یہ ضعیف اور موضوع روایات لکھی ہوئی ہیں کتابوں میں یا نہیں۔ کیا یہ حجت بن گئی ہیں؟ قطعاً نہیں۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ سے لکھی ہوئی ثابت نہیں ہوتیں۔ حالانکہ تحریری طور پر موجود ہیں لیکن حجت نہیں۔

زبانی بات بھی حجت ہے اگرچہ لکھی نہ ہو:

تو اصل بات یہ ہے کہ چیز مستند ہو ثابت ہو لکھی ہو یا نہ ہو دونوں طرح حجت ہے۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

﴿ وَجَآءَ مِنْ اَقْصَى الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ يَّسْعٰى قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّىْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴾ (القصص:۲۰)

''شہر کے کنارے سے ایک آدمی نے آکر موسیٰ سے کہا برسر اقتدار لوگ

آپ کے قتل کے منصوبے بنا رہے ہیں۔"

باہر سے آنے والے نے کوئی رقعہ پیش کیا تھا یا زبانی کلامی کہہ رہا تھا؟ موسیٰ علیہ السلام نے یہ تو نہیں کہا تیری یہ بات لکھی ہوئی نہیں ہے اس لئے میں اسے نہیں مانتا۔ میں اسے حجت نہیں سمجھتا۔ بلکہ اس کی بات کو حجت سمجھا۔ لہٰذا ثابت ہوا خبر واحد حجت ہے۔

خبر واحد والا مسئلہ بھی ثابت ہوا ہے۔ اسی خبر واحد کی ایک اور دلیل قرآن مجید میں موجود ہے:

﴿ فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ قَالَتْ اِنَّ اَبِيْ يَدْعُوْكَ لِيَجْزِيَكَ اَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا فَلَمَّا جَآءَهٗ وَ قَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ قَالَ لَا تَخَفْ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴾

"موسیٰ علیہ السلام کے پاس دونوں میں سے ایک عورت نے آ کر کہا میرا باپ بلا رہا ہے............"

موسیٰ علیہ السلام نے یہ نہیں کہا تحریر پیش کرو بلکہ اس کی بات مان لی اور اس کے گھر تشریف لے گئے۔ ثابت ہوا کہ یہ کہنا "لکھی ہوئی ہو تب حجت ہے۔" یہ بات عقل ونقل کے خلاف ہے ایسا اعتراض کرنے والا شخص قرآن وسنت کا منکر ہے۔ موسیٰ علیہ السلام خبر واحد کو قبول کر رہے ہیں۔ نبی ﷺ کو جبرائیل علیہ السلام نے قرآن سنایا، آپ ﷺ نے مان لیا حالانکہ وہ لکھا ہوا نہ تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے اللہ کا یہ فرمان کفار کے آگے پیش کیا انہوں نے کہا: آسمان پر چڑھو اور لکھی کتاب لاؤ پھر ایمان لائیں گے۔ یہ تو کفار کا ذہن ہے۔ نبی کریم ﷺ نے جبرائیل علیہ السلام سے سن کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مکہ والوں کو سنایا تو کیا حجت ہے یا نہیں؟

لکھا ہوا کوئی نسخہ تو نہ تھا۔

نبی کریم ﷺ نے امراء و سلاطین کو احکام الٰہی دے کر بھیجا لکھ کر تو کچھ نہ دیا تھا۔ دنیا بھر کے کاروبار رک جائیں۔ سارا نظام درہم برہم ہو کر رہ جائے، اگر لکھی ہوئی تحریر شرط ہو یہ بات عقل و نقل کے خلاف ہے۔

بعض اوقات لکھی ہوئی چیزیں بھی حجت نہیں بنتیں، اصل بات یہ ہے کہ چیز مستند ہو بے شک لکھی ہوئی نہ بھی ہو۔

کتاب و سنت کی حفاظت:

کتاب و سنت دونوں کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے لیا ہے۔ اس لئے من وعن موجود ہیں، اگر یہ دونوں محفوظ نہ رہیں تو دین کیسے رہے؟ اس نے قیامت تک باقی رہنا ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴾

اس آیہ مبارکہ میں لفظ ذکر ہے، کتاب و سنت نہیں آیا۔ ذکر میں قرآن بھی شامل ہے حدیث بھی شامل ہے بلکہ ذکر سے پتہ چلتا ہے کہ آدم علیہ السلام سے لے کر نبی کریم ﷺ تک جتنی وحی نازل کی "ذکر" کا لفظ سب کو شامل ہے۔

سورہ طٰہٰ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَایَ فَلَا یَضِلُّ وَ لَا یَشْقٰى وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِیْشَةً ضَنْكًا وَ نَحْشُرُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَعْمٰى ﴾

ان آیات میں پہلے "ھدی" کہا، پھر "ذکر"

ذکر سے مراد ہدایت ہی ہے۔ آدم علیہ السلام سے لرکر نبی کریم ﷺ تک آنے والی تمام وحی ذکر تھی ۔ ﴿فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَایَ﴾ سیاق وسباق سے پتہ چلتا ہے کہ ذکر سے مراد "حدی" ہے۔ حالانکہ ہونا یہ چاہئے تھا "فَمَنْ لَمْ يَتَّبِعِ الْهُدَىٰ" چونکہ حدی اور ذکر ایک ہی ہے اس لئے ﴿وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي﴾ کے الفاظ ذکر فرمائے۔

آج کل بے شار کتب لکھی گئیں جن میں موضوع روایات کی تخریج ہے:

١۔ تذكرة الموضوعات

٢۔ الفوائد المجموعه

٣۔ موضوعات ابن جوزی

٤۔ "سلسلة ضعيفه" یہ دس جلدوں میں ہے، ہر جلد میں ۵۰۰ روایات ہیں۔

ان کتابوں سے موضوع اور ضعیف روایات کا پتہ چل جاتا ہے، جو حدیث کی حفاظت پر دلالت کرتی ہیں۔ یعنی جب ضعیف روایات کا پتہ چل گیا تو صحیح روایات کی خود حفاظت ہوگئی۔

((......❁❁❁......))

یادداشت

مولانا عبداللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی میں ہی حافظ عبدالمنان نور پوری رحمۃ اللہ علیہ کو جامعہ محمدیہ چوک نیائیں میں اپنی مسند کا وارث بنا دیا تھا۔

حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسند کا حق ادا کیا اور لوگوں کو ہر روز فجر کی نماز کے بعد درس قرآن، خطبہ جمعہ، ماہانہ مقالہ اور سوالات کے جوابات کی صورت میں قال اللہ وقال الرسول کی دعوت دی۔ حافظ صاحب نے جامعہ محمدیہ چوک نیائیں میں سب سے پہلا درس 15 مارچ 1998ء بروز اتوار کو دیا اور آخری درس حافظ صاحب نے 15 فروری 2012ء بروز بدھ کو دیا اور اسی دن مغرب کے بعد آپ کو فالج کا اٹیک ہوا، آخری وقت تک اس مسند پر فائز رہے۔ 14 سال اس مسند سے اپنے علم وعمل کے ذریعہ لوگوں کو اتباع سنت کے پابند رہنے کی دعوت دیتے رہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مساعی کو قبول فرمائے آمین۔

عمل سے ہی زندگی بنتی ہے

جنت عمل کی ہی بنیاد پر ملے گی بفضلہ تعالیٰ

جزاء بما کانوا یعملون

حافظ صاحب فرمایا کرتے تھے

ہر شخص قول وعمل، صورت وشکل، سوچ وعقل، کتاب وسنت کے مطابق بنالے تو ابھی اسلام آجائے گا۔

ادارہ تحقیقات سلفیۃ

نوشہرہ روڈ گوجرانوالہ 0300-7453436